نعرۂ مستانہ

(فکاہیہ کالموں کا گلدستہ)

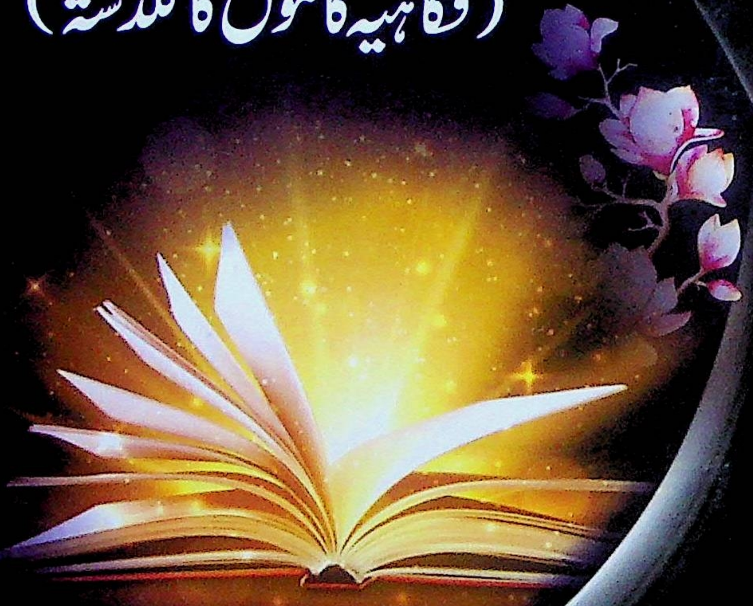

شفیع احمد

© جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

NARAI-E-MASTANA

by Shafi Ahmed

Year of Edition 2025
ISBN 978-93-6062-791-1
Price ₹ 700/-

نام کتاب : نعرۂ مستانہ (فکاہیہ کالموں کا گلدستہ)
مصنف : شفیع احمد
سالِ اشاعت : ۲۰۲۵ء
ضخامت : ۴۳۲
قیمت : ۷۰۰/ روپے
تعداد : ۵۰۰
مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔ ٦

ملنے کے پتے

☆ سیفی بک ایجنسی ممبئی۔ M.9820480292
☆ بک امپوریم، پٹنہ۔ M.09304888739
☆ پاریکھ بک ڈپو، لکھنؤ۔ M.9389456786
☆ مرزا ورلڈ بک ہاؤس، اورنگ آباد۔ M.09325203227
☆ کشمیر بک ڈپو، سری نگر۔ M.09419761773
☆ وطن پبلیکیشنز، سری نگر۔ M.09419003490
☆ نعیم بک سیلرز، مئوناتھ بھنجن۔ M.09450755820

☆ کتاب دار، بک سیلر، پبلشر، ممبئی۔ Ph.09869321477
☆ عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ۔ M.09433050634
☆ رائی بک ڈپو، الہٰ آباد۔ M.07905454042
☆ ایجوکیشنل بک ہاؤس، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔
☆ مکتبہ علم وادب، سری نگر۔ M.094419407522
☆ قاسمی کتب خانہ، جموں۔ M.09797352280
☆ ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، حیدرآباد۔ Ph.040-24411637

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.O. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.O. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 011- 41418204, 45678286, 45678203, 23216162
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

سیاست زدہ عوام کے نام

فہرست

پیش لفظ 11

دو باتیں شفیع احمد صاحب کے بارے میں 13

صاحبِ کتاب کے تاثرات 15

1- وطن کا سر نہ دستار ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا 17

2- بازیچۂ اطفال ہے کشمیر مرے آگے 22

3- جمہوریت کا حساب برابر! زخم قلم دے کنول نمک چھڑکے 26

4- باقی سب خیریت ہے 31

5- اے غم دل کیا کروں اے وحشت دل کیا کروں 36

6- ابھی تخت کے امتحاں اور بھی ہیں 41

7- تماشائے اہلِ قوت دیکھتے ہیں 46

8- کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا 51

9- کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا 57

10- حملہ آور خبردار، ناری سینا ہے تیار 62

11- کیا ہوئی ظالم! تیری غفلت شعاری ہائے ہائے! 67

12- جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے 71

13- تماشائے اہل سیاست دیکھتے ہیں 76

14- ناک پہ مکھی کا پہرا کان ہے مچھر کا گھر 81

15- کھلے گا کس طرح مضمون میرے مکتوب کا یارب! 86

16- ہوگئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر 91

17- دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار 96

18- کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو 102

19- جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا 107

20- بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا 112

21- کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں 117

22- قفس میں مجھ سے رُوداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم 122

23- صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے 127

24- لفظوں کے انتخاب نے رُسوا کیا کسے 132

25- ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اُس کی گردن پر 137

26- آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے 142

27- نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے 147

28- مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور 152

29- نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے 157

30- آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے 162

31- نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا 166

32- وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا 171

33- جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں 175

34- آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے 180

35- حسیب کے نصیب میں خسارہ دیکھئے 185

36- لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں 190

37- اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے 195

38- خواب ہیں پھولوں کے لیکن خار سے بھی دوستی 199

39- کفن نے بتایا پتہ قاتلوں کا 205

40- صداقت نہیں ہے سیاست کی لونڈی 211

41- بے گور و کفن عریاں ہے چوراہے پہ سیاست 217

42- پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں 223

43- بات ابھی باقی ہے 228

44- مٹھائی جھوٹ پر بانٹو پٹائی سچ کی ہونے دو 233

45- ہم اس کے ساتھ ہیں کہ تخت جس کے پاس ہے 238

46- تم بار بار پی چکے ہو جواں لہو 243

47- دھمکی کا دھماکہ اور ڈھولک ہے تاتھیہ 247

48- انگلینڈ سے آیا میرا دوست، دوست کو سلام کرو 252

49- گول مال ہے بھائی سب گول مال ہے 257

50- چشم نم سے جیو اشکِ غم کو پیو 262

51- نہ رہی بھینس نہ بجی بانسری 267

52- سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا 273
53- یہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کب ہوا؟ کیوں ہوا؟ 279
54- زمانہ چلا ہے قیامت کی چال 283
55- سیاست کے جنگل میں دَنگل نرالا 288
56- کیا بھیس کروں دیس میں کرسی ذرا بتا 293
57- ہم سے بھول ہوگئی ہم کا معافی دے دو 298
58- اُلو کی گھنی دُم 303
59- سیاست کی لاری میں کیا کیا سواری 308
60- لُوٹ کی یاں چُھوٹ دیکھو 313
61- اِدھر راگ ٹھمری اُدھر تان سینی 318
62- جنگ ہو ایسی کہ دَنگ رہ جائیں ہم 324
63- گولوں کی عید ہوگئی توپوں کی دیوالی 329
64- مالکِ دستار میرا چور چوکیدار ہے 335
65- کرسیوں کی بھیک دے دو جھوٹ کی خیرات لو 340
66- واہ مودی جی آہ مودی جی!! 345
67- دربار تیرے پیار میں کشمیر نو بہار ہے 350
68- کہیں مخمصے ہیں کہیں قہقہے 353
69- جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ 358
70- یہ سیاست کا فسانہ بھی بدل جائے گا 363
71- غلط سوچو غلط بولو غلط کرنے کا فن سیکھو 367

72- مجرموں کے دید کی ہے کوتوالی منتظر 372

73- نوائے صبح میں صدائے چھہتر مکرر مکرر 375

74- ہم نے دیکھا اِک کھیل رستے میں 380

75- جیسے عاشق کا جنازہ جیسے مجنوں کی برات 385

76- گنجے سر پر یہ سیاسی تیل مالش خوب ہے 390

77- کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا 395

78- کس دن ہمارے سر پہ نہ آرا چلا کئے 400

79- تماشوں کے آگے طمانچوں کا سرگم 406

80- رشوت ہے اَمارت کی ضمانت میرے ہمدم 411

81- بربادی گلستاں کو بس ایک ہی اُلو کافی ہے 416

82- مطلب کا یار ہوں میں جنت ہے میرا پیار 422

83- رہنے دو پادشاہی کے کچھ خواب مرے آگے 428

* *

پیش لفظ

یوں تو طنز اور مزاح جڑواں بھائی ہیں۔ ان میں خونی رشتہ ہے لیکن طنزیہ تحریر میں جگت بازی اور بزلہ سنجی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ کام انتہائی مشکل ہے۔ اردو میں اس صنف ادب میں بہت کم لکھا گیا ہے، لیکن جتنا لکھا گیا ہے وہ کمال ہے۔ پطرس بخاری، شوکت تھانوی، کنہیا لال کپور، فکر تونسوی، چراغ حسین حسرت، ضمیر جعفری، انور مسعود، مجتبیٰ حسین، اِبن اِنشا وغیرہ ایسے نام ہے جنہوں نے اردو ادب کو طنز و مزاح اور ظرافت سے مالا مال کیا ہے۔ مشتاق یوسفی نے تو اپنے فن پاروں کی بدولت قارئین پر گہری چھاپ چھوڑی ہے۔ ہندی ادب میں ہری شنکر پرسائی، شری لال مشکل اور سمپت سرل نے مقبولیت کی حدوں کو چھوا ہے۔ پنجابی ادب تو طنز و مزاح کا خزانہ ہے۔ بات سے بات پیدا کرنا پنجابیوں کی فطرت میں ہے۔

یہی صفت کشمیری زبان کی بھی ہے۔ کشمیری زبان کے ریڈیائی اور ٹیلی وژن ڈرامے اس بات کے گواہ ہیں۔ کشمیری ادیبوں نے اردو زبان میں بھی طنز و مزاح اور قابل قدر ادب پیدا کیا ہے۔ روزنامہ آفتاب کے مدیر ثنا اللہ بٹ جب تک زندہ رہے۔ ''خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے'' عنوان سے آفتاب میں طنزیہ کالم لکھتے رہے۔ مشہور کارٹونسٹ بشیر احمد بشیر کے کارٹون روزنامہ ''سرینگر ٹائمز'' کی زینت بنتے ہیں جن میں ملک اور خصوصاً جموں و کشمیر کے سیاسی اور سماجی منظر نامے کا طنزیہ عکس قارئین کی دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔

طنز و مزاح کے اسی دشت میں پچھلے چند سالوں سے صحرانوردی کرتے ہوئے جو نیا نام ابھر کر سامنے آیا ہے وہ خوش بخت شفیع احمد صاحب کا ہے جو پیشے سے انجینر ہیں لیکن ریشے سے

طنز نگار۔ گویا دو آتشہ ہیں۔ دونوں کام تعمیراتی ہیں۔ نا موافق حالات میں سماج کی تعمیر کرنا۔ وہ پھر چاہے سڑکیں اور عمارتیں بنا کر کی جائے یا پھر طنزیہ نشتروں کے ذریعہ معاشرے کو خواب غفلت سے جگانے اور نام نہاد رہنماؤں کو راہ راست پر لانے کیلئے ہو۔ شفیع احمد صاحب ادبی اکھاڑے میں اردو، انگریزی اور مادری زبان کشمیری میں طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں لیکن جہاں تک ان کے طنز و مزاح کے مضامین کا تعلق ہے تو وہ میں نے صرف اردو میں ہی پڑھے ہیں اور وہ بھی روزنامہ کشمیر عظمیٰ کے حوالے سے۔ انکی طنزیہ تحریروں کا ذائقہ چکھنے سے معلوم ہوا کہ تہہ میں تلخ و شیرین کا احساس شدت سے ابھرتا ہے، ان طنزیہ مضامین میں کبھی زعفران کے کھیت لہلہاتے نظر آتے ہیں تو کبھی جھیل ڈل کے کناروں پر کھڑے بارود کے غبار میں اٹے اداس شکارے اپنے بے یارو مددگار ملاحوں کا مرثیہ پڑھتے ہیں۔

پچھلے ۲۷ سالوں سے جموں و کشمیر کی سیاسی ناہمواریوں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور متواتر لکھا جا رہا ہے لیکن سیاسی اور سماجی موضوعات پر طنزیہ مضامین بہت کم لکھے گئے ہیں۔ کافی مدت سے ایک خلا سا پیدا ہو گیا تھا جسے شفیع احمد صاحب نے پُر کیا ہے۔ کشمیر کے سیاسی حالات اور دہلی کی بیڑیوں میں جکڑے مقامی حاکموں کی عیاشیوں پر شفیع صاحب نے بھرپور طنز کیا۔ وہ بات سے بات نکالنے میں ماہر ہیں۔ زبان و بیان کا معیار بھی برقرار رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر میں سیاسی مشاہدے کی گہرائی اور وسعت بھی ہے۔ وہ ظاہر اور باطن میں ربط اور بے ربطی سے باخبر ہو کر لکھتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں شگفتگی ہے۔ شخصیت میں خوش اخلاقی اور اُنسیت ہے۔ محبت اور مرُوت ہے۔ فطری سادگی ہے۔ ان باتوں کا احساس قارئین کو مضامین پڑھ کر ہو گا۔ کتاب چھاپنے کے لئے دلی مبارکباد۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

مخلص
خالد حسین
19/2 گرین ہل کالونی
بٹھنڈی۔ 181152 جموں۔

❋❋

دو باتیں شفیع احمد صاحب کے بارے میں

وادیٔ کشمیر میں اردو ادب کا قافلہ جن ادیبوں، شاعروں، صحافیوں، کالم نویسوں، دانش وروں اور شائقینِ ادب کے دَم قدم سے رواں دواں ہے، اُن میں ناول نویس، ڈرامہ نگار، افسانہ نگار، تجزیہ کار اور فکاہی ادب میں اپنا ایک منفرد لب ولہجہ رکھنے والے انجینئر شفیع احمد صاحب سر فہرست ہیں۔ شفیع صاحب سے اَحقر کی کافی برسوں سے شناسائی ہے، میرے چہیتوں دوستوں میں سے ہیں، یاری دلداری میں

ادیبانہ شان اور وقار عیاں ہوتا ہے۔ میں نے ادب دوستی کی طویل مدت میں بخوبی محسوس کیا کہ موصوف کی ادبی شخصیت ہمیشہ محوِ پرواز رہی اور اُن کا ہر کالم، ہر کتاب، ہر تخلیق اور قلم کی جولانیاں ادبی اُفق پر نئے گل بوٹے سجاتی رہیں۔ علاوہ ازیں دو اور چیزیں اُن کی ذات کے ساتھ ویسی کی ویسی لپٹی رہیں جیسے پہلے دن دیکھیں: اول ان کی دلنواز مسکراہٹ، دوم ہنسنے ہنسانے کا معتدل مزاج۔ اس مزاج کو انہوں نے پہلے روز نامہ ”وادی کی آواز“ میں اپنے فکاہیہ کالم کی وساطت سے زندہ وجاوید رکھا، پھر روز نامہ ”کشمیر عظمیٰ“ میں ناچیز کے اصرار پر اپنا ہفتہ وار فکاہیہ کالم ”حظ وکرب“ برسوں لکھ کر اپنے اس مزاج کو نئی اڑان دی اور نیا آسمان بخش دیا۔ کالم میں شفیع احمد کے اندر دَبی حسِ ظرافت پھوٹ کر جہاں قارئین کا دل گدگداتی تھی، وہاں اُن کے طنز کا تیر ونشتر کسی ظالم نوکیلی سوئی کی چبھن کی طرح قاری کے دماغ کی خبر لیتا۔ یہ کالم قارئین میں بہت مقبول رہا۔ لوگ مجھ سے اکثر اس کے بارے میں اپنے بہت ہی اچھے تاثرات دیتے رہتے۔ کالم کو باقاعدگی کے ساتھ قلم بند کرنا اور سوگوار فضا میں ہر بار ایک نئے طنزیہ موضوع کی تلاش کر کے

کسی بڑی سی بڑی بات کو ہلکے پھلکے انداز میں پیش کرنا کوئی شفیع احمد سے سیکھے۔ ''حظ و کرب'' کے کالموں کو اب ایک ہی جگہ جمع کر کے کتابی صورت میں پیش کر کے شفیع صاحب نے ایک بہت مبارک کام کیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی یہ مساعیٔ جمیلہ قبول کرے اور آئندہ بھی

ممدوح کی قلمی کاوشوں اور اُن کی ادبی تخلیقات سے مادرِ وطن کشمیر میں اردو ادب کا حال اور مستقبل جگمگاتا رہے۔

ش۔ م۔ احمد

* * *

صاحبِ کتاب کے تاثرات

آج کل کے پر تناؤ ماحول میں طنز و مزاح کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہے کہ دل و ذہن سے دباؤ کسی حد تک ہٹ جائے اور مسکان یا قہقہہ نصیب ہوتا کہ انسان کو چین محسوس ہو۔ اس بات کو مدنظر رکھ کر مقتدر اخبار کشمیر عظمیٰ کے نائب مدیر جناب ش م احمد کے ساتھ مشورہ کر کے ایک ہفتہ وار کالم بعنوان حظ و کرب کئی سال پہلے شروع کیا گیا۔ اس کالم کو مسلسل قائم رکھنے کے بعض قارئین کے فون حوصلہ افزائی کا کام کرتے رہے جو ریاست جموں و کشمیر کے اطراف سے آتے رہے اور کالم میں موجود طنز و مزاح سے محظوظ ہوتے رہے۔

بقول مختار ٹونکی ”نتھو حلوائی اور کلن خان پان فروش غالب اور اقبال کے ادب سے اتنی رغبت نہیں رکھتے جتنی کہ مجید لاہوری اور فکر تونسوی کے ادب سے رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ عوامی ادب ہے اور سیدھا ان کی زندگی سے جڑا بندھا ہوتا ہے۔ وہ اسی طرح کے ادب کے رسیا ہوتے ہیں اور چسکے لے لیکر اسے پڑھتے ہیں۔“

کئی برس پر پھیلے ہوئے ان کالموں کو کتابی صورت دینے کا مقصد مستقبل کے لئے محفوظ کرنا ہے کہ یہ جموں و کشمیر میں مختلف سیاسی اور سماجی اتار چڑھاو کے گواہ ہیں اور ان سے ضروری ریفرنس کے لئے بھی استعمال کیا جا سکے۔ اور ساتھ میں سیاسی و سماجی تبدیلیوں سے متعلق عام رائے کس قسم کی تھی اس پر بھی تبصرہ موجود ہے۔

کالم لکھتے ہوئے اسے چست کرنے کے لئے کئی شاعروں کے اشعار یا تو براہ راست یا پیروڈی کی شکل میں استعمال کئے گئے۔ اگر چہ ان شعرا کے نام ساتھ میں تحریر کئے لیکن کہیں کہیں

کسی وجہ سے وہ ریفرنس رہ گئی جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ اخبار میں جگہ دینے کے لئے ش م احمد (نائب مدیر کشمیر عظمیٰ) پہلے قاری بن جاتے۔ وہ مضمون کو درست کرنے میں دلچسپی سے کام لیتے جس کے لئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ میں معروف ادیب جناب خادم حسین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے مسودے کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا اور مجھے مفید مشوروں سے نوازا۔ میں جواں سال ادیب اور تنقید نگار سہیل سالم کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے حرف بحرف مسودہ پڑھکر نوک پلک سنوارنے میں مدد کی۔ میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دلی کی پوری ٹیم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی محنت کے بغیر یہ مسودہ لائق چھپائی نہ بنتا۔

شفیع احمد، سرینگر (کشمیر)

* * *

وطن کا سرنہ دستار

ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

چلو شکر کرو کہ ہم نئے سال میں سانس لے رہے ہیں، بھلے ہی ہمارے پھیپھڑوں میں مرچی گیس کا چل چلاؤ کر دیا گیا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ زندہ ہیں کیونکہ ہم زندہ تھے ہی کہاں جو مر جائیں۔ اس لئے کہ ہم کشمیری ہیں اور سودا سلف بیچنے والوں کی طرح کمرشل اسکیم کے تحت بازارِ زیست میں چلتے پھرتے ہیں۔ بھلے ہم ایک قوم ہیں لیکن ہمارے دعویدار دو بلکہ اب تین مہاشے ہیں۔ ایک کی ہم شہ رگ ہیں، دوسرے کا اٹوٹ انگ اور تیسرا اپنے کے شبدوں اور ترشولی ترنم سے کرالہ یار اور شیتل ناتھ کے پٹوار تک ہی ہماری زمینوں پر حق نہیں جتاتا بلکہ اب خیر سے پنن کشمیر کے راگ بھیروی میں جھوم کر کھنہ بل سے کھادن یار تک ہمیں بے گھر و بار دیکھنا چاہتا ہے۔ شاید اسی لئے ہمیں جب ہول سیل میں مارنے کی نوبت آتی ہے، جو پچھلے سالہا سال سے آتی رہتی ہے، تو ہم اکیلے نہیں مرتے بلکہ ایک کے ساتھ ایک یا دو فری مارے جاتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو پچھلے مہینوں کی یاد تازہ کر لیجئے۔ ہم تو آپ کو ماضی میں لے کر جاتے لیکن یاد ماضی عذاب ہے یارب اور دوسرے ہم پر نسیاں کا کچھ زیادہ ہی اثر رہتا ہے۔ اسی لئے ہم جب سال رفتہ ۲۰۱۶ء کی بات پر ایک دوسرے کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں بلکہ کٹہرے میں کھڑا کرتے ہیں تو ۲۰۱۰ء بھول جاتے ہیں یعنی ہم ایک دوسرے کے پیچھے چلتے بھاگتے بندر بن جاتے ہیں۔ باقی آپ سمجھدار ہیں اور ہماری اناپ شناپ آپ کے پلے تو بے شک پڑ گئی ہوگی۔

ہم تو اہل کشمیر ہیں اور عجب مخلوق ہیں، اس لئے ہمارے ساتھ عجب پریم کی غضب کہانی روا رکھی جاتی ہے۔ اس عجب کہانی میں ہمارا ایک جوکری کردار بھی ہے۔ ہماری موت پر وہی اشک شوئی کرتے ہیں جو ہاتھوں میں تیر و تفنگ رکھتے ہیں اور ہم ہیں کہ تعریف کرتے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں کہ دیکھو اگر مار بھی ڈالا تو لاشے کو پیڑ کی چھاؤں میں ڈال دیا کہ کہیں دھوپ سے خراب نہ ہونے پائے اور ہماری میت پر روئے بھی تو کتنا، خوب جی بھر کے ٹسوے بہائے۔ جی کرتا تھا کہ کچھ لمحے جان آجائے اور ہم اٹھ کر ان کی ہمدردی کے گن گان کر کے پھر مر جائیں۔ یقین نہ آئے تو یاد کر لیجیے ہم نے تو ۱۹۹۶ میں زمام اقتدار سنبھالتے ہی چلہ خورد نے اشک بہا بہا کر وعدہ کیا تھا سارا ہندوستان ہمارے پیچھے ہے۔ تب سے ہندوستانی بندوق ہمارے سینوں کے آگے، پیلٹ ہماری سر آنکھوں پر۔ سنتان نے اسمبلی میں ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اعلان کیا کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں، بس بڑی مشکل سے خون سے دھوئی ہوئی کرسی ہاتھ لگی ہے جسے از راہ انسانیت، کشمیریت و جمہوریت تھامے ہوئے ہیں۔ اب کے ۲۰۱۶ء میں بھی یہی ٹریڈ مارک ٹسوئے بہائے جاتے ہیں بلکہ انہیں ہی گلے مل کر بہاتے ہیں جن کے لخت جگر کاٹے گئے اور قلم اور کیمرے کی گواہی کے سامنے کاٹے گئے۔ ہم چونکہ عجب مخلوق ہیں اس لئے ہمیں اس بات کا سبق بھی پڑھایا جاتا ہے کہ بچوں کو تازہ سبق یاد کراؤ کہ پتھر بازی کے جواب میں گولی ملے گی کیونکہ وقت گزرتے اور اقتدار ملتے ہی ہم نے گولی نہیں بولی والا نعرہ بھلا دیا بلکہ اس نعرے کی ترتیب تھوڑی سی بدل کر اسے آگے پیچھے کر کے رکھ دیا، یعنی اب بولی کے بدلے گولی ہمارا نعرۂ مستانہ ہے۔

اب کے ہم پر الزام بے وفائی ہے کہ ہم نے پولیس اسٹیشنوں پر دھاوا بول دیا، عمارتیں تہس نہس کیں، ہتھیار چھینے اور پھر نہ جانے وہ پولیس والے کہاں چلے گئے بلکہ کئی اہل کار اور ہتھیار اب بھی ہاتھ نہیں آرہے مگر بعد میں ہمیں بتایا گیا کہ اگرچہ دھاوا دمحال ہانجی پورہ میں بولا گیا تھا لیکن اس کا جرمانہ ٹینگہ پورہ میں بحالت مجبوری ادا کرنا پڑا۔ دمحال میں پولیس اہلکار اور ہتھیار غائب ہو گئے لیکن ہم ہیں کہ شہر کے وسط میں نمودار ہو کر گھر میں گھس کر گولی چلائی۔ ادھر دہقان نے حملہ کیا تھا، ادھر ہم نے ترکھان سے بدلہ لیا، حساب برابر۔ یعنی بانہال میں اونٹ نے کپاس کا

بیلا اڑایا ہم نے بارہمولہ میں دھنائی کرنے والے کی ناک کاٹ لی، کیونکہ جمہوری تماشے میں حساب برابر ہونا چاہئے جبھی تو انسانیت کو شرمسار کر کے کشمیریت تک اپنی رسائی ممکن ہے۔ اتنا ہی نہیں، الزام اور بھی ہیں کہ ہم نے وہ چھرے والی بندوق چہروں پر تان دی جسے ٹانگوں پر نشانہ سادھنے کا حکم ہے۔ ہم تو حکم حاکم سے کبھی پرہیز نہیں کرتے بلکہ بجالاتے ہیں لیکن کیا کریں وہ جو سامنے والا ہے وہ قانون کا النگن کرتا رہتا ہے۔ ایک تو پتھر پھینکتا ہے دوسرے اسی وقت پتھر اٹھانے کے لئے جھکتا ہے جب ہم ٹانگوں پر بندوق کا نشانہ سادھ لیتے ہیں۔ اب جو جھکا تو ٹانگوں کی سیدھ میں چہرہ آگیا اور چھرے لگ گئے، ہمارا کیا قصور؟ ایک تو اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں ، دوسرے ہم پر ہی الزام عائد کرتا ہے کہ آنکھوں کی بینائی اور چہرے کی خوبصورتی ختم کرنے میں ہمارا اشدھ صاف ہاتھ ہے۔ اور وہ دیکھو کہ ہم ہوا میں فائر کرتے ہیں لیکن یہ اسی وقت نعرہ لگانے کے لئے اُچھل پڑتے ہیں۔ ظاہر ہے ان حالات میں گولی تو سر میں لگنی ہی لگنی ہے۔ اتنا ہی نہیں جب ہم ڈرانے کے لئے ہوا میں شوقیہ فائر کرتے ہیں یا پیلٹ مارتے ہیں تو چھوٹی چھوٹی پھول جیسی بچیاں اپنا سر تیسری منزل کی کھڑکیوں سے باہر نکالتی ہیں۔ کبھی ہمارا سواگت کرنے یا شاباشی دینے کے لئے بھی ہاتھ ہلاتی ہیں تو ان کے چہرے پر پیلٹ لگ ہی جاتا ہے۔ بھلا اس میں ہمارا کیا قصور؟ اور اس کے بعد تو بڑے افسر نے کہا کہ پیلٹ کم مہلک ہتھیار ہے، اس لئے اس کا استعمال جاری رہے گا۔ بات تو سچ ہے پیلٹ سے کوئی مرا نہیں بھلے ہی اندھا ہوا ہو۔ یہ تو وہی بات ہوگئی، کیا کہتے ہیں کسی کے سر میں گولی لگی اور مر گیا، بے وقوف دوست میت دیکھنے آیا اور خوش ہو کر بولا شکر ہے گولی کان میں نہ لگی نہیں تو دوست عمر بھر کے لئے بہرہ ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ پیلٹ گن اٹوٹ انگ ہے جو اس وقت تک ہمارے ساتھ رہے گا جب تک کشمیر رہے گا ، بھلے ہی اس دوران کشمیری رہیں نہ رہیں۔

اور یہ جو سیل فون، انٹرنیٹ ہم نے بند کرایا یہ تو قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا تھا۔ ہم کو معلوم ہے کہ اہل کشمیر سیل فون کا بہت ہی زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ ضروری بات کرنے سے پہلے اور بعد میں خیر و عافیت دریافت کرنے میں کافی وقت گزارتے ہیں اور ساتھ میں پیسہ بھی ضائع کرتے ہیں۔ اسی لئے ہم نے سوچا کہ کرفیو ہے ہڑتال ہے اور یوں کاروبارِ زندگی بند ہے۔ یومیہ مزدوری

کا نام ونشان نہیں، ایسے میں پیسے کی شدید قلت ہے تو ناداری کے ایام میں روپیہ خرچ کرنا کہاں کی دانشمندی ہوئی؟ لیکن اہل کشمیر کہاں ماننے والے؟ وہ تو گھروں کے اندر قید ہو کر بھی بہت زیادہ باتیں فون پر کرتے اور یوں پیسہ ضائع ہوتا ہے۔ چونکہ ہم عوام کے ہمدرد ہیں جس کی گواہی ہماری اشک شوئی دے سکتی ہے، اس لئے فون بند کر کے ہم نے اپنے عوام کا روپیہ پیسہ بچالیا۔ رہی بات اخبارات کی، جب ٹریفک بند ہے، دوکانیں بند ہیں، سڑکیں سنسان ہیں تو اخبار کسی علاقے میں پہنچے گا کیسے؟ اور اگر پہنچ بھی گیا تو پڑھے گا کون؟ اخبار پڑھنے اور اس پر تبصرہ کرنے کا مزہ تو نائی کی دکان میں، دوکان کے تھڑے پر، پبلک پارک کے چبوترے پر، مسافر بس کی سیٹ پر یا پھر سرکاری دفتر کی میز پر آتا ہے اور جب یہ ساری چیزیں بند ہوں، پابند سلاسل ہوں تو اخبار پر پیسہ ضائع کرنے کی کیا تک؟

یہ اسکول کے بچے ہمیں دعائیں دے رہے ہیں کہ ہم نے گرمیوں کی تعطیلات کے بعد بھی اسکول بند کروادئے کیونکہ انہیں ابھی چھٹیوں کا مزہ پوری طرح نہیں آیا تھا۔ یقین نہ آئے تو پتہ کرو، وہ تو ہڑتال کرانے والوں کو کوستے تھے کہ ٹینشن اٹھایا، چھٹیوں کے دوران ہی ہڑتال کی کال دی، بعد میں نہیں دے سکتے تھے۔ کچھ دن اور اسکول بند ہونے کا مزہ لیتے۔ بچوں سے ہڑتال کے دوران پڑھائی کرانے کی بات کرو تو وہ فوراً کہہ دیں گے کہ اسکول جانے تک تو ہم بھول جائیں گے، اس لئے ابھی سے پڑھنے کی کیا ضرورت۔ اتنا ہی نہیں موجودہ دور میں گھر کے افراد کو کہاں ایک دوسرے سے بات چیت کا موقعہ ملتا ہے؟ ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع کہاں ملتا ہے؟ سب لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ میاں بیوی دفتر میں، بچے اسکول کالج میں، بزرگ افراد گھروں میں اکیلے بور اور اس دوران کرفیو بلائے ناگہانی نہیں بلکہ تحفہ قلم دوات کی صورت میں وارد ہوا۔ سبھوں کو گھروں کے اندر بیٹھے بات چیت کا موقع فراہم، بزرگوں کی پند و نصیحت کا سنہری موقع، میاں بیوی کی رومانس بھری چخ چخ، بچوں کا فضول ٹی وی پروگراموں سے ہٹ کر کچھ اور کرنا۔ اس کے لئے تو اہل کشمیر ہمارے مرہونِ منت ہیں اور اگر ہمارے سیاسی مخالف کچھ بھی لکھیں کہیں یا بیان بازی کریں، اس کا کوئی مطلب نہیں۔

اتنا ہی نہیں ہماری سرکار کو اب بیچ والی چھٹیوں اور زبانی جنگ سمیت کئی ماہ و سال بیت

گئے۔ اس دوران قسم ہے کہ ہم کبھی ملے ہوں۔ اسی کرفیو ہڑتال کے سبب ہمیں کچھ گھنٹے کل جماعتی میٹنگ کے حسین بہانے باہم دگر ملنے جلنے اور ایک دوسرے کا دیدار کرنے کا موقع ملا، نہیں تو ہم کہاں سرکار میں ملتے ہیں؟ پانچ ماہی دنگل میں کئی بار سرکار کی نیا ڈوبتی نظر آئی تو قلم دوات میں کنول کے مرجھائے ہوئے پھول کھلے اور ہم نے بھی مل کر دعاؤں میں حصہ لیا کہ اب کے یہ سرکار بچ جائے، جس کے تانے بانے قطبین شمال و جنوب کو ملا کر گٹھن کئے گئے ہیں، کیونکہ پتھر کی اس مورتی کو مادھو، حسیب اور رام نے مل کر تراشا ہے اور جس کی معیاد پوری ہونے کے بارے میں فتویٰ باضابطہ مفتی نے اجراء کیا ہے۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا
ہے ہر سو نظارہ تیر و تفنگ شمشیر کا

* *

بازیچۂ اطفال ہے کشمیر مرے آگے

اپنے چچا غالب، اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، کہہ گئے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

ہم تو اہل کشمیر ہیں اور دنیا ہمارے لئے ٹنل سے سادھنا ٹاپ تک سمٹ گئی ہے۔ یہ اور بات کہ کہنے کو تو دھرتی کی جنت میں رہتے ہیں۔ جنت میں رہتے ہیں شاید اسلئے ہمیں زندہ تصور نہیں کیا جاتا کہ چلو جنت کے لالچ میں مار ہی دو۔ لیکن ذرا غور سے دیکھو تو پتہ چلے گا کہ ہم تو بازیچۂ اطفال کے باسی ہیں۔ ہم کیا ہماری وقعت کیا، ہماری حیثیت کو تو باسی سمجھا جاتا ہے۔ اور چونکہ بازیچہء اطفال میں قیام پذیر ہیں اسلئے ہمیں کھلونوں سے بہلایا گیا ہے۔ جھوٹے وعدوں سے ٹرخایا گیا ہے۔ ہلکی تھپکیوں سے نہیں بلکہ تیز تھپڑوں سے سہلایا گیا ہے۔ خون ناحق میں نہلایا گیا ہے۔ کھلی سانسوں کے لئے ترسایا گیا ہے۔ ہمیں تو یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ آپ تو عوام ہیں اور سرداری آپ کا حق ہے۔ اور ہم ہیں کہ کہنے والوں کے دام فریب میں آتے گئے اور سب کچھ سچ مان کر چلے۔ ہمیں بتایا گیا کہ اپنا مستقبل خود چنو گے سو ہم نے مان لیا کہ یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔ ہم تو نعرۂ مستانہ لگانے سے گریز نہیں کرتے کہ جموں و کشمیر لداخ محاذ رائے شماری زندہ باد۔ ہم نے تو ہل والا جھنڈا لہرایا اور اونچی آواز میں چیخ پڑے کہ یی ببس خوش کرِ (جو عبداللہ چاہے) ہم نے جواباً کہہ دیا تی کرِ لولو (وہی کرے)۔ جب ڈبل فاروق کا راگ الاپا تو ہم نے بھی وہی ڈفلی بجائی۔ آزادی آزادی کا شور سنایا گیا تو ہم بھی اسی شور میں ڈوب گئے جب

تک لکہ پرے، ممہ کنہ، پاپا کشتواری وغیرہ کے قبیل نے اپنے طور آزادی کا مزہ چکھایا۔ پھر بھی ہمیں بتایا گیا کہ سرداری عوام کا حق ہے اور ہم نادان کہ اسی سنگیت پر ناچتے رہے اور ارباب اقتدار ناچ میری بلبل کہ پیسہ ملے گا والا گِٹار بجاتے رہے۔ اسمبلی الیکشن سے پیسہ، پالیمانی الیکشن سے پیسہ، پنچایت الیکشن سے پیسہ، لوکل باڈیز الیکشن سے پیسہ، حد تو یہ کہ پارٹی الیکشن سے پیسہ، بھلے وہ کنول کا الیکشن ہو یا ناگپوری دُھن کا گیت، ہم گاتے رہے اور ناچتے رہے۔ ارباب اقتدار تو مولی کے پراٹھے کھا کر حمام گرمانے کے عادی ہیں۔ اسی لئے وہ ہمیں بار بار یاد دلاتے ہیں کہ ہم ماریں گے، پیٹیں گے، توڑ پھوڑ کروائیں گے، آنکھوں پر وار کرائیں گے اور پھر تحقیقات کرانے کا بگل تب تک بجاتے رہیں گے جب تک آپ کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو۔ یعنی مارو کاٹو پھر مرنے والوں پر واویلا بھی کرو۔ ان کی موت پر ماتم بھی کرو، انسانی حقوق برقرار رکھنے اور پاسداری کرنے والا مذاق بھی کرتے جاؤ۔ یہ بھی کہو کہ ان کا خون رائیگان نہیں جائے گا۔

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا
(غالبؔ)

ہ خون تو اپنی کرسی بچانے کے کام آئے گا کیونکہ کنول والے اپنا پھول ہماری دوات میں اگا رہے ہیں۔ وہ جو مملکت خداداد سے آ کر بس گئے تھے ان کے لئے ہماری گردن پکڑ کر رہائشی سند لے گئے۔ اور جب ہم نے ذرا سی ہمت کر کے ۳۷۰ کی حمایت میں کچھ کہہ دیا تو بیچ اسمبلی ہماری طاقت کو للکارا گیا کہ طاقت کا اصل سرچشمہ کون اور کہاں ہے۔ ادھر اپنے بازیچۂ اطفال میں ارباب اختیار کا سرشتہ موجود ہے اس میں لوگ خاص وردی پہن کر نکلتے ہیں تو سارا اختیار اپنے ہاتھوں سمیٹ لیتے ہیں۔ ایسے میں ارباب اختیار و اقتدار کو بھی خاطر میں نہیں لاتے بلکہ بم، بارود، گولی کا من پسند استعمال کرتے ہیں۔ مجال ہے کہ کوئی انگلی اٹھائے بلکہ خود ارباب اقتدار بھی ان کی غلطیوں کو پس پردہ ڈال کر فوراً تحقیقات کا لبادہ اوڑ لیتے ہیں تا کہ ظلم تو آخر ظلم ہے جب بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے والی نوبت نہ پہنچے کیونکہ ایسا ہوا تو خود ارباب اقتدار پر بھی سوال اٹھائے جائیں گے ۔

قاتل اگر ہے وہ تو کوئی بات بھی تو ہے
یوں خون میں لباس کوئی سانتا نہیں
(شمس تبریزی)

خود اربابِ اقتدار نے اپنے لوگوں کے لئے روزگار میلہ منعقد کیا۔ پر وہ جو کبھی نہ کھیلا ہو لیکن اسے کھیل کا ملازم بنایا گیا۔ میر تو ہوٹل والا ہے اسے سیاحت میں نوکر رکھا گیا جس میں کوئی قباحت نہیں اور وہ جو سیب کی قسم ہا کا نظام نہیں جانتا اسے محکمہ باغبانی میں رزق فراہم کرنے کا اہتمام کرنے کو کہا۔ اتنا ہی نہیں پارٹی جو پہلے پاپا ڈاٹر پارٹی تھی اسے ماما بھانجے کی جاگیر بنا دیا۔

گھر کے کچھ کام ہیں سو دلی کی تیاری ہے
کار دفتر کی ہے اور ٹور بھی سرکاری ہے
(شمس تبریزی)

چلو اللہ اللہ خیر صلا۔ قلم دوات اور کنول کا آپسی میل جول جب تک راس آئے تب تک چلے گا، بازیچۂ اطفال میں پوچھنے والا کون ہے البتہ اپنے ہل والے کبھی کبھار گہری نیند سے جاگتے ہیں اور ایک آدھ بیان داغ دیتے ہیں۔ وہ بچارے بھی کیا کریں؟؟؟ انہوں نے بھی ماضی میں جو بویا وہی کاٹ رہے ہیں۔ کس منہ سے تحقیقات پر زور دیں وہ پرانی باتیں کاٹنے کو دوڑتی ہیں۔ کس انداز میں ۳۷۰ کے نام لیوا بنیں کہ اس کی بیخ کنی میں کوئی کسر تو باقی رکھی نہیں۔ خون ناحق بہانے پر تو انہوں نے بھی اپنا حق کب کا جتایا۔ مقبول، افضل اور ۲۰۱۰ کا گرم گرم لہو تو ان کے ہاتھوں پر بھی خوشبو پھیلائے ہے۔ اور نجانے کس نے وہ شعر لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی کہا کہ ہل والے اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور جب جھانکتے ہیں تو قلم دوات، ہل، ہاتھ سب کی ایک جیسی بُو محسوس کرتے ہیں۔ رہا اپنا ایک عدد انجینئر وہ تو ہر دن، ہر لمحے، ہر جگہ یعنی شہر کیا گاؤں کیا، کھیت کیا کھلیان کیا، پہاڑ کیا ڈھلوان کیا، پٹتا ہے، جانتے بوجھتے اپنے پھرن تار تار کرواتا ہے۔ گلا پھاڑتا رہتا ہے غریبوں کی سنو تم ایک فوٹو لو گے وہ۔۔۔۔۔ پھر بھی جانے کیوں سیاسی لوگ اسے بھی بازیچہ اطفال کا باسی پکارتے ہیں۔

میں کیا کہوں کہ کیسا ہے اب حال ان دنوں
جوتی میں میاں بٹ رہی ہے دال ان دنوں
(شمس تبریزی)

اپنے حریت والے بھی بازیچۂ اطفال کے باسی ہیں کہ انہیں آئے دن اس طرح چار دیواری کے پیچھے رکھتے ہیں کہ وہ کہیں بھی ادھر چلو ادھر چلو میں شرکت نہ کر پائیں۔ کہیں تقریر نہ کر پائیں۔ البتہ وہ بھی اخباری بیان سے کام چلانے میں ماہر ہیں۔ چلو مان لیا کہ انہیں بھی یہ نہیں پتا کہ یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ کس کے ہاتھ میں ہے اور کون کرے گا لیکن وہ بھی ملکوں ملکوں گنتیوں میں اپنا شمار کرواتے ہیں۔ اسلامی ممالک کی تنظیم سے بھی دعوت نامہ وصول ہوتا ہے، مملکت خداداد سے بھی قوم کے غم میں ڈنر پر بلایا جاتا ہے، ممبران پارلیمنٹ بھی دروازے پر دستک دیتے ہیں۔۔۔ اور ہم ہیں کہ بازیچۂ اطفال میں دوکان کے تھڑے پر، نانوائی کے تندور کے آس پاس، ہریسے کی خوشبو سونگھتے ہوئے، اخبار پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے یہ فیصلہ کرنے لگتے ہیں کہ ہندوستان پاکستان کے ساتھ حتمی الحاق کی بات کریں یا خودمختار کشمیر کے فیصلے پر دستخط کر ڈالیں۔

درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے!
کیا ہوئی ظالم! تیری غفلت شعاری ہائے ہائے!
غالب

* *

جمہوریت کا حساب برابر!

زخم قلم دے کنول نمک چھڑکے

ہم نے تو سوچا تھا کہ دلوں کے راستے کھلیں گے لیکن وہ تو پہاڑی راستہ کھود کر اور کھول کر چلے گئے۔ ہمارا خیال تھا کہ دلی دل میں اترنے کی کوشش کرے گی لیکن وہ تو ناشری اور چننی جوڑ کر نکل گئے۔ ہم انتظار میں تھے کہ انسانیت کا درس کتابوں اور تقریروں سے نکال کر انسانوں پر آزمائیں گے لیکن وہ سیاحت اور دہشت گردی کا رونا رو کر چلے گئے۔ وشال بھارت دیش کے وزیر اعظم نے وہی راگ الاپا جو ہم برسوں سے سنتے ہی نہیں آئے ہیں بلکہ سمع خراشی کے دور سے بھی گزرے ہیں۔ اور اصل بات یہ ہے کہ سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں۔ اسی لئے ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے چھوڑتے نہیں کیونکہ اس میں بھی کافی محنت درکار ہے۔ اب ہم نے ایک کان سے سننے کا مروجہ طریقہ بھی بند کر دیا۔ سب کا ساتھ والے صاحب نے وہ شاعری کی جس کا ردیف قافیہ کب کا مرتب ہو چکا تھا۔ انسانیت جمہوریت کشمیریت وغیرہ وغیرہ ہم کو بتایا گیا تھا کہ اس میں شامل ہو جاؤ گے تو تمہاری تقدیر کھل جائے گی مگر ہمیں کیا پتہ تھا کہ ہمارے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے اور قسمت کے ستارے ایسے چمکیں گے کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ کیونکہ انسانیت کے دائرے میں ہمیں کبھی لایا ہی نہیں گیا اور جمہوری تماشے میں بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ ہم بھی ڈھیٹ کہ اس گننے اور تولنے کے کھیل میں ہم سات فیصد سے آگے نہیں بڑھے اور جب چانس پر چانس مارنے کی بات آئی اور دوسرا چانس دیا گیا تو ہم

دو فیصد تک ہی سمٹ گئے۔ ہمیں چونکہ فیصد والا کھیل بڑا بھاتا ہے، اس لئے یوں ہی بیٹھے بیٹھے وہ تقریر یاد آئی جس میں ہمیں پانچ اور پچانوے کے ترازو میں تولا گیا تھا بلکہ خود ایسے ترازو کا استعمال کرنے والے پانچ اور پچانوے کے ہیر پھیر میں پھنس گئے تھے کہ آج تک نکل نہ پائے۔ اب کی بار مفتی سرکار، مودی سرکار، الیکشن سرکار سر بازار نادار دکھائی دے گئے جب جمہوری بازار میں کوئی خریدار سامنے نہیں آیا بلکہ اس بازار نامراد میں جب کوئی چیز سستی ہم نے ڈھونڈی تو وہ کشمیری خون کی دھار دکھائی دی۔ اسے براہ راست بہانے میں یا چھروں کے ذریعے چھید کروانے میں سرکاری دستوں نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔ اور اس میں بھی مفتی سرکار کے ہند سے کام آئے۔ خود جمہوری تماشے کے دن ہی بندوں کو گن کر آٹھ کی قربانی دلائی اور جب تولا تو ہل والے قائد ثانی اور قلم دوات والے سیاسی بکرے کے بیچ جنگ میں اصل بات یہ ہے کہ دونوں ہار گئے۔ جمہوری تماشے میں ویڈیو جنگ کے ذریعے میدان کشت وخون کا نظارہ کرایا گیا۔

عجب رسم ہے چارہ گروں کی محفل میں
لگا کے زخم نمک سے مساج کرتے ہیں

بے چارے کشمیری تو بھاجپا کے سیاسی مشٹنڈوں کی نہیں بلکہ اللہ میاں کی گائے ہیں۔ جو لوگ انہیں پیلٹ، گولی، پاوا کا شکار بناتے ہیں اندھا کرتے ہیں انہیں بچاتے بچاتے نکال لائے کہ جا جا بیٹا رام بھلی کرے گا لیکن سرِ شام ٹی وی اسکرین پر واویلا مچانے والوں کو وہی ایک تھپڑ نظر آیا جو فوجی کے بدلے اس کے بیگ پر مارا گیا۔ پھر کیا تھا وہ جو کئی سال سے کرکٹ بورڈ کے دروازے پر بھیک مانگ رہا ہے کہ ماتا کی دوائی کا سوال ہے، بہن کی سگائی کا ملال ہے، بھائی کی پڑھائی کا بوال ہے، ایک بار بس ایک بار قومی ٹیم میں دوبارہ لے آؤ لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں وہ بھی ترنگ میں آکر کشمیری سروں کی سینچری لگانے کا دعویدار بن بیٹھا۔ کسے نہیں معلوم کہ جمہوری تماشے میں انسانی سروں کی قیمت ہوتی ہے اور یہ گھمبیر معاملہ ہوتا ہے لیکن وہ جو ناکامی کا گوتم ہے اسے تو پبلسٹی چاہیے، سو مل گئی۔ ٹی وی سکرین اور اے سی اسٹیڈیو میں بیٹھے زبان دراز جنگجو میدان عمل میں کود پڑے۔ مچھلی بازار جیسے اسٹیڈیو میں شور مچایا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دی۔ مملکت خداداد کے لیڈران اور جرنیلوں کو دھمکیاں دیں کہ بس ہوش میں آؤ نہیں تو برِ صغیر کی خیر نہیں۔ ہم تو جنگ کا

بگل بس یہیں سے بجا دیں گے۔ پتھروں پر میڈ اِن مملکت خداداد کی تصویریں دکھائیں۔ ہیضہ پھیلانے والے چوہوں کے شناختی کارڈ دکھائے۔ مچھروں کے الیکشن کارڈ پیش کئے کہ یہ بھی پار سے بنے ہیں اور یہاں ڈینگو پھیلانے کا کام کریں گے۔ اور جوٹانگ سرپھرے نے فوجی کو ماری تھی اس کی ہڈیوں میں کیلشیم پار کی فیکٹری سے تیار ہو کر آیا تھا حد تو یہ کہ جوتا پکا لاہور کی لکڑ منڈی سے چوری کر کے لایا گیا تھا۔

مانا کہ اپنے اہل کشمیر اللہ میاں کی گائے ہیں لیکن جس پر اَڑ جائیں اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اس لئے کلہن پنڈت نے کیا خوب کہا تھا کہ انہیں دھونس دباؤ سے دبایا نہیں جا سکتا لیکن قابو میں کرنا ہے تو پیار سے کر لو، صوفیانہ طریقے کی محبت سے کر لو۔ اسی لئے اہل کشمیر نے وہ ویڈیو بازار خبر میں ڈال دی کہ بھارت ماتا کے خیر خواہ بھی اچھنبے میں آ گئے۔ وہ جو کہتے تھے کہ ڈسپلن اپنی فوج کا اہم ترین جز ہے، ناخن چباتے رہ گئے کہ فاروق ڈار کو ووٹ ڈالنے کی سزا سنائی گئی تھی۔ جیپ کے آگے بونٹ پر باندھ کر گلی گلی، قریہ قریہ، محلّہ محلّہ، دیہات دیہات، قصبہ قصبہ گھمایا کہ کچھ تو مزہ لو ہماری فراخدلی کا۔ شاید اپنے پڑوسی گاؤں کی سیر نہ کی ہو اس لئے تازہ تازہ ہوا کے کچھ گھونٹ پی کر اپنے پھیپھڑوں کو تر و تازہ کر لو۔ کیا پتہ آج نہ سہی کل مرچی والا پاواشل چکھنے کو ملے تب تازہ ہوا کی سخت ضرورت پڑے گی۔ بس ابھی مزہ لے لو۔ پھر وہی ہوا جو سالہا سال سے ہوتا آتا ہے۔ اب کی بار مفتی سرکار نشانے پر تھی۔ ہل والے تو برس ہی پڑے اور مفتی سرکار تو فوج کی ڈھنڈورچی بن گئی کہ ایسا کام آج تک نہیں ہوا۔ خون ریزی کو روکنے کا نیا طریقہ بس اہل قلم دوات کو سوجھا ہے یعنی ہم لکھ کے دیں گے کہ اب جوانوں کے سینوں پر کنول کے پھول اُگیں گے اور کوئی چھید نہ ہونے پائے اسی لئے یہ نیا اور تازہ ترین پروڈکٹ بازار میں اُتارا ہے۔ یہ ایسا پروڈکٹ ہے کہ ہاتھوں ہاتھ بکے گا بلکہ ایک کے ساتھ ایک فری مل سکتا ہے لیکن خریدار کنی کترا کے چلے گئے۔ ناک منہ سکوڑ کر آگے بڑھے اور کئی ایک تو تھو تھو کرتے اپنی راہ لے گئے۔ پھر مفتی سرکار کو خیال آیا کہ دن تو ویسے ہی پھر گئے ہیں کہیں کرسی کی ٹانگیں الٹ پلٹ نہ ہو جائیں اس لئے وہی پرانا راگ الاپا۔ یعنی پھر وہی ہوا جو سال ہا سال سے ہوتا آیا ہے۔ تحقیقات کا اعلان ہوا۔ بھلے اس بات پر اس خون آشام دن ہنسی تو نکلتی نہیں تھی لیکن بات ہی کچھ ایسی بنی کہ ہنسی روک

نہیں پائے۔ اس لئے کہ پتھری بل، کنن پوشپورہ، بیج بہاڑا، ہندوارہ کی تحقیقات یاد آئی۔ کریں تو کیا کریں؟؟؟ ہم تو ہم تھے وہ تو وہ تھے۔ حالانکہ ہم دونوں تھے لیکن ہم کمزور تھے اور وہ طاقتور اور چونکہ طاقتور ہمیشہ ہی سے کمزور پر حکمرانی کرتا آیا ہے، اس لئے وہ ہم پر حکمرانی کرتے کرتے دھونس بھی جماتے، دباؤ بھی ڈالتے اور ہم چونکہ کمزور ہیں، لہٰذا خاموشی سے سہہ لیتے کیونکہ چپ رہ کر سہہ لینا اور وہ بھی کوئی احتجاج کئے بنا ہمارا پیدائشی حق ہے۔ کبھی کبھار دبے الفاظ میں کچھ کھسر پھسر کرنا بھی ہمارے پیدائشی حق میں شامل ہے، یعنی ہمارے پیدائشی حقوق میں جو چیزیں شامل ہیں ان میں پیدا ہونا، جیسے تیسے زندگی گزارانا، خاموشی سے سب کچھ سہہ لینا وغیرہ وغیرہ شامل ہے۔ ہماری زندگی میں ایک دستور العمل ہے جس کے پالن کے ساتھ ہمیں چلنا ہے۔ ہم وہ نہیں جنہیں ایک کانسٹیٹیوشن میسر ہے اور اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو شور وغوغا مچ جاتا ہے۔ اسی لئے شاید ہماری زندگی جب گزرتی ہے تو گمان ہوتا ہے کہ کوئی نادار بیچ بازار گزر جاتا ہے، جسے دائیں بائیں دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہم خاموش احتجاج کے دوران آواز اونچی نہیں کر سکتے کیونکہ اسے بغاوت تصور کیا جاتا ہے اور بغاوت کا انجام یا سزا ہر حال میں موت ہے۔ اس بات پر ہم کبھی کبھار ہنس بھی لیتے ہیں، کھلکھلا کر نہیں بلکہ وہ بھی ہلکی مسکان کے ساتھ۔ یہ سوچ کر کہ کس موت کی بات کر رہے ہو ہم کون سا زندہ ہیں۔ ارے بھائی میرے، یہ جینا بھی کوئی جینا ہے۔

کیا دیکھو گے حالِ دلِ برباد کہ تم نے
کرفیو میں میرے شہر کا منظر نہیں دیکھا

لیکن تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق، اسی ادھیڑ بن میں اپنے یہ نوجوانانِ دانش گاہ میدان میں اترے۔ طاقت ور کو للکارا۔ سفید وردی والے خاکی وردی والوں کے سامنے ڈٹ گئے اور صنف شیریں نے تو مہندی لگے ہاتھ ہوا میں لہرا کر سکوٹی ڈپلومیسی کو بھی ہائی ہیل والے سینڈل دکھائے، جس جگہ سکوٹی کے لئے مظاہرہ کیا تھا اسی جگہ قضیہ زمین بر سر زمین کا نعرہ لگایا۔ کھنہ بل سے کھادن تک، سونہ مرگ سے سور سیار اور بانہال پار تک ایک ہی آواز گونجی۔

پیلٹ سے دبنے والے اے مفتی نہیں ہم
سو بار لے چکی ہو تم امتحان ہمارا

اسی لئے اپنے اہل سیاست اور ارباب اقتدار و اختیار نے فوراً میٹنگ طلب کی کہ اس سب کا ذمہ دار کون ہے، اس کے نام کا وارنٹ نکال لو۔ اسکے جسم کے ریشے ریشے کی تلاشی لو۔ پھر جو تحقیقات ہوئی تو پتہ چلا کہ سب انٹرنیٹ کا کیا دھرا ہے۔ فوری طور اس کی گرفتاری کا آرڈر جاری ہوا۔ انٹرنیٹ بھی ڈھیٹ کہ رفتار بدل دیتا ہے۔ ٹو جی، تھری جی، فور جی رفتار پکڑتا ہے۔ یہ جو تھری اور فور جی جوان ہیں ذرا تیز چلتے ہیں۔ بے چارہ ٹو جی اب بزرگ ہے، کافی سست چلتا ہے۔ بد امنی نہیں پھیلا سکتا۔ سنگ بازی نہیں کر سکتا۔ ارے خود نہیں چل سکتا اوروں کو کیا دوڑائے گا۔ اس لئے اس کو معافی دی گئی۔ یعنی سارے فساد کی جڑ انٹرنیٹ ہے جو کچھ دن قید رہے گا تو سنبھل جائے گا۔ پھر امن کا موسم پرکھیں گے تو رہائی کا فرمان جاری کر دیں گے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے بھارت دیش کے بڑے وکیل رہتوگی صاحب میدانِ بیان بازی میں کود پڑے اور قانون کی ساری کتابیں بالائے طاق رکھ کر اعلان کر دیا کہ فوجی افسر نے فاروق ڈار کو تازہ ہوا کھلانے کے لئے بونٹ سے جوڑ دیا تھا بلکہ گبر سنگھ کے الفاظ میں اعلان کر دیا کہ کوئی گناہ نہیں کیا، ہم کہتے ہیں کوئی گناہ نہیں کیا۔ بڑے وکیل صاحب کی باتیں سن کر ہم ملک کشمیر کے موسموں کا تجزیہ کرنے لگے تو بس ایک ہی موسم نظر آیا

صبح زہر، دوپہر قہر ہے، شام بھیانک شب آسیب
اس بستی میں برسوں سے بس ایک ہی موسم ہوتا ہے
(راجہ یوسف)

* *

باقی سب خیریت ہے

وہ جو کہتے ہیں نا کہ ضرورت کے وقت گدھے کو بھی باپ بنایا جاتا ہے، ہو نہ ہو یہ کسی پہنچے ہوئے مہاپُرش کا یک نکاتی فارمولہ ہے۔ البتہ اپنے اہل سیاست الیکشن کے وقت کسی کو بھی دوست بنانے کی مست اداکاری کرتے ہیں، کسی بے بال و پر کو سر پر، بے مایہ و بے ہنر کو پلکوں پر بٹھا دیتے ہیں۔ سر پر اس طرح بٹھا دیتے ہیں کہ ان کی دستار فضیلت کسی اور مخلوق کے لئے تشریف رکھنے کا سامان پیدا کرتا ہے اور پھر دستار کی ایک ایک گرہ اس انداز میں ٹانگوں کے گرد دائرہ بنا دیتی ہے جیسے کوئی مکڑی جال میں پھنس جائے۔

مریل سی جنتا کو میٹھے وعدوں کا جوس پلانے دو
بس ایک بار بس اک بار مجھ کو سرکار بنانے دو
میں جن سیوک ہوں مجھ کو تھوڑے سے پُنیہ کمانے دو
بس ایک بار بس اک بار مجھ کو سرکار بنانے دو

ایک بار الیکشن ختم ہوا تو حضرات ایسے غائب ہو جاتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اہل سیاست کے سینگ دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور مارنے کے اور۔ مارتے وقت ان سینگوں میں کوئی موروثی نقص بناوٹ نہیں ہوتا جب کہ دکھانے والے سینگ خیر سے پلاسٹک کے بنے ہوتے ہیں کہ ہلکی سی گرمی سے پگھل جائیں اور یوں بے چارہ الیکشن ٹائم کا چہیتا ہاتھ ملتا رہتا ہے، یعنی اہل سیاست اور سیاست کے گل غپاڑے کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ شاید یہی سوچ کر کسی دل جلے نے مسحور کن آواز میں سُر سے تال ملایا تھا کہ چولی کے پیچھے کیا ہے؟ سیاست

ہے بھائی سیاست ہے۔ اور سیاست میں کب کیا کہا جائے وہ حال دل دراصل ممکنہ شکست و ریخت پر منحصر ہے۔ اسی شکست کے ڈر سے اپنے اہل سیاست روز پینترے بدلتے رہتے ہیں۔

یہ محبت کا فسانہ بھی بدل جائے گا
وقت کے ساتھ زمانہ بھی بدل جائے گا

شاید اسی لئے ابھی الیکشن کا بگل بجا بھی نہیں تھا کہ ہل والے قائد ثانی نے مجاہدین سے ناطہ جوڑنے کی کوشش کی اور بانگ دہل اعلان کر دیا کہ بندوق بردار، کفن بردوش سمیت ہمارے بچے ہیں اور وہ آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ کہاں وہ زبان کہ ان پر ایک نہیں بیسیوں الزامات لگاتی بلکہ بہتان سر پر تھوپتی، اور کہاں یہ زبانِ شریں بیاں کہ جو تم کو ہو پسند وہی بات کہیں گے۔ پھر اتنا ہی نہیں کرسی پر بیٹھنے سے پہلے یہ ہوائی اُڑا دی کہ اس ممکنہ کرسی کا سارا شریہہ "چھین کے لیں گے "نعرہ مستانہ لگانے والوں، ٹھناٹھن برسانے والوں اور مملکت خداداد کے مکینوں کو جائے گا جنہوں نے اگر ہم پر احسان کیا اور ہمیں عیش کوشی کی کرسی تک پہنچنے سے نہیں روکا تو اُن کی بلائیں لیں گے۔

رات دن ان کی ریا کاری کے بنتے ہیں اصول
ان کا دعویٰ ہے غلط ان کی عبادت ہے فضول
رہزنوں سے مت ڈرو تم پارساؤں سے بچو
لیڈران قوم کی ظالم اداؤں سے ڈرو

جس نے یہ بیان سنا اس کے رونگٹھے کھڑے ہو گئے کہ کہیں قائد ثانی در و دیوار کے پیچھے بند آزادی پسندوں کے اسٹیج پر قبضہ تو نہیں جمانے والا ہے۔ ایک رنگ ہل والوں کا اور ہے۔ قائد ثانی ''شیر آ گیا'' کا نعرہ مستانہ لگا کر اچھے اچھوں کو چیلنج دیتے ہیں کہ آؤ اور ہمارے ساتھ ناچ گانے کا دور چلاؤ اور ادھر قائد کے چیلے چانٹے الیکشن کو رقص سلطانی نہیں جہاد لاثانی کے زُمرے میں ڈال کر تولتے ہیں اور اہل کشمیر پر نصیحتوں کی بارشیں کرتے ہیں کہ حکمران سبز و زعفران اتحاد کے خلاف ووٹ دینا جہاد ہے۔ واہ! کیا بات ہے کہ جہاد کی نیشنلی اصطلاح بازارِ حصص میں شیئر ہولڈروں کا گریباں پکڑ گئی۔ کچھ وقت سمجھنے میں لگ ہی گیا کہ الیکشن کے رنگ میں اپنے سیاسی بھکاری فوری

طور رنگ گئے تا کہ اپنے مخالفین کے رنگ میں بھنگ ڈال دیں۔ یعنی وہ جو سبز اور زعفرانی کا مرکب تیار کر گئے تھے، ان میں سرخ رنگ ملا کر اس قدر مٹی پلید کر دیں کہ کنول کے پھول نہ اُگیں اور نہ ہی قلم دوات میں سبز روشنائی کی کوئی ٹکیہ ڈھل سکے۔ یہ اور بات کہ سبز رومال میں لال لال نمک باندھ کر ہمیں دیر تک بہلایا گیا لیکن اس وقت لوری گانے والے اور تھے، اب کی بار تھپکیاں دے کے ساتھ سلانے والے اور ہیں۔ اپنے قائد ثانی کو ایک طرف اور بھاجی کو دوسری طرف ضمنی انتخابات کے لئے گلی گلی، شہر شہر، قریہ قریہ گھومتے دیکھا تو ساتھی طالب علم کے نام گھر سے آیا خط بھی یاد آیا۔ والد تو ٹھیک ہے لیکن والدہ گزر گئی، باقی سب خیریت ہے۔ کالے رنگ کی گائے نے بچھڑا دیا مگر سفید رنگ کی بکری بیماری میں مبتلا ہو کر مر گئی، باقی سب خیریت ہے۔ سیلابی ریلے کے ایک جھٹکے سے ہمارا چھوٹا مکان گر گیا لیکن ہم نے سارے برتن ڈوبنے سے بچا لئے، باقی سب خیریت ہے یہی کچھ بے رنگ و بو انتخابی مہم کے دوران ہمیں آپ کو سننے کو مل رہا ہے کہ ۲۰۱۰ میں ایک سو بیس مارے گئے، باقی سب خیریت ہے۔ ۲۰۱۰ء کی بات مت کرو، ۲۰۱۶ء تو تازہ تازہ یاد ہے جس میں سینکڑوں مرے، درجنوں بینائی سے محروم ہوئے، باقی سب خیریت ہے۔ اب دیکھئے نانوٹ بدلی کی طرح سیاست میں بھی ناز و انداز سے خیال بدلی ہوئی، باقی سب خیریت ہے۔

کہاں باجی کے لئے جو بندوق بردار بھائی بند کی حیثیت رکھتے تھے، آج اُس کے لئے اب سوہانِ روح بنے ہیں؟ کہاں قائد ثانی انہیں دشمن جان جتلاتا پھرتا، مگر آج انہیں وطن کا تارا پکارتا جاتا ہے۔ یہ وقت کا مزاج بدلا یا الیکشن سے نے تھکی ماندی سوئیوں کو کروٹ لینے پر مجبور کر دیا ؟ وہ خود ہی سمجھئے، لیکن ایک کے لئے کل تک کے بھائی بند اب ''دودھ ٹافی'' والے بن گئے، اور دوسرے کے لئے کل تک کے دیش درو ہی آج آزادی کے متوالے ہوئے۔ قائد ثانی کے سیاسی ترکش میں کل تک پار کو فٹا فٹ ایٹمی دھماکے سے اُڑانے کی تقریریں تھیں، آج اُن کی کلیات سے پار سے گل بات کرنے کے مدھر گیت قومی ترانے ہیں؟ سمجھ گیا ہے شاید کہ ایٹمی دھماکہ ہوا تو پارلیمان کی بجائے شمشان ہی سارے معرکے کا انجام ہونا ہے۔

پارسا کہتے ہیں خود کو جو گناہ گاروں میں ہیں
سرخ دھبے خون کے گلیوں میں بازاروں میں ہیں

ہر طرف مجھ کو نظر آتے ہیں قاتل کیا کروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

اس فلمی شاعر کے منہ میں گھی شکر، بلکہ دعا ہے زورِ قلم اور زیادہ ہو جس نے کہہ کے رکھ دیا کہ تم کو مرچی لگیں تو میں کیا کروں۔ مرچی لگنے والا معاملہ ایک ہی شعر کے ذریعے حل کر کے اس نے اپنے سر سے سارا بوجھ ہٹا دیا۔ اسے کشمیری میں ''یَس لگہِ تَس لگہِ سرکاری (جو بھی زخمی ہو سرکار کی بھلا سے)'' کہتے ہیں یعنی جو بچا اپنی قسمت سے جو مرا اپنی تقدیر سے، ہم تو فقط پانچ، پچانوے، دودھ اور ٹافی کا حساب رکھ سکتے ہیں اور جو دودھ ٹافی کی خریداری کے دوران آنکھ، ناک، کان، ٹانگ، یا زندگی کی سانسیں کھو بیٹھے، ان سے ہمارا کیا ناط؟ نہ ہی ہم ان کو دان دکشنا دینے کے بارے میں سوچ سکتے ہیں کیونکہ اس سے ہماری دوات کے اندر کنول اتنا پھول جائے گا کہ دوات سنبھال نہیں پائے گی، اور قطبین کا کچا دھاگہ یوں ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائے گا۔ اس بکھراؤ کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم تو گئے، سرکار سے گئے، کرسی سے گئے، جھنڈے اور ڈنڈے سے گئے اور جو پارٹی جھنڈے ڈنڈے سے گئی اس کے تو انڈے کا پھنڈا بھی بدل جائے گا۔ فلمی شاعر نے اپنے سر سے بوجھ اتار کر اہلِ سیاست، اہلِ معیشت، حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف حتیٰ کہ تمام اہل کشمیر کے سر تھوپ دیا کہ تم جانو کہ اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا پایا جائے۔ حالانکہ کئی ایک بوجھ تو اپنے ملک کشمیر میں کافی بھاری ہیں لیکن مرچی والا بوجھ جب لگتا ہے تو اوپر سے نیچے تک ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ اگرچہ سیاست دان ان بوجھوں کو ہلکا محسوس کرا رہے ہیں جیسے کپاس کی ہلکی تھیلی ہو لیکن اپنے ملک کشمیر کی وزارت میں فیصد والا معاملہ کافی راس آیا لگتا ہے۔ عوامی احتجاج کو پانچ پچانوے کے کھاتے میں ڈال دیا اور امتحانات کو پچاس پچاس یعنی اڑھ دم تیرا اڑھ دم میرا میں تقسیم کرا دیا۔ کیا پتہ جو رقومات شہر شہر، گاؤں گاؤں خرچ کرنی ہیں، وہ بھی دس آنے چھ آنے میں تقسیم کر دیں۔ بات انتخابات کی چل رہی تھی، نئے دوستانے قائم کرنے کے سبب کس کس کو مرچی لگیں یہ اور بات ہے کیونکہ سرکاری مرچی تو گل کھلاتی نہیں بلکہ گلوں کو پژمردہ کر دیتی ہے۔ خیر بات مرچی لگنے کی چل رہی تھی اور کسے نہیں معلوم کہ مرچی کئی ایک پیکس میں آتی ہے۔ مرچی پاوڈر، ہری مرچ، لال مرچ، ثابوت مرچ، پسی ہوئی مرچ اور مرچی کا کاروبار کرنے والے

مرچی سیٹھ بھی کہلاتے ہیں لیکن کشمیر میں درآمد شدہ مرچی کے ضمن میں مرچہ بُڈ اور مرچی گیس یا پاواشل اہم ترین ہیں۔ کسی کو بددعا دینی ہو تو مرچہ بُڈ کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا کمال دکھائے لیکن حکمرانوں نے یہ سارے کام اپنے سر لئے اور بانہال پار سے نئی گیس متعارف کرائی یہ سوچ کر کہ چھروں کے سبب بدنامی کافی ہوئی اس لئے ہم گیس چھوڑ کر بانگ دہل کہہ سکتے ہیں کہ مرچی لگی تو میں کیا کروں۔ یوں تو اہل کشمیر عرصہ دراز سے مرچی کو دستر خوان کا حصہ بنائے ہوئے ہیں بلکہ ہر چیز کا اچار ڈالنے میں ہماری خواتین پیش پیش ہیں بھلے مرچی ہی کیوں نہ ہو اور جب وزارت اعلیٰ کی کرسی پر خاتون ہی براجمان ہو تو مرچی کا استعمال کیوں نہ ہو؟ یہ اور بات ہے کہ کارَ سرکار ہو یا دستر خوان اب مرچی خاص الخاص غذائی مرکب کا حصہ بنتی ہے۔ مرچی تو اور چیزوں کے علاوہ زکام ٹھیک کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔ مرچی تل کر ایسا مرکب بنایا جائے کہ کھاتے وقت پتہ بھی نہیں چلتا کہ زکام کب ناک کے راستے دماغ تک گھس کر آیا تھا۔ دراصل اپنے ملک کشمیر میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو ہمیشہ اقتدار کا سبز رومال میں چھپا نمک دکھا کر بہلائے گئے یا زیادہ بہتر ہوگا اس کی خوشبو سے بے حس بنائے گئے تاکہ وہ کبھی اس کا اصل مزہ چکھنے کا مطالبہ نہ کر سکیں۔

* *

اے غم دل کیا کروں اے وحشت دل کیا کروں

ہمارا کام تو نعرۂ مستانہ لگانے کا رہا ہے، اسی لئے ہم یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گے نہ جانے کتنی دہائیوں سے لگاتے آ رہے ہیں۔ اس لئے شہر خاص کی تنگ گلیوں میں، نالہ مار کی چوڑی پہنائیوں میں، گاؤں گاؤں کے یمین و یسار میں ہماری آواز سے ایوان لرزتے رہے ہیں مگر جب سے دوات کے اندر کنول کھلنے لگے ہمیں مجبور کیا جاتا ہے کہ نعرۂ بزدلانہ لگاؤ۔ سو ہم لگا رہے ہیں۔ کوئی کان دھرے نہ دھرے۔ اپنے دروازوں کے کواڑ بند کر دو۔ کھڑکیوں پر پردے گراؤ۔ دیکھنا ہے تو دریچوں سے جھانک کر دیکھو کیونکہ کس کے سر پر پتھر لگے اس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں۔ مدھیہ پردیش کے قبائل کی بڑی ”جن سینا“ ایران صغیر کے دیش میں پدھار رہی ہے۔ اُنہیں ملال ہے کہ خاکی وردی والے پیلٹ، پاوا اور گولی سے اہل کشمیر کو قابو نہیں کر پائے، اس لئے وہ اپنی بہادرانہ خدمات انجام دے کر سات لاکھ فوج کو سونترتا دے کر رہے گی۔ اتنا ہی نہیں کانپوری پجاری کی تیرہ ہزار فوج بھی تیار کھڑی ہے کہ کب کوچ کرنے کا حکم صادر ہو اور وہ اہل کشمیر کو دن میں تارے دکھانے پہنچ جائیں۔ انہیں بھی رنج ہے کہ سات لاکھ فوجی ایسے ہی گھوم گھام رہے ہیں جب کہ کانپوری فوج کا بس ایک دستہ کافی ہے لیکن انہیں کیا معلوم ملک کشمیر میں مٹی کیا خاصیت رکھتی ہے۔

تمہیں جینے میں آسانی بہت ہے
تمہارے خون میں پانی بہت ہے

زہر، سولی نے گالی گولیوں نے
ہماری ذات پہچانی بہت ہے

کہاں یوگی بابا کے ایک حکم سے سارے گوشت فروش نان شبینہ کے محتاج ہو گئے اور کہاں ہٹے کٹے فوجی دبلے پتلے کشمیریوں کا مقابلہ کر نہیں پاتے!!! ہوشیار خبردار کوئی شور نہ مچائے۔ کوئی مسجد میں اذان نہ دے کہ سنگیت بابا سونو منڈا کی نیند ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کا تو کبھی کبھار ہی سُر ٹوٹ جاتا ہے لیکن اذان کے سبب اس کا نیند میں سر تال نہیں مل پاتا۔ وہ تو بانہال پار کی بات ہے لیکن اپنے ملک کشمیر میں بہت سارے لوگ مزے کی نیند سو رہے ہیں اور انہیں نیند سے جگانا یا ڈسٹرب کرنا غیر معقول بات ہے۔ خبردار کسی گاڑی کا ہارن نہ بجے کہ نیند ٹوٹنے کا ڈر ہے۔ اور اگر صاحبان اقتدار و اختیار کی نیند ٹوٹی تو کسی کی خیر نہیں کہ صاحبانِ اختیار کی مرضی ہے کہ وہ کسی کی بھی ہڈی توڑ دیں یا کاکر خان کی طرح کسی کا کان اور ناک چبائیں، فقط انہیں چھیڑنے کی حماقت درکار ہے جیسے کسی سانڈ کو سرخ کپڑا دکھا کر کہیں بھی دوڑایا جا سکتا ہے۔ اسی لئے جب پلوامہ کالج میں وہ خزانہ ُطاقت کے مالک و مختار گھس بیٹھے تو سفید وردی والے ننھے پھولوں کو ایسا لتاڑا کہ ان کی چیخیں نکل گئیں لیکن کسی محبوبہ، کسی نعیم، کسی درابو کے کان پر جوں نہ رینگی بلکہ وہ جو کالج کا سربراہ بیچ بچاؤ کے لئے نکلا تو اُسے لائن حاضر کر دیا کہ یہ منہ اور مسور کی دال۔ بھلا اسے اتنا بھی نہیں پتہ کہ صاحبان اقتدار و اختیار نیند میں ہیں انہیں جگانا کوئی آسان کام نہیں لیکن بھلا ہم بھی کہاں چپ رہنے والے ہیں۔ سرینگر کی بیٹیاں تو میدان عمل میں کود پڑیں۔ وہ نڈر دلیر بچیاں، وہ بڑھ رہی ہیں ہر طرف، جہان خفتہ کا مردہ ضمیر کو جھنجوڑنے، کھڑی ہیں لالچوک میں، ستم گروں کا دست ظلم توڑنے۔ بس پھر کیا تھا صاحبان اقتدار کی نیند ٹوٹ گئی اور بقول شاعر سرکتی جائے ہے رُخ سے نقاب آہستہ آہستہ۔ اور وہ جو حسیب اور رام جی نے سرکار کا مادھو تراشا تھا اس پر جو نقاب اُتری تو یک لخت اتری۔ اندر تو پتلا مٹی کا مادھو نکلا۔ ہم تو سوچے تھے کہ اس میں ایجنڈا آف الائینس کا لوہا بھرا ہوگا۔ آپسی میل جول کا سیمنٹ ڈلا ہوگا۔ بات چیت کا مضبوط مکسچر بھرا ہوگا جس سے یہ مادھو مضبوط بنا ہو لیکن نقاب سرکا تو حال کچھ دگرگوں نظر آیا۔ شاید اسی لئے مادھو کی میٹنگ میں حسیب بن بلائے مہمان کی طرح پہنچا یعنی بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ وارنا چا۔ بند کمرے میں لے جا

کر یہ جتانے کی کوشش کی کہ قطبین کو ملا کر جو چوں چوں کا مربہ والی سرکار پیدا ہوئی وہ مضبوط ہے۔ لیکن حسیب کا سارا حساب سامنے رکھ کر رام نے سرکاری مادھو سے یہ کہہ کر پردہ ہٹایا کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے۔ اگر کرسی کی خیر چاہتے ہو تو پرانی تنخواہ پر کام کرتے رہو۔ وہ قلم دوات والے جو بڑی شیخی بگھارتے تھے کہ ہم نے اہل جموں و کشمیر کی خاطر دوات کے اندر کنول کھلائے، وہ سن کر بوکھلائے نظر آئے۔ دہائیاں دیں کہ ابھی الیکشن کا خرچہ بھی وصول نہیں ہوا کہ کرسی کے لالے پڑنے لگے یعنی سر منڈوایا نہیں کہ رام نے سونم لوٹس کا روپ دھار لیا اور اولے گرنے کی پیش گوئی کر دی۔ اس کرسی کے حصول کے لئے کیا کیا نہیں کیا۔ خاص و عام جو بھی اللہ کو پیارا ہوا اس کے گھر جا کر تعزیت ہی نہیں بلکہ آنسو بھی بہائے جن کو اپنے دور میں آنکھوں سے بینائی چھین لی ان کے قریب جا کر ہسپتال میں دلاسہ دیا کہ ہم تو تن من دھن سے آپ کے ساتھ ہیں بلکہ اس حد تک کہ اپنی آنکھیں تحفے میں دینے کے خواہاں ہیں۔ یہ اور بات تھی کہ ہمیں معلوم تھا انہیں ایسا نقصان پہنچا ہے کہ آنکھیں اس کا مداوا نہیں کر سکتیں اور وہی کرسی جو دور ہوتی دکھی تو اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ ادھر کنول والوں کے دل مرجھانے لگے کہ زندگی میں پہلی بار وارے نیارے ہونے لگے تھے کہ دل کے ٹوٹے ٹوٹے ہونے لگے۔ کہیں گائے ماتا کی پوجا کی کہیں مودی مہاراج کے گن گائے تو کرسی ہاتھ لگی لیکن اب کی بار نہ جانے کیا چمتکار ہونے لگا کہ گلکار کا کام دستِ نجار سے بھی ہو سکتا ہے۔ کسی نے اسی ادھیڑ بُن میں کہ عیش و آرام کی گنگا رکنے والی ہے کیونکہ کرسی گئی تو اب گئی سنگ باز ایسوسی ایشن کو اینٹ کا جواب پتھر سے اور پتھر کا جواب گولی سے دینے کا فرمان جاری کر دیا۔ پھر سب پہنچے کرسی دان کرنے والے منبع تک۔ مودی جی گنگا نہاؤ، جمنا تٹ پر دھونی رماؤ، سرسوتی کا پانی پی کر گلا صاف کرو لیکن کسی طرح ہماری نوکری بچاؤ۔ مودی جی بھی جلال میں آ کر دو تین مہینے کی فرصت دے بیٹھے یعنی دو تین مہینے میں سدھر جاؤ نہیں تو ہمیں سدھارنے کے کئی ایک طریقے آتے ہیں۔ ہم سے کچھ نہ بن سکا تو ہم گئور کھشک کھلے عام چھوڑ سکتے ہیں کہ ان کی بات مان کر ہم نے گائیوں کے شناختی کارڈ بنوا ڈالے۔ سینگ کی لمبائی، رنگ، سائز، آواز اور سرتال وغیرہ سب کچھ درج کروایا۔ بھلے ہم سب کا وکاس نہ کر پائے ہوں لیکن گائے ماتا کے نام پر سبھی مشٹنڈوں کا ساتھ میرے ایک اشارے پر حاضر خدمت ہے اور

ہم سب کی ہڈی پسلی ایک کر سکتے ہیں بلکہ ہر پہلو مار مار کر خان کی جان بھی نکال سکتے ہیں اور ان مشٹنڈوں میں قبائل بھی ہیں جو غلیلوں سے پتھر بازی کا ہنر جانتے ہیں اور وہ تیرہ ہزار فوجی بھی جو کسی کانپوری پجاری نے تیار کئے ہیں کہ چڑھ جا بیٹا سولی رام بھلی کرے گا لیکن اسے ہی کشمیر میں کہتے ہیں ہسی دَرَن نہ واوس بُجہِ کڈن کپس (ہاتھی طوفان کے سامنے ٹِک نہیں پاتے لیکن بوڑھیاں کپاس چننے لگیں)۔ مطلب سات لاکھ فوجی اور دوسری فورسز اہل کشمیر کے سامنے کچھ نہیں کر پاتیں لیکن پتھر پھینکنے والے مسئلہ حل کر دیں گے۔ اتنا ہی نہیں ہمارے پاس ایسے بندوق برداروں اور بم بارود والوں کی کھیپ ہے جنہیں ہماری پولیس ہی پکڑتی لیکن این آئی اے کو ان کے جرم نظر نہیں آتے کیونکہ انہوں نے میڈ اِن انڈیا عینکیں تیار کروائی ہیں جن میں وہ بے گناہ دِکھتے ہیں۔ بھروسہ نہ ہو تو ان کو دیکھو جو بارہ سال بعد بے گناہ ثابت ہوئے لیکن ہم نے پہلے ہی انہیں دہشت گرد منوالیا اور وہ جو ہماری کھیپ ہے وہ باعزت بری۔ مرتا کیا نہ کرتا، ایک تو سادھوی اور دوسری بیمار، کچھ تو خیال کرنا ہی تھا۔

اب کہاں جاؤ گے ڈھونڈنے قاتل
آپ تو قتل کا الزام ہمیں پہ رکھ دو

ایسے میں لگتا ہے نیند کھلتی جا رہی ہے۔ بھلے اذان کی آواز سے کھلے، اشک آوار گولوں سے کھلے یا مودی مہاراج کی سرزنش سے۔ یقین نہ آئے تو بیگ کے وکیلا نا بجھاؤ پر غور وخوض ہو کہ محبوبہ جی. واپس اپنے لوگوں کے پاس جاؤ مگر ستم بالائے ستم انہوں نے تو عوام الناس کو پہلے ہی اپنے حرمِ سیاست میں سہ طلاق دے کر وداع کر دیا ہے۔ وہ تو ۲۰۱۶ء نہیں بھولے، ٹافی دودھ نہیں بھولے، چھید کرنے والے چھرے نہیں بھولے، اور جمہوری تماشے میں زخم ونمک نہ بھولے۔ کرسی اور جمہوری تماشے کے درمیان کشاکش میں کر لیا ہے ضمیر کو تار تار۔ مودی مہاراج سے جو بنتی کرنے میڈم دلی دربار پہنچیں تو باہر نکل کر ہمیں بتانے کی کوشش کی کہ بات چیت ہوگی، یقیناً ہوگی، مسئلہ کشمیر پر ہوگی، بلکہ قوم کے غم میں سب سنگھیوں کو جمع کر کے وازہ وان کا ڈنر کھلائیں گے وہ بھی گیسٹ کنٹرول قانون کی دھجیاں اٹھاتے ہوئے۔ اِدھر کے اُدھر کے، ہل والے قلم والے کیا، وہ ہڑتالی برادری بھی بلائی جائے گی لیکن ہم تو اہل کشمیر ہیں اللہ میاں کی گائے سہی لیکن اب تو سب

کچھ پہچانتے ہیں۔ اب تو اہل سیاست کی سچی باتوں پر یقین نہیں جھوٹ اور مکروفریب کا سوال نہیں۔ اہل سیاست نے کچھ تانے بانے بنے تھے۔

ہم نے اپنی سوچوں میں کچھ اور نقشہ کھینچا تھا اور چونکہ ہم پبلک ہیں اس لئے سب جانتے ہیں۔ ان کا تو خیالی پلاؤ تھا لیکن ہم جو پبلک ہیں، جو ہم نے سوچا تھا وہ صبح صبح ہوتے ہوئے سامنے آیا۔ مودی مہاراج کے چیلے چانٹے میدان میں بانڈا پھوڑنے پہنچے، کسی کے ساتھ بات چیت سے انکار کیا۔ قوم کے غم میں ڈنر کی بات کو نکارا۔ وہ تو خود نکسلیوں نے ایوان ہلا دئے کہ خود مودی مہاراج کے ایوان لرز گئے۔ کس سے بات کریں کس کو دعا دیں۔ ہم اور آپ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

بات کرنی ہے بات کون کرے
درد سے دودو ہاتھ کون کرے

⁂

ابھی تخت کے امتحاں اور بھی ہیں

تم ہی سے قائم بجٹ کا خسارا
لہو پی لو غریبوں کا سارا
اے مطلب کے زندہ نشانو
سارے فنڈز تمہارے لئے ہیں

ملک کشمیر کے روح روانو! حرمت کشمیر کے پاسبانو! باادب باملاحظہ ہوشیار، تشریف لا رہے ہیں افراسیابِ دوران، ستم ہائے غریبان، آسیب خورد و کلان، بلا عزت و احترام دربار صاحب، جو مُو کر گئے ہیں بلکہ سالہا سال سے مُو کرتے رہے ہیں اور غریب عوام کی چھاتی پر مونگ دَلنے، ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈال کر، عیش و آرام کی پوٹلیاں باندھے، اختیار واقتدار کی بلائیں سمیٹیں، جھنڈوں اور ڈنڈوں سمیت، لال بتیوں کا جلوس اکٹھا کر کے ملک کشمیر پدھار رہے ہیں۔۔۔ سردی کے خوف سے بانہال پار ڈیرہ جو ڈالا تھا اسے دوبارہ باندھ کر گرمی کی تپش برداشت نہ کرتے سہانی دھوپ اور حسین نظاروں کا لطف لینے واپس بانہال کے اس پار قوم کے غم میں ڈنر کا مزہ لینے وارد کشمیر ہو رہے ہیں۔ اسی لئے ملک کشمیر کی سڑکوں پر رنگ و روغن چڑھ رہا ہے۔ مانا کہ اہل دربار کا دل صاف و پاک نہیں لیکن سڑکوں کے کناروں کو اس طرح صابن شیمپو مل کر گند ہٹائی جا رہی ہے کہ عوام الناس کی قمیض بھی اتنی صاف نہیں دُھلی ہوتی۔ سڑکوں پر کنکر تارکول بچھ رہا ہے، تاکہ یہ جو اتنی دیر عوام الناس کے انجر پنجر ڈھیلے کئے جا رہے ہیں ان کا منہ بھی کالا ہو۔ پلوں کے ریلنگ پر سفیدی مل جا رہی ہے یا یوں کہیے کہ چونا لگایا جا رہا ہے۔ سڑکوں کے

بیچ کہیں کہیں لگے پیڑوں کی گرد جھاڑ جھاڑ کر اتاری جا رہی ہے حالانکہ اتنی دیر یہاں نرم و نازک کھلتے گلابوں کی بانس کے ڈنڈوں اور بندوق کے بٹوں سے دُھول جھاڑی گئی۔ سڑکوں کے درمیان آہنی گرلز کو صاف کیا جا رہا ہے۔ بجلی کے قمقموں کو پیار سے ناپا تولا جاتا ہے، بڑی سی اونچی سی گاڑی لے کر صاف کیا جاتا ہے اور جو کنکشن کئی مہینوں سے کٹ گئے تھے انہیں دوبارہ جوڑا جاتا ہے تا کہ دربار کا کوئی کنکشن فُس نہ ہو جائے۔ درودیوار روشن کئے جاتے ہیں کہ کہیں دربار صاحب کی آنکھیں کوئی برا خواب نہ دیکھیں جب کہ کھلتے پھولوں کی آنکھوں پر یلغار کر کے ان سے بینائی چھینی جاتی ہے۔ ارے بھائی ان کا خواب تو اپنا ہے وہ بھلا برا کیوں دیکھیں اس کے لئے عوام الناس موجود ہے۔ اسی لئے تو دفتر دفتر افسر افسر انتظامات کو حتمی شکل دے رہے ہیں کہ کہیں دربار صاحب کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ دربار صاحب کے لئے رہنے کی جگہ، گھومنے کی جگہ، دندناتے پھرنے کی جگہ پر نئی لیپا پوتی ہوتی ہے، کہیں رنگ و روغن سے مزین کیا جاتا ہے کہیں خوش آمدید کے لئے بینر آویزاں ہیں کہ کہیں شاہی دربار کی آؤ بھگت میں کوئی کمی نہ رہے۔ کمی رہ گئی تو ہم ذمہ دار نہیں۔ ہر دفتر اور ہر افسر کی کرسیاں اس بات پر ٹکی ہیں کہ دربار خاص خوش و خرم ملک کشمیر میں پہنچے اور یہاں کوئی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اتنا ہی نہیں وہ جو ریڑھی بان، چھاپڑی فروش سڑک کیا گلی کیا، فٹ پاتھ کیا، بیت الخلا کا پائدان کیا، دوکان کا تھڑا کیا، لال چوک کا اڈہ کیا، کالج کا گیٹ کیا، عاشقوں کا ڈیٹ کیا، غرض سانس کی نلی تک اپنے نام انتقال کروا بیٹھے تھے، ان سے قبضہ ہٹایا گیا کہ اب کی بار مفتی سرکار میں یہ حرکتیں معاف نہیں ہیں۔ وہ تو ۲۰۱۶ء میں ہڑتالی مجمع کا توڑ کرنے کے لئے تم کو عارضی حقوق دئے گئے تھے اور تب تو اپنے سیاسی گرگے نہ جانے کہاں کہاں منہ چھپائے بیٹھے تھے لیکن ابھی تو وہ دن میں رات میں، خاموشی میں بات میں، بولی میں گولی میں ہر جگہ دِکھیں گے، اس لئے راستہ کھلا ہونا چاہئے تا کہ وہ دندناتے پھر پائیں۔

لوگو مجھے سلام کرو میں وزیر ہوں
گردن کے ساتھ تم بھی جھکو میں وزیر ہوں
تم ہاتھوں ہاتھ لو مجھے دورے پہ جب
موٹر کے ساتھ ساتھ چلو میں وزیر ہوں

مانا کہ جمہوری تماشے میں عوام الناس سرداری کا حق رکھتا ہے لیکن کسے نہیں معلوم کہ عوام تو ویسے ہی ہانکنے کے لئے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی سرداری دربارِ معلیٰ کے یہاں بلاعوض اُجرت تفویض کر رکھی ہے۔ اس لئے میاں دربار جو چاہے سو آپ کرے ہم کو عبث بدنام کیا۔ دربار کے ہاتھوں میں طاقت ہے، معیشت ہے، اقتدار ہے، اختیار ہے، روزگار ہے غرض جو کچھ ڈھونڈو وہ تو دربار کے چوکھٹ کی لونڈی ہے۔ اسی لئے اس کے استقبال کے لئے بینڈ ہے باجہ ہے کیونکہ یہی تو راج تاج کرنے والا راجا ہے۔ دربار کے پاس اتنا سب کچھ ہے کہ بانہال کے آر پار لانے لے جانے میں تین تین دن ٹریفک بند کرنا پڑتی ہے کہ بڑے بڑے ٹرنکوں کے اندر جو فائیلیں ہیں۔ فائل کیا ہے لائف ہے اور جنہیں سرینگر میں پیش کرو یا جموں میں پیش کرو کا حکم لکھا جاتا ہے تاکہ لوگ اُمید باندھے رکھیں کہ امید پر دنیا قائم ہے اور اگر عوام الناس کی امید ٹوٹی تو ان کی سانس رک جائے گی اور اگر عوام کی سانس رُکی تو حکومت کس پر چلائی جائے گی؟ ظاہر ہے کہ سینے کے اندر دھونکنی چلنی چاہئے دَھک دَھک، جبھی تو دربار کے عیش عشرت قائم رہیں گے۔ ویسے اس میں شکایت کس بات کی کہ راجہ اور پرجا میں یہی تو فرق ہوتا ہے۔ اتنی دیر یہاں ملک کشمیر میں پرجا بستی تھی کہ انہیں عادت ہوگئی ہے۔ گرد سے اَٹی سڑکوں، کھڈوں بھری راہداریوں، گند سے بھری نالیوں، بلا روشنی کے قمقموں کے درمیان عبور ومرور، اور اگر انہیں صاف راستوں پر چلایا جائے تو کوئی تعجب نہیں کہ انہیں زکام ہو جائے۔ لیکن چونکہ اب جو راجہ پدھارے ہیں تو صاف صفائی واجب بنتی ہے۔

دروغ بر گردن راوی، جس نے یہ افواہ پھیلائی کہ جمہوری تماشے میں جو کل تک ساتھ دیتے تھے وہی اچانک منہ پھیر لیتے ہیں اور چونکہ ہم ملک کشمیر کے باسی ہیں اس لئے افواہوں کو پسند بھی کرتے ہیں بلکہ انہی پر جیتے ہیں کہ افواہیں ہمیں بہت بھاتی ہیں۔ ہم چٹخارے لے لے کر افواہیں سنتے ہیں، ہضم کرتے ہیں اور اس وقت ہمیں ہاضمولا کی بالکل ضرورت نہیں پڑتی یعنی جو منہ کی خوشبو سونگھ لیتے ہیں وہی بدبو کا الزام دیتے ہیں۔ اصل بات تو قیمت کی ہوتی ہے کوئی ضمیر کے عوض بکتا ہے کوئی گھوڑے گدھے کے بھاؤ بکتا ہے۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے جس میں
گھوڑوں کی طرح بکتے ہیں انسان وغیرہ

یہ اور بات ہے کہ دربار مُو کے ساتھ اس بار سرکار کے سیاسی ایوانوں میں زلزلہ محسوس ہو رہا ہے۔ کرسی جانے کا زلزلہ، حکومت ٹوٹ جانے کا زلزلہ، قطبین کے ملاپ منقطع ہونے کا زلزلہ، جمہوری تماشے میں نئی دھمال کا زلزلہ۔ سنا ہے زلزلہ پیما پر اس کی شدت آر پار کی دراڑ بتائی جاتی ہے۔ یعنی سنبھل جاؤ نہیں تو ہم قلم ایک طرف دوات دوسری طرف پھنکوا دیں گے۔ یعنی نہ جائے رفتن ہے نہ جائے ماندن۔ آگے گیلانی ہے پیچھے رام مادھو کہ دونوں سے نپٹارا ناممکن ہے۔ وہ دن تو لد گئے جب کم تر مصیبت کے نام پر کچھ سال کرسی سنبھالے رہے۔ اب کی بار مفتی سرکار اسی لپیٹے میں آ گئی ہے جس میں وہی لوگ کنول کو دوات سے باہر کرنے اور ناطہ توڑنے کی بات کرتے ہیں جو پس پردہ نئی سرکار کا کام انجام دے رہے ہیں۔

میں نے سی ایم کو سلام لکھ بھیجا
وادی کا حال تمام لکھ بھیجا
میں نے پوچھا اعلیٰ وزیر کیسے بنے
اس نے مودی کا نام لکھ بھیجا
میں نے پوچھا کام کچھ باقی ہے کیا
مرد مومن کا خواب خرام لکھ بھیجا
میں نے پوچھا حکومت کون گرائے گا
اس نے مادھو کا نام لکھ بھیجا

اور اس بیچ بات چیت کو لے کر ٹھن گئی ہے کہ بندوق سے نہ گولی سے، بات بنے گی بولی سے جو مفتی آف بجبہاڑا کا پرانا فتویٰ ہے۔ ہڑتال والوں سے بولی بولنے کے لئے قلم تلوار کی کاٹ جتا رہا ہے لیکن دوات کے اندر کنول پوری طرح کھلا کھلا نظر آ رہا ہے، بلکہ دوات کی روشنائی چوس کر کنول اپنی شبیہ نکھار رہا ہے۔ ایسے میں کنول والے بادشاہ نے جموں ولداخ میں کنول کھلانے کی بات کی کہ ملکِ کشمیر کی آب و ہوا کنول کھلانے کے لئے موافق نہیں، حالانکہ اہل کشمیر سالہا سال سے کمل ککڑی (ندرُو) کا مزہ لیتے آئے ہیں۔ باقی تو چپ سادھے ہیں لیکن لال چوک کا متوالا بات بات پر مودی مہاراج کے چیلوں کو اپنی آنکھیں دکھا رہا ہے۔ وہ تو پرانا نعرۂ مستانہ لگانا چاہتا ہے کہ تو من شدی من تو شدم کیونکہ اسے بھی معلوم ہے کہ دلی دربار اور ملک کشمیر کا گٹھ جوڑ اسی جگہ جوڑا گیا تھا اور اسے شک ہے کہ جب بھی کچھ نیا بنے گا۔ اس پر حق اسی کا ہے کیونکہ وہ لال چوک سے بس دو سو میٹر براجمان ہے یعنی ہمسائیگی کے سبب محبت کا پہلا لڈو اسی کے منہ میں ٹھونسا جا سکتا ہے۔

ابھی قائد ثانی نے بازی مار لی۔ فقط سات فیصد میں سے چار فی صد چٹنی اندر کر کے

کامیابی حاصل کی یعنی اس کی حیثیت میٹرک اور بارہویں کے بچوں سے بھی کم تر ہوگئی کہ انہوں نے ماضی کے قلم کار حال کے پروردگار عفت خان اور ستاروگے کی دریا دلی کے سبب پھر بھی پچاس فیصد کا امتحان دے ڈالا۔ ادھر ینگ مفتی آف بیج بہاڑہ اور ہل و ہاتھ کا مشترکہ سالار بھی قسمت کا رونا رو رہا ہے کہ ان کی قسمت ہل والے قائد کے مقابلے دھوکہ دے گئی۔ وہ تو ملک کشمیر کو اپنے حال پر چھوڑ کر دلی دربار دوڑنا چاہتے تھے لیکن الیکشن کمیشن کی لال پری آنکھ مار کر چلی گئی اور وہ دونوں ہاتھ ملتے رہ گئے۔ یہ اور بات ہے کہ قائد ثانی نے سنگ بازوں کی تعریف میں قصیدے گائے۔ ینگ مفتی نے عوام کی جان کو اپنی سیٹ سے بڑھ کر جتایا مگر یہ جو پبلک ہے سب جانتی ہے۔ وہ تو لیڈران قوم کی رگ رگ سے واقف ہے، اسی لئے شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

حج کرنے گیا تھا قوم کا لیڈر کوئی سنگباری کے لئے شیطان پر جانا پڑا
ایک کنکر پھینکنے پر صدا آئی اسے تم تو اپنے آدمی تھے تم کو آخر کیا ہوا

* *

تماشائے اہلِ قوت دیکھتے ہیں

سالہا سال پہلے ایک فلمی بھائی نے سوال پوچھا تھا کہ یہ سناٹا کیوں ہے بھائی ؟ اس کا جواب کیا ہے، پتہ نہیں مگر اپنے ملکِ کشمیر میں بس سناٹا ہی سناٹا ہے۔ سیاست میں سناٹا، معیشت میں سناٹا، تعلیم میں سناٹا، عقل ودانش میں سناٹا کہ قلم دوات والے سیاست دان بھی سناٹے میں ہیں۔ انہوں نے خوابِ گراں لوگوں کو دکھایا کہ مودی مہاراج کے کنول تخت کشمیر کے باغیچہ میں کھلانے کے عوض بات چیت کا سلسلہ دراز ہوگا، مسئلہ کشمیر کا حل ڈھونڈا جائے گا، ہم اپنے قلم سے اپنی دوات کی روشنائی کا قطرہ قطرہ نچوڑ کر نئی تاریخ لکھ کر بتادیں گے کہ کتے کی دُم سیدھی کرنے کا چمتکار کل ہوا نہ ہوا مگر آج ہوسکتا ہے۔ اب گرینڈ الائنس کے صدقے وادی بے نظیر پابہ زنجیر نہ ہوگی، یہاں امن وسکون کی روٹھی دیوی دل نواز مسکان سے سب کا دل بہلائے گی، دودھ کی ندیاں بہیں گی، بجلی کے قمقمے ایسے چمکیں گے کہ آنکھیں چندھیا جائیں گی، سڑکوں اور راہداریوں پر کالے تارکول کے بدلے خوش رنگ سونے چاندی کی پرتیں چڑھیں گی۔ تب عام خام کو سمجھ آئے گا کہ سیاسی بصیرت اور مفتی وژن کسے کہتے ہیں لیکن واری حسرت! یہاں تو سب الٹا ہی الٹا ہو گیا۔ نئی تاریخ لکھنے کے بجائے ہماری بند عقل کا تالا نہ کھلا، صرف تاریخ پہ تاریخ کا بہی کھاتہ کھلا۔ اسی گورکھ دھندے میں پڑ کر ہم بے چاروں کے تقدیر کی تالی اسلام آباد، دلی، جینوا، ٹریک ون ِ ٹریک ٹو، آٹونومی، سیلف رول کے ملبے میں گالی بن کر کہیں گم ہوگئی۔ اللہ اللہ کر کے ہماری بند عقل کی دہائیاں سنی گئیں، دلاسہ ملا یہ لوجی پرچہ ایجنڈا آف الائنس کا چرچا ہے، اس پر خون کا نہیں بولی کا خرچہ ہے، اہل کشمیر ہم پر عش عش کریں گے۔ ہمیں کہا گیا کہ من تو شدم کا جو نیا کشمیر خواب نم دیدہ

سرزمین کے ایک مردِ مومن نے دیکھا تھا، اب اس کی تعبیر ناگپوری سادھو سنت اور سادھوئیاں کریں گی۔ ہمیں کیا معلوم اس نیا کشمیر کے خواب و سراب کی تعبیر پرانی سے بھی زیادہ بھدی ہوگی کہ ہم پر اتنا سناٹا چھا جائے گا کہ اب قلم دوات سے کوئی پریس نوٹ لکھتے لکھتے ہاتھ کانپ جاتے ہیں اور لفظوں کا دل یہ سوچتے سوچتے لرزتا ہے کہ بھائی لوگو! لکھیں تو آخر کیا لکھیں۔ شاید اسی لئے وزیر تعمیرات و مشیر تردیدات بھی کوئی نئی کہانی تحریر نہیں کر پاتے بلکہ سوچتے ہوں گے چلو جو دم نکلا سو واہ واہ۔ مفت میں مودی مہاراج کے چیلوں چانٹوں سے کیا پنگا لینا اور اگر ان یوگیوں نے مجھ سبزی خور پر گاؤ خوری کا الزام دھرا تو پہلو خان بننے میں کیا دیر لگے؟ اس لئے اے دلِ ناداں، بند کرو دھڑکنا، بیچ ڈالو قلم کی زبان۔ جناب اپنے محل سرا میں خود سے مخاطب ہو کر ہمیشہ ہڑبڑاتے ہیں، بھائی! خوامخواہ پنگا لے کر اپنی کرسی کی قربانی کیوں دینے لگوں۔ سمندر میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر!! اسی لئے جب مودی مہاراج نے کہا کہ آدیش ہے فیس بک یوٹیوب بند کرو ہم نے فوراً کہا جو مزاج یار میں آئے۔ ادھر سے ہُش ہُش کر کے ٹویٹر کی چڑیا اڑانے کا فرمان جاری ہوا ہم نے فوراً اس چڑیا کا دانہ پانی بند کر دیا۔ حکم حاکم مرگ مفاجات، انسٹاگرام کی قوت ختم کرنے کا آڈر آیا، ہم نے اسے گرام سے کم کر کے ملی گرام بنا دیا۔ وہ تو چاہتے ہیں ملک کشمیر پر صرف اپنا زور ہے تو کوئی شور کیوں مچائے، بس سناٹا جماؤ۔ اسی لئے وزیر بے تدبیر نے دوات میں کنول ڈبو کر شاہی حکم نامہ اپنے پیادوں کے نام لکھا کہ کشمیر میں بس سناٹا عام کرو لیکن شاید سناٹا اچھی طرح راس نہ آیا تب پتہ چلا کہ یہ جو ایڈیٹ بکس ہے، اس پر بھی شور بہت ہے۔ حالانکہ دلی ممبئی والے ٹیلی سکرین پر شور و غوغا چھایا ہے کیونکہ قوم کو آج شام تک جواب چاہئے (The nation wants to know) والے سالار و تبردار تابڑ توڑ خبروں پر حملے بولنے میں مصروف ہیں، دس نمبری گوسوامی، دچھنامی کے میزائل مارنے میں پیش پیش ہیں۔ سالاران قوم تو امن کی دہائی دیتے ہیں لیکن ائر کنڈشن اسٹیڈیو والے سالارِ مملکت خداداد کو باتوں باتوں میں چار حصے کر دیتے ہیں۔ ہڑتال کو دیش دروہی نہیں سبز گروہی بھی گردانتے ہیں۔ بھارت وَرش کے گیت گانے والے ہل والوں، قلم دوات والوں، ہاتھ والوں، ہتھوڑا درانتی برداروں وغیرہ وغیرہ کی مٹی پلید کرنے میں کسر باقی نہیں رکھتے اور اس شور میں ہم سناٹے کی آرزو کرتے ہیں۔ بھائی آزادی کے لئے بھلے ہی انتظار کرنا

پڑے لیکن ٹی وی چینلوں سے کم سے کم جلد ہی آزادی دلاؤ تو مہربانی ہوگی ۔

اینکر خریدنا ہو تو چینل خرید لو
کرسی دکھا کے اسمبلی ممبر خرید لو

جانے کیوں قلم بردار دوات میں کنول کھلانے والوں کو ایسا لگا کہ کشمیر تو بس ہاتھ سے نکلتا جائے ہے اور اس کو قابو میں کرنے کے لئے چونتیس چینلوں پر ایک ہی میک ان انڈیا تالا چڑھانے کی ضرورت ہے۔ پھر پتہ چلا کہ باورچی چینل پر رستہ، گشتابہ، روغن جوش، تبک ماز بنانے کی آڑ میں آرڈی ایکس یکجا کرنے اور سرنگ پھوڑنے کی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ ہم تو حیران و پریشاں ہوگئے کہ ان چینلوں پر یہ دکھانا کہ کتنا نمک مرچ سالن میں ڈالا جائے، اصل میں آنکھوں میں مرچی جھونکنے اور زخموں پر نمک چھڑکنے کی ترکیب سمجھائی جاتی تھی اور وہ جو آلو بینگن بنانے کی ترکیب تھی، وہ اصل میں پتھروں کا نعم البدل ہے اور اسی لئے یہ چینل دیکھتے دیکھتے قوم کی بیٹیاں سنگ بازی کا کورس مکمل کرتی تھیں۔ اتنا ہی نہیں نماز، دینی تعلیمات سکھانے والے چینل گولیوں اور چھروں کی بارش کے وقت جھک کر، چھپ کر بچنے کی تربیت دیتے تھے۔ اسی لئے کشمیر کے بزرگ ان چینلوں سے استفادہ کرکے بچاؤ کی تعلیم پاگئے یعنی یہ چینل بند ہوئے تو بس کشمیر امن کا گہوارہ ہوگا اور اپنے کنول والے کچھ ماہ و سال عیش کر پائیں گے۔ جبھی تو قلم دوات اور کنول کے ترجمان ایک دوسرے کو آنکھیں دکھاتے ہیں، فرضی بات چیت کے مدعے پر ایک دوسرے کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں تو ہمیں سمجھ آتا ہے کہ یہ نورا کشتی ہے یعنی دوستانہ میچ جس میں جیت ہار پہلے سے طے ہوتی ہے۔ یقین نہ آئے تو قطبین کے ملاپ پر نظر ڈالئے۔

لالچ کی ہر دوکان پر صدائے فروخت ہے
اپنی تو پوری سیاست برائے فروخت ہے

رہے اپنے یہ اہل سیاست، یہ کہاں چپ رہنے والے ہیں، یہ تو تو سناٹے کو بھی زبان کی تیز دھار تلوار سے چیر دیتے ہیں۔ بیان بازی کے کاغذی بنگولے پھوڑتے ہیں۔ عام آدمی کو احساس

دلاتے ہیں کہ ہم ہی ہیں جنہیں تمہاری فکر کھاتی ہے اور ہماری ہی فکر سے آپ لوگ جیتے ہیں، جس کے عوض ہم تم سے مفت ووٹ پرچی مانگتے ہیں اور تم جو دو چار ہزار ووٹ ہمیں عاریتاً بلکہ تحفتاً جھولی میں ڈال دیتے ہو ہم پانچ سال تک وہ بھول جاتے ہیں اور پھر چھٹے سال یاد کرتے ہیں اور تمہارا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ یہ تو تماشائے اہل سیاست کا صدقہ جاریہ ہے، اس پر کوئی شور مچانے کی ضرورت نہیں اور چونکہ ہل والے قائد ثانی بھی سیاست کے پرانے پاپی ہیں، وہ بھی مودی مہاراج کے در پر آدھمکے کہ مودی جی جُگ جُگ جیو اور گنگا نہاو لیکن کشمیر کا مسئلہ سیاسی طور ہل (حل) کرو یعنی مجھ غریب پر دیا کرو خالی کرسی دو پوری حکومت لو۔ مردِ مومن کی دختر نیک اختر سے زیادہ لوگوں کا نام پتہ راشن ٹکٹ سے نہ کٹوایا تو کہنا۔ اہل کشمیر کا حل تو انتظار کر سکتا ہے لیکن ہمارا اہل کرسی کا مزید انتظار کرنے کے موڈ میں بالکل ہی نہیں۔ ہل کے یک رکنی وفد نے مودی مہاراج کا حال چال نہ پوچھا، صرف یہ بتایا کہ یہ تین سال پارلیمان سے باہر رہ کر کس تکلیف کس کرب میں گزرے۔ میں نے ہی جھاڑ پھونک، جادوٹونے، نذر و نیاز سے طارق قرہ سے استعفیٰ دلوایا، تب کہیں اپنی بگڑی قسمت بنی۔ میں وچن دیتا ہوں کہ سنگ بازوں کی قوت کو بھنگ کروں نہ کروں مگر جو سنگھ کا راشٹرپتی امیدوار، اُس کا ہل طرف دار۔ اس آدھی ادھوری ملاقات سے سنا ہے اپنے قلم دوات والوں کے دفتر پر سناٹا چھا گیا کہ کہیں قائد ثانی پرانی تنخواہ پر کام کرنے کو تیار ہو گئے تو دوات گلہ شاہ کی طرح اُلٹ پلٹ ہو سکتی ہے، اکیلا قلم بے چارہ سناٹے میں ایک بار آ گیا تو بنا کسی تحریر کے نئی آوارہ گردی کا ہار بنے گا۔ ایسے میں قطبین کو ملانے والا وژن بھی دلی کے پراوژن سٹور میں کنڈم نوٹ ہو کر رہ جائے گا اور کرسی والا مہا گھٹ بندھن اسی طرح دربدر و خاک بسر ہو گا جیسے رائے شماری کی تحریک ہوئی۔ کشمیر میں اپنی کا فرادا سیاست ہے ہی بری بلا کہ کوئی دیوانہ کہہ گیا۔

کشمیر کے جنجال پہ یواین میں بات کر
مائی سُوم، کولگام، شوپین میں بات کر

ادھر اسی سناٹے اور شور شرابے کے بیچ وجودِ زن سے متعلق کئی دلدوز خبریں بھی کانوں سے ٹکرائیں۔ نربھیا عصمت دری واقعے میں ملوث درندوں کی پھانسی کی سزا برقرار رہی۔ پونے انجینیر نینا پجاری کی عصمت دری اور قتل معاملے میں ملوث قاتلوں کو سزائے موت سنائی گئی۔ ہم

نے سوچا چلو ابھی انصاف کا چراغ گل نہیں ہوا لیکن دفعتاً سناٹے میں آ گئے کہ بلقیس بانو عصمت دری اور چودہ افراد کے قتل میں ملوث افراد کو عمر قید کی سنائی گئی یعنی نینا، نربھیا اور بلقیس میں کچھ تو فرق دِکھنا چاہئے۔ خیر اس سناٹے کو چیرتے وہی شور ہے نوخیز طلباء کا۔ ہم کیا چاہتے زیر و بم، اس کے جواب میں اشک آور گیس، پاوا، پیلٹ کا دمادم ۔ اپنے وزیر تعلیم کی قسمت کچھ ڈانواں ڈول لگتی ہے کہ کہاں کنول کے پھول کو پوشیدہ سونگھنے کے الزام میں تعمیرات کی وزارت سے ہاتھ دھو کر سال بھر میڈم کرسی کی طرف ایک نظر نہ اٹھائی اور بڑی مشکل سے روٹھی قسمت جاگی تو سناٹے کو چیر کر سکولی بچوں کے ہاتھ وزنی پتھر آ گئے۔ وزیر صاحب ہاتھ جوڑے گزارشیں کرتے ہیں: دیا کرو بیٹا بیٹی، جج کرو، کم از کم میری وزارت کی خاطر اسکول تو آ جاؤ، میں تمہیں اس سال بھی پچاس فیصد نمبرات کی سبسڈی دلا دوں گا مگر طلبہ ہیں کہ سنی اَن سنی کرتے ہیں اور بزبان حال گنگناتے ہیں۔

جب نہ اسکول کھلیں گے تو پڑھیں گے کیسے
اور زندہ نہ رہیں تو بڑھیں گے کیسے

چلو! اچھا ہوا اپنے پولیس والوں کو بھی آٹے دال کے بھاؤ کا پتہ تو چل گیا۔ کہاں وہ ٹاس پٹاس فورس بن کر اپنے ہی لوگوں کو بلا ناغہ مار کٹائی میں شیر ببر بنتے پھرے، بجلی مانگو تو لاٹھیاں ، پانی مانگو تو ڈنڈے، تنخواہ مانگو تو لٹھ لئے پیچھے پڑیں، چیف منسٹر یا گورنر سے باریابی کے لئے ہلہ غلہ مچاؤ تو ہوائی فائرنگ اور اشک آور گولوں کی لذت۔ اور توبہ توبہ! لاٹھیاں بھی ایسی کہ بجلیاں بھی شرمائیں۔ ویسے ہر غریب کشمیری اسی لئے پیدا ہوا کہ مار پیٹ سے اس کا پیٹ بھر جائے، دھوکہ دہی سے اس کا دماغ واپس اپنے مدار پر آ جائے، جیل کی کال کوٹھری سے اس کا دل دنیا سے اچاٹ جائے مگر کشمیر کی یہ نژادِنی نہ معلوم کس مٹی گارے کی بنی ہے مارتے مارتے پولیس بے بس اور بیگماتی سیاست بے ہوش ہے۔ زمانہ یہی تماشائے اہل اقتدار دیکھ کر اللہ میاں سے دست بدعا ہے۔

روزی ہم سب کی بچانا روز کے جنجالوں سے
جاں و عزت مال ہو محفوظ اپنے کوتوالوں سے

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

یہ بھاجپا بھی بڑی مست مست چیز ہے، اس کے پیدل سینا دستے میں شامل سادھو سادھویاں کبھی کنول کے پھول برساتے ہیں، کبھی آر ایس ایس کے پتھر برساتے ہیں۔ اب دیکھئے نا جن سنگھ سے یہ سنتے سنتے کوئلے جیسے بال برف جیسے چٹے سفید ہوئے، کان سنتے سنتے پک گئے، دماغ کی رگیں سوجھ گئیں کہ دفعہ تین سو ستر کو دفع کرو جنتِ کشمیر جیب میں۔ اب پتہ نہیں کہ شیاما پرساد مکھر جی کی اولادوں کا ہاضمہ خراب ہے، ہوا کا رُخ بدل گیا، موسم بدلا یا حقیقت کی دیوی کے درشن ہوئے کہ گجرات دنگوں کا ہیرو، انڈیا کا بے تاج پادشاہ امت شاہ کیا شنکھ بجا گیا، بولا صرف دفعہ ۳۷۰ ہٹانا ہی کشمیر کا حل نہیں اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔ اس منتر سے پیرانِ بجبہاڑہ کے پیروں تلے زمین کھسک گئی نہ ایجنڈا آف الائنس کے تعویذ میں ہلکی سی بھی ہلچل پیدا ہوئی۔ ان کے لئے یہی نشہ وخمار کافی ہے کہ سنگھ پریوار کے صدقے سیکرٹریٹ تا جہانگیر چوک مفتیوں، اندرابیوں، بخاریوں کا اقتدار ہے۔ بڑے وژن والے کچن کیبنٹ میں بانوئے کشمیر، فلمی مفتی اور ماما جی نذر ونیاز کی مفت کی روٹیاں یہ کہہ کر توڑتے ہیں چلو عام خام کوٹر خانے کا ایک موقع مل ہی گیا کہ بھلے ہی کرسی جائے ہم ۳۷۰ کو آنچ نہیں دیں گے۔ رام مادھو جب بات کرتا ہے تو سنا ہے قلم دوات والے شش وپنج میں پڑ جاتے ہیں بلکہ ان کی بولتی بند ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اسی تعویذ ملاپِ قطبین کو نکارتا ہے جس کے بارے میں حسیب بے قابو نے بڑھ چڑھ کر بولا تھا کہ اب تو مفتی آف بجبہاڑہ کا فتویٰ نیشنلائز ہو گیا کیونکہ بھارتی نیشنل پارٹی نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ جی ایس ٹی میٹنگ کے بعد تو سیاسی حساب دان پھولے نہ سمائے، اعلان فرمایا کہ

کنگال کشمیر و شال بھارت کی معاشی تاریخ کا حصہ بن جائے گا۔ اب ملک کشمیر کے تمام مسئلے بطفیل جٹلے حل ہوں گے۔ یہاں کتنے لوگ بھارت کی سیاسی تاریخ میں دفن ہو گئے گنتی کرنا مشکل ہے۔ شاید اسی لئے جب تعویذ قلم کنول کے بارے میں اناپ شناپ سامنے آئے تو دوات والے فوراً بجبہاڑی روشنائی نکال کر اپنا فتویٰ قلم بند کرتے ہیں۔ اس کی ذمہ داری پیر نعیم آف بانڈی پورہ کو یہ کہہ کر سپرد کرتے ہیں جتنا جی چاہے جھوٹ بولنا لیکن ڈولتی کرسی کی لرزتی ٹانگوں میں تعویذ استحکام باندھو، آستانِ دہلوی پر منتیں چڑھاؤ مگر اقتدار کا پرشاد ہمیں کھلاتے رہنا۔ کسے نہیں معلوم مادھو جی مودی مہاراج کا ایسا پتلا ہے جسے ملک کشمیر میں ڈرانے دھمکانے کے لئے میدان میں اُتارا جاتا ہے اور جب وہ دفعہ ۳۷۰ کی مٹی پلید کرتا ہے تو قلم والے اپنے آپ کو برہنہ محسوس کرتے ہیں۔ بے چارے دفعہ ۳۷۰ کی عزت و آبرو کے ساتھ کھلواڑ کوئی نیا کھیل نہیں۔ ہل والے ہنڈو صاحب اسے ''عزِ ہیند یزت فضہِ ہیند یزت ۳۷۰، ۳۷۰'' (عزی اور فضی کی عزت ۳۷۰، ۳۷۰) کہہ کر نعرہ مستانہ لگواتے تھے۔ جانے کیوں کسی دل جلے کسی منچلے نے اس نعرہ مستانہ کو نعرہ بیگانہ جان کر ہلکا سا تبدیل کر کے ''ہٹُن یزت ہٹُن یزت'' (ہٹی کی عزت ہٹی کی عزت) مشہور کرا دیا۔ حالانکہ سیاسی حمام میں سب ننگے ہوتے ہیں پھر بھی جو دستاویز ستر پوشی کے لئے قلم دوات والے استعمال کرتے ہیں، وہ بھی کئی جگہ تار تار ہوتا دِکھتا ہے اور سیاسی اندرون کا لباس شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں چیتھڑے بن جاتا ہے۔ ایسے میں سیاسی رانڈے ڈرڈر کے راستہ چلتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر سیاسی زاغ و زغن اڑان نہ بھریں۔ کسے نہیں معلوم کہ دفعہ ۳۷۰ تو پہلے بھی ہمارے پاس تھی پھر اہل سیاست نے ہوس اقتدار پورا کرنے اور لنگڑی کرسی پر براجمان رہنے کے لئے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے بیچ بازار بیچ دیا۔ بھلے اہل سیاست خود اس بازار میں نادار بن کر رہ گئے اور کچھ ہی برسوں میں ہمارے پاس اس کا پھٹا پرانا لنگوٹ بچ گیا، جسے وہ ہر الیکشن کے وقت لوگوں کو دکھاتے ہیں، اسی کے نام سے انہیں بہلاتے پھسلاتے ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ نوجوان اب پھٹے لنگوٹ کو دیکھ کر ناک منہ پر رومال رکھ دیتے ہیں۔ یہ لنگوٹ سلطان کا لنگوٹ نہیں کہ اسے کسی سیاسی دنگل میں کام میں لایا جائے۔ سچ تو یہ ہے اس لنگوٹ میں اتنے چھید ہو گئے ہیں کہ ان کا سیاسی خلیجِ بنگال صاف نظر آتا ہے۔

رات لمبی ہے اور تاریک بھی شب گزاری کا سامان کرو دوستو
جانے پھر کب یہ ملنا مقدر میں ہو اپنی اپنی کہانی کرو دوستو
مجھ کو معلوم ہے تم بھی میری طرح جان و دل کوئے کرسی میں ہار آئے ہو
اب یہ بازی نئے سر سے ممکن نہیں اپنا انجام خود سوچ لو دوستو

رام مادھو اینڈ کمپنی قلم دوات والوں کو ہی نہیں مملکت خداداد کو آئے دن ڈراتے دھمکاتے بلکہ آنکھیں واکر کے دکھاتے ہیں اور جب آنکھوں کی بات چلے تو انہیں ملانے پر زور نہیں دیا جاتا۔ اس کمپنی کے ڈاکٹر جیتندر سنگھ بھی آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ، بس اپنا اخباری بنگولہ پھوڑ دیتے ہیں اور مملکت خداداد والوں کو ایسا سبق آموز جواب دینے کی گیدڑ بھبکی دیتے ہیں جو آج تک کسی نے نہیں دی ہوگی۔ اور ہم بیٹھے بیٹھے سوچتے ہیں کہ بھلا روز روز کا جواب بشمول سرجیکل اسٹرائیک کیوں پرانا ہو جاتا ہے اور سرحد پر تناؤ چلتا ہے۔ ہو نہ ہو اینڈ کمپنی کو جواب دینا نہیں آتا یا مملکت خداداد کو جواب سمجھ نہیں آتا۔ نہ جانے اس جواب میں انگریزی میں اردو آمیزش نہیں یا ہندی جواب میں سنسکرت آمیزش کچھ زیادہ ہے۔ ہم تو اہل کشمیر ہیں ہند پاک سوالات و جوابات کی ٹیڑھی میڑھی زبان سے ڈرتے ہیں کہ انہیں تو بات سمجھ نہیں آتی لیکن ہمیں خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے، یعنی جب جنگل میں دنگل مچ جاتی ہے تو پتلی گھاس کا بھس نکل آتا ہے۔ اور ایسی شامت اہل کشمیر سالہا سال سے سہتے آئے ہیں۔ وہ تو آنکھ نہیں ملاتے، جینوا عالمی عدالت میں ایک دوسرے سے ہاتھ نہیں ملاتے، اور ہم ہیں کہ دونوں ہاتھوں سے ہمارے چہرے پر چپت رسید ہوتی ہے، پھر یہ نہیں سمجھ آتا کہ ہم سیب کی مانند لال ہیں یا اوروں کے طمانچے سے اپنے گال سرخ ہیں۔ کلبھوشن جادو عرف حسین مبارک پٹیل کی اصل کہانی اس مصافحہ سے انکار کی بھینٹ چڑھی جا رہی ہے۔ کسے نہیں معلوم یہ مندوبین ہاتھ ملاتے تو اس کا اہم فائدہ یہ ہوتا کہ کراچی اور دلی میں ڈینگو کا خطرہ کم ہو جاتا ہے، کیوں کہ اب دونوں جگہوں کے مچھر اور مچھندر سخت جان ہو گئے ہیں۔ ڈی ڈی ٹی اور گیس کا ان پر اثر نہیں ہوتا، یا تو قوالوں کی تالیوں سے مرتے ہیں یا مخالف ممالک کے مندوبین کے ہاتھ ملانے سے۔

ہند پاک دھینگا مشتی اپنی جگہ لیکن اپنے ملک کشمیر میں بھی موسم بدلتے دیر نہیں لگتی۔ کون

نہیں جانتا یہاں موسمی تغیر، سیاسی تبدیلی، معاشی ہیر پھیر اتنا جلدی جلدی ہو جاتا ہے کہ سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ کب سیاسی پیر عوام الناس کے حق میں دعائے خیر کے لئے ہاتھ اٹھائیں یا کب سیاسی دہقان اپنا ہل ان کی خدمت میں پیش کریں اس کا سیدھا راستہ کرسی کے بغل سے جاتا ہے۔ ابھی دھوپ سینکنے جو بیٹھے تو فضا میں سفید سفید گالے گرتے دِکھیں۔ دماغ پر زور ڈالا تو پتہ چلا کہ مئی میں برف نہیں بلکہ روسی سفیدے سے نرم نرم گالے گر رہے ہیں۔ فقط گرتے نہیں بلکہ عمومی طور زکام کا موجب بن جاتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے مینڈک کا زکام سنا تھا لیکن اب پتہ چلا کہ ہمارے بزرگ کس قدر ذہین تھے۔ اللہ جنت نصیب کرے ہمارے ان بڑے بزرگوں کو جو وقتاً فوقتاً ایسی افلاطونی باتیں گڑھ جاتے تھے جیسے دل کے لفافے پر محبت کی ٹکٹ کی طرح چپک جاتے۔ امیرا کدل پر تانگے بان کا گھوڑا نہ چڑھ پاتا تو وہ اسے امریکی سازش بتاتا۔ سفیدے کے گالوں سے پھیلنے والے زکام سے اشارہ ملتا ہے کہ اس میں روسی سازش شامل ہے۔ حالانکہ اس پر سوچتے ہوئے سابق قومی سلامتی مشیر برجیش مشرا کی وہ بات جو اس نے اے ایس دلت کو بتائی تھی یاد آئی کہ کشمیر میں سفیدوں کے بغیر کوئی چیز سیدھی نہیں۔ شاید مشرا جی نے اپریل مئی میں کشمیر کا دورہ کیا تھا تو پتہ چلا کہ یہاں کے سفیدے روسی ہوں یا دیسی، بھلے ہی دِکھنے میں سیدھے ہیں مگر خصلتاً ٹیڑھے ہیں۔ مانا کہ اہل کشمیر سفیدوں کے زکام میں مبتلا ہیں لیکن اہل سیاست اقتداری زُکام سے جوجھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر فاروق اس زکام کا علاج گورنر راج کی گاؤزبان و سبستان میں ڈھونڈتے ہیں۔ اُدھر سیاسیوں کو طلبہ کا طوفانِ طبلہ بازی آرام سے سونے نہیں دیتا۔ مار پیٹ، پیلٹ، تھانے کوتوالی، پاوا سے وہ ڈرتے نہیں، سیاسی تھپکیوں کا کتھک ناچ انہیں پسند نہیں، یہ منت سماجت بھی بے ناکام ہے بیٹا جی بیٹی جی! ہم پر احسان کرو، دو گھڑی سونے دو، عمر بھر تمہیں دعائیں دیں گے، کم نمبروں سے بھی پاس کرائیں گے۔ کوئی تعویذ گنڈا نہ چلا تو وادی کی سیر کے نام پر ٹرین سواری دی مگر سب چوپٹ الٹا پلٹ! اب گولڈن ٹیسٹ اور نوے فی صد حاضری کا حکم حاکم میدان میں اتارا ہے، دیکھتے ہیں بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

اگرچہ امن کی باتوں کے پھول بکھرے ہیں
کوئی نہیں ہے جو ان سے بہلنے والا ہے

ایسے میں ہمیں بچپن یاد آیا کہ روٹھ جاتے تو گھڑ سواری کا مزہ لینے کو ملتا۔ اہل سیاست کا بس چلے تو نونہالوں کے سر پیر دبائیں بلکہ نمکین پانی سے ٹانگوں پر مساج کریں کہ خالی نمک سے زخموں پر مساج بے فائدہ رہا۔ ایک کسر باقی تھی وہ بھی نکل گئی، سرینگر کی بیٹیاں نڈر دلیر بچیاں بھی پتھراؤ کا مزہ لینے آئیں۔ ایک دوشیزہ نے فٹ بال کو کک مار کر پتھر بال کا مزالیا کیونکہ کسی پولیس والے نے سرراہ بنتِ حوا کو گالیاں دینے کر مہنگی بہادری دکھائی تھی ؎

سب سے اچھا محکمہ ہے تعلیمات تعطیلاتن تعطیلاتن تعطیلات
دے چکیں سنگ بازی میں طلبا کو مات طالباتن طالباتن طالبات

جانے یہ کشمیری عام خام اپنی بچیوں کو کس چکی کا آٹا کھلاتے ہیں کہ پولیس کا ڈنڈا کیا، پیلٹ کیا، پاوا کیا مقابلہ مردانہ وار کرتی ہیں۔ یقین نہ آئے تو میڈم جی کے ڈل کنارے جلسے میں صنف نازک کی غصہ گرمی دیکھو کہ منہ پر بیک زبان کہہ دیا ہمیں کسی اور کام کے لئے بلایا گیا مگر یہاں کچھ اور ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے نازک کلائیوں نے سب کچھ اُلٹ پلٹ دیا، کرسیاں بے دست و پا کیں، شامیانے سجدے میں گرائے، مائک کا گلا دبایا۔ بارہ قلی تیرہ میٹ پرانی کہاوت ہے مگر صرف ملکِ کشمیر میں عین غین سچ بیٹھتی ہے۔ یہاں کس کی کیا ذمہ داری ہے، اس کا کبھی خلاصہ ہی نہ ہوا، اسی لئے جسے جو جی چاہے شوق سے کر لے۔ وزیر تعلیم طلبہ کی منت سماجت میں مصروف ہیں کہ میں اپنی بخارا کمپنی کا جوس پلاؤں گا تم بس اپنا غصہ تھوک دو، لیکن جنوبی کشمیر میں خاکی وردی والے بسوں سے سفید وردی والوں کو اُتار اُتار کر ان کی خوب خبر لیتے ہیں، یعنی مطلب فری سٹائل سیاست میں پتہ ہی نہیں کون کیا کہہ رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ سینا اپنی گاڑی کے بانٹ سے ایک کشمیری غلام کو عین پولنگ کے دن باندھنے پر کمانڈر صاحب کو شاباشی دیتے ہیں مگر دوسرے کماندان کہتے ہیں نہیں جی نظم شکنی پر کورٹ آف انکوائری چل رہی ہے۔ ایک ٹولہ کہتا ہے تم ہمارا تاج ہو، دوسری ٹولی کہتی ہے اہل کشمیر پر بم برساؤ، نہیں ؎

مقتل سجے ہیں پنکھ بھی زخمی ہیں اعظمی
سائے میں خنجروں کے پرندہ ہے زندگی

اور لاچار کشمیری یہ اوٹ پٹانگ دُکھی گیت گائے۔ تنہا تنہا ہم سب آتش، ماتم نوحہ بین کا سرگم، پتھر

یلے سازوں میں گم ہیں، آزادی کی ٹھمری بجائیں، چھکری اپنی روز سنائیں، اَٹوٹ اَنگ پہ تھر کنے والو! ہمت ہے تو آگے آؤ، تین سوستر کا بینڈ بجاؤ، فوجی مبصرین کو سونہ وار سے ہٹاؤ، گھر واپسی ان کی کر جاؤ، تب مانیں کشمیر تمہارے، باپ کا ورثہ دادے کی جاگیر، یہ نہ کیا تو خاموشی سے، میرے گھر سے بھاگ کے جاؤ، ورنہ میرے پتھر کھاؤ، غصہ پاؤ نفرت پاؤ، میں ہوں پیاسا آزادی کا، شمع خود ہوں خود پروانہ، جل بھن کر میں خاک ہوا ہوں، میری گرمی توبہ توبہ، میری حرارت سے بچ جانا۔ کیا مودی مہاراج اور امت شاہ کے گوشِ سماعت سے یہ نغمۂ دل فگار کبھی ٹکرایا؟

* *

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

شاعر نے کیا خوب کہا تھا کہ عاشق کی سواری ہے بڑی دھوم سے نکلے۔ مگر ملکِ کشمیر میں مقیم وردی پوشوں نے جب بیروہبڈ گام کو انسان ڈھال بنا کر فاروق ڈار کی سواری دھوم سے نکالی تو ایسے نکالی کہ کہیں وہ کشمیر کو بھارت سے الگ نہ کر پائے اور اگر ایسا ہوا تو اٹوٹ انگ کے راگ میں سر تال بکھر جائیں گے، یعنی سیاسی سا، رے، گا، ما، پا کو پھر جوڑنے میں فیوکال کیا ناگپوری پرچارک کا بھاشن کیا، دلی دربار کی سرجیکل اسٹرائک بھی کم پڑ جائے گی۔ یوں میڈان انڈیا رسی کا استعمال کر بھارت کو کشمیر سے کس کر باندھا گیا تا کہ کوئی گانٹھ کمزور نہ پڑے۔ بھلے کشمیر کے ساڑھے تین ڈسٹرکٹ سر درد پیدا کئے ہوئے ہیں اور دیوانہ وار لاٹھی پتھر لے کر سڑک پر نکلتے ہیں اور سات لاکھ فوج اور نیم فوجی دستوں کو للکارتے ہیں، زور سے آواز لگاتے ہیں: ع

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

ایسے میں نہ جانے کتنے جگر چھلنی ہو گئے مگر اہل کشمیر ہیں کہ کھڑے ہیں، اپنی بات پر اڑے ہیں۔ اور وہ جو بے چارہ تین میں تھا نہ تیرہ میں، حد تو یہ کہ بھارتی سم وِدھان میں پکا یقین رکھ کر ووٹ بھی ڈال آیا تھا، کو اپنی سواری کے بانٹ پر رسیوں سے باندھ دیا گیا کہ بھائی عیش کرو بھلے عاشقی معشوقی کا اس وقت ٹائم نہیں، سر پر باندھنے کے لئے سبز دستار نہیں کہ خواتین وُنہ وُن گاتی، سبز دستار س خدا چھُی راضی پاکستانک غازی آو۔ تاریخ گواہ ہے ہم نے یہی کچھ قائداعظم کے لئے گایا اور پھر دروغ برگردن راوی جس نے اطلاع دی کہ مرار جی ڈیسائی کے لئے بھی گایا کیونکہ ہم جب اَڑتے ہیں تو سینہ سپر کر جاتے ہیں۔ جب گاتے ہیں تو دل کھول کر گاتے

ہیں۔ جب ناچتے ہیں تو تھرک تھرک کرناچتے ہیں، بھلے عمر کے آخری پڑاؤ پر پہنچے ہوں مگر جوان سال ایکٹرس کو چیلنج دیتے ہیں، ناچ میری بلبل کہ پیسہ ملے گا۔ بھلے ہمارے لئے ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا ثابت ہو لیکن ہل والے قائد ثانی نے یہ ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے یہ اور بات ایک فاروق ناچ میں اپنے جوہر دکھائے لیکن دوسرا فاروق اپنا دھندہ کرتا ہے، عام خام بندہ ہے اس کے لئے بنت کشمیر کیوں نہ گاتیں لیکن میجر گوگوئی سبز دستار کا انتظام نہ کرسکا۔ اس کے لئے اس کی سرزنش نہیں کی گئی بلکہ منوں ٹنوں مبارکباد دی گئی کہ فوجی ہو تو ایسا۔ آسام میں اسے مغلوں کے خلاف جنگ لڑوایا گیا، سپہ سالار نے نت نئے طور طریقوں کا موجد بتایا، فاضل وکیل سرکار نے اعلان کیا عدالتوں میں وہ خود اس کا دفاع کرے گا تاکہ کوئی عدالتی پتھر اس کے سر نہ لگے اور ادھر جامبولوچن کی رسد گاہ میں صدر وکیلان نے ایجی ٹیشن کی دھمکی دی اگر میجر کے خلاف ایف آئی آر واپس نہ لیا گیا یعنی بھارت ورش کے کونے کونے سے خبر ہے کہ فوجی ساڑھا شیرا ہے باقی ہیرا پھیرا ہے۔ ملک کشمیر میرا ہے اور فاروق ڈار بٹیرا ہے اور بیٹروں کے بشری حقوق نہیں ہوتے۔ انہیں زندگی اسی لئے عطا ہوئی ہے کہ وہ ارباب اختیار کے دم چھلے بنے رہیں، اور جب ان کی ضرورت ہو تو صاحبان اقتدار و اختیار کے لئے سامان عیش، میڈل، پروموشن کا ذریعہ بن پائیں۔ میڈلوں کے لئے یہاں کتنے فاروق سولی چڑھائے گئے گنتی کریں تو سولہ سو موار چاہیں۔ رحمان پڈر کیا، ظہور دلال کیا، وامق فاروق کیا، طفیل متو کیا، جمعہ خان کیا اور ہر پل کوئی نہ کوئی نئی کہانی تحریر ہوتی ہے۔ جس میں ایک مرکزی کردار کوشر بچور (غریب کشمیری) ہے اور دوسرا صاحب اقتدار یعنی کل جو رعب دار تھے، ساہوکار تھے، تھانیدار تھے تب کسی نے چوں و چرا نہ کی اب کی بار جو آر پار مودی سرکار ہے اس میں کس لئے چیخ و پکار کا کھیل کھیلا جائے۔ اور سپہ سالار جو ہے وہ سونے سے پہلے جاگنے کے بعد، چلنے سے پہلے رکنے کے بعد، کھانے سے پہلے پینے کے بعد بس میجر گوگوئی کی تعریف میں نئی نئی کہانیاں جوڑ رہا ہے۔ ان کہانیوں میں مونچھوں پر تاؤ ہے، طاقت کا جماؤ ہے، الفاظ کا رعب ہے، دھمکیوں کا خوف ہے کہ ہمت ہے تو پتھروں کے بدلے ہتھیار لیکر آؤ۔ شاید اس لئے۔

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھی دھڑکنیں
ان کو زبان ملی تو ہم پر برس پڑیں

کسے نہیں معلوم سپہ سالار کے پاس بڑے ہتھیار ہیں وہ تو ہم پچیس سال سے چھاتی پر، ٹانگوں پر، سر پر، کھوپڑی پر یعنی پورے جسم پر لیتے رہے ہیں لیکن سالار کو بھی علم ہے کہ اس کا دل و دماغ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ شاید یہی سمجھ کر سالار نے اعلان کیا کہ فوج سے ڈرنا ضروری ہے البتہ یہ ملک کشمیر والے اب ڈر کو دھوئیں کی مانند اڑا چکے ہیں۔ مطلب ہم جب صاحب اختیار لوگوں کے چنگل میں پھنس کر ہڈیاں تڑواتے ہیں تو درد سہنے کے لئے دوائی نہیں بلکہ حقے کے چند کش لیتے ہیں۔ ہم جب کریک ڈاؤن میں زندگی داؤ پر دیکھتے ہیں تو چپکے سے سگریٹ کے دو چار کش لگا کر پریشانی سے چھٹکارہ پاتے ہیں۔ جب سرکاری دفتر یا منسٹر صاحب سے ملنے جاتے ہیں تو سگریٹ ماچس جمع کرتے ہیں اور واپسی پر فائل یا درخواست کو نہیں دیکھتے بلکہ سکورٹی اہلکاروں سے سگریٹ ماچس واپس مانگتے ہیں کیونکہ یہی دھوئیں کا منبع ہماری ہر پریشانی کا علاج بنتا ہے۔ ہم نے صدیوں سے فکر و پریشانی کا علاج خود ہی دریافت کیا اور اس علاج کا Patent یعنی جملہ حقوق ہمارے پاس محفوظ ہیں، موجود ہیں۔ ہم ہی تو ہیں جو ہر فکر دھوئیں میں اڑاتے ہیں اور اسی دھویں کے دوران شام کو ٹیلی وژن پر گالی گلوچ سنتے ہیں۔ شور شرابہ سنتے ہیں کہ کان پڑی آواز نہیں سمجھائی دیتی، کیونکہ اب کی بار مودی سرکار نے پہلے ہی ٹی وی دنگل کا سارا منگل اپنے نام کروایا ہے پھر بھی اے سی کمروں میں بیٹھے مودی کے درندر صحافی فوجی ساڑھا شیرا ہے کی ڈھولک بجاتے ہیں، ان کے لئے مالائیں سجاتے ہیں، نیشنلزم کا بھونپو بجاتے ہیں، خود ہی وکیل، منصف اور تارا مسیح بن کر جس کا جی چاہے شمشان اور قبرستان سجاتے ہیں۔

ایک حمام میں تبدیل ہوئی ہے دنیا
سب ہی ننگے ہیں کسے دیکھ کے شرماؤں میں
مٹتی ہوئی دنیا کا سماں دیکھ رہا ہوں
بیگانہ وش و نوحہ کناں دیکھ رہا ہوں
(سلیمان اریب)

ایسے میں ایمنسٹی، حریت تو بھڑ گئے کہ یہ تو سراسر بشری حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ مانا کہ وہ سچ بول رہے ہیں لیکن بیچ میں قلم دوات والے بھی اپنی بات کہہ بیٹھے کہ ہم ایسی ایکشن کو

پسند نہیں کرتے۔ ہماری تو گدگدی ہوئی، ہم تو کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ہم تو سوچنے لگے کہ اچھا قلم دوات والوں کی پسند ناپسند بھی کہیں خاطر میں لائی جاتی ہے، بھائی ہمیں تو آج تک پتہ نہیں تھا ۔آپ نے جانکاری دی اس کے لئے شکریہ۔ اپنے اسلاف نے کیا بات کہی تھی کہ گُربن لاگان نال خر دوران پڈٔ رہتھ (گھوڑوں کے ٹاپوں پر نال لگائے جاتے ہیں اور گدھے اپنی ٹانگیں آگے کرتے ہیں)۔ ایسے میں بابو بھائی بھی میدان عمل میں کود پڑا کہ دے مائلا ارون دھتی رائے کو رسیوں سے باندھ کر بانٹ پر بٹھاؤ۔ واہ مائلا کیا طریقہ نکالا ہے!!!

جب ہم اسکول میں تھے تو گائے کو پالتو جانور کہا جاتا تھا لیکن اب کی بار راجستھان ہائی کورٹ کے جج صاحب نے سبکدوشی کے روز اس بات کا حکم صادر کر دیا کہ گائے کو قومی جانور بنایا جائے۔ اس لئے کہ اس میں ۳۳ کروڑ دیوی دیوتا موجود ہیں۔ اکیلا جانور ہے جو آکسیجن پیتا اور چھوڑتا ہے اور اس کے گوبر سے کالرا کے جراثیم مر جاتے ہیں۔ اس کے سینگ کا سمک شعاعیں جذب کر کے انسانیت کی بہت خدمت کرتے ہیں۔ بات سکولی بچوں کی چل رہی تھی وہ بیچارے بھی کیا کریں کتنا یاد رکھیں اور کس قدر بھول جائیں۔ سال بھر انہیں سمجھایا گیا کہ گائے ایک پالتو جانور ہے لیکن اب سال ختم ہونے کے وقت انہیں مخمصے میں ڈالا گیا کہ یہ قومی جانور ہے۔ سال بھر وہ یاد کرتے رہے اور سیکھتے رہے کہ اس کی چار ٹانگیں ہیں جن کے سہارے وہ چلتی ہے لیکن اب پتہ چلا کہ ملک بھر میں اس کے کروڑوں بھگت ہیں جو اسے چلنے پھرنے نہیں دیتے بلکہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ یہ بھگت اپنی ماں کی کوئی قدر کریں نہ کریں یا اسے بڑھاپے میں آشرم چھوڑ آئیں لیکن گئو ماتا جان کر اس کی بلائیں لیتے ہیں، اس کی تعریف میں بھجن گاتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں۔ بچوں کو تو معلوم تھا کہ کسی بیماری کے وقت ڈاکٹر حکیم یا وید کے پاس جا کر اس سے دوائی لینے کی ضرورت ہے لیکن اب پتہ چلا کہ گائے کا پیشاب پینے سے ساری بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ اس کے چلتے بابا رام دیو میدان عمل میں کود کر دس ہزار کروڑ کی پتنجلی بازار میں لے آیا اور جب بابا جی سے کہیں کہ تمہارے پتنجلی تجزیے میں فیل ہوتے ہیں تو وہ آنکھ مار دیتے ہیں۔ ہم تو تب حیران ہوئے جب راجستھان ہائی کورٹ نے اعلان کر دیا کہ گائے کے اندر ۳۳ کروڑ دیوی دیوتا موجود ہیں۔ یہ تو عدالت عالیہ کا بیان ہے اور ہم اس کی مخالفت کرتے ہوئے حکم عدولی کے

مرتکب نہیں ہو سکتے۔ ہم نے لاکھ کے نوٹ بنڈل گنتے مشینوں کا استعمال بنکوں میں ہوتے دیکھا ۔ خود ہم دس ہزار گنتے گنتے تھک جاتے ہیں لیکن دیوی دیوتا گننے کے لئے کون سا کمپیوٹر استعمال ہوا اس پر ہم انگشت بدنداں ہیں، پریشان ہیں۔ یہاں تو انسان گننے کے لئے مردم شماری بھی دس دس سال بعد کی جاتی ہے لیکن یہ دیوی دیوتاؤں کی شماری کس طرح ترنت کرلی گئی؟ اب سمجھا اصل میں اس کے اندر دیوی دیوتا دودھ بناتے اور نکالنے میں مدد کرتے ہیں۔ سکول میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس کے دو سینگ ہوتے ہیں جو یہ اپنا دفاع کرنے میں استعمال کرتی ہے، اب پتہ چلا کہ دراصل مضر صحت کاسمک ریز جذب کرنے میں ان کا استعمال ہوتا ہے۔ جانداروں کے بارے میں آکسیجن پینا اور کاربن ڈائی آکسائڈ چھوڑنا سالہا سال سے سنتے چلے آرہے ہیں لیکن گائے تو آکسیجن پینے کے ساتھ چھوڑتی بھی ہے۔ گائے کے گوبر سے کالرا کے جراثیم مرجاتے ہیں یہ بھی بڑی اہم سائنسی دریافت ہے یعنی اب کی بار مودی سرکار دو دو نوبل انعام جیتنے والی ہے اس کے لئے پیشگی مبارک باد۔

گائے تو پہلے سے ماتا تھی لیکن اب وہ قومی ماتا بن جانے کے قریب ہے ایسے میں ہمیں قومی پتا کی فکر لگی ہے یعنی فادر آف دی نیشن کا منصب بدل بھی سکتا ہے۔ اتنا ہی نہیں شیر قومی جانور تھا لیکن اب اسے بھی اپنی پوزیشن سے نیچے دھکیلا جائے گا۔ شیر اور گائے کی آزادانہ جنگ میں کبھی گائے شیر کے سامنے ٹک نہیں پائی لیکن سیاسی لڑائی میں بھگتوں نے ووٹ دے کر اور عدلیہ کے سبب شیر کی کرسی جاتی رہی۔ وہ بیچارہ اب دھاڑ کر کرے گا کیا؟ اپنے ملک کشمیر میں بھی سیاسی شیر ڈھائی سال سے دھاڑنے کی کوشش میں ہیں لیکن ان کی آوازیں حلق سے نہیں نکل پا رہیں۔ اسی لئے وہ گورنر راج کی دہائی دیتے رہے ہیں لیکن کوئی سن نہیں پارہا۔

یہ اسکولی بچے گائے پر مضمون کیا لکھیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ گائے کالرا، کاسمک ریز، لکڑی وغیرہ کچھ بچائے نہ بچائے، ان لوگوں کی کرسی بچاسکتی ہے جنہوں نے سب کا ساتھ سب کا وکاس، بنک اکاؤنٹ میں پندرہ پندرہ لاکھ روپے، نوکریاں دینے کا وعدہ کیا تھا، ان کی سرکارِ مضطر و بے خبر ضرور بچائے گی۔

⁂

حملہ آور خبردار، ناری سینا ہے تیار

کسے نہیں معلوم جس طرح وشال بھارت کے ساتھ کرنسی، خارجی امور اور دفاع پر ملک کشمیر کا مشروط الحاق ہے، ویسے ہی اہل کشمیر کا مملکت خداداد کے ساتھ تین چیزوں پر الحاق قائم ہے۔ الحاقِ ہند پر تو کئی سال سے جنگ ہماری جاری ہے کہ یہ الحاق زور زبردستی کا ہے اور اس الحاق کے طفیل صرف اہل سیاست کے وارے نیارے ہوتے رہے ہیں۔ اس کی کرامت سے اہل سیاست موٹے تازے فربہ ہوگئے اور وہ بات بات پر بھارت ماتا کی جے بلکہ بھارت داتا کی جے پکار بیٹھے اور اس کے چلتے عام خام کشمیری کٹتے مرتے رہے۔ الحاقِ پاک کرکٹ، ہاکی اور عید کے چاند پر قائم ہے۔ ایسے میں اگر پاکستانی کرکٹ ٹیم کی جیت پر رندانِ کشمیر نے زندان جیسی زندگی کو ٹھکرا کر خوشی منائی تو کیا غلط کیا، بلکہ گبر سنگھ کی آواز میں میں کہتا ہوں کوئی غلط نہیں کیا۔ وردی پوش طیش میں کیوں آگئے اور وہیل گاؤں میں نہتوں پر ٹوٹ پڑے۔ اتنے وکٹ فیلڈ میں نہیں گرے تھے جتنے اہل وہیل کو گرایا۔ اتنی چوٹیں کھلاڑیوں کو فیلڈنگ کے دوران نہیں آئی تھیں جتنی بلا لحاظ جنس افواج ہندوستان نے پہنچائی۔ شاید اسی بات کو لے کر سپہ سالار نے کہا کہ اہل کشمیر فورسز اور ملی ٹنٹوں دونوں سے ڈرتے ہیں۔ ویسے اس بات کو چھوڑ کر وشال بھارت کے سپہ سالار جب بولتے ہیں تو کڑک بولتے ہیں۔ کہتے ہیں بولنے سے پہلے تولنا ضروری ہے اس کو جنرل صاحب بوفورس توپ کے دہانے رکھ کر ایسا منہ کھولتے ہیں کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ پھر وہ بیان پہ بیان اتنے دیتے ہیں کہ صاحب کو خود نہیں معلوم پڑتا کہ کل کیا بول گئے تھے۔ اسی لئے جب سنگ بازوں کو دھمکی دی کہ تمہارے ساتھ بندوق برداروں جیسا سلوک ہوگا لیکن سنگ باز

بھی اُڑ گئے اور نعرہ لگایا کہ یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گا۔ پھر جو بانٹ پر بندھے بندہ ء خام کو چیتاونی دی کہ ایسا سلوک کرنے والوں کو پکا انعام دیا جائے گا تو نہ جانے کہاں کہاں سے اس پر لے دے ہوئی، لیکن ایک کانگریسی نیتا نے تو ہاتھ ہلا کر کہا کہ جنرل صاحب تو گلی کے غنڈے لگتے ہیں۔ خیر ہم سیاست اور حماقت کے بیچ اپنے آپ کو کھونا نہیں چاہتے لیکن جنرل صاحب نے مہیلا سینا کی وکالت کی۔ ہم کو کسی بھی مسئلے پر سوچنے کا حق ہے کیونکہ بھلے لب آزاد نہ ہوں لیکن سوچوں پر میڈ اِن انڈیا تالا چڑھ نہیں سکتا۔ اسی لئے ناری سینا بھی ہماری سوچوں کے اندر گھس گئی۔ اب چونکہ وہ تو سینا ہے پورا ویشرام تو نہیں کرے گی بلکہ ہر لمحہ لیفٹ رائٹ کر کے فوجی جوتوں کی گڑگڑاہٹ کا شور سنائی دے گا۔ پھر وہ جو کہتے تھے کہ مردانہ وار مقابلہ کیا اس کی تبدیلی ضروری ہوگی یعنی مقابلہ اب زنانہ وار ہوگا۔ ایسے میں دشمنوں کے چھکے چھوٹ جائیں گے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جنگ ناری سینا لڑے یا پُرش فوج، لیکن بچارے چھکوں کا کیا قصور!!! جنرل صاحب ناری سینا کو عوامی احتجاج سے نمٹنے کے لئے لانا چاہتے ہیں۔ ایک طرف جوانوں کی ٹولیاں دوسری طرف ناری سینا کی بولیاں فیصلہ کن تو صنف نازک کا حملہ ہوگا۔ بھلے وہ آنکھوں سے تیر مارے یا تیز مژگان کا استعمال کریں، کوئی جوابی کاروائی ممکن نہیں اور اگر واقعی ان کا بازو بندوق کے زور سے لرزا تو مجال ہے کوئی سنگ باز اسے گرنے دے بلکہ لپک کر مہلا سینک کے حوالے کرے گا کہ اللہ بچائے

مست نظروں سے ہم تو آپ کے ہاتھوں گولی ہی کھانا پسند کریں گے۔ لگتا ہے جنرل صاحب بھلے ہاتھ میں بندوق اور منہ سے بارود پھوڑیں لیکن دل عاشقانہ اور مزاج شاعرانہ رکھتے ہیں۔ انہیں صنف لطیف کے عاشقانہ حملوں کی کاری ضرب معلوم ہے کس قدر گہرا گھاؤ لگتا ہے۔ اسی لئے شاعر نے کیا خوب کہا ع

ہر بلا سر پہ آئے لیکن حسن والوں سے اللہ بچائے

مہیلا سینا کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ سرحد پر بم بارود کے بدلے دشمن پر ماں بہن ایک کرنے کے علاوہ کوسنے کی بارش ہوگی۔ دشمن فوج تو سمجھ نہیں پائے گی کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے لیکن یہاں سے باپ داد، بیوی بچوں رشتہ داروں پر بہت ساری بددعائیں ملیں گی جس کے

چلتے چینی فوج مخمصے کا شکار ہو کر میدان چھوڑ کر بھاگے نہیں تو میرا نام بدل دینا۔ پھر بھارتی فوج کے لئے ایک ہی سرحد باعث تشویش رہے گی۔

حسن کی توپ کا گولہ مارا تیرا لکھ نہ رہے
تجھ پہ گر جائے قطبی تارا تیرا لکھ نہ رہے
(خالد مسعود)

وشال بھارت کے طول و عرض میں مودی سرکار کے بعد یوگی سرکار کی دھما دھکہ، تھما تھپڑ، لگا مکہ کو ابھی ساڑھے تین منگل بھی نہیں گزرے کہ اس بات کا اعلان ہوا کہ گوا میں ایک سو بیس سنگٹھن مل کر بھارت کو ہندو راشٹر بنا دیں گے۔ ہو نہ ہو کوئی یوگی اینٹ پتھر لے کر آئے اور کوئی سادھوی سیمنٹ ریت لے کر پہنچے۔ ہندو راشٹر میں کیا کیا ہوگا اس پر ہم سوچ میں پڑ گئے۔ تلک دھاری اور دو کپڑے پہنے سیاست کار ہوں گے۔ ایک ہاتھ میں بالا دوسرے میں ترشول لئے پرچارک گھومیں گے۔ گئو ماتا کی جے جے کار سے دن نکلے گا اور شام دودھ دوہنے سے ہوگی۔ جو گئو ماتا کی جانب ترچھی نظر ڈالنے کا موردِ الزام ٹھہرے یا جو بھاجپا سرکار کے کسی فیصلے پر آنا کانا کرے وہ دیش دروہی تو ہوگا ہی لیکن ساتھ میں اس کا سامنا گولی، لاٹھی سے ہوگا۔ اس کے زخموں پر مرہم نہیں لگے گا بلکہ اس کے خلاف مکھیہ پرچارک اپواس کرے گا۔

سرجیکل اسٹرایک کی خبر جس دم شہر میں پھیلی
نعرے ہر سمت لگے ، شور ہوا، دھوم نکلی
اڑتی اڑتی جب یہ خبر گدھوں تک پہنچی
پھر تو ان کی رام راجیہ کی شہ رگ پھڑکی
ڈھینچوں ڈھینچوں کی صداؤں کا اک جم غفیر
ساری خلقت نظر آتی تھی گدھوں کی جاگیر

اور ہندو راشٹر میں ٹی وی اسٹیڈیو میں پڑوسیوں کے خلاف دن رات اعلان جنگ تو ہوگا لیکن انگلینڈ نے اگر وجے مالیا کو واپس نہیں کیا تو اس کے خلاف سفارتی تعلقات منقطع کرنے سے شروعات ہوگی۔ اگر نہیں سنبھلے تو ان کے ساتھ کرکٹ کھیلنا بند ہوگا اور اگر پھر بھی نہیں سنبھلے تو ہم

انگریزی بولنا بند کردیں گے۔ جبھی تو انگلستان کی عقل ٹھکانے آئے گی۔

اب کی بار مودی سرکار کو کرسی سنبھالے ڈھائی سوموار بھی نہ گزرے تھے، سب کا ساتھ سب کا وکاس کو سوا سنیچر بھی نہ گزرا تھا اور میک ان انڈیا کی مہرا بھی تیار بھی نہ ہوئی تھی اور ان کی نئی ڈریس ابھی درزیوں کے پاس ہی تھی کہ آر ایس ایس کے جملہ پرچارک نے اعلان کیا کہ نئی پود کو بھارت ماتا کی جے کہنا سکھانا چاہئے یعنی ایک طریقے سے ہر ایک کو مجبور کیا جانا چاہئے، بھلے دبے لفظوں میں، کہ وہ یہ نعرہ لگائے۔ کسے نہیں معلوم چھوٹی چڑی پہننے والوں کی بڑی شرارت بھی کافی بڑی ہوتی ہے اور ان کے سمجھانے کا انداز بھی نرالا ہوتا ہے۔ وہ چڑی بھلے ہی چھوٹی پہنیں لیکن ہاتھ میں ڈنڈا لمبا ہوتا ہے اور مودی مہاراج کی اراجیتھا کے بدلے سے تو ڈنڈے کی جگہ لمبی نالی والی بندوق یا تیز دھار والی تلوار نے لی۔ سامان ضرب وحرب ہاتھ میں لئے اور جموں، کشتوار، ناگپور میں سڑک سڑک ایسے دندناتے پھرے کہ ضلعی انتظامیہ کو بقول ان کے کچھ نظر نہیں آیا۔ اس سب کے بیچ موہن بھاگوت نے سفید مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے اس نعرے کی اہمیت اس قدر بڑھادی کہ جو یہ نعرہ لگائے گا وہی بھارتی کہلائے گا۔ مطلب دیش بھگتی کا ٹیسٹ اسی نعرے پر منحصر رہے گا۔ سیاست میں نعروں کی اہمیت سے ہم سب واقف ہیں اسی لئے مختلف موقعوں پر نعرے بازی ہوتی رہی ہے اور آگے بھی ہوتی رہے گا۔ ہل والے نیشنلی جب محاذی تھے تو ان کا نعرہ مستانہ اونچا رہے گا ہل والا جھنڈا تھا، البتہ جب وہ کانفرنسی بن گئے تو نعرے کے الفاظ الہ کرے گا وانگن کرے گا بب کرے گا میں تبدیل ہوگئے۔ خود تحریک نوازوں کا نعرہ رندانہ تھا اے مرد مجاہد جاگ ذرا۔ اس تحریک میں جب کفن بردوش (خودکش دستے) لوگوں کا زمانہ آگیا تو فقط اس نعرے پر سیاست کرنے والے اس کا دوسرا جملہ یعنی وقت شہادت ہے آیا جان بوجھ کر بھولنے لگے۔ نعروں کی مدد سے سیاست کار لوگوں میں جوش بھر دیتے ہیں اور اسی میں ان سے ہوش گنوا کر اپنے بس میں کر لیتے ہیں تا کہ وقت وقت پر ہپناٹائز کر کے ان سے کام نکالا جائے۔ پچھلے کچھ عرصے سے پورے بھارت میں ایک لہر سی دوڑادی گئی کہ بھارت ماتا ہے اور اس کی جے کہنا ضروری ہے اور وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کا فرمان ہے کہ جو اس ماتا کی جے نہیں بولے گا وہ اپنے گناہ تولے گا اور ان گناہوں کا کفارہ بھارت چھوڑ کر ادا کرے گا۔ اب جو نہیں بولے گا اسے

کہیں دور کسی اور ملک میں جانا ضروری ہے یعنی انگلینڈ فرانس امریکہ وغیرہ میں پناہ لینی پڑے گی۔ امریکہ میں تو ڈونالڈ ٹرمپ انتظار کر رہا ہے وہ وہاں کسی مسلمان کو آنے نہیں دے گا بھلے ہی ایک کے بعد ایک عدالت اس کی رکاوٹ بنے۔ کیا پتا فرانس انگلینڈ والے کس طرح کا وطیرہ اپنائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی بھومی پوجن میں حصہ لے کر بھارتی سنکرتی کو اپنائیں اور آگے وہاں بھی ملک ماتا کا درجہ حاصل کرے۔ ایسے میں وہاں پناہ لینے والوں کو فرانس ماتا کی جے، انگلینڈ ماتا کی جے، آسٹریلیا ماتا کی جے کہنے پر مجبور کیا جائے۔ البتہ مسئلہ ہے کہ کئی ممالک اپنی جائے پیدائش کو مدر لینڈ کے بدلے فادر لینڈ پکارنا چاہتے ہیں۔ اس لئے بھارت ماتا کے جواب میں فرانس پتا، انگلینڈ پتا، آسٹریلیا پتا کا نعرہ ضروری بن جائے۔ ہونہ ہو بھارتی سنسکرتی اور یورپی سنسکرتی آمنے سامنے آئے اور ایک نیا جھگڑا شروع ہو جو بھارت ماتا اور فرانس پتا کی چوکھٹ پر منتج ہو۔ ماضی میں بھارتی گائے اور یہودی گائے کا تنازعہ طول پکڑ گیا جب نیتن یاہو نے یہودی گائے کی تعریف کرتے ہوئے اسے دنیا بھر میں افضل گائے کا درجہ دیا لیکن بھارت والے بھارتی گائے کو ماتا کا درجہ دے کر اہم منوانے پر مجبور کرنے لگے۔ ان حالات میں چوتھی عالمی جنگ جنم بھومی کی جے اور گائے کی اہمیت کو لے کر ہوسکتی ہے۔ یعنی مائیں ایک طرف ہوں گی اور پتا دوسری طرف۔ جے جے کے نعرے لگیں گے۔ جو زور سے آواز لگائے گا اور اونچی آواز دیگا اس کی جیت ہوگی کیونکہ جے جے کی نعرے بازی میں بے چارے نیوکلیر ہتھیار پھُس ہوکر رہیں گے۔ نیوکلیر سائینس دان خاموش ہوں گے کہ ان کی اہمیت ختم ہوگی۔ جنگی جہاز بمباری نہیں کر پائیں گے۔ شاید اسی لئے ناری سینا کی ضرورت ہے کہ مہلائیں جب آواز لگاتی ہیں تو بہت زور سے۔ اس کے سبب عوامی احتجاج ہی کم نہیں ہوگا بلکہ دشمن فوجیں بھی دم دبا کر بھاگ جائیں گی۔ سپہ سالار ہمیشہ نئے فوجی تجربات کا حامی رہا ہے، جن میں میجر گوگوئی کا بونٹ اور مہلا سینا نت نئے جادو کے کھیل ہیں۔

* *

کیا ہوئی ظالم! تیری غفلت شعاری ہائے ہائے!

ہم پہ الزام بے وفائی ہے کہ ہم افواج کی بندوقوں سے نہیں ڈرتے۔ ڈریں بھی کیسے ہمیں جو معلوم ہے اسلحہ برآمد کرنے کا بھونپو بجا رہے تھے ان کی ہیکڑی نکل گئی کہ یہ بندوقیں کار آمد نہیں۔ بھائی ہم افواہ باز نہیں لیکن خود فوجی افسران کی رپورٹ ہے۔ اور ہم ہیں کہ تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے ہیں اور اس قدر رواں دواں ہیں کہ بندوق کا ڈر بھی جاتا رہا۔ سینہ تان کے کھڑے ہوتے ہیں اور آنکھیں پھاڑ کے نظریں ملاتے ہیں اور پھر اشاروں کنایوں میں نہیں بلکہ بہ آواز بلند کہہ دیتے ہیں۔

ادھر آ ستمگر ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

ہاں وہ طعنہ دیتے ہیں کہ ہم کھاتے پیتے بھارت ورش کا ہیں لیکن گیت مملکت خداداد کے گاتے ہیں۔ مانا کہ ہمارے پاس میدان صحافت کا مچھلی بازار نہیں جس میں ہم دشنام طرازی، الزام تراشی اور پام پام کرتے لیکن پھر حد ہوگئی شرافت دی۔ ان کے بوسیدہ چاول کی قیمت ہم ادا کرتے ہیں، ان کے کاریگروں کو ہم کام دیتے ہیں لیکن وہ تو ہمارے دریاؤں کا پانی بھی نہیں چھوڑتے۔ ہم اندھیرے میں سالہا سال سے جی رہے ہیں لیکن وہ ہمارے یہاں سے بجلی لیجاتے ہیں، مہنگے داموں ہمیں ہی بیچتے ہیں اسی لئے ہم تاریخ الٹ کر انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی پکارتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہم ساٹھ سال سے گیت نہیں بلکہ اپنی قسمت کا نوحہ گا رہے ہیں۔ اور وہ الزام جب دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پاکستانی نیوی افسر فخر زمان تو فخر پاکستان بن گیا اور

اس نے خوب خوب بلا گھمایا اور گیند سرحد پار پہنچا دی، یہ سب کچھ ہمارے کہنے پر ہوا۔ ہم نے اسے سمجھایا کہ گھماؤ اور خوب گھماؤ۔ بھائی ہم تو خود مجبور ہو کر کبھی کبھار پتھر گھماتے ہیں اور اس کے بدلے گولی پیلٹ کھاتے ہیں البتہ یہ نہیں جانتے کہ گیند کیسے مارتے ہیں اور بلا کیسے چلاتے ہیں پھر ہم کیا سمجھائے بجھائیں۔ اور وہ جو بائیں ہاتھ سے عامر نامی لڑکا گیند مارتا ہے اسے بھی ہم نے کچھ نہیں سمجھایا بلکہ وہ بھی اپنی دھن میں دوڑا، موڑا اور کئی ایک کا مستقبل مروڑا۔ پھر کہیں پہنچے، کہیں لپکے کہیں چاروں خانے چت ہوئے تو اس میں ہمارا کیا قصور۔ ہاں شام کو بنگو لے پھوڑے، پٹاخوں کو آگ دکھائی۔ ڈول پیٹا۔ دھمال کیا۔ اور اس میں ینگ مولوی آف نالہ مار کو بھی شامل کیا۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں جو کچھ کہیں گے سچ سچ کہیں گے اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہیں گے۔ شارجہ میں جب پاکستانی بلے باز میانداد نے آخری گیند پر چھکا مارا تھا تو اس نے اپنی مرضی سے یہ سب کیا۔ ہمارا اس بارے میں کوئی رول نہیں۔ اس نے بلا ہلانے سے پہلے ہم سے کوئی مشورہ نہیں کیا بلکہ اپنے کھیل کے مطابق بلا گھمایا اور گیند پار پہنچا دی۔ اس نے چھکا مارا اور الزام ہم پر ہے کہ ہم نے مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ مجبور کیا کہ چھکا مارا جائے۔ ہم تو امن پسند لوگ ہیں کسی کو بھی مرتے نہیں دیکھ سکتے بھلے وہ چھکا ہی کیوں نہ ہو۔ ہم تمام انسانوں کی زندگی کی کامنا کرتے ہیں اور زندہ رہنے کا حق چھکوں سمیت سب کو سمجھتے ہیں۔ کبھی جو وراٹ اور دھونی کے ساتھیوں نے زبردست کھیل کھیلا لیکن کیا کیا جائے کرس گیل اور سیمول کے ساتھیوں نے معاملہ الٹ دیا۔ چھکوں پر چھکے مارے اور مخالفین کے چھکے چھڑا دئے۔ ہم قسم اٹھانے کو تیار ہیں کہ انہوں نے ہم سے کوئی مشورہ نہیں لیا۔ ویسے ہم مفت مشورہ دینے میں تاک ہیں لیکن جزائر غرب الہند کے کھلاڑیوں کے ساتھ عجب انگریزی بولنی پڑتی ہے۔ ہم تو سیدھی سادھی انگریزی بول نہیں سکتے پھر ان کی انگریزی میں کیا سمجھائیں کیا مشورہ دیں۔ وہ تو انگریزی بولتے ہوئے بڑے بڑے ہونٹ اس قدر دراز کرتے ہیں کہ لگتا ہے اب گئے تو گئے۔ suction pump کی طرح کہیں ہمیں ہی چوس کر اندر نہ کر دیں۔ خیر یہ جو انہوں نے اپنی مرضی سے چھکے مارے تو ہم پر الزام کیوں۔ راجستھان کی یونیورسٹی سے ہمیں بیدخل کیوں۔ سرینگر کے انجینیرنگ کالج میں ہم پر حملہ کیوں۔ جموں میں ہماری کتابیں بستر وغیرہ الٹ پلٹ کس لئے۔ اب تو حال یہ ہے کہ امریکہ

روس جنگ لڑیں تو الزام ہم پر آئے گا حالانکہ وہ بھی ہم سے مشورہ نہیں کریں گے۔ کیا پتہ ابھی جو میڈ اِن انڈیا بندوقیں فوجی تجزیے میں ناکام ہو گئیں اس کا الزام بھی ہمارے سر تھوپیں کہ ہم جو دیش دروہی ہیں۔

خیر ادھر ہمارے اوپر مفتی سرکار میں نذرانوں کی بارش کی تیاری ہے۔ قلم دوات والے ملازمین کو عید سے پہلے تنخواہیں واگذار کر چکے ہیں کہ خوشی سے عید مناؤ کیونکہ ہم نے حاتم طائی کو قلم دوات پارٹی میں جگہ دے دی ہے۔ بیٹیوں کے لئے نئی پوشاکیں خریدو اور بیٹوں کے لئے مزیدار پکوان۔ پھر یاد کرنا ہم جیسا کوئی نہیں۔ ہم نے تو پہلے ہی نعرہ مومنانہ لگایا تھا کہ یلہ آو مفتی تیلی ژج سختی (جب مفتی نے اقتدار سنبھالا تب مشکلات دور ہوئیں)۔ اب کی بار مفتی سرکار میں خود محسوس کرو کہ عید پر پیسے کی سختی ہم نے دور کر ہی دی۔ اور جی ایس ٹی لگو کروا کر ہم اور سختیاں کم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہل اور ہاتھ والے ہماری جان کھائے جا رہے ہیں کہ ایسا قانون لاگو نہ ہوگا جس سے خصوصی پوزیشن متاثر ہو اور ادھر عوامی اتحاد والے پھرن اوڑھ کر بیچ سڑک لیٹ جاتے ہیں کہ ایسا ہوگا تو ہماری لاش پر سے ہوگا۔ مانا کہ ان کی پارٹی اور صحت دونوں لاش سے ہی ملتے جلتے ہیں لیکن جب اڑتے ہیں تو بھڑتے ہیں اور پھر کنٹرول کرنا بانہال سے رامحال تک محال ہو جاتا ہے۔ مانا آپ کی سختیاں یلہ آو مفتی سے کم ہوئیں لیکن ہماری سختیوں کو کوئی نہیں سمجھ پاتا۔ ایک تو کنول والوں کا زور ہے کہ بھارت ورش میں شور ہے۔ جی ایس ٹی ٹیکس چور ہے، باقی سب کچھ بور ہے۔ یہاں بھی چلے اس کا دور ہے۔ اس کے چلتے ہم پریشان ہیں کہ یہ معاملہ کرسی خور ہے۔ اور کسے نہیں معلوم بھلے سب کچھ چور لے جائیں لیکن کرسی ہم کسی بھی صورت جانے نہیں دیں گے۔ بس اسی پر سارا زور ہے۔

تجھ سے پہلے جو یہاں تخت نشین تھا
اسے بھی اپنے خدا ہونے کا یقین تھا

نذرانوں کی بات چلی تو بارش ہی بارش ہے۔ گالندر سے پیر کی گلی تک وردی پوشوں کی نئی کھیپ ہے۔ ان کی رہائش کے نئے شیپ وافر مقدار میں بن گئے۔ کیوں نہ ہو بھائی جنوبی کشمیر میں آپ کی حفاظت کے لئے سب کچھ ہے اور اس دوران کبھی کبھار ہڈی پسلی کا Bend ٹھیک

کرنے کے لئے تھوڑی بہت مرمت ضروری ہوتو ہم بلا اُجرت اور بلا جنس، نسل، رنگ کرتے رہیں گے۔ شوخ رنگ گالوں کے ساتھ باڈی بھی رنگین بنائیں گے اور کبھی شکایت کی تو ہم بلا عذر مان لیں گے کہ ہم تو رنگوں سے نا آشنا ہیں۔ اسی لئے ہم گاڑیوں کا رنگ بگاڑ دیتے ہیں، مکانوں پر لگے شوخ رنگ شیشے بھی توڑ دیتے ہیں۔ اور چونکہ کھڑک سنگھ کے کھڑکنے سے کھڑکتی ہیں کھڑکیاں اس لئے ہم بھی کھڑکیوں دروازوں کو کھڑک سنگھ کی مانند کھڑکاتے ہیں۔

ایسے میں ہل والے قائد ثانی ترنگ میں آتے ہیں کہ انہیں ملک کشمیر کی فکر کھائے جاتی ہے۔ اہل کشمیر کی مصیبتیں انہیں اپنی نظر آتی ہیں، دل مسوس کر رہ جاتے ہیں کہ ملک کشمیر کے باشندوں کو سکورٹی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس پر وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ اسٹیج پر ناچنا ہوتو تیار، ڈل جھیل میں چھلانگ لگانی تو بھلے عشق نہیں آسان لیکن آؤ دیکھیں نہ تاؤ۔ دلی دربار کی غلطیوں کی نئی فہرست تیار کرڈالی۔ گن گن کے سنوار رہے ہیں بلکہ ساتھ میں صلواتیں بھی نذرانے کے طور، کہ کن کو نوکری دی۔ قلم دوات والے تو دبی دبی آواز میں کہتے ہیں ہم تو ببانگ دہل کہہ بیٹھے تھے کہ ہماری نوکری پکی کرو اور مملکت خداداد پر بم برساؤ۔

میں شکار ہوں کسی اور کا مجھے مارتا کوئی اور ہے
مجھے بکری جس نے بنادیا وہ تو بھیڑیا کوئی اور ہے

Published 3/7/2017

* *

جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

صحافت کے مچھلی بازار میں، ٹی وی اسٹیڈیو میں بیٹھے وہ زبان کا لانچر استعمال کر کے لفظی میزائل داغنے والے جنگ باز آج کل خاموش ہیں۔ ہم نے سنا ہے سانپ سونگھ جاتا ہے اور تب کوئی آواز نہیں نکلتی لیکن افواہ گرم ہے کہ چینی ڈریگن (Dragon) نے ڈس لیا ہے اور ڈریگن کا ڈسا تو پانی نہیں مانگتا بلکہ بڑے مگوں میں موجود کافی کو بھی ہاتھ نہیں لگانے دیتا۔ کہاں اہل کشمیر اور مملکت خداد والوں کو دھمکی پہ دھمکی اور وار پہ وار کئے جاتے ہیں اور سرجیکل اسٹرائیک کا طعنہ بھی ملتا تھا بلکہ کبھی کبھی لگتا ہے کہ اسکرین توڑ کر باہر آئیں گے اور فوراً سرحد کا رُخ کر دیں گے، اور ہم ہیں کہ ڈر کے مارے کونوں کھدروں میں سہمے سہمے دُبک جاتے ہیں کہیں کوئی زبانی ہتھیار نہ چھو لے۔ چیخ و پکار میں آوازیں دب جاتی ہیں۔ ٹی آر پی بڑھانے اور کمانے کے لئے گالی گلوچ، دشنام طرازی، حتیٰ کہ فقرے بازی سے بھی کام لیا جاتا ہے اور پھر شور ہی شور سنائی دیتا ہے۔ اتنا شور کہ ہمیں بچپن کا وہ ریڈیو سیٹ یاد آتا ہے جس پر کچھ سنتے ہوئے آراء مشین جیسا کھر کھر کانوں سے ٹکراتا ہے۔ جانے آج کل اتنا سناٹا کیوں ہے بھائی؟ وہ جو سکم اور بھوٹان سرحد پر چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے ہندی چینی بھائی بھائی کا مسکہ قبول نہ کرنے والے فوجی گھس آئے ہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے منہ سے بڑی بڑی دھمکیاں دیتے ہیں کہ ہٹ جاؤ نہیں تو ہمارے بلڈوزر کے سامنے بنکر سمیت گم ہو جاؤ گے، گھس کر دھما دھکا، تھما تھپڑ لگا مکہ والا منظر بنایا اور نوچنے کھانے والی نظروں کا برتاؤ کر ڈالا اور ادھر سے بس ڈسپلن کا مظاہرہ ہوا بلکہ اس نظم و ضبط کی تصویر کشی ہوئی کہ دیکھو بھائی لوگو! ہم نے کوئی جذباتیت (بمعنی جرأت) سے کام نہیں لیا تاکہ کہیں تم لوگ آپے

سے باہر نہ ہو جاؤ مگر ادھر سے دھمکی اس قدر زوردار ہے کہ ۱۹۶۲ء والا سبق یاد کرو۔ جب بھی کسی سرحد پر چھینا جھپٹی ہوتی ہے اہل کشمیر خوف کھاتے ہیں کہ لڑتے وہ ہیں مگر خمیازہ ہم اٹھاتے ہیں اور ۱۹۶۲ تو ہندی چینی بھائی بھائی کہتے ہوئے ہمارے چین کرال محلّہ تک اپنی زمین کا دعویٰ ٹھوک ڈالا تھا۔ ہم تو ابھی نوگام، بھمبر گلی کا مسئلہ حل نہیں کر پائے چنکرال محلّہ کا کیا کریں گے!!! ہم تو کہتے ہیں کہ یادِ ماضی عذاب ہے یارب اسلیئے بھول جاؤ لیکن وشال بھارت کے وزیر جنگ نے فوراً پلٹ وار کیا کہ ہم تو ادھر اپنے اٹوٹ انگ میں بھی جنگ لڑ رہے ہیں کیونکہ ہم باسٹھ والے اب نہیں رہے۔ ابھی ہمارے پاس تمہارے جیسے میزائل نہ ہوں لیکن صحافت کے مچھلی بازار میں ہم حافظ سید سے لے کر ینگ میر واعظ اور پیر بزرگوار ساکنہ سویہ بُگ کو بھی زیر کر دیتے ہیں کہ سدھر جاؤ نہیں تو ارنب گوسوامی کا تاؤ مہنگا پڑے گا، معروف کا جلال دیکھو، موچھڑ والے جنرل کے منہ سے ٹپکتی رال دیکھو، سابق کرنل کا گالی گلوچ، پیشگی فوجی ملازمت چھوڑنے والے آریہ کی توپ، جو وہ ڈر کے مارے فوجی سرِشتے کو دکھا کر بھاگا تھا، میدان عمل میں کود جائیں گے اور آپ سب کو کان پکڑ لے آئیں گے اور اے این آئی اے کے کوتوالوں کے سپرد کر دیں گے تاکہ نانی یاد آجائے۔ پھر بھلے روپے پیسے کا کیس نہ بنے لیکن وارنٹ تو نکل ہی جائے گا کیونکہ کسے کن الزامات کے دلدل سے گزارنا ہے وہ کوئی اسٹیڈیو جنگ بازوں سے سیکھے اور پھر اہل سیاست تو اُن کی پیٹھ بھی تھپتھپاتے ہیں جیبیں بھی بھرتے ہیں کہ چڑھ جا بیٹا سولی رام بھلی کرے گا۔ تم شور مچاتے رہو ہم اصل مدوں سے بچے رہیں گے۔ کوئی بے روزگاری کا سوال نہیں اٹھائے گا، کسانوں کی خودکشی کا بھوال نہیں پوچھے گا۔ پندرہ پندرہ لاکھ جمع نہ کرانے کا ملال نہیں رکھے گا۔ ایسے میں مودی مہاراج فلائٹ موڈ میں رہیں گے اور خلاء سے واپس زمین پر آنے سے کترائیں گے۔ سات سمندر پار سے پریوں کے بازار سے نت نئی کہانیاں بُنا کر لائیں گے۔ وہاں موجود اپنے ہی زعفران زار سے سواگت کروا کر ہمیں اس خواب خرگوش میں رکھیں گے کہ عیش کرو، بھارت ماتا کی جے بولو، مودی مہاراج کے گن گاؤ کہ ٹرمپ تا نیتن یاہو تک یہی ترانۂ ہندی گاتے ہیں۔

ادھر گئو ماتا کے بھگت مارکٹائی کا مشغلہ پالیں گے۔ مودی مہاراج مذمت کریں گے

اور بھگتوں کے کان پر جوں نہ رینگے گی کیونکہ انہیں بھی معلوم ہے کہ کوئی کتنا ہی شور کیوں نہ مچائے مار پیٹ کا کارخانہ چلتا رہے گا کیونکہ بھارت ورش کو گھسیٹو اور پھونک دو کے اکھاڑے میں تبدیل جو کرنا ہے۔ یہی اچھے دن ہوتے ہیں، یہی میٹھی راتیں ہوتی ہیں۔ کچھ گاؤ بھگت اس آندولن میں اتنے مست و مگن ہیں کہ کسی کو بھی گھر پر ڈھونڈنے جایئے تو پتہ چلے گا کہ دھیا، سکھیا، رامو اور شامو کام کاج چھوڑ گائے ماتا کی رکھشا میں مسلم جاتی کو مرتیو ڈنڈ دینے گئے ہیں، بچارے رام سیوکوں پر آج کل کا بوجھ کافی بڑھ گیا ہے، اس لئے دن کا چین نصیب ہے نہ رات کا آرام۔ جموں سے اندور تک اور گجرات سے آسام تک گئو رکھشکوں کی وانر سینا صبح شام دن رات کام پر لگی ہوئی ہے۔ اس کا اچھا اثر اٹوٹ اُنگ پر بھی پڑا کہ ایک منتری عمران انصاری نے سنتریوں جیسے جوش میں دُبلے پتلے ایم ایل اے دیوندر رانا کو کڑک دھمکی دی کہ ادھر ہی اسمبلی میں تجھے Lynch نہ کر دوں تو میرا نام نہیں۔ صحبت کا اثر ہے بھائی۔ ادھر ایسے میں شاہ سے زیادہ وفادار کا ثبوت دینے والوں کی تعداد بھی بڑھتی رہے گی۔ وہ اپنی پسند کی بولیاں دریافت کریں گے جس سے کرسی کے چاروں پائے محفوظ رہیں۔ یقین نہ آئے تو مختار نقوی کو ہی دیکھو کہ اس کا صبر و استقلال بھارتی ڈی این اے میں موجود ملتا ہے اور مسلمانوں کی مار پیٹ ہلاکتیں کہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیتیں۔ یا ہو سکتا ہے قوموں کا ڈی این اے کرانے کا کوئی نیا طریقہ بھگوا رنگ والوں سے آڈر لے کر مختار نے ایجاد کرایا ہو جس سے سب کچھ حسین و جمیل اور دلدار ہی نظر آتا ہے۔ یعنی مختار بھلے نام کا ہے لیکن اپنی ہی آنکھوں پر اختیار نہیں بلکہ کانوں پر بھی کم کم کہ چلتی پھرتی خبریں سنائی نہیں دیتیں۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی مملکت خداداد والوں کی کوئی سازش ہو تاکہ امریکہ کی راج دُلاری اسرائیل کی پیاری پیاری مودی سرکار کو بدنام کیا جائے۔ مطلب کسے نہیں معلوم مملکت والے ہیضے والے جو ہے، ڈینگو والے مچھر، جاسوسی والے کبوتر اور اب کی بار سابر ملائی مندر میں بیس روپے کا نوٹ بھی پہنچانے میں کامیاب ہوئے پھر مار کاٹ والے بھگتوں کی کیا بات ہے۔ پہلو خان سے لے کر جنید اور علیم الدین اللہ کو پیارے ہوئے ہی نہیں۔ انہیں کسی نے مارا پیٹا نہیں۔ لوگ تو ایسے ہی فرضی کہانیاں گھڑ لیتے ہیں۔ کچھ ہوا ہوتا تو کیا مودی سرکار کے وزیر باتقصیر کو پتہ نہیں چلتا؟ ایک اور ہے جو زعفران زار میں لاشوں کا کاروبار کرتا ہے، اسی لئے دادری میں گئو ماتا کے نام پر جب

اخلاق کا قتل ہوا تو اس کی لاش بچھانے کے بدلے بھگت کو پچیس لاکھ ملے اور پھر ترنگے میں خود اس کی لاش لپٹ گئی۔

جان آفت میں ہے خطرے میں شہر لگتا ہے   ایک ہی خوف مجھے شام و سحر لگتا ہے
گائے پیچھے سے گزر جائے تو ڈر لگتا ہے   شیر آجائے مقابل تو کوئی بات نہیں

خیر اپنے ملک کشمیر میں بھی لاشیں بکتیں ہیں اور ساتھ میں زندہ لوگوں کی اتنی قیمت نہیں جتنی مردوں کی ہے۔ عام لاش بکے تو ایک لاکھ، کوئی بندوق بردار ہو تو دس، پندرہ، بارہ لاکھ جو بھی وردی والوں کا من کرے اتنے میں بیچ ڈالیں۔ کھنہ بل سے کھادن یار تک، کنگن سے سورسیار تک، جب بھی انکاونٹر ہوتا ہے تو فوراً بولی لگ جاتی ہے کہ دس لاکھ، بارہ لاکھ والا ملی ٹنٹ مارا گیا۔ عام آدمی کے ایک لاکھ سے تو دفتر والے انکم ٹیکس بھی کاٹ لیتے ہیں لیکن وردی والوں کے انعام سے تو دفتر دفتر فوراً واگزاری ہوتی ہے۔ ٹیکس کی بات چلی تو آج کل جی ایس ٹی سینا نے مورچہ سنبھالا ہے۔ گجرات سے آسام تک کشمیر سے کنیا کماری تک اسی کا بول بالا ہے۔ اس کا شوق بھی نرالا ہے، رات کے اندھیرے میں اس کے چہرے سے نقاب الٹ دی گئی جیسے کوئی نئی نویلی دلہن ہو جس کی آرتی اٹھائی جا رہی ہو۔ پارلیمان میں سواگت کرنے صدر ہند اور دوسرے اہل سیاست پہنچے لیکن اسے ملک کشمیر میں حجلۂ عروسی نہ ملی۔ کنول قلم دوات والے اس کے سواگت کے لئے بے چین اور اس شادی کے خلاف لوگ سر بہ کفن کہ یہ شادی ممکن نہیں۔ اسمبلی میں کچھ ایسا سوانگ ہوا کہ ہمیں دکھائی دیا جیسے سچ میں ایم ایل اے صاحبان گھتا گھتم ہوئے، فائلیں اُڑیں، دشنام طرازیاں ہوئیں، لاتیں مکے چلے۔ حد تو یہ کہ کنول والوں کا بھارتی انفیکشن اپنے قلم دوات والوں کو بھی اپنے لپیٹے میں لے آیا۔ وہ جو بھارت ورش میں لنچنگ کرتے ہیں، اپنے قلم والے وزیر نے ہل والے ممبر کو خود اسمبلی میں ہی لنچ کرنے کی دھمکی دے ڈالی۔ کہاں ایک دوسرے کو قوم کے غم میں ڈنر اور لنچ کھلاتے تھے اور کہاں چھینا جھپٹی کے موسم میں لنچ کرانے کا حکم حاکم جاری کر دیا۔ گمان یہ ہوا کہ جی ایس ٹی اصل میں فلمی دکھاوا ہے جس کے ڈائیلاگ فلم گالی، فلم تالی، فلم طعنہ بازی، فلم منافقت سے چرالئے گئے ہیں تاکہ نئی فلم کے تمام کردار بس لفاظی کی جنگ میں مصروف رہیں اور کام مرکز کا ہو کہ اٹونومی کا سر رہے نہ پیر۔ ایوان اسمبلی اور کونسل میں نام کی

سرد جنگ اسی لئے گرم گفتاری کے اسلحہ سے لڑی گئی، دوطرفہ بیان بازی کے تیروتفنگ بھی چلے لیکن شام ہوتے ہی شو ختم پیسہ ہضم ہوا۔ سب کردار ایک ودسرے سے بغل گیر ہوکر فلم کی کامیابی پر خوشی خوشی ہاتھ ملاتے ہوئے وداع لے گئے۔ چونکہ لاشوں کا کاروبار جاری ہے، اسی لئے ۳۷۰ کی کوئی میت اٹھا رہا ہے، کوئی اس کی ہڈیوں کے ڈھانچے سے گرد جھاڑ رہا ہے، کوئی اس کے بے نور چہرے پر شوخ رنگ غازہ مل رہا ہے یعنی وہ جو ہل والے، قلم دوات والے، ہاتھ دکھانے والے عمر بھر اس کی بیخ کنی میں مصروف رہے، زندگی بھر اس کی جڑیں کاٹ کر وقت گزارتے رہے، وہیں آج اس کے مرجھائے ہوئے پتوں کی آبیاری کے لئے دو لوٹا پانی لے کر ایوان میں آئے۔ مطلب یہ کہ جسے نہلانے کی ضرورت ہے، اس کے منہ پر پانی کی بوندیں چھڑکتے گئے تاکہ اس کی غشی کا عالم ختم ہو۔

بلی جو یونہی مفت میں بدنام ہوئی ہے تھیلے میں تھا کچھ اور ہی سامان وغیرہ

لیکن اپنی نیشنل فوج جب ترنگ میں آتی ہے تو لہرااے کشمیر کے جھنڈے ، ہل والے دلگیر کے جھنڈے کا نعرہ رِندانہ لگا کر مرکز کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کرتی ہے بلکہ تلاطم خیز موجوں سے نہیں ڈرتی اور بہتے دھاروں کو پلٹ دیتی ہے۔ آؤ دیکھتی نہ تاؤ باضابط ڈرے سہمے بغیر اعلان کرتی ہے کہ قائد ثانی کا تبصرہ سنو۔ ڈفلی بجانے کا شوق پورا کرتے ہوئے خادمِ خانیار شہر خاص نے اپنے لیڈر کے سر میں تال ملایا اور یہ بھی کوئی عام تبصرہ نہیں ہوتا بلکہ دلی دربار کو چیتاونی دے کر کہتے ہیں کہ ان کی نیت کبھی ٹھیک نہیں تھی۔ یہ ہوئی نا بات اپنی نیشنلی فوج جب وار کرتی ہے تو نتائج سے نہیں ڈرتی، یعنی جو پیار کیا تو پیار کیا، جو نفرت کی تو نفرت کی۔ اسی لئے جب نیشنل فوج بھاجپا سینا کا حصہ تھے تو گجرات جلتا رہا اور ہل والے بین بجاتے رہے کیونکہ اس وقت پیار کا موسم ہنی مون کا سیزن تھا۔

Published 10/7/2017

* * *

تماشائے اہل سیاست دیکھتے ہیں

مجھ سے نہ میری صورت احوال پوچھئے
ترسیدہ، رنج دیدہ و سیاست رسیدہ ہوں
دکھتا نہیں ہے سبزہ مجھے میرے وطن کا
پاوا کے مرچی گیس کا پیلٹ گزیدہ ہوں

وشال بھارت دیش یا اپنے ملک کشمیر کے میدان سیاست میں ہم، آپ، یہ، وہ تماشائے اہل سیاست دیکھتے رہتے ہیں کیونکہ جمہوری تماشے میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ اس لئے اس میں جمورے کی اچھل کود ہوتی ہے، بندر کا ناچ ہوتا ہے، مداری کی ڈگڈگی ہوتی ہے، ردالی کی آنکھوں میں مگر مچھ کے آنسو ہوتے ہیں، مسخروں کے ٹھہاکے ہوتے ہیں، لیڈران اور کارکنوں کی بہتات ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر چمچوں کی تعداد ہوتی ہے۔ اور یہ چمچے ایسے پھوٹتے ہیں جیسے پہاڑی علاقوں میں گرج چمک کے ساتھ گچھیاں پھوٹ آتی ہیں کہ دیکھتے دیکھتے تل دھرنے کی جگہ نہیں ملتی بلکہ چلو تو کوئی ایک پاؤں تلے روند جائیں۔ خیر تجربہ یہی ہے کہ لیڈر پہنچا نہ پہنچا تو آس پاس گلی کوچہ، میدان بھر جاتا ہے یعنی سیاسی پارٹیاں جہاں کارکناں کی زبردست کوششوں سے زندہ اور قائم و دائم رہتی ہیں وہیں لیڈران کی عزت چمچوں کی مرہون منت ہوتی ہے۔ جو چمچہ چار دن پہلے ایک پارٹی چھوڑ کر مخالفین سے جا ملتا ہے وہ فوراً سینئر لیڈر بن جاتا ہے۔ جونیئری کا کوئی امتحان پاس کئے بنا وہ اپنے آپ کو سینئر بنا اور جتا دیتا ہے اور اسی کوشش میں وہ پارٹی کے اصلی لیڈر کو بہت کچھ بنا دیتا ہے۔ اپنی طرف سے پریس نوٹ جاری کرتا ہے لیڈر کو

ینگ لیڈر اور خود کو سینئر لیڈر بنا دیتا ہے۔ سیاسی چمچے کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ اپنے لیڈر کی ہاں میں ہاں ملا دے۔ بلکہ لیڈر کی گائے کے گوبر کو حلوہ ثابت کرنے کیلئے جھوٹی قسم کھانے پر بھی تل جائے۔ کہاں قلم کنول والے سینک کالونی کی زمین میں بے چارے دھنسے جا رہے تھے اور سیاسی چمچے اس فائل سے انکار کئے تھے کہ اس کا کوئی نقشہ ءِ انتخاب موجود نہیں۔ کہاں پیلٹ سے، گولی سے لوگ مرے جا رہے تھے اور سیاسی چمچے فوٹو دکھا رہے تھے کہ یہ لوگ سنگ بازی میں مشغول تھے، جبھی تو وہ سر اونچا کئے اور گولی پیلٹ کا شکار ہو گئے یعنی اپنا کمال دکھانے والا لیڈر پانی کے تالاب میں سطح کے اوپر کھڑے رہ کر اپنا معجزہ ثابت کرے اور سیاسی چمچہ پانی کے اندر اپنے لیڈر کے لئے سپورٹ کی طرح کھڑا رہے۔

یقین نہ آئے تو راہل گاندھی کو دیکھئے پچاس کے عشرے میں رواں دواں تو ہے لیکن ہے جوان سال لیڈر۔ کسی کی کیا مجال کہ انہیں اولڈ گارڈ (یعنی مارگ درشک) جیسی فالتو چیز میں شمار کر دے۔ ایسا ہی حال جوان سال قائد عمر عبداللہ کا ہے کہ بتالیس کا ہندسہ پار کرنے کے باوجود نوجوان لیڈر ہی کہلاتا ہے۔ اپنے میر واعظ صاحب تو نوے کے اواخر میں ینگ تو بے شک تھے لیکن چھبیس سال گزرنے کے بعد بھی ینگ ہی رہے۔ محبوبہ جی تو اپنے چہیتوں کی باجی کہلاتی ہے کیا پتہ وزارتِ اعلیٰ کا قلمدان سنبھالتے ہی نوجوانی میں قدم رکھنے پر مجبور کی گئی کیونکہ اقتدار کا چمتکاری Power تو ہر ایک کی جوانی واپس لوٹاتا ہے۔ کرسی ٹانک کا کام کرتی ہے اور جسم کے ریشے ریشے میں نئی جوانی بھر دیتی ہے۔ مودی مہاراج کی داڑھی بال سفید تو ہو چکے ہیں، اس لئے کنول والے انہیں ینگ کہلانے سے کتراتے بھی ہیں اور شرماتے بھی ہیں لیکن بات بات پر ان کی انرجی کا ڈھنڈورا ایسا پیٹتے ہیں جس کا مطلب صاف ہوتا ہے یعنی ینگ کہلوا کر ہی رہ جاتے ہیں، مگر کوئی مانے نہ مانے اپنے قائد ثانی تو سارے جوان سال لیڈروں کو مات دینے کے ماہر ہیں۔ وہ بات کریں تو ینگ، کپڑے پہنیں تو نوجوان اور ڈانس فلور پر پہنچیں تو تھرک تھرک sweet sixteen کے زمرے میں بالکل فٹ لگتے ہیں۔

سیاسی لیڈران کو ہی نہیں بلکہ تمام قسم کے لیڈران کو اظہار افسوس کرنا کیا خوب آتا ہے۔ اظہار افسوس اصل میں سب لیڈران کا من بھاتا کھاجا ہے جس سے وہ سیاسی و قائدانہ بھوک

مٹاتے ہیں۔ اظہار افسوس ٹریفک حادثات، فورسز فائرنگ، ژالہ باری سے نقصان، سیلابی صورت حال، کسی علاقے میں پانی کی کمی حتیٰ کہ کسی جوڑے کے طلاق پر بھی کیا جاتا ہے۔ مقصد دکھ کا اظہار نہیں بلکہ اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا پر اپنا نام آنے سے ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی واقعہ پیش آتا ہے وہ فوراً اظہار افسوس کی ٹوکری لے کر پریس انکلیو پہنچ جاتے ہیں۔ ٹوکری میں سے اوراق نکال کر اخباری دفاتر میں جمع کراتے ہیں۔ ان اظہار افسوساں میں تمام سینئر لیڈران ہوتے ہیں۔ کوئی جونیئر نہیں ہوتا۔ ویسے انٹرنٹ زمانے میں اظہار افسوس میل کر کے بھی بھیجا جا سکتا ہے لیکن ذاتی حاضری سے کئی ایک نمائندے سینئر لیڈر کی شکل دیکھتے ہیں اور مستقبل میں یہ پہچان کافی کام آتی ہے۔ یہ سینئر لیڈران کسی کی موت کے وقت معقول معاوضے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ژالہ باری کے وقت کسان قرضے معاف کرنے کی بات کرتے ہیں۔ سینئر لیڈران کو یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ ان کے اظہار افسوس سے کوئی مردہ واپس نہیں آتا، نہ ہی ژالہ باری سے نقصان رک سکتا ہے لیکن اپنی ٹانگ اڑانے میں ان کا پیش پیش رہنا بڑا ضروری ہے۔ اظہار افسوس کے لئے ان کے پاس رٹے رٹائے پریس نوٹ موجود رہتے ہیں اور ان میں بس جگہ اور تاریخ کا اندراج کرنا پڑتا ہے، باقی تفاصیل پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ شاید ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ واقعہ کشمیر میں ہو اور لیڈر دلی، جاپان یا نیویارک میں اظہار افسوس کا راکٹ داغا ہی جاتا ہے۔ مطلب راکٹ ہر وقت موجود رہتا ہے فقط چلانے والے بدل جاتے ہیں اور ان اظہار افسوساں سے لیڈر صاحب کو دلی تسکین مل جاتی ہے

گو کہ میدان سیاست میں وافر ہیں لوگ
گارڈ ہو، پریس نوٹ ہو، اور فون ہونا چاہیے
کام کب نکلا تھا ہم سے، آگے نکلے گا جو
ہاں یہ لازم ہے منہ پہ سیاسی ٹون ہونا چاہیے

اب کی بار مودی سرکار کے دست راست شیو کی سینا کے لیڈر کی وہ بات بہت پسند آئی کہ گئو ماتا کے نام پر خون خرابہ کرنے والوں کو بقول اس کے آتنک وادیوں سے لڑنے کے لئے بھیجا جائے۔ جبھی تو نہتا پہلو خان اور جنید وغیرہ بچ جاتے اور گئو رکھشکوں کو بھی مقابلے کا مزہ چکھنا

پڑتا۔ وہ تو اپنی بہادری کا پورا تماشا دیکھتے اور گائے کے نام پر خون بہانے سے رہ جاتے کہ گائے دودھ دیتی ہے خون کا کاروبار نہیں کرتی۔ اتنا ہی نہیں ہم تو کہتے ہیں کہ ٹی وی اسکرین پر چیخنے والوں کو بھی سرحد پر فوج کا ہراول دستہ بنا دو جبھی تو وہ دن رات جنگ کی باتیں نہ کریں گے۔ ادھر تو یاتری بس پر گولی باری کے دوران سلیم شیخ نامی ڈرائیور گاڑی دوڑاتا رہا اور کوئی مزید نقصان ہونے سے بچایا لیکن ادھر ایک پوری ٹرین جنید کو نہ بچا سکی بلکہ اُس کو بھی سرحد پر بھیجیں جو کہنے کو تو بھاجپا کا آئی ٹی انچارج ہے لیکن گجرات فسادات کے فیک ویڈیو بنگال میں منظر عام پر لا کر انہیں وہاں کے فسادات گردانتا ہے تاکہ بنگال میں جلتی پر گھی ڈالا جائے۔ مانا کہ اب اسے جیل کی ہوا نہ کھلائی گئی لیکن اسکا سیاسی خلیج بنگال ننگا تو ہو ہی گیا۔

اور جو تھی سوشل سروس وہ سیاست کھپ چکی
شہر شہر، سڑک سڑک، کشت و خون ہونا چاہیئے

یہ فیس بک بھی کیا چیز ہے جو خبر پہلے پہل دنوں ہفتے نہیں سنا کرتے تھے وہ اب چشم زدن میں ہمارے سامنے ایسے آتی ہے جیسے ہم وہیں موقعہ واردات پر موجود ہوں۔ ہم تو خیر فیس بک دوستوں سے محوِ گفتگو تھے کہ داڑھی والے آدمی کی تصویر اُبھری۔ کہاں بھارت ورش میں بیف کھانے بلکہ ادھر ادھر لے جانے کی محض افواہ پر جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، ادھر عالم عالم کو جمہوری تماشہ سکھانے والے انگلستان میں زیادہ کپڑے پہننے پر ایک مسلمان کی ہتھکڑیاں پہن کر باریک بینی سے تلاشی کا ویڈیو ابھرا۔ یعنی باریش کھائے کیا وہ قشقہ کھینچے، ہاتھ میں ترشول لئے بھگت جن طے کریں اور یہ کہ کتنا پہن لے اس کا فیصلہ گوروں کی پولیس طے کرے۔ سردی ہو یا گرمی پتلے کپڑے کی قمیض پتلون پہننے کی اجازت ہے، موٹے یا تہہ دار کپڑوں میں تو بم بارود چھپایا جا سکتا ہے کہ گوروں کے پاس weapons of mass destruction کھوج نکالنے کا وسیع تجربہ ہے، بھلے اس دوران لاکھوں لوگوں کی بلی چڑھ جائے۔ مار کاٹ کر بارود سے جلا کر پھر اعلان کر دیں گے کہ انفارمیشن غلط تھی اور چونکہ ہم جمہوری اقدار کے شیدائی بھی ہیں اور محافظ بھی اس لئے ہم پر کوئی انگلی نہ اٹھا پائے گا۔ چلو پھر بھی بچ پایا ہم تو تیار تھے کہ ابھی گورے پولیس والے جیب سے کنگھی نکال کر داڑھی میں پھیر لیں گے کیا پتا اس میں گولیاں چھپائی ہوں اور پھر ٹی وی

چینلوں پر صحافت کا مچھلی بازار چار سو قائم ہے جو باریش کو مذہبی دہشت گرد منوالے۔

شام کو گھر میں اضافی شور و غوغا کے لئے
ارنب و بخشی کا، ممنون ہونا چاہئے
رات دن بور ہوتے ہیں تلاشی مہم سے
کریک ڈاؤن کے لئے اک ڈرون ہونا چاہئے

Published 24/7/2017

* * *

ناک پہ مکھی کا پہرا کان ہے مچھر کا گھر

لو جی فوجی موج مناؤ، مفتی مودی سرکار نے عسکری لشکر ڈھونڈنے کا نیا طریقہ دریافت کرلیا۔ دروغ برگردن راوی وہ کہتے ہیں کہ اب تو عساکر بم بارود بندوق لے کر نہیں گھومتے بلکہ پٹھانی سوٹ پہن کر گھومتے گھماتے چلتے پھرتے ہیں۔ چلو بزاز سے پتہ کریں کس نے پٹھانی سوٹ کا کپڑا خریدا، محلے کے درزی سے معلوم کریں کس نے پٹھانی سوٹ سلوایا۔ پھر گاؤں گاؤں قریہ قریہ گھومنے کی ضرورت نہیں کہ لوگوں سے فون سے پتہ کریں کہ جنگجو کہاں چھپے ہیں۔ بھلا اب وہ کیسے چھپ سکتے ہیں وہ تو پٹھانی لباس میں دور سے پہچانے جاسکتے ہیں۔ وہ بھی کیا دن تھے کہ غریب کشمیری پھرن اور لنگوٹ پہنتے تھے تب انہیں ساہوکار، چوکیدار، تھانیدار، ذیلدار اور رعب دار وغیرہ چابک مارتے تھے اور وہ نہ جائے رفتن نہ جائے ماندن کے مصداق چابک کی مار برداشت کرتے تھے، شکر ہے کہ جان سے ہی نہ مارے جاتے تھے۔ البتہ وہ زمانے لد گئے جب کھانے کو کم اور پہننے کو پھٹا پرانا ملتا تھا اور اس دور میں آپ کیا پہنے کیا کھائیں یہ کسی کی مرضی پر منحصر تھا لیکن جب سے جمہوری تماشے نے سر ابھارا، ہم تو خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ سردیوں میں بند اور بہار آتے ہی آزاد شدہ گھریلو جانوروں کی مانند قلابازیاں کھاتے کہ ہم آزاد ہیں۔۔۔ اور بھی اچھل اچھل کر چلاتے رہتے کہ سرداری عوام کا حق ہے اور ہم ہی تو عوام ہیں مگر کیا معلوم تھا کہ سرداری میں پھر سروں کو تولنے کے بدلے گننے کا رواج شروع ہوا اور وہ بھی اس جگہ جہاں ابن آدم کو جھنجھوڑ کر بتایا جاتا ہے کہ اپنی مت سوچو ہماری سنو کہ ہم سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اور ہم اس لئے جانتے ہیں کہ ہم اکثریت میں ہیں کہ کون نہیں جانتا کہ ”لگہ

موت گووانہِ گوٹ'' (اکثریت آمریت ہے)۔ اسی لئے جب بیف کی خبر پھیلتی ہے تو اکثریتی ہجوم ٹوٹ پڑتا ہے، تب اخلاق کیا، پہلو خان کیا، جنید کیا، ایں کیا آں کیا، اور جب نتیش بابو بھی بھاجپا کی گود میں آگرا جیسے کوئی پکا ہوا آم ڈالی سے ٹوٹ کر گر جائے تو وہاں بھی بیف کے نام پر گاڑیاں روک کر پٹائی کا دھرم یدھ شروع ہوا۔

سیکھئے نتیش سے کرسی جتانے کا راز
عشق کا اعلانیہ اظہار ہونا چاہیئے
صبح لالو، شام پنجہ کل کنول سے دوستی
پالیٹکس میں میاں مردار ہونا چاہیئے

وہ تو ہم جانتے تھے کہ ایسی اکثریت کو سرکاری آمریت کی پشت پناہی حاصل ہے لیکن اب کی بار مودی سرکار میں پٹھانی سوٹ پہننے پر بھی زندگی اور موت کا فیصلہ ہوتا ہے، یہ پہلی بار سنا۔ مانا کہ منی پور میں ماورائے عدالت قتل کی واردات کی تحقیقات سی بی آئی کرے گی لیکن اپنے ملک کشمیر میں بھی ایک بار پتھری بل کھلی ہلاکتوں کی تفتیش سی بی آئی نے کر کے پانچ فوجی افسران کو موردالزام ٹھہرایا لیکن ادھر کی کون سنتا ہے فوجی عدالت نے پہلی ہی پیشی میں اسے زمین برد کر دیا کہ کوئی کیس ہی نہیں بنتا یعنی پانچ لوگ تو سمجھو مرے ہی نہیں تھے لیکن ان کو مارنے کے عوض ''ویروں'' کو انعامات مل گئے۔ وہ تو گھروں سے نکال کر بھون دئے گئے لیکن کیس نہیں بنتا۔ ان کے گھر والے انتظار میں ہیں کہ کب لوٹیں گے لیکن کیس نہیں بنتا۔ مژھل سے گجرات تک ایک ہی کہانی بنائی جارہی ہے۔ ادھر میجر اوپندر جیل تو گیا لیکن غازی بن کر باہر نکلا کہ تم نے تو کوئی قتل کیا ہی نہیں کیونکہ پٹھانی سوٹ پہنے تو صرف عسکریت پسند پہنتا ہے اور ان فاختاؤں کو مار ڈالنا دیش سیوا ہوتی ہے جس کے لئے شاباشی، سلامی، ترقی کی طشتری میں سجے سجائے انعام واکرام ملتے ہیں۔ اگر پہلے سے نہیں ملا تو اب اچھا خاصا کلیم بناؤ کہ تم ہو تو بھارت ورش محفوظ ہے کیونکہ نادی ہل کے تین جنگ جوؤں کو تم نے پٹھانی سوٹ میں ملبوس ہو کر فوراً پہچان لیا، اس لئے گولی چلانے والے ہاتھ کے ساتھ ساتھ تمہاری باز جیسی نظر کو الگ سے پُرسکار ملنا چاہیئے۔ ادھر ڈی جی ونجارا بھی سہراب الدین قتلِ عمد کیس سے بری ہوا کہ نیائے پال نے اس دیش بھگت کو سلاخوں میں پا کر

افسوس جتاتے کہا تم اور جیل میں !!! چھی چھی چھی !!! تم ایسے معصومیت و شرافت کے پتلے سے قتل سپنے میں بھی ہو نہیں سکتا۔ تم نے خود ہی لکھا تھا جیل سے لمبا چوڑا خط کہ جو کچھ کیا وہ امت شاہ کے کہنے پر کیا، پھر اس میں تمہارا کیا دوش ؟؟؟ اور امت شاہ تو وزیر داخلہ بننے والا ہے پھر اس پر کوئی الزام کیسے دھر سکتا ہے؟ صاف و شفاف تن پر پانی نہیں رُک سکتا، الزامِ قتل بھلا کیسے رُکے۔ اگر الزام ٹھہرا تو وزارتِ داخلہ کا قلمدان میلا ہوگا جسے شفاف دکھانے کے لئے پیشگی سوچھ کرسی ابھیان چلانا ضروری ہے۔ جبھی تو نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری، نہ رہے گا میل نہ جھاڑو کی کرش کرش۔ چل رے ونجارا آزاد پنچھی کی طرح گھوم پھر، امیت شاہ کے کدوں کیا دان دکشنا کے صدقے تمہارے بینگن بھی سیراب ہوئے۔

اور وہ جو نعرہ لگایا تھا ''سب کا ساتھ سب کا وکاس'' وہ کس قدر سچ ثابت ہو رہا ہے؟ اس کے لئے دیکھنے والی آنکھیں اور تاڑنے والی ترچھی نظریں ہوں ۔۔۔ اور اگر کوئی آوارہ بے چارا کسی سیاسی عینک سے دیکھے تو ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں۔ یقین نہ آئے تو ہم نے گائیوں کے لئے ایمبیولنس کا انتظام کروایا کہ راہ چلتی کوئی گائے ماتا زخمی وغیرہ ہو جائے تو اسے تکلیف نہ ہو بلکہ علاج کی سہولت فوراً دستیاب ہو، فری میڈکل ایڈ کیلئے ہسپتال وقت پر پہنچے، جبھی تو کوئی یہ الزام نہیں دے سکتا ہے کہ وکاس کے معاملے میں گئو ماتا کو پس پشت ڈالا گیا۔ اب رہی بات اصلی ماتا کی وہ تو درد سے کراہ کر آواز بھی دے، گائے بے چاری کیا کرے؟ کسے بلائے؟ کسے کوسے؟ کسی کی بیوی مرے تو اس کا شوہر اسے کندھے پر لے جا سکتا ہے، کسی کے بچے کی لاش موٹر سائیکل پر لے جا سکتے ہیں یا کسی کے ماں کی میت سائیکل پر لے سکتے ہیں لیکن گائے ماتا کے ساتھ تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ بیوی بچہ ماتا خود بھی دو پائے ہیں، اس لئے ان کی میتیں دو پہیہ والی گاڑی پر جا سکتی ہیں۔ اپنی گئو ماتا تو چوپایہ ہے، وہ سائیکل، کندھے یا دو پہیہ ریڑھی پر نہیں جا سکتی، اسی لئے ہم گئو ماتا کے لئے ایمبولنس کا انتظام کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کوئی باؤلا یہ کہتا پھرے کہ ہم منش سے زیادہ گائے کو ترجیح دیتے ہیں، کہتا رہے، اب کی بار بھاجپا سرکار میں کون کسی کی سنتا ہے؟ اور جمہوری تماشے میں طرح طرح کے شوشے کھڑے کئے جاتے ہیں اور اگر یہ شوشہ خود سر براہِ دانش گاہ پھیلائے تو اس کی ذہنی صحت پر سوالات خودرو پودے کی طرح پلک جھپکتے اُگ آئیں گے۔ جے این یو کے

رئیس جامعہ کے منہ میں گھی شکر کہ فرمایا وطن پرستی اُبھارنے کے لئے یونیورسٹی میں کتب خانہ نہیں توپ خانہ کھڑا کیا جائے۔ واہ کیا بات ہے!!! اسے کہتے ہیں اللہ دے بندہ لے۔ کیوں نہ اب ایسی نیتی اپنائی جائے کہ جو ممبران پارلیمان غریب و بے بس کسان کی طرف ایک آدھ بار بھی دیکھنے کا کشٹ نہیں کرتے ان کے اندر جذبۂ ہمدردی برائے کسانان ہندوستان بیدار کرنے کے لئے پارلیمان کے لان میں ایک ہل یا ٹریکٹر کھڑا کیا جائے۔ کیا کریں یہ ہوا تو اپنے ہل والے نیشنلی فوجدار پھر فوراً پارلیمان کو اپنے نام کروانے کی مہم چھیڑیں گے یعنی بھلے ان کی اندرونی خود مختاری قرارداد اسی پارلیمان میں ردی کی نذر کی گئی لیکن ہل دیکھ کر وہ اونچا رہے گا ہل والا جھنڈا نعرہ فرزانہ لگا کر باقی ممبران کو بیگانہ بن جانے کی دہائی دیں گے۔ صفائی کرمچاریوں کے تئیں ہمدردی کا پودا پتھر دلوں میں سینچنے کے لئے کیوں نہ ہر اسمبلی میں ہمالیہ جتنا اونچا جھاڑو کھڑا کیا جائے؟ مگر کیا کریں اس پر آوارہ کتوں کے حقوق کی لڑائی لڑنے والی مینکا جی لال پیلی ہو جائیں گی، محترمہ بے چارے صفائی کرمچاریوں پر برسیں گی کہ یہ نادان سگِ بے زبان کو کوڑے کرکٹ کے مالکانانہ حقوق سے محروم کر کے ہندوستان بھر میں کتوں کی عزت کا اپمان کرتے ہیں۔ اور اگر طلبا کی جانب ہمدردی کا اظہار کرنے کے لئے ٹوٹے قلم خالی دوات کا انتخاب ہوا تو اپنے مردِ مومن کے سنہرے سپنوں کی تعبیر کرنے والے فوراً میدان عمل میں کود پڑیں گے کہ ہم قطبین ملاتے ہیں مگر کرسی پر بیٹھے اپنے لنگوٹیے یار کنول والے پھل پھول چنتے ہیں اور کانٹے ہمارے ہاتھ تھماتے ہیں۔ اور یاد آیا، ہل والے قائد ثانی الیکشن کے وقت بندوق برداروں کی طرف داری میں مصروف رہے کہ یہ لوگ بقول اس کے اپنے حقِ آزادی کے لئے لڑتے ہیں مگر اب کسی بندوق بردار کی ہلاکت پر وردی پوشوں کو مبارکباد دے کر اچھا کام جاری رکھنے کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ ہل والے سپاہی جو کبھی حملہ آور خبردار کا نعرہ لگا کر سیاسی آوارہ گردی کرتے تھے، اب عام لوگوں کی ہلاکت پر افسوس بھی ظاہر کرتے ہیں، واہ بھئی واہ! لیکن اگر پوچھیے ۲۰۱۰ء میں آپ کی اپنی حکومت کے زیر سایہ جو ایک سو بیس معصومین چند دنوں میں یکے بعد دیگرے مارے گئے، کیا وہ عام نہیں تھے؟ وہ بولیں گے نہیں حضور! وہ تو پٹھانی سوٹ پہنے خاص الخاص کشمیری تھے جو اللہ کو پیارے ہو گئے مگر جاتے جاتے ہماری دیش بھگتی کی لاج رکھ گئے۔ اسے کہتے ہیں کشمیر کی

سیاست کا جنتر منتر چمتکار کہ اقتدار ہے تو قتل و غارت مزیدار، کرسی گئی تو مار دھاڑ، خون خرابے پر بے کار سیاست کار کی مگرمچھی آنکھیں اشک بار۔ ویسے اس کھیل تماشے میں قلم دوات والے بھی کسی طور پیچھے نہیں۔ وہ جب کرسی کی طرف دیکھ دیکھ کر منہ سے رال ٹپکاتے تھے اور اقتدار کی پری کے حجلۂ عروسی سے باہر تھے تو ہاتھ ہلا ہلا کر بندوق برداروں کی راہ میں پلکیں بچھاتے تھے۔ ان کے ماتم زدہ گھروں میں جا کر بطرزِ حریت متاثرہ اہل خانہ کی ہمتیں بڑھاتے، دلاسہ دیتے، بوقت ضرورت شاباشی دیتے اور تعزیت کی بوچھاڑ کرتے۔

آؤ مل کر کھاتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں
گیت خوشی کے گاتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں
جب وقت پڑا تو بھاگیں گے دلی اور لندن اپنا ہے
مل کر بھوک مٹاتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں
ہے پہلے بھی لوٹا اس کو پر قوم بھلا بیٹھی ہم کو
اک اور سبق سکھلاتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں
تو عدل کا شور مچائے جا میں ظلم کو عام کئے جاؤں
اس طرح سے کام چلاتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں

یہ آفت کے پرکالے وقتِ ضرورت حریت کی بلائیں لیتے کہ تم جیو ہزاروں سال تم سے ہی قرضے کا تخت لامثال۔ اسی وجہ سے قلم دوات کے کماندان مظفر بیگ آف ہندوستان اونچی مچان پر چڑھے گیلانی صاحب سے مخاطب ہوئے: بھلے ہی این آئی اے حریتی کرتا دھرتاؤں کو اندر کر کے دُکھوں کا سنسار دیں مگر آپ ہمیں پیار دیں، جناب! عالی حج کریں ذرا عساکر کو بندوق تج دینے کو کہہ دیں، ہماری کرسی بچے تو آپ کا گیا بگڑے؟ قسم سنگھ پریوار کی قلم دوات کا عارضی اقتدار آپ کو ڈھیر ساری دعاؤں کا دائمی اُپہار دے گا۔

Published 7/8/2017

* * *

کھلے گا کس طرح مضمون میرے مکتوب کا یارب !

کشمیری بھائیو اور بہنو! سب مل کے ناچو گاؤ کہ خوشی سے ناچنے کا زمانہ آ گیا۔ سارنگی اور سنتور کے راگ چھیڑو۔ ڈھول تاشے بجاؤ۔ روف اور ونہ وُن گاؤ، دھمال مچا کر اچھلو کودو۔ قلم دوات والی بانوئے کشمیر ہل والے قائد ثانی سے ملنے پہنچیں اور قوم کے غم میں ڈنر کے بدلے (ہائی ٹی High Tea) پینے کا پروگرام بن گیا۔ یہ میٹنگ کوئی عام خام نہیں بلکہ اہل کشمیر کے فائدے کے لئے ہی نہی بلکہ سمجھو ان کے سارے دکھ درد دور کرنے کیلئے تھی۔ کوئی یہ نہ کہے کہ اپنے کرسی نواز سیاستدانوں کے پاس کشمیر موافق ایجنڈا نہیں، اس لئے با ادب با ملاحظ ہوشیار، کان کھول کر کہانی سنو۔

میں 10 % تم دس نمبر دونوں مل کر کچھ کر جائیں
اک تازہ ڈھونگ رچاتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں
اک دوجے کے دشمن تھے یہ یاسر جی کچھ دن پہلے
اب دونوں یہ فرماتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں

اتنا ہی نہیں بانوئے کشمیر دوسرے سیاست دانوں سے ملاقی ہوئیں کہ کشمیر کے غم میں ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو ٹپک رہے ہیں۔ کیوں نہ ہوں مہاراجہ کے ٹائم کا آرڈر منسوخ ہونے کی دہلیز پر ہے۔ پھر کشمیری اپنے وطن میں ہی اقلیت میں چلے جائیں گے۔ ان کی زمین، نوکریاں سب کچھ داؤ پر لگ جائیں گی۔ ویسے اپنے ہل والے قائد ثانی کے ترکش میں نت نئے تیر موجود ہیں اور جب بھی انہیں وار کرنا ہوتا ہے تو وہ بلا دریغ تیر نیم کش چلاتے ہیں تب وہ آگے پیچھے کچھ نہیں

دیکھتے بلکہ مخالف سیاست دانوں کو میدان عمل میں کودنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ پھر میر آف دہرن کیا، حکیم آف کھاگ کیا، تاریگامی آف کولگام کیا، حسن میر آف ٹنگمرگ سب کو ساتھ لے کر تیکھا وار کرتے ہیں۔ انہیں پتا ہے کہ قلم دوات والے تو پہلے ہی ہل گئے ہیں، وہ تو مرد مومن کا کوئی خواب بھلے ہی پورا نہ کر پائے لیکن دن رات انہی خوابوں کی دہائی دیتے ہیں جن کی کوئی تعبیر دکھائی نہیں دیتی۔ شاید اس کے لئے مفتی آف بجبہاڑا کا فتویٰ ہونا چاہئے، ینگ مفتی کی سینمٹوگرافک آنکھیں ہونی چاہئے یا پیر صاحب آف بنڈپور اور قاضی گنڈ کا تعویذ گلے میں لٹکتا ہو۔ کنول والے بھی لرز اٹھتے ہیں کہ اونچا رہے گا ہل والا جھنڈا کا جو نعرہ لگا تو بھاجپا کے اوزار حرب وضرب، شیو سینا کے ترشول میں زنگ تو لگتا ہی ہے۔ مزید برآں سیوک سنگھ کی چھوٹی لمبی چوٹیاں گیلی ہوتی ہیں۔ اسی لئے اب وہ کہتے ہیں کہ کنول کی قسم جو کچھ کہیں گے سچ سچ کہیں گے، جب تک ملک کشمیر میں آپسی گٹھ جوڑ موجود ہے ۳۷۰ یا ۳۵۔اے کی مخالفت نہیں کریں گے۔ انہیں بھی سارے ہون بھجن کر کے ملک کشمیر میں سرکار ملی ہے، اس کو گنوانے کا کام بھلا کیوں کریں؟ ہل والے قائد اور ان کے پیادہ فوجیوں کے سامنے تو مملکت خداداد کے ہدف میزائل، ڈونالڈ ٹرمپ کی دھمکیاں بھی پھیکی پڑتی ہیں۔ اسی لئے جو قائد ثانی نے 35-A سے متعلق معاملے پر اعلان جنگ چھیڑ دی تو بانہال کے آر پار لرزہ طاری ہوا کہ اب کی بار مودی مفتی سرکار کو بڑے طوفان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ معاملہ صاف ہے Finally مطلب بالآخر ہل والوں نے فیصلہ لے ہی لیا ہے کہ اٹانومی لے کر رہیں گے، 370 اور 35A کی حفاظت میں سینہ تان کر کھڑے ہوں گے۔ آگے پیچھے جو کچھ ہوا اس کو ہم بھولنے کو تیار ہیں، بلکہ معاف کرنے سے نہیں کترائیں گے یا معافی مانگنے سے بھی ہم کو کوئی نہیں روک پائے گا کیونکہ ہم نے اتنے سال دیکھا اور پایا کہ اٹانومی ہی ہر مسئلے کا حل ہے۔ ہم نے ماضی میں ایک دستاویز بھی بھیجا تھا اور تم نے جو اس کو پڑھے بغیر ردی ٹوکری میں دفن کر دیا۔ حالانکہ ہم کو اس کا بڑا ملال ہے، غصہ بھی ہے لیکن ہم سب کچھ بھلانے کو تیار ہیں۔ اسی لئے ہم نے بھری محفل میں اعلان کر دیا کہ اٹانومی دو اور کشمیر لو۔ یہ تم شاید نہ سمجھو لیکن اٹانومی جادو کی چھڑی ہے، جسے گھماؤ تو سارے مسلوں کا حل نکل آتا ہے۔ اس سے اہل کشمیر اقوام متحدہ کو بھول جائیں گے، قراردادوں کو فراموش کر دیں گے، شملہ معاہدے کو پس پشت ڈال دیں

گے۔ گولیوں کے زخم، افسپا کے گھاؤ، پیلٹ گن کے سوراخ، مرچی گن کا تیکھاپن، اشک آور کی بدبو، ٹاسک فورس کی توپیں غرض سب کچھ ٹھنڈے بستے میں ڈال دیں گے۔ آٹانومی کوئی ایسی شئے نہیں کہ تمہیں ہمیں دینے میں دقت پیش آئے۔ یہ تو پہلے بھی ہمارے پاس تھی، پھر ہم نے اقتدار میں رہنے کے لئے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے بیچ بازار بیچ دیا۔ اسی لئے ہم کو اٹانومی دو اور اس کے حصول تک ہم زیرو برج سے لے کر گپکار تک جلسے جلوس نکالتے رہیں گے اور ہم ہیں کہ مطالبہ کرتے رہیں گے۔ ہمارا سیاسی دل دھڑکانے میں اس کا اہم رول ہے۔ یہ جو اٹونامی اور ۳۷۰؍ والا نعرہ ہے، اس پر تو ہماری سیاسی زندگی کی معیاد منحصر ہے۔ مانا کہ اس سے ہمیں زیادہ محبت نہیں لیکن کسے نہیں معلوم کہ الیکشن کے وقت پھر ہمیں نئے نعرے ایجاد کرنے پڑیں گے، یہ جو ملک کشمیر کی قوم ہے انہیں پرانے نعرے گلے نہیں اترتے نئے نویلے نعرے بھاتے نہیں۔ اور بھائی! آخری بار سن لو بھلے تم اٹانومی نہ بھی دو، 370؍ اور 35A؍ کو عدالتی نظام سے تہ تیغ کردو پھر بھی ہم پرانی تنخواہ پر کام کرتے رہیں گے۔ اسی لئے تو جہاں سپریم کورٹ میں دفاع کرنے کی ضرورت ہے، ہم اپنی مجبوری کے سبب گپکار پر جلوس نکالتے ہیں تاکہ مودی سرکار ناراض ہو کر ہمارے کان کھینچنے پر تل نہ جائے۔ یہ حریت والے تو انکم ٹیکس، این اے آئی کے حملے برداشت کرنے پر مجبور ہیں لیکن ہم میں اتنی سکت نہیں اور پھر اس کے چلتے بانوئے کشمیر دلی دربار پہنچی کہ مودی جی، راجناتھ چاچو کچھ کرو کہ یہ کرسی کا معاملہ ہے کوئی دل لگی نہیں۔

کریں بھی کیا ہل والا نیشنلی پپو ملک کشمیر میں جو پاس نہیں ہو رہا تو خود دانتوں کے بغیر نیشنلی ٹائیگر کو میدان میں اترنا پڑا۔ مانا کہ ادھر ملک کشمیر میں ایسا ویسا ٹائیگر تو ہے کہ پپو کی مدد کرنے میدان میں اُترا لیکن دلی میں پنجے والا پپو کسی بھی صورت پاس نہیں ہو رہا۔ اسے تو بھاجپا کے منہ خون لگے ٹائیگر نے کہیں کا نہیں رکھ چھوڑا، اسی لئے وہ ایک شہر سے دوسرے بنا بتائے بھاگ جاتا ہے یا کانگریس کی چاچی کے پلو میں چھپ جاتا ہے کہ بچالو کہیں کاٹ نہ کھائے کوئی۔

چلو جی! عیش کرو اب تاریخ اور سائینس کا نیا سبق پڑھو۔ ہوائی جہاز تو کب کا ہندوستان میں چلا تھا شاید کورو اور پانڈوؤں کی لڑائی میں بم جہاز سے ہی برسائے گئے تھے۔ وہ جو شاہجہان نے تاج محل اپنی چہیتی بیگم ممتاز کے لئے بنوایا تھا وہ سب جھوٹ بتا رہے ہیں۔ ہو نہ ہو

بادشاہ کے پاس کاریگروں اور مزدوروں کے ساتھ قیمتی پتھروں کے لئے پیسہ ہی نہ تھا تب کہیں سری سری ساور کر سے ادھار لیا۔ ادھار نہ چکانے کے عوض تاج محل پراپرٹی سری سری کی ہوگئی۔ اسی لئے تو مہاراشٹر کی کتابوں سے مغل ہٹے۔ گجرات میں مسلم دور کا ذکر مٹا اور جو بھارت چھوڑو میں انگریز سرکار کی حمایت کرتے تھے وہ اب گاندھی کو پیچھے چھوڑ گولوالکر کی کہانی بچوں کے ذہنوں میں انجکشن سے داخل کرادیں۔ جبھی تو نئے بھارت ورش کا نرمان ہوگا۔ سنگھ پریوار کی جے جے کار ہوگی، پھر پورے بھارت میں اگر ہاہا کار مچی تو ہم کیسے ذمہ دار ہوسکتے ہیں؟

اور پھر اپنے ملک کشمیر والی فوجی اسٹیٹ میں سب کام تو فوج ہی کرتی ہے۔ ووٹ دینے والوں کو بونٹ سے باندھنا، پٹھانی سوٹ سے عسکری لشکر ڈھونڈنے کا کام، پولیس والوں کی پٹائی کا کام، اب تو سنا ہے کہ راشٹر گان گائے جانے کا کام بھی فوج ہی لیتی ہے۔ دروغ برگردن صحافی سیما مصطفیٰ جس نے یہ اطلاع دی کہ پہلگام اسکول میں فوجی گھسے، ڈسپلن کا مظاہرہ کیا، اسٹاف کو ڈرایا دھمکایا۔ ڈسپلن ہوتا تو کاہے کو بچوں کو مارتے پیٹتے بلکہ بچوں کو قومی ترانہ گانے کا حکم سدبھاؤنا سے دیتے اور وہ بھی پیار سے۔ ان کا تو پیار بھی نرالا ہے۔ ویسے زبردستی جب کوئی چیز ہو تو ڈر کے مارے بول کچھ اور ہی منہ سے نکلتے ہیں۔ شاید جو الفاظ ہکلاتے ہوئے نکلے ہونگے وہ سنئے اور سردھنئے

سٹین گن من ادی کھل نائک جے ہے
سینا در بھاگیہ ودھاتا
ینیر، ترال، پانپور، کپوارا
ڈراؤ گاندربل، شوپیان، بمنہ
تو صبح مار پیٹ مانگے
تو شام آتش مانگے

اور پھر جب وردی کے بدلے جینز پہن کر اور سامان ضرب وحرب ہاتھ میں لئے پوری بستی کو یرغمال بنا کر رکھ دے تب تو بات ہی اور ہے۔ تب پیلٹ، گولی کیا پتھر کیا۔ چینی مال کی کوئی گارنٹی نہیں۔ ایسا لوگ کہتے ہیں کہ وہ تین اقسام کی چیزیں بناتے ہیں، ایک برآمد کے لئے، ایک

پاکستان کے لئے ، ایک اپنے ملک میں کھپت کے لئے ۔ یہ جو ڈوکلام (بھوٹان سرحد) قضیہ بھی لگتا ہے چینی مال جیسا ہی ہے جس کی کوئی گارنٹی نہیں ۔ آئے دن دھمکیاں دیتے ہیں لیکن کرتے ورتے کچھ نہیں ۔ ہند چین قضیہ نہ ہوا کسی حسینہ کے گیسوئے دراز ہوں کہ دل کی طرح الجھ ہی جارہے ہیں ۔ انہیں شاید نہیں معلوم کہ ملک کشمیر میں اتنی فرصت نہیں ۔ ہم تو وہ ہیں جو آزادی کے لئے بس شالی کی بالیاں پکنے کا انتظار کئے ، دو دن انکاؤنٹر یا فائرنگ نہ ہو تو بس کہتے ہیں کہ ہو گیا ختم فسانہ ، کوئی مارا نہ جائے تو اخبارات مروڑ کر پھینکتے ہیں ۔ پھر ہندی چینی بھائی بھائی تماشہ کتنی دیر سہیں ؟ مطلب کچھ کرنا ہے تو فوراً کرو نہیں تو ہم یہ خبریں سنانا بند کردیں ۔

Published 14/8/2017

* *

ہوگئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر

ابھی مودی مہاراج کے منہ سے یہ لعل وگوہر گراہی تھا کہ مسئلہ کشمیر گولی اور گالی سے حل نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے منا بھائی ایم بی بی ایس کے مطابق جادو کی جھپی کی ضرورت ہے کہ اپنے ملک کشمیر کے سیاسی رنداس میخانے سے جام پر جام انڈیلنے لگے۔ بانوئے کشمیر نے فوراً فتویٰ جاری کردیا کہ مودی مہاراج نے قلم سنبھالا اور دوات سے روشنائی نکال کر جس حکم حاکم پر مہر ثبت کردی وہ اصل میں ہمارے مرد مومن کا خواب ہے۔ ہمارا خواب گولی سے نہیں بولی سے تھا جس کی تعبیر پیلٹ بنی۔ بنڈپوری پیر صاحب جادو کی جھپی کی کامیابی کے لئے تعویذ لکھنے لگے کہ کہیں یہ جادو کی جھپی اس قدر زوردار نہ ہو کہ جو جکڑا وہ پکڑا۔ ملک کشمیر میں ''لولہ روژھ نالہ موت'' (محبت کے بغیر گلے لگانا) بڑا بدنام ہے اور یہاں تو منی بدنام ہوئی پھر گلے لگانے والی بات کیا مضائقہ۔ اور ایک وہ ہیں جو ۲۰۱۴ء سے مسلسل مودی گیان میں مصروف ہیں تاکہ قلم دوات والی مرکزی کابینہ سیٹ کی کنجی ان کے ہاتھ تھمادیں لیکن ابھی تک مودی مہاراج کو شیشے میں نہ اُتار پائے بلکہ ابھی تک ان کا ہینڈ بیگ بننے کی کوشش میں ہیں کہ بھکت جن سے زیادہ مودی قصیدے پڑتے ہیں۔ ڈر ہے کہیں ہل والوں کے بب کلمہ کی طرح مودی کلمہ اختیار نہ کریں۔ خود ینگ مولوی عمر صاحب مار بھی میدان عمل میں کود پڑے کہ کہیں ہمارا بیان این آئی تلاشی مہم کی اوٹ میں چھپ نہ جائے اس لئے تائید کرڈالی کہ ہم بھی کھڑے ہیں تیری راہوں میں۔ ہل والے ٹویٹ پپو کہنی اور کرنی میں فرق تلاشنے لگے۔ وہ بھی کیا کریں کہ اہل کشمیر پچھلے سالہا سال سے ہل والوں سے کتھنی اور کرنی کا فرق طلب کررہے ہیں کہ ہم نے تو خون دے کر ہل والا جھنڈا اونچا رکھا تاکہ یہ

ملک ہمارا ہے اس کا فیصل ہم کریں گا کا نعرہ مستانہ رنگ لائے لیکن رنگ میں جو بھنگ ڈالا گیا اس کا جواب دو ساتھ میں خون کا بھی حساب دو۔ یہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہل والے قائد ثانی اور قلم دوات بردار بانوئے کشمیر کو مملکت خداداد سے دوستی کی تمنا ہے یا انہوں نے یہ نیا نعرہ ایجاد کیا ہے۔ ایک مملکت خداداد سے دوستی کے بارے میں قسم کھاتا ہے تو دوسرا ان سے دوستی برقرار رکھنے بلکہ مضبوط کرنے کی دہائی دیتا ہے۔ قائد ثانی ہل والے جھنڈے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ جو کچھ کہوں گا سچ سچ کہوں گا۔ اگر کوئی ہمیں چھوٹا ہوا اقتدار واپس دلا سکتا ہے تو وہ یہی نعرہ ہے کہ 35A کو ہاتھ مت لگاؤ، ۳۵۔ اے اور ۳۷۰ ہماری کرسی کی ٹانگیں سالہا سال سے مضبوط کرتے آئے ہیں۔ اندرا عبداللہ ایکارڈ کے وقت بھی جب ہل والے لیڈروں سے کوئی جواب نہ بن پایا تب بھی مسمی ۳۷۰ ہمارے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو گیا اور ہماری جان بخشوا دی کہ ہم سب کچھ بیچ کر آئے تھے پر ۳۷۰ نے بیچ بچاؤ کر ہماری لاج رکھ دی۔ یاد رہے اس کے اندر سے تینتیس ہزار کا کرنٹ دوڑتا ہے جو اسے ہاتھ لگائے گا وہ بھسم ہوگا۔ وہ جلے گا تو ہم دور سے تماشا دیکھیں گے اور پھر خود بخود کرسی وہاں سے نکل کر ہماری طرف دوڑے گی اور کرسی ملی پھر ۳۵۔ اے کیا؟ ۳۷۰ کیا؟

مودی مہاراج نے تو آتے ہی نعرہ لگایا تھا کہ بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ پھر بیٹیوں کی کیا درگت بنی وہ کوئی اخلاق کی بیٹی سے پوچھے، ٹرین میں دوران سفر میرٹھ کی فیملی سے پوچھے لیکن اب کی بار مودی مہاراج نے لال قلعے سے بھی بیٹیوں کا نام لے کر آستھا، شانتی، ایکتا اور سد بھاؤنا کو یاد کیا۔ آستھا (عقیدت) کے نام پر تشدد مت کرو لیکن وہ بھولے کہ مہاراشٹر ہائی کورٹ نے محسن شیخ کے مبینہ قاتل کو یہ کہہ کر ضمانت پر رہا کیا کہ یہ قتل عقیدت کے نام پر ہوا ہے۔ وہ بولے بھارت شانتی (امن) کے لئے بنا ہے۔ کسے نہیں معلوم کہ جنید خان، پہلو خان، اخلاق کا قتل بالکل امن کے ماحول میں کیا گیا، اور یہ کہ یہ قتل کرتے ہوئے بھگت جنوں نے گائے کا نام لے کر ایکتا کا مظاہرہ کیا۔ سد بھاؤنا تو کشمیر والوں کے مقابلے کون جانتا ہے۔ یہاں سد بھاؤنا کے نام پر سکولوں کو کمپیوٹر دئے گئے اور اسی کے نام پر پیلٹ مار کر انہی بچوں کو اندھا کیا گیا تا کہ وہ یہ سد بھاؤنا والے کمپیوٹر استعمال نہ کر سکیں۔ سد بھاؤنا کی آڑ میں وہیل چیران لوگوں کو دے گئے جن کی ہڈی پسلی توڑ کر انہیں لولا لنگڑا بنا دیا گیا اور سد بھاؤنا کی قسمیں کھاتے ہوئے پتھر

کے بدلے سیدھے ماتھے پر گولی ماری گئی۔ پھر ہم ابھی این آئی اے کے کشمیر منسلک چھاپے، ہی سن رہے تھے کہ کیرلہ رومانی قصہ کا کیس بھی انہیں سونپا گیا یعنی کسی ہندو لڑکی نے جو مسلم لڑکے سے کیرل میں شادی کر دی، شک ہے کہیں اس کی تاریں عسکری لشکروں سے نہ ملی ہوں۔ کہیں ان کے زیور میں بم بارود تو نہیں اور ان کے ہونے والے بچے اپنے جسموں پر بارود بھرے جیکٹ پہنے پیدا نہ ہوں۔ کون جانے نکاح نامے پر نئے حملے کی تصاویر چھپی ہوں۔

مانا کہ بات پرانی ہے لیکن اولڈ از گولڈ کس نے نہ سنا ہوگا مگر جب مودی مہاراج طاق نسیاں پر جمانے کے لئے اولڈ گارڈ کو مارگ درشن منڈل کے لبادے میں لپیٹ لیں پھر اولڈ گولڈ نہیں رہتا بلکہ کولڈ (ٹھنڈا) یا سوئلڈ (آلودہ) بن جاتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں بے کار مباش کچھ کیا کر۔ کچھ نہیں تو دوسرے بے کاروں سے ہی ملا کر۔ کچھ یہی حال بھارت ورش کے سابق وزیر یشونت سنہا کا ہے۔ سنہا جی ملک کشمیر کا قضیہ زمین بر سر زمین حل کرنے نکلے ہیں۔ اس لئے ملک کشمیر وارد ہوتے رہتے ہیں لیکن ہم تو مہمان نواز ہیں ہر بار ان کا سواگت کرتے ہیں۔ چائے پانی پوچھتے ہیں، خیریت دریافت کرتے ہیں، کچھ ان کی سنتے ہیں کچھ اپنی بتاتے ہیں۔ اسی بہانے سرینگر پہنچ کر ہل والے لیڈروں سے ملے کہ وہ بھی آج کل بے روزگار ہیں۔ مانا کہ کبھی کبھار بیروہ کے نام سے ان کا نام جڑ جاتا ہے لیکن زیادہ وقت ٹویٹر کی چڑیا کو دانے کھلانے میں صرف ہوتا ہے۔ ایسے میں خوب گزرے گی جو مل بیٹھے دیوانے دو۔ مانا کہ مودی مہاراج سنہا سے ملنے کے لئے وقت نہیں دیتے، ہل والوں کی باتیں ایک کان سے سن دوسرے سے چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ عمر کا سنہا کے لئے وقت گزاری کا سامان نکل آیا۔ مسئلہ کشمیر کو چائے کی پیالی پر حل کیا۔ قوم کے غم میں ڈنر کھانے کا بھی کبھی نہ کبھی سمے آئے گا تب ہل والے پھر سے اونچا رہے گا ہل والا جھنڈا کا نعرہ لگا کر گپکار پر یلغار کریں گے۔ مسئلہ کشمیر ہے ہی ایسا کہ زعفرانی دوشیزہ بھی تماشہ کرنے ترنگا لے کر گھنٹہ گھر جانے کی تماشہ کوشش میں ٹی وی چینلوں کی زینت بنتی ہے، ایک اور خاتون کرفیو کے دوران گھنٹہ گھر کے قریب چار نعرے لگا کر فیس بک کی مدد سے نعرہ باز ہنگامہ کر کے ویر چکر کی دعویدار بن سکتی ہے۔

یہ یوم آزادی بھی کیا چیز ہے کہ جھنڈوں اور ڈنڈوں کی دوڑ ہے۔ موہن بھاگوت کو

کیرل میں جھنڈا لہرانے سے روکنے کی کوشش کی گئی۔ تریپورہ کے ایماندار وزیر اعلیٰ جن کے اکاؤنٹ میں فقط دس ہزار روپے ہیں ریڈیو ٹی وی سے خطاب کرنے سے روکا گیا کہ یا تو بھاشن کا بھگوا کرن کرو یا اپنی راہ لو۔ ہم ایمانداری کو بس پرچار کے لئے استعمال کرتے ہیں، یقین نہ آئے تو مودی کے دوست کا کارنامہ سنو۔ دروغ برگردن راوی جس نے یہ اطلاع دی کہ انڈین کسٹم کی پوشیدہ فائلوں کے مطابق اڈانی گروپ نے ۱۵ر بلین روپے بلیک پیسہ باہر بھیج دیا۔ خیر بات یوم آزادی کے جھنڈوں اور ڈنڈوں کی چل رہی تھی۔ اہل کشمیر کو باہر نکلنے سے روکنے کے لئے ڈنڈے بردار خاکی پوش سڑک سڑک گھومے، گلی کوچے پھرے، وزراء اور امراء ادھر ادھر بھاگتے رہے کہ جلدی جلدی جھنڈا لہراؤ کہیں کچھ اُڑتا ہوا نہ آ جائے۔

مودی مہاراج کا ایک بھگت جو بڑے پردیش میں وزیر اعلیٰ ہے۔ گئو ماتا کی خدمت کرتے اور مسلم ماتا کے نام دشنام طرازی کرتے سیاست کی گلیاں پار کر گیا۔ وہ مدفون مہلاؤں کی عصمت دری کی تلقین کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ کی کرسی پر پہنچا۔ مسلم اقلیت کے خلاف اناپ شناپ بکنے میں اس نے کمال حاصل کیا۔ باقی کام تو پہلے ہی نپٹا لئے ہیں اسی لئے یوم آزادی کے موقعے پر مسلم مدرسوں میں تقریبات کی ویڈیو ریکارڈنگ کا حکم صادر کیا۔ وقت جو اس میں صرف ہوا تو اپنے آبائی علاقے گورکھپور میں بڑے اہسپتال میں بچوں کے لئے آکسیجن کب ختم ہوا اس کی اطلاع نہ ملی تو سو سے زیادہ بچے لقمہ اجل بنے۔ خیر بچوں کی کسے فکر، جنم اشٹمی کی تقریبات شایان شان طریقے پر منانے کا آرڈر دیا۔ گویا معصوم بچوں کی موت کا شادیانہ ہو۔ بچے تو خیر جنتے مرتے رہیں گے لیکن جشن کی تقریبات ہونی چاہیں کہ ان سے ووٹ ملتے ہیں، اس پر ہم کو ایک پرانے فلمی گیت کے بول یاد آئے۔

آؤ بچو تمہیں دکھائیں جھانکی ہندوستان کی
ایک ہفتے میں سو مرے یہ اُپلبدی یوگستان کی

ادھر چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے چینی برابر ڈٹے ہیں بلکہ ڈوکلام میں ڈٹے اور لداخ میں بھی گھسے۔ ہو نہ ہو ہندی چینی بھائی بھائی نعرہ کو پس پشت چھوڑ کر ملک کشمیر کے چن کرال محلّہ کا خواب دیکھا، اسی لئے یہاں سے نئی ٹریننگ لی۔ ہتھیاروں کے بدلے سنگبازی کا سہارا لیا۔ ملک

کشمیر کے سنگبازوں نے شاید گوریلا جنگ کے نت نئے طریقے سکھائے۔ کیا پتہ ہند چین مخاصمت نہ ٹلی تو اپنے سنگباز چینی فوج کے صلاح کار بنیں، سنگ بازی کا پندرہ روزہ مختصر کورس کرائیں۔ پھر سرجیکل اسٹرائک کیا، میزائل کیا، صحافت کا مچھلی بازار کیا سب کچھ دھرا کا دھرا رہ جائے۔ ایسا ہوا تو چین قضیہ کشمیر کا نیا فریق بن جائے گا اور پھر وہ چن کرال محلّہ تک ہی نہیں چیشول سے سرسیار تک اپنا حق جتائے گا کہ دفاع پر پیسہ خرچ کئے بنا ہی جنگ جیتنے کا ہنر جو ہمیں آتا ہے۔ ویسے چینی کہانی بھی دلچسپ ہے۔ انہیں صحافت کا مچھلی بازار دھمکی نہیں دیتا۔ پڑوسی بدلنے کا طعنہ نہیں دیتا بلکہ خود مودی سرکار پٹیرو چینا کو امریکہ سے بھارت براستہ سمندر تیل لانے کا ٹھیکہ دیتا ہے۔ مانا کہ تم لوگ بھگوان میں یقین نہیں رکھتے لیکن ہم پرارتھنا کریں گے کہ وہی بھگوان تمہیں خوش رکھے۔ ناراض ہو کر سرحد پر کوئی اور فرنٹ نہ کھول دینا۔ ابھی ہم دوسری سرحد کی سرجیکل اسٹرائک کے کانٹے نہیں نکال پا رہے۔

* * *

دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار

اپنا ملک کشمیر بھی عجب پریم کی غضب کہانی ہے۔ ہمیں تو زور دے کر بتایا جاتا ہے کہ یہ جو وردی پوش یہاں وہاں کوؤں اور چیلوں کی طرح گھوم پھر رہے ہیں وہ تو اپنا کرتویہ نبھا رہے ہیں کہ اہل کشمیر کی حفاظت اپنا فرض سمجھتے ہیں بلکہ اگر ہم زندہ ہیں تو ان کے ہی دم سے، یعنی یہ پریم کی غضب کہانی ہے۔ ہم نے بس ان کا دم نہیں بلکہ دم خم دیکھا جس کے سبب ہماری کمر بھی خم ہے اور دلوں میں غم ہے اور جان میں تو دم رہا ہی نہیں۔ وہ تو ہمارے جوانوں کے گرد بم باندھتے ہیں، پکڑ لیں تو ہماری ہڈیاں پُر ترنم بجاتے ہیں، اسی لئے ان کا فرض آئے دن فرضی ثابت ہو رہا ہے۔ یہاں تو خبر بھی فرضی، اطلاع بھی فرضی پھر انکاؤنٹر بھی فرضی ہے۔ پتھری بل سے لے کر مژھل سے ہوتے ہوئے اور اب ہندوارہ کے ہفرڈہ جنگل میں شاہد احمد میر نامی لڑکے کا فرضی انکاؤنٹر۔ بھلا ہم حساب بھی کتنا رکھیں کہ خون تو یہاں بے دریغ اور بے حساب بہایا گیا؟ ایسے میں لو جی فوجی موج مناؤ کہ بھکت جنوں کو کرنل پروہت نام کا نیا ہیرو مل گیا۔ ہمیں تو نو برس بتاتے رہے کہ اس نے مالیگاؤں بلاسٹ کے لئے بارودی مواد سپلائی کیا تھا اور آدھ درجن معصوموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا مگر اب جتاتے ہیں کہ کیس ہی فرضی بنایا گیا تھا۔ خیر مرنے والوں کی کوئی قیمت تو ہے نہیں کہ وہ اقلیت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں تو گائے ماتا فرضی گوشت کے نام پر ان کو مارا کاٹا گیا، اب بلاسٹ میں مرے تو کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ بڑے بڑے جمہوری ممالک میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ ہم نے سنا تھا کہ ہیمنت کرکرے جیسے ایماندار اور نڈر پولیس افسر نے پروہت کو قانونی شکنجے میں لایا تھا کہ یہ زعفرانی دہشت گردی کا ایک حصہ تھا مگر اب

کہتے ہیں کہ زعفرانی دہشت گردی فرضی نام ہے۔ یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے کہ وہ بھی مودی مہاراج کے بھکت جنوں سے ڈرتا ہے۔ ڈرے کیوں نہ کہ بھارت ورش کا پتا یعنی راشٹر پتا بھی انہی بھکت جنوں کی گولی کا شکار ہو گیا تھا۔ پھر جو گوڈسے کا جنم دن منانے والے سڑک سڑک گھومتے ہیں، لگتا ہے کہ گاندھی سمادھی میں زلزلہ پیدا ہوتا ہوگا کہ کہیں ادھر کا بھی رُخ نہ کردیں کیونکہ بھکت جن اب راشٹر پتا کو بھی فرضی ہی مانتے ہیں۔ ابھی سپریم کورٹ نے فقط ضمانت منظور کی کہ بھکت جنوں نے کرنل پروہت کو ہیرو مانا۔ خود فوج نے زبردست انتظام کیا کہ اُسے جیل سے باہر لے آئے۔ فوج کے لئے بھی اب پروہت اور میجر گگوئی جیسے نئے نئے رول ماڈل پیدا ہو رہے ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جو پتھری بل میں بے گناہوں کے خونِ ناحق میں ملوث رہے مگر فوجی عدالت کو ان کی وردی پر خون کی ذرا بھی دھبا نظر نہ آیا۔ پھر مژھل میں تو پٹھانی سوٹ والے عسکری مار گرائے تھے، بھلا نادی ہل کے تین لوگ کس کھیت کی مولی ہیں؟ لمبے قد کے فلمی ہیرو نے کب کا فیصلہ دے رکھا تھا کہ مجھے تو سب پولیس والوں کی صورتیں ایک جیسی دکھتی ہیں یعنی ملک کشمیر کیا، دلی کیا، یوپی کیا خاکی والے تو سبھی منہ سے آگ اگلتے ہیں۔ اب یہ نہ پوچھنا کہ ہریانہ میں سنت رام رحیم کی پریم کہانی میں ایسا کیا جادو ہے کہ وردی پوش اپنے ہاتھ پاؤں بندھے بیٹھ گئے کہ ۳۱ر پریم یوگی پرلوک سدھار گئے، بے شمار زخموں کی پھلواری بدن پر سجائے کراہ رہے ہیں۔ یہ بات بھی ہے کہ ہمیں آباء واجداد کے زمانے سے اس وہم میں مبتلا رکھا گیا کہ خاکی وردی پوش اہل کشمیر کی حفاظت پر مامور ہیں اور ہم اس مغالطے سے ایک دن نکلتے ہیں اور دوسرے دن اس طرح بنے ڈربوں میں بصد احترام داخلہ لیتے ہیں کہ کبھی اسکول ایسے نہیں گئے اور جب کھچا کھچ بھر جاتے ہیں تو شہر کی سڑک پر چلنے والی منی بس اور ان کے ڈربے میں فرق کرنا آسان نہیں ہوتا کیونکہ دونوں میں مرغ بے ترتیب نظر آتے ہیں۔ بال سوکھے، کپڑے لت پت پنکھ کے پنکھ اڑے اڑے سے لگتے ہیں، پھر جب سالہا سال بعد ڈربے سے خلاصی ملتی ہے اور زمان کیا مکان کیا سارا انسان ڈھیلا ڈھالا دکھتا ہے۔ ہم نے تو سنا تھا کہ قانون کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں ہمیں کیا پتہ اس کی عمر کچھ زیادہ ہی لمبی ہوتی ہے بلکہ عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن۔ اور چاروں فرضی کیس کے سبب بھارتی جیل میں گزر گئے۔ کہاں عدالتیں تاریخ پہ تاریخ دیتی ہیں، کہاں تاریخ

کے بہانے جوانیاں چھنتیں ہیں۔ یقین نہ آئے تو کشمیری اسکالر گلزار وانی کو دیکھو کہ اسے قانونی راستوں کی اوبڑ کھابڑ سطح طے کرتے سولہ سال گزرے۔ پھر بھی اعتبار نہ ہو تو رفیق شاہ اور حسین فاضلی سے پوچھو وہ بھی کوئی گیارہ سال قانون کی عمر دراز کا شکار ہو گئے۔ پھر بھی بھروسہ نہیں تو انجینئر فاروق خان کے اُنیس سال انگلیوں پہ گن لو اور دیکھو قانون کی عمر کس قدر دراز قد ہوا کرتی ہے گویا عمر دراز نہ ہو کسی حسینہ کے گیسو دراز ہوں کہ دل کی طرح الجھ ہی جاتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں قانون اپنا راستہ خود متعین کرے گا اور کون نہیں جانتا کہ اس کے راستے میں رکاوٹیں ہی رکاوٹیں ہیں۔ یقین نہ آئے سابرمتی ایکسپریس ریل گاڑی کی پٹری جو اکھڑ گئی تھی پھر اسے ٹھیک کرنے میں پولیس والوں نے گلزار کو چنا۔ دیوالی منانے کے لئے خاکیوں نے حسین اور فاضلی کا انتخاب کیا۔ البتہ جب وہ عدالتی نظام کے تحت بے گناہ قرار پائے تو کسی ٹی وی چینل پر ذکر تک نہیں کیا گیا لیکن اب کرنل پروہت کی فقط ضمانت منظور ہوئی فیصلہ نہ ہوا کہ صحافت کا مچھلی بازار گرم ہوا۔ پروہت کو بے گناہ ثابت کرنے پر تل گئے۔ کرکرے کو کل اعلیٰ انعام سے نوازا تھا، اسے بھی دیش دروہی کی فہرست میں شامل کیا کہ اس نے سیکولر سرکار کے کہنے پر فرضی ہندو دہشت گردی کا نام سنایا تھا۔

میرے روز و شب بھی عجیب تھے نہ شمار تھا نہ حساب تھا
کبھی عمر بھر کی خبر نہ تھی کبھی ایک پل کو صدی کہا

اپنے ملک کشمیر میں چار سو شور بپا ہے کہ ۳۵۔ اے کے ساتھ چھیڑ خانی کی کوشش ہو رہی ہے۔ ہم تو حیران ہیں کہ یہ شق کوئی حسینہ مہ جبین ہے کیا کہ چھیڑ خانی ہو؟ ہل والے قائد ثانی سے لے کر روز روز دُرگت بنانے والے انجینئر، ہتھوڑے کی ضربیں اور درانتی کی کاٹ لگانے والے ممبر، ہر سیاسی بات کے لئے تعویذ لکھنے والے پیر صاحب بیک زبان نعرہ مستانہ لگا رہے ہیں کہ جو ہم سے ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ گرینڈ پیلس ہوٹل غیر مقیم فرد کو منتقل کرنے میں بڑے سیاسی مگرمچھوں نے اپنا گھناؤنا رول نبھایا۔ قلم دوات والے چار وزراء بھی دلی دورے پر نکل پڑے کہ اب کی بار مستقل طور پر حق شہریت قانون بچا کر ہی دم لیں گے۔ مانا کہ ان کے کنول نما کانٹے والے دوست دور سے بائی بائی بھی کر گئے۔ اس لئے کہ دلی دربار والے بھی

انہیں گھاس نہیں ڈالتے۔

سیاسی چوزوں کو دلی نے یہاں گاما بنا ڈالا
جو کام نکلا تو بے چاروں کو مفلس ماما بنا ڈالا
جو دسویں کر کے ٹنل پار سے تشریف لائے تھے
انہیں تقدیر کا مالک اور علامہ بنا ڈالا

اور جنہوں نے ہڑتال کرانے کے تمام حقوق اپنے نام محفوظ کرائے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ دفعہ ۳۵ کا نو دو گیارہ کیا گیا تو ملک کشمیر کی سڑکوں پر خون بہے گا۔ ہم تو بیٹھے بیٹھے سوچ میں پڑ گئے کہ ادھر اپنی گلی کوچوں شاہراہوں پر کیا کم ہی خون بہا ہے کہ اور بہانے کی ضرورت پڑی اور ایسے میں منچلے دوستوں کا سوال ہے کہ بھائی صاحب خون بہے گا تو کس کا؟ اور ہم ہیں کہ ابھی کوئی فہرست بنانے میں ناکام ہیں کہ خون کس کا بہے۔ فہرست کی بات الگ، سنا ہے کہ ۶۳ سالہ پرانی ۳۵۔اے سے متعلق فائلیں نارتھ بلاک سے مثل کانگریس غائب ہیں۔ واہ کیا بات ہے! نارتھ بلاک نہ ہوا اپنے ٹھیلے والوں کی ریڑھی ہوئی کہ کسی نے چلتے چلتے کوئی چیز اُڑا لی اور بھرے بازار میں لوگوں کے جم غفیر میں پتہ نہ چلا کون بازار میں نادار بن کر آیا تھا اور بااختیار بن کر ہاتھ صاف کر کے چلا گیا۔ ایسے میں لگتا ہے کہ مودی مہاراج کا سوچھ ابھیان سپھل ہو رہا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ ایک File کی کیا بات ہے، ملک کشمیر میں Life کی بات کرو تو بہت کم قیمت کی ملے گی کہ کوئی پٹھانی سوٹ کی نذر ہو گئی، کوئی ملٹری کورٹ نے کسی کھاتے میں ڈالی ہی نہیں کوئی تحقیقات کی پوٹلی میں اس قدر باندھ دی گئی کہ نام و نشان ملنا محال اور کئی ایک تو دودھ ٹافی کی سوداگری میں بک گئیں۔ یہاں تو آٹھ ہزار زندگیاں چٹکی بجاتے غائب کر دی گئیں کہ کوئی نام لیوا نہیں یہ فائل بے چاری کیوں زبان زد ہر خاص و عام ہے۔ ایسے میں ہم قہقہہ مارے بغیر نہ رہ سکے کہ اپنے ملک کشمیر میں باشندگان اجس (بانڈی پورہ) کھوئے ہوئے بیل کو ڈھونڈنے نکلے۔ اس لئے نہیں کہ پیاری سی گاؤ ماتا کو ایک رومانوی ساتھی کی تلاش تھی بلکہ وہ تو گھر سے یہ کہہ کر نکلا تھا کہ چرنے جاؤں گا۔ دوسرے روز پتہ چلا کہ فوجی کیمپ کے قریب اس نے سینگ ہلائے تھے۔ ہو نہ ہو فوجی پہریدار نے اسے عسکری لیڈر کی چال سمجھا کہ اب بیل کے ذریعے ہی فدائی حملہ ہو، اسی لئے بے

چارہ جان سے ہاتھ بیٹھا۔ چاق وچوبند پہریدار کے کیا کہنے!!!

اب کی بار جو مودی مہاراج کی سرکار قائم ہوئی تو بھگت جن ہر کام یا فیصلے کی نسبت مودی جی کے حق میں شاباشی کے کلمات ارپن کرتے ہیں۔ نوٹ بندی سے جہاں لاکھوں لوگ بے روزگار ہوئے لیکن بھگت جن کو اس میں شاندار بھارت کی تصویر دکھائی دی۔ گئو ماتا کے نام قانون بنے تو رکھشکوں نے بھکشک بن کر درجن بھر لوگوں کو قتل کردیا اور ساتھ میں لاکھوں لوگ جو میٹ اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے وہ بے روزگار ہوئے لیکن بھگت جن جے گئو ماتا جے مودی میں مشغول ہیں۔ حد تو یہ کہ طلاق ثلاثہ سپریم کورٹ نے فی الحال کالعدم قرار دیا اور بھگت جن فوراً مودی مہاراج کے حق میں قصیدے پڑھنے لگے کہ مودی جی کو مسلم عورتوں کے حقوق کی فکر ہے مگر خود مودی جی کی پتنی یشودھا بین نے یہ کہہ کر اپنے حقوق مانگے کہ وہ اگر ایک بار، بس ایک بار مجھے بلائے میں، فوراً اس کے پاس جاؤں گی لیکن بھگت جنوں کو اس کے ادھیکاروں کی کوئی فکر نہیں۔

تم رکھ سکے نہ پاس ذرا اپنے قول کا
اس بار بھی بدل گئے ہر بار کی طرح
وعدہ کیا رات کو آنے کا پر نہ آئے
جھوٹے ہو تم ہر اک سیاست کار کی طرح

چینی تو ہند چین سرحد پر ڈٹے ہیں۔ ابھی تو انتظار ہے کہ وہ آگے کیا کریں لیکن دھمکی دے ڈالی کہ اگر ہم بھارت میں داخل ہوئے تو کہرام مچے گا۔ پھر پاکستان کو ڈونالڈ ٹرمپ کی جارحانہ دھمکی سے بھی ہوا نکال دی۔ یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کیونکہ ایک تو حملہ کرکے دکھائی نہیں دیں گے کہ کہاں غائب ہوگئے۔ ایک جیسے جو دکھتے ہیں جو حملہ کرے گا وہ ایک گلی سے نکل کر دوسرے میں عام آدمی بن کر لوٹے گا، پہچان کرنا مشکل ہوگا کہ فوجی ہے یا لداخ کا باشندہ۔ چپکے سے جو چنکرال محلے میں سنگ باری کی تربیت لے کر پنگانگ جھیل پہنچے، بھارتی فوجوں پر پتھر برسائے اسی کو کہرام کہتے ہیں۔ بھارت ورش کے وزیر خزانہ بڑے وکیل ہیں۔ مودی مہاراج کے ڈنڈھورچی بھی ہیں، اسی لئے حریت قیادت پر این آئی اے تفتیشی ڈرامے کے بارے میں دلیل دی کہ اس سے سنگ بازی کم ہوئی۔ لگتا ہے جیٹلی جی چینی فوج پر بھی این آئی اے تفتیش کی وکالت

کریں گے کہ جب کشمیر میں سنگ بازی کم ہوئی ہند چین سرحد پر کیوں نہ ہو۔ چھڑو جی! زمانے کے داغ داغ اُجالے میں کتنی دیر لگا رہوں، اب یہ نیا تازہ کلام بلاغت نظام گنگنا کر اپنا مفت کا غم غلط کرتا ہوں۔

سیاسی چوزوں کو دلی نے یہاں گاما بنا ڈالا
جو کام نکلا تو بیچاروں کو ماما بنا ڈالا
شیخی بگھارتے ہیں جو لال چوک آکر
ناڑا کہیں پر تو کہیں پاجامہ بنا ڈالا

Published 28/8/2017

* *

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو

اسے کہتے ہیں تنگ آمد بجنگ آمد۔ روز روز کے این آئی اے چھاپوں کی خبریں ہیں۔ اس پر الیکٹرانک مچھلی بازار پر زہر آلود تبصروں کی نہیں بلکہ گالی گلوچ کی بھر مار ہے۔ ہم جب جنگ لڑتے ہیں تو نعرہ مستانہ لگا کر لڑتے ہیں۔ کتنا سنیں کتنا سہیں شاید اسی لئے اپنے ینگ مولوی صاحب نے فلک شگاف نعرہ لگایا اور پیر صاحب اور ملک صاحب نے بیک زبان جواباً کہا کہ آواز دو ہم ایک ہیں۔ داروغہ زندان ہوشیار باش ہم تو دلی آ کر ہی تم سے دو دو ہاتھ کریں گے۔ قضیہ کشمیر تمہاری جیل کے اندر نپٹا لیں گے۔ ہم تو سمجھے تھے اپنے ہل والے نیشنلی اور قلم دوات والے پیران کلیسا ہی پرفریب نعرے لگانے میں ماہر ہیں کہ ادھر نعرہ لگا اور اہل کشمیر نعرہ مستانہ کی دھن میں کھو جاتے ہیں۔ آج کی بات نہیں پچھلے ستر سال سے سن سن کر سُن ہو جاتے ہیں کہ پھر آزادی کیا، اٹونامی کیا، سیلف رول کیا، دفعہ ۳۷۰ کیا اور تازہ تازہ ۳۵۔ اے کیا اسی ادھیڑ بُن میں کھو جاتے ہیں مگر بات اتنی بھی نہیں بلکہ کشمیریت، جمہوریت اور انسانیت بھی میدان عمل میں ہیں کہ اہل کشمیر کو بہلایا جائے، پھسلایا جائے، ٹرخایا جائے۔ ہمیں تو سڑک، چوک، شہر، قصبہ، گاؤں میں کھڑے خوبصورت بورڈوں کے ساتھ اُلجھائے رکھا گیا کہ ان پر دلکش نعرے تحریر ہیں۔ جمہوریت انسانیت کشمیریت کی ایسی تشریح لکھی ہوئی ہے کہ ہم من وعن عمل کرنے پر راضی ہیں۔ جوان اور عوام امن ہے مقام۔ باریش شخص کو پانی پلاتے ہم سوچتے ہیں کہ کتنا پانی پلائے گا کہیں مسلسل پانی پیتے ہوئے یہ بزرگ ۔۔۔۔۔ ہم چونکہ اہلِ کشمیر ہیں اسلئے ان کی کہی لکھی بات پر بلا عذر بھروسہ کرتے ہی کہ ہم اپنوں پر ستر سال سے بھروسہ کر کے دھوکہ کھاتے رہے اور پھر بھروسہ

کرنے نکلے کہ چلو دس بار ٹرخایا گیارویں بار ایسا نہیں کریں گے۔ اسی لئے جب لسجن میں فوجی گاڑی حادثے کا شکار ہوئی ہم فوراً مدد کرنے نکلتے ہیں کہ انسانیت میں یقین رکھتے ہیں۔ پانتہ چھوک میں پولیس گاڑی پر حملہ ہو فوراً زخمی پولیس والوں کو ہسپتال پہنچاتے ہیں یہ بھول کر کہ کہیں سے بھی پیلٹ والی بندوق آگ اگل دے گی۔ اور تازہ تازہ چاڈورہ میں جب فوجی گاڑی الٹتی ہے تو فوجیوں کو نکالتے ہیں، پانی پلاتے ہیں مرہم پٹی کرتے ہیں، کیونکہ ہم کشمیریت کے تابع ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جوان اور عوام امن ہے مقام کا نعرہ تبدیل کرکے اسے قبر ہے مقام بنا دیا گیا کیونکہ وہ بھارت ورش کی جمہوریت کے دعویدار بھی ہیں اور ٹھیکیدار بھی۔ اس لئے ہم نے زخموں پر مرہم رکھا انہوں نے کپوارہ میں نصر اللہ کو زخم دئے۔ ہم نے زخمی فوجیوں کو پانی پلایا انہوں نے کپوارا میں نصر اللہ کے ساتھی منظور خان کو پانی کے لئے تڑپایا۔ اتنا تڑپایا کہ اس کا ابھی تک اتا پتا ہی معلوم نہیں۔ فی الحال انکوایری کا دلاسہ ہے۔ تحقیقات کا میٹھا منہ میں ٹھوسا۔ ملوث لوگوں کو سزا دینے کی چھڑی دکھائی۔ مگر ہم تو ملک کشمیر میں تیس سال سے انکوایری کا قہوہ پیتے رہے ہیں اس میں اب اتنا شکر پروسا گیا ہے کہ ڈر ہے کہیں زیابیطس کے شکار نہ ہو جائیں۔ جیسے ہمیں معلوم نہیں کہ وردی پوشوں پر انکویری کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ انکویری اگر ایٹم بم ہے تو وردی پوش افسپا کے بنکر میں رہایش پذیر ہیں۔ تحقیقات اگر میزایل ہے تو وردی پوش قومیت کا انٹی میزایل کندھے پر اٹھا کر چلتے ہیں۔ چھان بین اگر چوہا ہے تو سپیشل پاور بلی ہے۔ جبھی تو چھان بین کرنے والے بلوں میں گھس جاتے ہیں کہ محفوظ رہیں۔

زندگی کی کہانی کہاں کھو گئی
مختصر سی جوانی کہاں کھو گئی

ہم تو خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے کہ کم از کم ایک طرف اگر ہم خون کا نذرانہ دینے میں نمبر وَن ہیں تو دوسری طرف ملک کشمیر ایک چیز میں دوسرے نمبر پر بھی ہے۔ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے ہمیں کرپشن میں دوسرے نمبر پر لا کھڑا کیا تھا اور ہم تھے کہ اسی کامیابی کے سہارے دن گزارتے تھے کہ چلو کہیں نہ کہیں ہمارا نام بھی یاد کرنے کے لائق ہے۔ کام نہ کرنے کی تنخواہ لیتے تھے اور کرنے کے عوض حق زحمت یعنی چائے پانی ہی نہیں پورا گوشتابہ منہ میں ٹھوس لیتے۔ لیکن

اب کی بار مودی سرکار نے سب کا ساتھ سب کا وکاس کا جو نعرہ دیا تو بھارت ورش نے یہ اعزاز بھی اپنے نام کر لیا۔ فوربس میگزین کی ایک سروے کے مطابق انڈیا ایشائی ممالک میں سب سے زیادہ کرپٹ دیش ہے۔ اور بانوئے کشمیر اس کے سبب گھبرا گئی فوراً ضلعی کمشنروں کو ہدایت دی کی رشوت خوری کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ ہم تو دن دھاڑے ٹھاٹھا ہنس پڑے کہ کشمیری زیرکوں کی وہ بات یاد آئی۔ گلوانس گُر حوالہ (گھوڑا چوری کرنے والے کے ہاتھ اپنا گھوڑا تھما دیا کہ اس کی حفاظت کریں) کیونکہ رشوت خوری تو سیاسی اور انتظامیہ سرشتوں میں موجود ہے اور انہی سے اس کا قلع قمع کرنے کی تجویز ہے۔ بھلا کمشنر بھاجپا اور کانگریس جیسی سیاسی پارٹیوں کا کیا بگاڑیں کہ بھاجپا نے ۲۰۱۵۔۱۶ میں اکیاسی فیصد یعنی ۴۶۱ کروڑ اور کانگریس نے ۷۱ فیصد یعنی ایک سو چھیاسی کروڑ بے نامی فنڈس وصول کیئے جس کے دینے والوں کا کہیں نام ہی نہیں۔

نام بھی بڑا دلچسپ ہے۔ اسے ہی اصل میں کہتے ہیں سب کا ساتھ۔ گرمیت سنگھ عرف رام رحیم یعنی کسی بھی ذات برادری مذہب کو اکیلا نہ چھوڑا بلکہ سب کو ساتھ لیکر چلنے کا اعلان کیا، نام دیا اور کام بھی۔ دروغ بر گردن من پریت کور جس نے الزام لگایا کہ ہریانہ کی کھٹر سرکار نے الیکشن میں مدد کے عوض زنا بالجبر کے وہ کیس واپس لینے کی یقین دہانی کرائی تھی لیکن کیا کریں سب کچھ بھاجپا سرکار کے ہاتھ میں نہیں کہ مضبوط ارادے والی دو خواتین نے ہمت اور پکا ارادہ کر کے ڈیرے میں سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ الگ کر دیا۔ پھر کیا تھا بابا بلک بلک کر رو دیا۔ کوئی مجھے بچا لو۔ رام رحیم دونوں کی قسمیں کھا کر آنسو بہائے کہ میں لڑکیاں چھیڑ کر کیا کروں گا، میں تو نامرد ہوں۔ واہ کیا بات ہے۔ جب جان پر بن آئی تو اپنا کچھا چھٹا بیچ میدان میں رکھ دیا۔ جن پر کبھی ناز کرتا تھا اپنے وہ اندرونی راز بھی افشا کر دئے۔

وہ جو نوٹ بندی کا فرمان جاری ہوا تھا، ہمیں تو ڈر تھا کہیں کوئی الٹی سیدھی بات منہ سے نکلی جو سب کا ساتھ سب کا وکاس میں روڑے اٹکائے تو ہم کو دیش دروہی پکارا جا سکتا ہے یا پھر ہو نہ ہو ہمیں مملکت خداداد کے اس پار دھکیل دیا جاتا اور قلم دوات والے فتویٰ صادر کرتے کہ ہم ملک کشمیر میں رہایش کے قابل نہیں۔ کیونکہ کنول والے تو پھول والے قلم والے سبحان اللہ۔ مانا کہ ہم چپ رہے لیکن اپنے چچا غالب، اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ہمارے دل و دماغ

میں نئے طریقے سے شاعری کرنے لگے۔ بنکوں کے باہر لمبی قطاروں میں انتظار کرنے والوں کو جان دیتے دیکھا تو بول پڑے۔

بنک کس منہ سے جاؤ گے غالب
لائن تم کو نظر نہیں آتی

شام ہوتے جو مئے خانہ یاد آیا تو نیا انداز اپنالیا۔ فوراً قلم دوات سنبھال کر تحریر کر گئے۔

قرض کی پیتے تھے مئے سمجھتے تھے ایک دن
رنگ لائے گی تمہاری نوٹ بندی ایک دن

اور جب رنگوں کی بات آگئی تو دیکھا کہ سب کچھ زعفرانی رنگ میں رنگا جارہا ہے۔ مودی جی کا مفلر کیا، یوگی جی کے دفتر کیا، الیکٹرانک صحافت کا شور کیا، سرکاری بیانات کا زور کیا، جنگلوں میں مور کیا، اقلیتوں کی گردنوں کے گرد ڈور کیا۔ اس ساری رنگارنگی میں ہمیں سمجھایا گیا کہ نوٹ بندی سے کشمیر میں سنگ بازی، نکسلی علاقوں میں نکسل واد، سیاسی اور عوامی کرپشن، جگہ جگہ پھیلا آتنک واد ختم ہوگا۔ معاشی ترقی کا دور دورہ ہوگا۔ اب کسی فرہاد کی ضرورت نہیں رہے گی کہ نوٹ بندی سے ہی دودھ کی ندیاں بہیں گی۔ ہمیں کیا پتا تھا کہ ابھی نومبر اگست جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہ گزریں گے کہ سرعام بانڈہ پھوٹ جائے گا۔ وہ جو بے زبان سابق وزیراعظم نے کہا تھا کہ نوٹ بندی سے دو فیصد جی ڈی پی کم ہوگا وہ زبان دراز وزیراعظم کی سرکار میں سچ ثابت ہوگیا۔ یہ کوئی غیر اہم معاملہ نہیں اسلیئے بھاجپا پارٹی اور سرکار کے ذمہ داران اس مسلے پر غور کرنے لگے۔ پھر بڑی اہم اور رازدارانہ بات ہم تک پہنچی۔ دروغ برگردن راوی جس نے پارٹی مشاورت کی اندرونی بات پہنچائی۔ مجلس مشاورت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ نوٹ بندی مودی سرکار کا اہم فیصلہ تھا لیکن اس کے سبب دو فیصد جی ڈی پی کم نہ ہوا بلکہ اس کی تمام تر ذمہ داری بابر پر عائد ہوتی ہے۔ وہ یہاں آکر بابری مسجد نہ بناتا تو یہ کمی کبھی نہ ہوتی، پھر رہی سہی کسر اورنگ زیب نے پوری کی اور اگر کچھ رہا تو شاہ رخ خان نے اپنی کمزور فلم زیرو شایقین کے لئے ریلیز کردی جو جی ڈی پی میں کمی کا موجب بنی۔

یوگی راج میں بچے آکسیجن کی کمی سے مر رہے ہیں۔ آنگ سان سوچی راج میں روہنگیا بچے جل رہے ہیں کٹ رہے ہیں، بھاگ رہے ہیں۔ خبر ہے دو دن میں تین ہزار مارے گئے۔

ادھر چھوٹی بچی ملالہ یوسف زئی جو نوبل انعام یافتہ ہے نے کہا روہنگیا حالت دیکھ کر دل ٹوٹ گیا لیکن ادھر آنگ سان سوچی جو امن کا نوبل انعام گلے میں لٹکائے پھرتی ہے اس کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ بچوں کا خون دیکھ کر اور سونگھ کر کچھ اثر نہیں ہو رہا۔ مودی مہاراج سے مل کر شکایت کردی کہ دہشت گردی سے نمٹ رہی ہوں۔ واہ کیا بات ہے ہمارے یہاں تو پٹھانی سوٹ والوں کو آتنکی کہا جاتا ہے وہاں تو پانچ چھ سال کے بچے بھی دہشت گردی کرتے ہیں۔ جو بچے مرے ہوئی ماؤں کے پستان چوس رہے ہیں، لگتا ہے ان کے پیٹ میں بھلے دودھ کا قطرہ نہ پہنچے لیکن ہاتھوں میں پیکا گن اور تلواریں پہنچ رہی ہیں۔ جو لرزتی ٹانگوں سے چل پھر نہیں سکتے وہ برمی فوج سے مقابلہ آرائی میں مشغول ہیں۔ ہو نہ ہو ان روہنگائی بچوں کے منہ سے جو رال ٹپک رہی ہے اس میں کوئی ایسا زہر ملا ہو کہ اکثریتی بودھ آبادی کے جان کے لالے پڑے ہیں۔ جبھی تو برمی فوج لاؤ لشکر لیکر ان کی مدد کو آتی ہے تا کہ ان روتے بلکتے بچوں اور بھاگتی ہوئی ماؤں کا مقابلہ کیا جائے۔ یو پی میں بچوں کی موت کوئی مسلہ نہیں، برما میں روہنگیائی مسلمان بچوں پر دلسوز کاروائی دفاعی کاروائی ہے لیکن گیو ماتاؤں کی گوشالوں میں موت کا پتہ لگانے کے لئے چھتیس گڈھ سرکار نے عدالتی کمیشن قایم کیا۔ خیر گئو ماتا تو اہم ہے حالانکہ ممبئی فسادات کی چھان بین کے لئے بھی سری کرشنا کمیشن قائم ہو گیا، رپورٹ بھی آئی۔ اس دوران کوئی ایک ہزار نو سو مارے گئے تھے۔ ایک سال بعد بم دھماکے ہوئے جن میں دو سو ستاون مارے گئے۔ انہیں عدالت نے انصاف دیا کہ اس میں ملوث افراد کو موت یا عمر قید کی سزا سنائی۔ سری کرشنا کمیشن کو کسی نے پوچھا نہیں، ایک ہزار نو سو کی کسی نے پرواہ نہ کی۔

جہاں جوتے کو دیکھا جھکا دیتا ہوں گردن کو

Published 11/9/2017

* *

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا

وہ تو آ کر چلے بھی گئے۔ اور آئے بھی تو بقول ان کے کھلے دل سے آئے۔ کون جانے پہلے والے جو آتے تھے وہ دل بند، دماغ بند، سوچ بند حتیٰ کہ مٹھّیاں بھی بند کر کے آتے تھے کہ کہیں کسی سے ہاتھ نہ ملانا پڑے تو ٹنل پار بھگت سمجھیں گے کہ بس اہل کشمیر کے ساتھ محبت کی پینگ بڑھائی جاتی ہے اس لئے اگلے الیکشن میں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ خیر ملک کشمیر میں لیڈران سے ملے۔ بات چیت کی، مسئلہ کشمیر پر گفتگو کی۔ نشستند، گفتند، خوردند و برخاستند سے لطف اندوز ہوئے اور جاتے جاتے اہل کشمیر کو دھمکی دیکر نکلے کہ تمہارے احساسات کا بھرپور لحاظ رکھا جائے گا۔ کوئی تمہاری دل آزاری نہیں کر سکتا۔ اپنے یہاں تو صدیوں سے پیار بھی دھمکی کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے۔ کبھی عزت و آبرو کی دھمکی، کبھی ۳۷۰ قائم رکھنے کی دھمکی، کبھی نیا کشمیر بنانے کی دھمکی۔ خیر جموں پہنچ کر بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مسئلہ عدالت عظمیٰ میں زیر سماعت ہے۔ ہم عدالت کے احکام ماننے والے ہیں۔ مطلب لیڈران کشمیر کے ساتھ قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہوئے کچھ نہ کچھ کشمیری انفکشن کے شکار ضرور ہو گئے، اسی لئے کشمیر میں ایک بات کر ڈالی اور جموں میں دوسری۔ بھلا وہ اپنی سیاست ہمیں کیا سکھائیں گے اپنے تو ہل والے اور قلم دوات کے پجاری کب سے یہ کھیل کھیل رہے ہیں۔ انہوں نے سبز کپڑے اور کوہستانی نمک سے سیاست کھیلی ہے اور پھر گولی اور بولی سے بھی سیلف رول کی داستان لکھ ڈالی۔ بھارت ورش کے وزیر داخلہ وارد ملک کشمیر ہوئے اور مختصر دورہ نہیں بلکہ پورے چار دن، لگتا تھا راجناتھ کھلی ہوا میں سانس لینے آئے کہ وزارت چھن جانے کا ڈر دل سے نکل گیا اور وہ جو ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی

تھیں کہ امت شاہ وزارت داخلہ کا قلمدان سنبھالیں گے اور راجناتھ کو وزارت جنگ ملے گے۔ وزارت دفاع اب کہاں رہی کہ روز ہی جنگ کا سماں نظر آتا ہے۔ سرحدوں پر تابڑ توڑ حملے اور سفارت خانوں میں ہلچل۔ اخباری بیانات کے میزائیل داغے جارہے ہیں کہ پہلے تم نے شروع کیا پہلے تم نے گولے داغے پھر ہم نے جواب فائرنگ کی، یعنی اگر بندوقیں خاموش بھی ہوں پھر بھی بیان بازی کے ترکش ہلچل میں ہیں۔ اگر یہ بھی نہیں پھر ٹی وی اسٹیڈیو میں لفاظی جنگ عروج پر ہے۔ صحافی اور تجزیہ نگار زبانی بم چلارہے ہیں۔ کافی کی مگیں دکھا کر اپنی اپنی طاقت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ گرم کافی کو نیوکلیائی پانی جتارہے ہیں۔ شیشے کے مگ لمبی دوری کے میزیل گردانتے ہیں۔ اور کچھ نہ بنا تو گالی گلوچ سے کام لے رہے ہیں، جسے کشمیری میں پام پام کہتے ہیں۔ اسی بھاگم بھاگ میں وزیر داخلہ جو کشمیر پہنچے تو کشمیر کو پھر جنت بنانے کا وعدہ کر بیٹھے۔ واہ کیا بات ہے جنت بے نظیر کی۔ ہو نہ ہو ان کی جنت کا تصور اور ہے۔ ویسے جنت میں تو وہی لوگ جائیں گے جو اس دنیا سے کوچ کر جائیں۔ کیا پتہ اس دنیا کو ہی جنت بنانے کا خیال ان کا یہی ہو کہ کسی کو زندہ نہ رکھیں جبھی تو ملک کشمیر میں جنت کا نظارہ ہوگا جس میں کوئی زندہ ہی نہ بچے۔ راجناتھ نے نئے پنچ شیل یعنی 5C کا اعلان کردیا۔ مانا کہ بھارت چین پنچ شیل اب پرانا ہوگیا اور چینی مال اور وعدوں کی کوئی گارنٹی اس لئے ملک کشمیر میں نیا پنچ شیل متعارف ہوا کہ ہتھیاروں اور وعدہ خلافیوں کا ٹیسٹ کرنے کی تجزیہ گاہ کشمیر ہی ہے۔ شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پولیس حکام کے لئے بلٹ پروف گاڑیاں اور جیکٹ فراہم کرنے کا اعلان کردیا۔ اس اعلان میں شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ کہیں انہیں سنگباری سے کوئی زخم نہ آئے بھلے وہ پیلٹ کے ذریعے لوگوں کو اندھا ہی کیوں نہ کردیں یا عام لوگوں کو راجناتھ کی نئی جنت میں پہنچادیں۔ روابط قائم رکھنے کی بات کر دی۔ وہ جو رابطہ کار پہلے سے رپورٹ تحریر کر گئے اسے داخل دفتر کردیا، اب وہ ہوم منسٹری کی الماریوں میں دھول کے سبب پھیپھڑوں کی بیماری میں مبتلا ہے اور سانس لینے کے لئے مصنوعی آکسیجن کی دہائی دے رہا ہے۔ راجناتھ کی رابطہ کاری کے ہر ایک پہلو میں بشری حقوق کی خلاف ورزی کے بعد تحقیقات کرانے کا عنصر قائم ہے۔ بقائے باہم کا یقین دلایا جس میں منظور خان فوجی کیمپ کے اندر جا کر واپس نہ پہنچے اور اس جیسے انسان ملک عدم کو سنواریں۔ اعتماد سازی کا بھروسہ

دیا کہ جو کچھ سرکاری کارندے اور سیاست کار کہہ دیں اس پر آنکھیں موند کر اعتماد کیا جائے۔ اور مستقل مزاجی سے کام کرنے کی تلقین کی۔ کسے نہیں معلوم کنول والے مستقل مزاجی سے اس کام میں لگے ہیں کہ ہندوستان بھر میں خوف کا ماحول بنا رہے، بھگت جن اپنی مرضی سے جسے چاہیں مار ڈالیں بھلے وہ جرنلسٹ گوری لنکیش ہو یا پہلو خان۔ اور پھر اپنی پولیس تو بھگت جنوں کو پہچانتی بھی نہیں اگر وہ ویڈیو میں دکھائی دیں۔ ایسے میں انہیں بالکل معصوم قرار دینا اور ان کے خلاف کیس فائل بند کرنا آسان ہوتا ہے جبھی تو سیاست گرم رہتی ہے، لوگ ڈر کے مارے بھاجپا کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور جب گرما گرم سیاست اور دل جلانے والی شدت پسندی سامنے ہو تو عتاب کا شکار روہنگیا مسلمان دہشت گرد دکھائی دیتے ہیں لیکن بنگلہ دیشی ہندو پناہ گزین اور مغربی پاکستان کے جموں مقیم شرنا تھی امن پسند اور جمہوریت نواز دکھتے ہیں۔ کشمیری صحافی کامران یوسف بھی سنگبازی کرتے نظر آتا ہے۔ یہ جرنلسٹ بھی کیا چیز ہیں کہ ہاتھ میں غلیل نہیں بلکہ کیمرہ سے وہ کام لیتے ہیں۔ ان کے کیمروں کی آنکھوں سے فلیش نہیں سنگ برستے ہیں یعنی وہ قتل بھی کرتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ اس کشمیری زیرک کا میں ہاتھ چومنا چاہتا ہوں جس نے یہ کہا ”کھونتی لَدَس چھُ کھونت پئَتے“ (زخمی کو مزید زخم لگنے کا خطرہ موجود رہتا ہے)۔ جبھی تو ہزاروں میں مارے کاٹے روہنگیوں کے دو لوگ بنگلہ دیش میں بدمست ہاتھیوں کے حملوں کا شکار ہو کر مارے گئے۔ لگتا ہے بودھ دہشت گردوں کے ساتھ وحشی ہاتھی بھی آنگ سان سوچی کے بھگت ہیں۔ اور کوئی امن کے نوبل انعام کی بے عزتی کرنا بلکہ اس کے چیتھڑے اڑانا سوچی سے سیکھے کہ بقول اس کے عالمی سرزنش سے وہ نہیں ڈرتی کیونکہ پچاس فیصد روہنگیا گاؤں بالکل محفوظ ہیں۔ یعنی آدھی آبادی اگر ماری بھی گئی، بچے دریاؤں میں پھینکے، عورتوں کی عصمت دری کی گئی تو کوئی گناہ نہیں کیا۔ بھلا پچاس فیصد گاؤں جب محفوظ ہوں تو انسانی حقوق کی خلاف ورزی چہ معنی دارد۔ پھر بھی اگر کچھ الزام بنتا ہے تو وہ ہر قسم کے بشری حقوق کی خلاف ورزی کے خلاف ہے۔ اور جب مسلم دشمنی کی بات چلے تو گجرات فسادات کے پندرہ سال بعد ملزم ٹھہری مایا کوڈنانی امت شاہ کو فسادات کے دوران نرودہ گام میں دکھائی ہی نہ دی۔ شاید اس دھمکی کا اثر ہے کہ کوڈنانی سبوں کا پول کھول دے گی۔ گبر سنگھ نے کیا خوب کہا تھا کیا سمجھ کر آئے تھے کہ سردار بہت خوش ہوگا شاباشی دے گا کیوں؟

کشمیر دوروں کا یہ حال دیکھ کر بھارت ورش کے سابق بے زبان وزیر اعظم بھی ترنگ میں آ گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سنگھ صاحب معاشیات کے درندر سپاہی ہیں کہ ان کی ہی کوششوں سے کبھی بھارتی معیشت لڑھکنے سے بچ گئی۔ ہم تو ان پڑھ لوگ ہیں۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہم کیا جانیں۔ ہماری نظروں میں وہ بے زبان ایسے ہیں کہ ان کے چہرے پر جتنی بار نظر ڈالو لگتا ہے کہ نیا نیا کاروبار شروع کیا تھا لیکن اس میں اتنا نقصان ہوا کہ بھرپائی کرنا ممکن نہیں۔ شاید انہوں نے سوچا کہ چلو ابھی دلی میں کوئی کام نہیں کیوں نہ اہل کشمیر کا دل بہلایا جائے۔ ایک ٹیم لیکر ملک کشمیر پدھارے۔

بیکار مباش کچھ کیا کر
اٹوٹ انگ کے جوڑ توڑا کر
مودی سرکار کو کچھ نہ کہہ
الزام پچھلی سرکار پہ دھرا کر

خود تو وہ کم بولتے ہیں، اپنے حواریوں کو کھلی چھوٹ دی کہ بولو اور اس قدر بولو کہ اہل کشمیر خوش ہو جائیں اور ونہ ون، روف اور ڈفلی کا اہتمام کر دیں۔ پھر ان کے حواری بولے کہ کنول، قلم دوات والوں نے تو یہاں لٹیا ہی ڈبو دی۔ ہم بھی سیدھے سادھے وہ لٹیا ڈھونڈنے نکلے جو پنجہ مار کر ہاتھ والوں نے سیدھی کھڑی کر دی تھی۔ بھلا کون بھلا سکتا کہ اہل وطن کی اجتماعی تشفی کے لئے افضل گورو کو پھانسی دلوائی اور ملک کشمیر میں ازسر نو ملی ٹینسی کو ہوا دینے کے لئے سیاسی چھاج ہلائے۔

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
ہم نے درد اپنا سنایا وہ ہوں کر کے چلے گئے

ادھر بھارت ورش کے لیڈران وارد کشمیر ہوئے ادھر بانوئے کشمیر اس مخمصے میں پڑیں کہ کہیں میر صاحب آف دہرن، قرہ صاحب آف بٹہ مالو اور میر صاحب آف لسجن نئی کھچڑی پکا کر اور نت نئی تگڑی بنا کر کانگریس پارٹی کے لئے ہاتھوں ہاتھ پنجوں کی بھرمار نہ کر دیں جو بعد میں دوات الٹ دیں اور قلم کو اِزار بند میں ناڑا ڈالنے کے کام میں لائیں، یوں مفتی اینڈ کو کا سرکار

چلانے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو۔ بس پھر کیا تھا بانوے کشمیر پلوامہ ضلعی ہیڈ کوارٹر پہنچی۔ پورے قصبوں اور آس پاس گاؤں میں کرفیو جیسی صورت حال سے گھروں کو قید خانہ بنا ڈالا۔ سرکاری سرکٹ ہاؤس میں حاضری لگوائی۔ کسی کی درخواست پر نِکا تو کہیں بڑا دستخط کردیا، کسی جگہ ٹرانسفارمر لگوانے کی ہدایت دی اور کہیں سڑکوں کو کالا کرنے کا حکم صادر کردیا۔ معصوم لوگ پھولے نہ سمائے کہ ان کا کام ہوگیا یہ اور بات کہ کوئی بھی کام نہ کرنے کا ریڈی میڈ بہانہ موجود ہے کہ دیکھیے کام کروانے کے لئے امن کی ضرورت ہے۔ اس ہاتھ امن دو اس ہاتھ ترقی لو۔ درخواست دینے والے حیران کہ امن کہاں ملتا ہے؟ ہم پشتینی زمین بیچ کر اس کے بدلے امن خرید کر بانوئے کشمیر کے ہاتھ رکھ دیں۔ اور امن کشمیر کی گونج پلوامہ سے کرناہ تک جا پہنچی۔ پھر تو ارباب اختیار یعنی پولیس افسران اور مجسٹریٹ صاحبان سے درخواست گزاری کی گئی کہ لوگوں سے نمٹتے وقت عزت سے پیش آیا جائے۔ اہل کشمیر تو کنگن سے کرناہ تک چپ سادھے بیٹھے ہیں، ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ امن درہم کرنے کا ٹھیکہ بھی اہل سیاست نے لے رکھا ہے کہ اس دوران کوئی یہ سوال کر ہی نہیں سکتا کہ ترقی کی رفتار کہاں گئی۔ کس گلی کوچے میں موت کے گھاٹ اتاری گئی، کس چوک میں پیلٹ کا شکار ہو کر بینائی سے محروم ہوگئی یا کس زندان میں پی ایس اے کے ماہ و سال کاٹ رہی ہے۔ یا کس بے نام قبر میں بغیر شناختی کارڑ آسودہ ہے ؎

یہ ہوس ہے یا محبت کہ بھٹک رہا ہے بھنورا
کبھی اس کلی کے پیچھے کبھی اس کلی کے پیچھے

* *

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا

چلو مانا کہ انہوں نے نعرہ لگایا کہ اب کی بار مودی سرکار اور عوام نے ہاں میں ہاں ملا کر کہہ دیا کہ یہ لو جی ووٹ، سنبھالو۔ پھر بات چھیڑی کہ ''سب کا ساتھ سب کا وکاس'' تو لوگ پھولے نہ سمائے یہ سوچ کر کہ کچھ نیا ہونے والا ہے۔ مودی مہاراج کے گُن گان میں مصروف ہو گئے اور کسی نے مودی سرکار کی مخالفت کی تو اسے بھگت جنوں نے چیتاؤنی دی کہ چلو مراری کرو تیاری۔ پاکستان کی گاڑی تیار ہے سامان باندھو اور سیٹ پر بیٹھ جاؤ، سیٹ نہ ملے تو اوورلوڈ میں کھڑے رہو لیکن بھارت ورش کا ٹائم خراب مت کرو۔ جو مودی مہاراج سے ٹکرائے گا وہ دیش دروہی کہلائے گا اور جو مودی کا یار نہیں وہ بھارت دیش کا غدار ہے۔ مخالفت کرنا تو دور کی بات، جو بھارت ماتا کی جے نہیں گائے گا جو کنول پھول کی طرف داری نہیں کرے گا اور جو دیش کے لئے سختی برداشت نہیں کرے گا وہ دیش کا ناگرک نہیں۔ پھر ترنگ میں آ کر مودی سرکار نے معاشی جنگ کا بگل بجایا اور نوٹ بندی کا اعلان کر دیا۔ لوگ قطاروں میں کھڑے ہو کر جان دیتے گئے لیکن کسی کو اے ٹی ایم سے پیسہ نہ ملا۔ البتہ جو لائن میں کھڑے نہیں تھے وہ خاموشی سے نکالتے رہے اور ایسے میں سب کا تو نہیں ہو سکا البتہ امیروں کا وکاس ہو گیا۔ کالا دھن بنک میں جمع ہو گیا اور دھن نے سفید رنگ اپنا لیا، کچھ بنکوں کے ملازم افسران تھے ان کا بھی وکاس ہو گیا کہ ادلا بدلی میں وہ بھی دس پندرہ فیصد کمیشن لے کر ذاتی وکاس کے تخت پر کھڑے ہو گئے۔ کئی ایک تو سادھو سنت بنے پھرتے تھے وہ مودی مہاراج کے گُن گاتے آنکھ مارتے رہے اور بعد میں جب ہم نے شکایت کی کہ اچھے دن کہاں گئے تو سمجھانے لگے کہ ہم نے تو ساتھ ساتھ آنکھ بھی ماری آپ تو مذاق

کو سنجیدہ لے لیا۔ کئی ایک تو سیاسی ارکان تھے انہوں نے مودی وکاس کی گنگا میں ڈبکی لگائی اور اپنے پاپ نہ دُھلے ہوں لیکن وکاس وکاس میں آگے رہے۔ نوٹ بندی کی نئی نویلی دلہن نے پورے نو مہینے بعد جی ایس ٹی کو جنم دیا۔ نوٹ بندی کے وقت دیش دروہی کا الزام لگنے کے خوف سے ڈرے سہمے لوگ خاموش رہے لیکن نومولود ابھی ڈھائی مہینے کا بھی نہیں کہ چیخ وپکار ابھر آئی۔ وہ جو مودی سرکار کا معاشی پیکیج تھا اس کا بانڈہ پھوٹ گیا یعنی معاشی پہاڑ کھودتے کھودتے مودی سرکار کے ہاتھوں میں جو چھالے پڑ گئے تھے اس کے نیچے سے مری ہوئی چوہیا نکلی۔ جی ڈی پی میں دو فیصد کی کمی، نوکریوں کا کہیں نام ونشان نہیں، میڈ اِن انڈیا کا شور شرابہ میڈ ان انڈیا (Mad in India) ثابت ہوا کہ بھاجپا مرکزی میٹنگ کے کارڈ بھی میڈ اِن چائنا ثابت ہو گئے۔ یوجناؤں کا شور بھی کافی رہا لیکن وہ پرانی شراب نئی بوتلوں میں پیش ہوئی ثابت ہو گئی۔

بہت شور سنتے آئے تھے دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نکلا

نیشنل گرل چائلڈ پروگرام کا نام بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ، نرمل بھارت ابھیان سوچھ بھارت ابھیان بن گیا، اندرا آواس یوجنا پردھان منتری آواس یوجنا بنی۔ خیر یوجنائیں ایسی تیزی سے تبدیل ہوئیں، ہم سمجھے کوئی نیا طوفان آ رہا ہے جو غریبی مٹائے گا۔ ایسے میں لال قلعے سے کشمیریوں کو گلے لگانے کی بات چلی ہم تو انتظار میں تھے کہ کشمیر جادو جھپی یوجنا کا آغاز ہوگا پر سرکاری غیر سرکاری کئی مشن واردِ کشمیر ہوئے۔ قوم کے غم میں ڈنر کھا کر نکل گئے۔ کسی نے گلے لگانے کی یوجنا کا آغاز نہیں کیا بلکہ این آئی اے نے اپنی باہیں کھولیں، اپنے دلی وبھاگ سے کشمیر کے بہت سارے نورتنوں کو بلوایا، تفتیش کاروں کے گلے لگوایا، جیل پنچھیوں سے زندانوں سے معانقہ کروایا اور یہ چکر جاری ہے۔ حریت والوں سے جو تفتیش شروع ہوئی چلتے چلتے شک کی سوئیاں بار صدر، ٹریڈرس فیڈریشن لیڈر، کشمیری اسکالر، فوٹو جرنلسٹ سے ہوتے ہوئے رشید انجنیئر تک پہنچیں، آگے کا سفر اوپر والا جانے۔

صحافت کے مچھلی بازار میں اہل کشمیر کو نشانہ بنانے کا کام جاری رہا۔ کبھی پاکستانی فنڈنگ کے نام پر کہیں روہنگیا مسلمانوں کی مدد کے نام پر اور پھر ہم بھی بڑے ناشکرے نکلے۔

کبھی مرکزی فورس کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ اب بھی وقت ہے ہم سمجھ جائیں کہ فورس والے ہمارے لئے کتنا کچھ خرچ کر رہے ہیں بلکہ کس قدر دیالو ہیں۔ مانا کہ کبھی کبھار جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ منظور خان کو گرفتار کر کے انکار کرتے ہیں لیکن عدالت عالیہ کے سامنے جھوٹ تھوڑی بولیں گے۔ عدالت میں کھڑے ہو کر جو کچھ کہا سچ سچ کہا اور اپنی فراخدلی کا ثبوت، اس بیان میں دے دیا کہ ہم نے بتیس دن میں ۱۳ر لاکھ پیلٹ چلائے۔ جبھی تو ہم سوچے تھے کہ اہل کشمیر کے بدن رنگین کیسے ہو گئے؟ آنکھیں کیسے ڈوبیں؟ چہرے کیسے سوجھ گئے؟

مانا کہ مودی سرکار میں پرانی شراب کو نئی بوتل میں کر کے اوپر نیا لیبل بھی چڑھایا گیا اور پہلے سے چلتے نیشنل گرل چائلڈ پروگرام کا نام بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ رکھا لیکن اس سے بھی زیادہ کچھ کیا گیا۔ نام ہی نہیں بدلا گیا بلکہ کام میں بھی تبدیلی کر دی گئی۔ کہاں بیٹی پڑھاؤ کا نعرہ دیا گیا لیکن اصل میں بیٹی پٹاؤ اور چوٹی کٹاؤ سے کام لیا گیا۔ مودی مہاراج کی اپنی کانسچیونسی بنارس میں ہندو یونیورسٹی کی طالبات کو ہوسٹل کے اندر جا کر اس قدر مارا پیٹا گیا کہ کسی کا سر کسی کا بازو تو زخمی ہے لیکن خود ان کی حیا اور عصمت کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ ادھر یوگی جی بیان پر بیان دے رہے کہ ہر عورت کی حفاظت میرا کرتویہ ہے لیکن پہلے بچے ہسپتال میں آکسیجن کی کمی کے سبب مرے اب لڑکیوں کی حفاظت کا فقدان ہے۔ دانش گاہ کا سربراہ نت نئے الزامات کے ساتھ یوگی سرکار کا بچاؤ کر رہا ہے یعنی شاہ سے زیادہ کوئی وفادار دیکھنا ہو تو بی ایچ یو کے وائس چانسلر کا دیدار کرو۔ ویڈیو سامنے ہے لیکن اسے کہیں بھی مارکٹائی دکھائی نہیں دیتی۔ لگتا ہے آنکھوں لگا سرمہ بھی زعفرانی ہو گیا ہے۔ بنارس میں تو لاٹھی سے کام لیا گیا اپنے ملک کشمیر میں قینچی چل رہی ہے۔ عمر کا کوئی لحاظ نہیں بلکہ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ خبر پھیلا دی کہ کسی ملزم کو پکڑنے کی کوشش کی گئی تو فوجی دنا دن گولیاں برساتے آگئے۔ کیا پتا مودی جی کی سوچھ بھارت یوجنا کی آڑ میں عورتوں کے سر بھی صاف کرنے کا ٹھیکہ دیا گیا ہو۔ کسے نہیں پتہ یہاں بال کیا بات ہے سر ہی کاٹے گئے، جگر میں تیر چلے، دلوں میں نیزے آر پار اترے، اور رہی سہی کسر مرکزی تحقیقاتی ایجنسی نے پوری کی کہ لوگوں کی عزت پر بھی دھاوا بولا گیا۔ کہاں حریت کے لوگ کہاں یونیورسٹی اسکالر اور اب تو دلی سرکار کے آئین پر قسم کھا کر اسمبلی پہنچنے والے ممبر پر بھی بھروسہ نہیں کہ تم بھی مملکت

خداداد سے سپاری لے کر ملک کشمیر میں پتھروں کا کاروبار کرتے ہو، مطلب ہے۔

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھی دھڑکنیں
ان کو زبان ملی تو ہم پر برس پڑیں

ویسے سیناپتی نے ایک دن کہا تھا کہ جلد ہی ناری سینا میدان عمل میں کود جائے گی اور مودی سرکار تو کچھ قدم اور ہی چلی کہ وزارت دفاع کا قلمدان ہی ناری کے سپرد کر دیا۔ تب تو پُرش کافی گھبرائے تھے کہ کہیں گھروں کی ناریاں اپنے لوگوں کا کریک ڈاؤن ہی نہ کر ڈالیں اور مردوں کی گردن پر بندوق تان کر انہیں اٹھک بیٹھک اور سودھان ویشرام کا آرڈر نہ دیں ڈالیں لیکن خاتون وزیر تو چند قدم اور چلیں کہ سوچھ ابھیان کا پالن کرنے کا آدیش جاری کر دیا۔ خود فوجیوں سے ہی صفائی مہم میں بھرپور حصہ لے کر بھارت کو سوچھ بنانے کے اقدام کرنے کے لئے کہا۔ اب تو سینا مخمصے میں ہے کہ وہ فرصت کے اوقات میں اپنی بندوقیں صاف کر دیں یا جھاڑو ہاتھ میں اٹھا کر دلی کے مکھیہ منتری جیسے کارکنوں کا روپ دھار لیں۔

بھاجپا والے کہتے پھر رہے ہیں کہ مودی کا نیا بھارت خواب ۲۰۲۲ تک مکمل ہوگا۔ جانے اپنے سیاست دان خواب کیوں دیکھتے اور دکھاتے ہیں۔ کبھی اپنے ملک کشمیر میں نیا کشمیر تعمیر کرنے کا خواب دیکھا گیا۔ کہیں آج کل مرد مومن کا خواب بیچا جا رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نیا کشمیر اور مرد مومن کا خواب دیکھتے دکھاتے ہم پرانے کشمیر کو ہی کھو بیٹھے۔ پرانے کشمیر میں خونریزی نہیں تھی لیکن اب تو لاشوں کا حساب بھی بھول گئے۔ کون جانے مودی جی کا نیا بھارت خواب کہاں لے جائے؟؟؟ ویسے سنا ہے خام تیل کی بین الاقوامی قیمت جب نوے ڈالر تھی تب پرچون میں پٹرول بہتر روپے بکتا تھا لیکن اب پچپن ڈالر میں پرچون اسی روپے لیٹر بکتا ہے۔ تب گیس سلینڈر تین سو نوے روپے بکتا تھا اب آٹھ سو چوراسی روپے بکتا ہے۔ ریلوے پلیٹ فارم ٹکٹ دو روپے میں ملتا تھا اب بیس روپے میں ملتا ہے۔ نوٹ بندی کے بعد کوئی چالیس لاکھ روزگار ختم ہو گئے پھر بھی سرکار اسے کامیاب عمل قرار دیتی ہے۔ کسی منچلے نے شاید اسی لئے یہ بات عام کر دی کہ نوٹ بندی اب ہاورڈ یونیورسٹی کے بزنس اسکول میں پالیسی تباہی کے طور پڑھائی جائے گی۔ سنا ہے اس خبر سے بھگت جن شادیانے منا رہے ہیں کہ مودی جی کا نام دور دراز ممالک اور معروف دانش

گاہوں میں لیا جا رہا ہے لیکن ووٹر نیا نعرہ لے کر میدان میں اترے ہیں اور چیخ رہے ہیں ۔

کنول کا جو پھول ہے
ووٹروں کی بھول ہے

یہ فاروق ڈار بیچارہ قسمت والا ہوتا تو جیپ کے بونٹ سے کیوں بندھتا؟ سچ پوچھو تو ہمیں لگتا ہے بیچارے کی تقدیر میں کہیں جھول ہے۔ ایک تو ملک ملک، شہر شہر فوج کی بدنامی کا باعث بنا۔ پھر بشری حقوق ادارے نے معاوضے کی سفارش کی لیکن سیاستدان بھڑک اٹھے کہ یہ تو سنگ باز تھا اسے تو مرکزی ایجنسی کے سپرد ہونا چاہئے۔ اب تو پولیس اور انتظامیہ نے بھی سند جاری کر دی لیکن بھاجپا نائب وزیر اعلیٰ کو اپنی انتظامیہ پر بھروسہ نہیں کہ اسے فاروق ڈار باقاعدہ سنگ باز نظر آتا ہے۔ وہ اس قدر یقین سے کہتا ہے مانو خود ہی سرحد پار دھکیل آیا ہو کہ جا بیٹا سنگ بازی کی تربیت مملکت خداداد سے حاصل کر۔ جب سنگ بازی میں کوئی ڈپلوما ڈگری حاصل کر کے آئے تو یہاں لوٹنا اور فاروق ڈار بیچارہ نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا۔ الیکشن بائیکاٹ والے اسے لتاڑتے ہیں کہ کیوں ووٹ دینے گیا تھا اور نرمل سنگھ اسے سنگبازی کے لئے مرکزی ایجنسی کے حوالے کر کے ہی دم لے گا شاید۔ ویسے نرمل سنگھ بھی کیا آفت کا پرکالہ ہے کہ فاروق کی سنگ بازی اسے دکھائی دی لیکن آر ایس ایس کارکنان اور ڈوگرہ سبھا والنٹیئر کی طرف سے ہتھیاروں کی نمائش نظر نہیں آتی۔ خطرناک شستر لے کر مہاراجہ ہری سنگھ ڈے منانے نکلنا اسے بہت ہی نرمل اور کومل کاروائی دکھائی دیتی ہے لیکن سنگ بازی کا بے بنیاد الزام بہت ہی خطرناک!!! ہو نہ ہو اس خبر کا اثر نرمل جی اپنے دل پر لئے ہوئے ہیں کہ ملک کشمیر کی وزارت میں بھاجپا پھیر بدل کرنے والی ہے۔ آیا رام گیا رام والی مشق ہونے والی ہے۔ کچھ کا پتہ کٹے گا کچھ کو شاباشی ملے گی۔ ایسے حالات میں کون جانے دل کو کون روئے جگر کو کون پیٹے۔ کنول کے پھول میں کس کے نام مہک لکھی ہے اور کس کی پتیاں سوکھ کر گر جائیں گی۔ فی الحال کشمکش جاری ہے۔

Published 2/10/2017

* * *

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں

کون نہیں جانتا کہ اپنے ملک کشمیر میں جب تانگہ بان کا گھوڑا امیرا کدل کی مشکل چڑھائی نہ چڑھ پایا، چڑھائی جو انجینیر نگ اور سیاست کا مشترکہ حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ تانگہ بان جھلا کر بلا تامل بول پڑا کہ امریکہ کی سازش ہے نہیں تو کیوں نہ چڑھ پاتا۔ کہتا بھی کیوں نہیں اور اس در پردہ سازش کے اندرون تک جانے کی کوشش کیوں نہ کرتا۔ آخر بے چارہ جب پیدل اس پر چلتا تو بیچ میں رُک کر اسے اندازہ ہوتا کہ اگر میں گاڑی ہوتا تو یہاں مجھے اپنا گیئر ضرور بدلنا پڑتا۔ چلو وہ تو معمولی مسئلہ تھا کہ گھوڑا نہ کھینچ پایا لیکن اب کی بار مفتی سرکار اس مسئلے سے دو چار ہے کہ دو چار ہی نہیں چوٹیاں کاٹنے کی بھرمار ہے اور اس چوٹی کٹاؤ گردآب میں جنوبی کشمیر ہی نہیں بلکہ گاندربل، بٹہ مالو، ملہ باغ، باغات، بانڈی پورہ، بارہمولہ سورسیار، کرالہ یار، بالہ یار، شالہ یار بھی ہے۔ مانا کہ ہماری پولیس تیار ہے کہ کب قینچی بردار کا وار ہو اور وہ دکھائیں اپنا چمتکار اور اسے پہنچا دیں کیفر کردار مگر چار سو ہاہا کار ہے کہ پولیس والے اب کی بار بے کار ہیں، کچھ دل جلے کہیں یہ الزام دھر لیں کہ انہی رنگروٹوں کا اتیاچار ہے۔ اسی لئے مفتی سرکار ہر لمحہ اس بات کی دعویدار ہے کہ جلد ہی ہم قینچی بردار کو بے کار کر دیں گے شاید اسی لئے ہم نے انعام کی رقم میں اضافہ بار بار کر دیا ہے۔ اس کی وجہ ہے دمدار کہ کب انعام کی رقم ہمارے من موافق ہو جائے یعنی بانٹنے کے وقت ہاتھوں میں بس بٹیر کا خون ہی نہ لگ جائے۔ ہم اس بات کا پرچار کر دیں گے کہ قینچی بردار ہمارے چنگل میں پھنس گیا، اس کی سازش کی دیوار میں ہم نے درار ڈال دی ہے اور اب ہم انعام کی رقم بانٹ سکتے ہیں بلکہ اصلی مجرم کے ساتھ اور بھی

دو چار دھر لیں گے تو ان سے بھی بونس کے طور کچھ ہزار برآمد کر ہی لیں گے۔ ابھی سودا پکا نہیں ہوا اسی لئے پولیس اور حریت کے درمیان بحث وتکرار کہ ایسا چمتکار کس کا ہے۔ پولیس کہتی ہے کہ چوٹی کٹاؤ معاملے پر حریت کی سیاست زوردار ہے اور کیا پتہ وہ عام شہریوں کو برسر پیکار کرادیں جب کہ حریت کا جوابی الزام ہے کہ پولیس وفوج اس معاملے میں ملوثین کی طرف دار ہے اور انہیں ہر جگہ موقعہ ملتے ہی فرار کراتی ہے تاکہ اس کی رچی سازش کا بھانڈہ نہ پھوٹ جائے اور وہ برقرار رہ پائے۔ ہل والے نیشنلی اور ہاتھ والے کانگریسی بھی میدان کارزار میں ہیں اور سرکار پر الزامات کی بوچھار ہے کہ یہ تو نکمی سرکار ہے۔ ہم ہوتے تو ہل اور ہاتھ کا ساتھ بنا کر اس ملزم کے درودیوار ہلا دیتے یعنی کرسی بردار سیاست اور کرسی کے غم میں ڈوبی سیاست کے درمیان بحث ہے تکرار ہے۔ اللہ جانے کون صداقت شعار ہے اور کون مکار ہے اور پھر اپنے اہل کشمیر تو افواہ باز ہیں، افواہ ساز بھی ہیں، جبھی تو والٹر لارنس نے خوب کہا تھا کہ اہل کشمیر افواہوں کو پسند کرتے ہیں بلکہ افواہوں پر زندہ رہتے ہیں یعنی ملک کشمیر میں افواہ بازی مرغن غذا ہے۔ بھلے روٹی کپڑا مکان نہ ملے سات دن آرام سے کاٹ لیں لیکن افواہ بازی چوبیس گھنٹے بند رہی تو جسم ناتواں مزید پتلا ہوتا ہے، جسمانی تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے اور دماغ اتھل پتھل جنم لیتی ہے۔ پھر ہونا کیا تھا چوٹی کٹاؤ کی بات پھیلی تو یوپی کا مزدور شکار بنا، ایک نیم پاگل عورت چنگل میں پھنسی، ایک سوموڈرائیور ہتھے چڑھا اور سب سے بڑھ کر ایسے میں ایک محبت بھری کہانی نمودار ہوئی کہ چوٹی کاٹنے کے الزام میں ایک پرندہ محبت گرفتار ہوا، اس الزام میں کہ یہ چوٹی کٹاؤ مہم کا حصہ دار تھا۔

کہ گیسوؤں کی خوشبو سونگھنے آئے تھے وہ
افسوس کترنے کا الزام دے گیا کوئی

شومئی قسمت محبت کی ناؤ پار نہ ہو سکی بلکہ محلے کے لوگ باخبر ہو گئے۔ پھر کیا تھا سب لوگ تیز قدموں پہنچ گئے، لاٹھی بردار کیا، تبر دار کیا، سب جائے وقوع پر پہنچے کہ قضیہ گیسو برسر گیسو حل کردیں گے لیکن نہ جانے کہاں سے چھنکتی کھنکتی آواز گونجی۔

کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو
کوئی لاٹھی سے نہ پیٹے میرے مستانے کو

لگتا ہے محبت کرنے والے آج کل کشمکش میں ہیں کہ محبت کی نشانی تاج محل پر بھی زعفرانی یلغار جاری ہے جبھی تو پہلی بار یو پی محکمہ سیاحت کے بروشر میں تاج کا کوئی ذکر نہیں اور وہ جو ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر ہم غریبوں کو محبت کرنا سکھایا تھا، اس پر بھاجپا، آر ایس ایس اور بجرنگ دل کا ترشول چلا۔ مطلب وہ جو عاشقوں کا خون ہے رنگِ حنا نہیں، اس پر یو پی کے رنگساز کاریگر نئی پرت چڑھا رہے ہیں جو دور و نزدیک سے بس زعفرانی دکھتا ہے۔ چونکہ یو پی یوگستان کا روپ دھارن کر رہا ہے اس لئے سفید سنگ مرمر کا عالمی نمونہ یوگی ہتھوڑے کا شکار ہے۔

آستان عشق پر حاضری ہم کیا دیتے
کہ بتان محبت کو اٹھا کر لے گا کوئی

دروغ بر گردن راوی جس نے یہ سنایا ہے کہ شاہ جہاں تاج بناتے بناتے غریب ہو گیا اور اس نے بقیہ پیسے ساورکر مہاراج کے آبا و اجداد سے اُدھار لئے تھے۔ کیا پتہ انہی روپوں کا تقاضہ ساورکر کی موجودہ پیڑی، جس کی چھاتی چھپن انچ پر محیط ہے، کا اعلان ہے کہ قرضہ چکاؤ تو تاج لے جاؤ نہیں تو اس کا پورے کا پورا انتقال کاغذات کنول والوں کے نام ہوگا۔ خیر جو بھی ہو اہل کشمیر اس کے تار مرکز اور امریکہ سے ہی ملانے پر تیار ہیں کیونکہ بقول ان کے جب بھی یہاں کچھ ہوتا ہے وہ مرکز کی چال یا امریکہ کی سازش ہی ہوتی ہے۔

ہم تو ماضی میں قلم کار تھے کہ قلم دوات کا استعمال کر کے لکھتے تھے، پھر چھاپتے تھے لیکن جب سے قلم دوات والوں نے ملک کشمیر کے خواب دیکھے ہمیں ڈر لگا کہ کہیں ہمیں بھی قلم دوت والوں میں شامل نہ کیا جائے، پھر کسی شادی کی تقریب میں سے بھگائیں گے۔ بھلا ایسے میں وازہ وان کی قربانی کون دے گا۔ اسی لئے ہم نے قلم دوات سے رشتہ تیاگ کر کمپیوٹر سے لکھنا شروع کیا۔ ظاہر ہے ہم قلم کار سے ماؤس کار بن گئے کہ کمپیوٹر کا ماوس ہمارے لئے چلتا ہے۔ ہم امریکہ کی سازش اور مرکز کی چال کے اندر چوٹی کٹاؤ مہم ڈھونڈھ رہے تھے کہ خود امریکہ سازش کا شکار ہو گیا۔ کہاں ہر حملے کے بعد پانچ دس منٹ کے اندر انہیں ''اسلامی دہشت گردی'' کے نقش نظر آتے ہیں، کہاں اب کی بار حملہ آور کوئی اپنا ہی مسیحی سٹیفن پیڈاک نکلا اور وہ بھی چوسٹھ سال کی عمر میں اس نے شہر گناہ Sin City یعنی لاس ویگاس میں گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اندازہ کیجئے اپنے ملک

کشمیر میں ساٹھ سالہ لوگ ایک پیر قبر کے دہانے اور دوسرا پیر کیلے کے چھلکے پر رکھے ہوتے ہیں کہ لڑھکے تو بس لڑھکے اور کہاں امریکی بزرگ دہشت گردی کے ذریعے کوئی ساٹھ لوگوں کو قتل کر ڈالے اور پانچ سو کے قریب افراد کو زخمی۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ اطلاع دی کہ سٹیفن کے پاس کوئی دس خودکار ہتھیار تھے اور یہ کہ امریکہ صرف باقی ملکوں کو ہتھیار ہی نہیں بیچتا بلکہ اپنے ملک میں بھی بندوقیں بنانے والے بڑے طاقتور ہیں۔ مانا کہ برصغیر میں ملاوٹ کر کے لوگوں کو راہ عدم پہنچانے والے سیاسی پارٹیوں کو فنڈ دیتے ہیں لیکن امریکہ میں یہ کام ہتھیار ساز ادارے کرتے ہیں جبھی تو ان پر بندشیں ناممکن ہیں۔ بھلا جو ادارے سرکار فراہم کرے وہ من مانی تو کر ہی سکتے ہیں مگر امریکی سازش پر غور کرنا بنتا ہے کہ اپنے سٹیفن کو دماغی مریض گردان کر کسی الزام سے مبرا کر دے مگر امریکہ بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہے۔ چشم زدن میں اسلامی اسٹیٹ سے ذمہ داری قبول کروائی، پھر مرکز کی چال بھی دیکھو بھگت جن ایف بی آئی، سی آئی اے پر پہلی بار بھروسہ کرنے کو تیار نہیں کہ حملہ سٹیفن نے کیا تھا مگر بھگت جن اسلامی اسٹیٹ کی بات کو پہلی بار سچ تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ حملہ انہوں نے ہی کروایا۔

چھپن انچ چھاتی والے دیس میں بھگت جن جو مرضی کریں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ بھگت جنوں کو شکایت ہے کہ کیرل میں ان کے کارکنوں کو مارا پیٹا جا رہا ہے اور بقول ان کے اس پر کوئی آواز نہیں اٹھا رہا۔ اس لئے اپنے کارکنوں کی خبر گیری کے لئے امت شا کیرل پہنچے۔ دیکھا دیکھی میں اور بھی کنول والے بشمول یوگی جی پدھارے۔ امت شاہ اور یوگی جی کو گجرات اور یوپی میں بشری حقوق قایم رکھنے کا تجربہ ہے وہ کیرل والوں کو اس پر سبق پڑھانا چاہتے ہیں۔ امت شاہ گجرات فسادات میں بشری حقوق کی پامالی روکنے کے لئے جیل بھی پدھارے کہ الزام تھا وہاں دو ہزار اقلیتوں کے قتل میں وزیر داخلہ کا براہ راست ہاتھ تھا۔ چلو پھر چٹ بھی میری پٹ بھی میری کا فائدہ اٹھا کر بھاجپا کی بڑی کرسی پر بیٹھا ہے اور کیرل والوں کو تعلیم دے رہا ہے۔ یا ہو نہ ہو پدیاترا کا اہتمام وزن کم کرنے کے لئے کیا ہو۔ پہلو خان، جنید، اخلاق، گوری لنکیش وغیرہ کس کھیت کی مولی ہیں کہ مارے گئے اور لبرل لوگوں نے شور مچایا۔ ابھی تو معروف ایکٹر پرکاش راج بھی میدان میں کودا کہ مودی مہاراج اس سے بھی بڑا ایکٹر ہے۔ گوری لنکیش جیسے لوگوں کو قتل کرنے

والوں کے بارے میں بات نہیں لیکن جب چاہے ٹسوئے بہالے مگر شاید پرکاش کو خبر نہیں کہ جو چھپن انچ والے مودی پر فقرہ کسے گا وہ جیل جائے گا کیونکہ بھگت جنوں کو تو آزادی ہے کہ وہ کس کو کس کے نام پر مار ڈالیں، کوئی پوچھ تاچھ نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے پہلو خان قتل کے تمام ملوثین باری باری چھوٹ گئے، یعنی ابھی پہلو کے قبر کی مٹی ابھی نہ سوکھی بھگت جن چھپن انچ کی چھاتی ٹھوکتے باہر آگئے، کہ ہمت ہے تو سامنے آؤ۔ اور جب موہن جی بھاگوت گئو ماتا کے نام پر کسی ادھیکاری یا سپریم کورٹ کی پرواہ نہ کرنے کی آزادی دے تو پھر ڈر کاہے کا۔ ڈر ہے تو دبے کچلے دلت کو۔ ایک ایکٹر نے تو بہت پہلے کہا تھا کہ مونچھ ہو ۔۔۔ جیسی۔ لگتا ہے چھپن انچ زمانے میں مونچھ تو بھاگوت جیسی ہو، جنرل بخشی جیسی ہو ورنہ ہو ہی نہیں۔ پھر بھلا دلت لڑکا کیوں اپنی مونچھ دکھاتا گھومے۔ ایسے میں بھگت جنوں کو اچھا نہ لگا اور چاقو مار دیا کہ مونچھ اگانے کے لئے بھی اب ناگپوری اجازت کی ضرورت ہے۔ چھپن انچ چھاتی والے دیش میں کہیں ناچ گانا دکھتا ہے تو دکھے مگر گجراتی گربا دیکھنے کیسے دلت آدمی پہنچے۔ جو چیز ممنوع ہے اس پر ایکشن بھی ہوگا۔ بس پھٹا پھٹ بھگت جن غصے سے زعفرانی ہوگئے۔ دلت کو لتاڑا، پچھاڑا، مروڑا، توڑا، یعنی آنکھ پھوڑ ناک توڑ ایکشن میں دلت کو عمر بھر کے لئے یاد رکھنے کیا مشق کروادی کہ گربا دیکھنے کی آزادی استعمال نہ کرے۔ کسے نہیں معلوم اس دیش میں دلت اور مسلم نشانے پر ہے بھلے وہ مسلم فوجی ہی کیوں نہ ہو۔ اجمل حق، تیس سال فوج میں کام کرنے کے بعد آسام میں شہریت سے محروم ہے کہ بھائی ابھی ثابت کرو تم بھارتیہ ہو۔ مانا کچھ گرو جیل سدھارے البتہ بھارت ورش میں سادھوؤں اور سادھویوں کا راج برابر قایم ہے۔ ایک سادھوی منسٹر ہے، ایک ایم پی ہے، ایک چیف منسٹر ہے اور باقی کتنے زعفرانی کپڑے میں ملبوس تماشے دکھا رہے ہیں ان کی تعداد گننا مشکل ہے۔ زعفرانی خرقہ پہنے رادھے ماں انسپکٹر کی کرسی پر براجمان ہوگئی، پولیس والے تو سبھوں کو نچاتے ہیں لیکن رادھے نے پولیس اسٹیشن میں خود پولیس والوں کو نچایا۔ گبر سنگھ نے کیا خوب بات کہی تھی کہ لگا دو دو چار ٹھمکے، کچھ ناچ گانا ہم کو بھی دکھاؤ اور پولیس والے تھرک تھرک ناچ لئے!!

Published 9/10/2017

* *

قفس میں مجھ سے رُوداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم

مانا کہ اب کی بار مفتی سرکار دم بخود ہے کہ انہیں وہ غیبی ہاتھ نظر نہیں آتا جو قریب ایک مہینے سے سرگرم ہے، قینچی ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، سپرے کراتا پھرتا ہے اور خواتین کو سرشام ہی گھر میں دبکنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ دن میں بھی دروازوں کے کواڑ بند کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ پرانے زمانے کے کنز (پتھر کی بڑی اوکھلی جس میں دھان کوٹا جاتا) دروازوں کے پٹ کے پیچھے رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور اپنے ارباب اختیار کوئی اقتدار استعمال نہیں کرتے تا کہ ان کو زیر کیا جائے جو چار سو گھوم رہے ہیں لیکن جانے کیوں غیبی طاقت بن کر اہل کشمیر کو ڈرا رہے ہیں، دھمکا رہے ہیں۔ حالانکہ یہاں ڈرانے دھمکانے کا مکمل ٹھیکہ وردی پوشوں کے ہاتھ میں ہے۔ ایسے میں بیچارے سہمے ڈرے لوگ اپنی بھڑاس شہر شہر، گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، قصبہ قصبہ گلا پھاڑ کر نکال رہے ہیں۔ اور پھر چند منچلے، دل جلے، عقل سے عاری لوگ اپنا غصہ دوسرے بے بسوں پر نکال رہے ہیں۔ بھلے وہ سیاح ہو، بزرگ ہو، بھکاری ہو، غیر ریاستی مزدور ہو یا خود سے بیگانہ شخص۔ گلی گلی میں شور ہے، چوٹی تراش چور ہے۔ بیڑی میں تمباکو ہے، چوٹی کٹاؤ ڈاکو ہے۔ کشمیری انجان ہیں، بال کاٹ شیطان ہیں۔ سموسے میں آلو ہے، قینچی بردار بھالو ہے۔ سماوار میں ہے گرما گرم چائے، کاکل حملہ آور ہائے ہائے۔ اپنے ملک کشمیر میں آج کل شہر گام ایک کہانی ہے، ایک مسلے پر نعرے بازی ہے، ایک ہی بات پر جلسے جلوس ہیں۔ ایک ہی ایشو پر بیانات کے بم برس رہے ہیں، لفاظی کے میزائل داغے جاتے ہیں۔

کٹ گئے پھر بال ہے دھوم سے افواہ
بنڈ پور سے ،کولہ گوم سے، پلووم سے افواہ
کس کی سنیں کس سے کہیں کیا ہے حقیقت
کچن سے ،بیٹھک سے ،بیڈ روم سے افواہ

کیونکہ ہم جو کچھ کرتے ہیں ہول سیل میں کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ جو کچھ پیش آتا ہے ہول سیل میں آتا ہے۔ راجستھان، پنجاب، بہار، یوپی میں جب بال کاٹ مہم چلی تو بس ہفتہ بھر اور درجن بھر کیس ہوئے پھر خاموشی چھا گئی۔ مگر اپنے یہاں تو پرچون والی کہانی جچتی نہیں۔ اسی لئے ہم نے بھلے کرکٹ میں سینچری نہ بنائی مگر پیلٹ، گولی، مار دھاڑ اور اب بال تراشی میں سینکڑہ پار کر لیا۔ کیونکہ ہم ہول سیل کے شائق لوگ ہیں۔ ہم نے جب بندوق اٹھائی تو ہول سیل میں بندوق چھوڑی تو ہول سیل میں، کفن بردار نکلے تو ہول سیل میں کفن اوڑھے تو ہول سیل میں بلکہ ہم نے جب ہڑتال کی تو ہول سیل میں، بھلا کسی کو چھ چھ مہینے ہڑتال پر بیٹھے دیکھا ہے۔ ہم نے جب الیکشن بائیکاٹ کیا تو ہول سیل میں اور جب ووٹ ڈالنے دوڑے تو ہول سیل میں۔ یعنی جب حریت نے راگ الاپا تو دو فیصد بھی ووٹ ڈالے اور جب سیاسی جادوگروں کا اپنی ہیٹ کے نیچے سے ڈیلی ویج نوکری کا خرگوش نکالا تو چھیاسی فیصد بھی۔ ویسے ہم کبھی گانا سننے جائیں تو ہول سیل میں ہی۔ اسی لئے جب زبن مہتہ نے باغ نشاط میں تار چھیڑی تو ہم نے ہول سیل میں تعریف کی لیکن جب وہ دیر تک بجاتا رہا تو ہم نے آواز لگائی اب کیا ترم ترم ہی کرو گے یا کچھ گاؤ گے بھی۔ چلو وہ ہل والی نیشنل سرکار کا چمتکار تھا لیکن اب کی بار مفتی سرکار نے عدنان سمیع کو آواز دی کہ بھائی ہمارا حوصلہ تنزل میں ہے، ہمارا جوش نیچے ہی جا رہا ہے کچھ کرو، بلکہ جج کرو، ہم کو بھی لفٹ کرا دو۔ اور عدنان چونکہ لفٹ کرانے کا ماہر ہے وہ اپنے سازندے ہول سیل میں ساتھ کر ڈل کے کنارے خوب جھوما کہ اسے مفتی سرکار لفٹ کرنے کا ٹھیکہ دیا گیا تھا۔ ایسے میں اپنے ملک کشمیر کے چند کلاکار بھی جٹ گئے کہ لفٹ کرانا ضروری ہے۔ مانا کہ ہل والے نیشنلیوں کو وہ خالی کرسیاں خوب نظر آئیں اور پھر نیشنل کے ٹویٹر ماسٹر اور عدنان کے ساتھ ٹویٹر والی چڑیا پر پھڑ پھڑانے لگی۔

عدنان کی بات الگ ہے، اس نے کبھی اپنے رب سے تنہائی میں باتیں کیں اور لفٹ

کرانے کی درخواست۔ ڈالر کیا ہوائی جہاز کیا بنگلہ کار کیا روزگار کیا، یہ بھی کہ کیسے کیسوں کو دیا ہے اب مجھ جیسوں کو بھی دے دے۔ سب کچھ مانگ لیا اور ملا بھی۔ اوپر سے وہ بھی جو مانگا بھی نہیں تھا وہ بھی ہاتھ لگا کہ عدنان بھی خوش بھاجپا بھی خوش۔ مودی سرکار ترنگ میں آکر بھارتی شہریت کے حقوق بھی دے گئی۔ مگر عدنان کی طرح سب کو مانگنے کا ڈھنگ نہیں آتا اسی لئے بے چارہ احمد خان کلاکار جیسلمیر راجستھان کے داخلی علاقے میں پجاری کے ہاتھوں مارا گیا۔ الزام بھی کورا کہ احمد کی کمزور گائیکی کے سبب پجاری کو وہ غیبی طاقت حاصل نہ ہوئی جس کے لئے احمد نے تار چھیڑے تھے۔ ادھر غیبی ہاتھ قلم دوات والوں کو نہیں دکھتے اور ادھر غیبی طاقت پجاری کو نصیب نہیں۔ نتیجتاً دو سو مسلم کنبے ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ادھر برما میں روہنگیا بھی ہجرت پر مجبور، سیریا میں بھی مجبور اور جموں کے رام نگر علاقے میں بھی خان ہی ہجرت پر مجبور کہ وہاں ایمز کے لئے زمین چاہئے۔ اور پورے جموں صوبے میں اگر کہیں زمین میسر ہے تو وہیں جہاں خان لوگ سالہا سال سے رہائش پذیر ہیں۔ مطلب صاف ہے کہ بھارت ورش میں اگر سب کا ساتھ سب کا وکاس کرنا ہے تو احمدوں اور خانوں کو جگہ خالی کرنی ہے اور اگر معاشی بدحالی ہے تو احمدوں کا قصور، اگر کوئی سیاسی پارٹی الیکشن نہ جیتے تو احمدوں کی سازش، اگر کہیں دھماکہ ہو تو احمدوں کی ملی بھگت، کہیں ریل حادثہ تو خانزادوں کی کارستانی، نوٹ بندی ناکام خانزادوں کا سپورٹ نہیں، جی ایس ٹی میں کم آمدنی تو احمدوں کا عدم تعاون، سرحد دہل اٹھیں تو احمدوں کا ہیر پھیر، بچے اسکول نہ جائیں تو احمد ذمہ دار، راکٹ فیل ہو جائے تو خانزادوں کا قصور۔ یہ احمدوں کا معاملہ سامنے رکھ کر ٹرمپ سینا وجود میں آئی تھی۔ ادھر ٹرمپ نے احمدوں پر الزام تراشی کی ادھر یوپی میں ٹرمپ سینا ہتھیار بند ہو گئے کہ ٹرمپ کو جتانا ہے جبھی تو ٹرمپ ٹاور سے ناگپور تک احمدے، رشیدے، بشیرے قابو میں آئیں گے۔ ٹرمپ الیکشن کے لئے ہون ہوئے، نعرے بازی ہوئی، الیکشن مہم چلی، جلسے جلوس ہوئے لیکن بعد میں بدمستوں کو پتہ چلا کہ ٹرمپ ٹاور ناگپور میں نہیں بلکہ ہزاروں میل دور ہے اور ناگپوریوں کو ٹرمپ الیکشن میں ووٹ ڈالنے کی اجازت نہیں۔ مطلب صاف کہ بیگانی شادی میں عبداللہ نہیں ناچا بلکہ عبداللہ کا حسد لئے بھکت لوگ ناچے تھے۔ جبھی تو ایک سال بھی نہ گزرا کہ ٹرمپ سینا غائب ہوگئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور ٹرمپ نے یہ اشتہار بھی نہ دیا کہ میری

سینا گمشدہ ہے پتہ دینے والے کو سوا سو ڈالر انعام میں ملے گا۔

ابھی اب کی بار مودی سرکار کے پٹھو یوگی آدھتیا ناتھ سے بنارس کی مہلائیں سنبھل نہیں پا رہی تھیں، کہ ملک کشمیر میں مفتی سرکار کے ہاتھوں دختران کشمیر کے تراشے لٹ نہیں جمع ہو رہے تھے کہ دختران ملت کا وبال آن پڑا۔ علاقہ برنگ (کوکرناگ) میں جگہ جگہ دختران ملت کا آتش فشان پھوٹا کہ ان کی سربراہ خود مفتی سرکار کے بڑے بڑے بوڑوں پر براجمان دکھی۔ کہاں مفتی اور آسیہ کا آپسی بیر اور کہاں سرکاری بورڈ پر آپسی دوستی؟؟؟ دیکھتے دیکھتے سرکار نے انکوئری کا حکم نامہ ارسال کیا، انکوئیری نام سنتے سنتے ملک کشمیر میں ٹھاٹھا ہنسی نکل جاتی ہے۔ اب انکوئری کا انتظار کرتے کرتے اہل کشمیر کے بال سفید ہو گئے لیکن کسی انکوئری بیچاری نے صبح کا سورج نہیں دیکھا بلکہ رات کے اندھیرے میں سسکیاں لیتے لیتے جان بلب ہو گئی۔ تحقیقاتی سرکار نے معطلی کا سامان پیدا کیا، سخت سزا دینے کی دہائی دی لیکن وہ جو دختر ملت کو سرجیکل اسٹرائک کرنی تھی وہ تو کر ڈالی اور اس پر طرہ یہ کہ خود دختر سرکاری جیل کی مہمان ہے لیکن قید سے ہی اسٹرائک ایسی ماردی کہ کوہلی اور آفریدی کا چھکا بھی بھول گئے۔ خیر معاملہ بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ کا تھا۔ مانا کہ اس کے معنی بدل دئے گئے ہیں اور بیٹی پٹاؤ چوٹی کٹاؤ کا نعم البدل فراہم ہو گیا ہے۔ ایسے میں اس مسئلے پر وزیر باتدبیر بولے: مانا کہ وہ محکمہ تعلیم چلاتے ہیں سبھوں کو معلوم ہے

سب سے اچھا ہے محکمہ تعلیمات
تعلیطاتن تعطیلاتن تعطیلات

اور تعطیلات میں تو ماہر تعلیم ماہر نفسیات بن جاتا ہے یہ تو آج پتہ چلا جیسے منسٹر صاحب چوٹی کٹاؤ مہم کو نفسیاتی کشمکش سے جوڑ گئے اور اس کشمکش میں چوٹی کٹاؤ سینکڑے کو آدھ درجن تک ہی روک گئے بلکہ زبردست اطلاع یہ دی کہ خود ان کی ایک ووٹر کے بال اس کی نوکرانی نے کاٹے تھے۔ ہم تو ششدر رہ گئے کہ کہیں ماہر تعلیم نفسیات کے بعد ماہر طب ہی نہ بن بیٹھیں۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
کہ ہمارے خون میں ڈاٹھین مل گیا ہوگا

چوٹی کٹاؤ مہم جاری ہے لیکن ایسے میں وزیر بجلی سرینگر تشریف لے آئے۔ دلی دربار اور سرینگر کے

درمیان جو چولی دامن کا ساتھ ہے اس کی چوٹی بھی کاٹ لی بلکہ چٹکی بھی لی کہ بھلے ہی خوش فہمی کی روشنائی والی دوات میں جو کمل کا پھول اگ رہا ہے اور اس کے سبب جو پاور پروجیکٹ واپسی کی فرمائیشیں جاری ہیں انہیں خواب ہی سمجھا جائے جس کی تعبیر ممکن نہیں۔ لیکن اپنے وزیر خزانہ شاید اسی خواب مرد مومن میں مشغول ہیں جس کے ساتھ اس نے کوئی مادھوتر اشا تھا کہ رام بھلی کرے گا اور کوئی نہ کوئی پروجیکٹ واپس مل جائے گا جبھی تو آپسی گٹھ جوڑ کی روشنائی خشک نہیں ہوگی۔ اس خواب کی حقیقت وہی جانے کہ اب بھی آس لگائے بیٹھا ہے اور برابر حسیب بنا ہے کہ گھنٹوں، ہفتوں، مہینوں، برسوں کا حساب لگانے میں مشغول ہے کہ کب ملے گا کم از کم ایک پروجیکٹ، جبھی تو اہل کشمیر کو منہ دکھانے کے قابل رہیں کہ بھائی لوگو مرد مومن کے خواب کا ایک حصہ یہ بھی تھا۔

مانا کہ بھگت جن غصے میں ہیں کہ ان کے لیڈروں کے خلاف کچھ نہ بولا جائے لیکن حساب ہر طرف سے لگایا جارہا ہے جبھی تو بھارت ورش میں امیت شاہ کے بیٹے کی دولت بھی زیر حساب ہے۔ کیا بات ہے کہ اللہ جب بھی دیتا ہے چھپر پھاڑ کے دیتا ہے ایسا ہم نے سنا ہے لیکن بھاجپا سرکار میں جے شاہ کو سب کچھ چھپر پھاڑ کے ملا، یعنی جو لفٹ کرانے کی بات ہے وہ تو سچ مچ ہوگئی کہ ایک برس پچاس ہزار کا کھاتہ دوسرے برس اسی کروڑ میں تبدیل ہوگیا۔ لگتا ہے سب کا وکاس نہ ہوا ہو لیکن کچھ کا تو ہو رہا ہے۔ اور کچھ کا چونکہ نہیں ہو رہا اسی لئے بھارت بھوک کے عشاریے میں ایک سو انیس ممالک کی فہرست میں سوویں نمبر پر ہے۔ واہ! عالمی طاقت کے خواب دیکھنے والا ملک بنگلہ دیش اور شمالی کوریا سے بھی پیچھے ہے۔ مطلب نوٹ بندی نے کاریگروں کے خواب لوٹے اور بھوک نے فٹ پاتھوں پر زندگی بسر کرنے والوں کے لیکن امبانی اور اڈانی کے خواب برابر شرمندہ تعبیر ہو رہے ہیں۔

Published 16/10/2017

* * *

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

ہم کچھ کہیں تو سرکار مخالف گردانا جاسکتا ہے، فوراً بوریا بستر اباندھ کر مملکت خداداد کا ویزا بنانے کی چیتاونی دی جاسکتی ہے کہ تم بھارت ماتا کی زمین پر رہ نہیں سکتے لیکن خود آر ایس ایس لیبر یونین کا شکوہ ہے کہ مودی سرکار کی معاشی پالیسی کارپوریٹوں کے تابع ہے۔ نوٹ بندی اور دوسرے جلد باز قوانین نے تو کمزور طبقوں کا ذریعہ معاش ہی ختم کردیا۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ سب کا ساتھ کی فہرست میں مودی ہے، شاہ ہے، امبانی ہے، اڈانی ہے لیکن ایڈوانی جوشی نہیں کہ وہ بھی اڑھائی سال سے کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

خیر وہ تو بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں کیونکہ بڑے بڑے شہروں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی رہتی ہیں لیکن ہمارے چھوٹے قصبوں میں بڑی اور لمبی باتیں ہوتی ہیں۔ مانا کہ ہمارے چھوٹے شہر، قصبے اور گاؤں ہیں لیکن اپنے یہاں چوٹیاں تو لمبی کٹتی ہیں، پھر مار پیٹ بھی بڑی سخت ہوتی ہے۔ خون بھی خوب بہتا ہے۔، کچھ فوجی گولیوں سے کچھ اپنے لوگوں کی عجلت پسندی اور بھولے پن سے۔ اسی لئے جب جمیل ڈار نے ٹریکٹر کئی مہینے چلایا اور بعد میں مالک سے تنخواہ مانگی تو ریڈی میڈ الزام سر تھوپا گیا کہ یہ چوٹی کٹاؤ گینگ کا ممبر ہے۔ پھر کیا تھا مار پیٹ ہوئی، جنتا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ادھر سے ٹوٹ پڑے ادھر سے توڑ دیا، یہاں سے مار پٹی وہاں سے پسلیوں کی جھنکار چھوٹی۔ پچاس ہزار کیا مانگے پچاسوں زخم لے کر پولیس نے بچایا۔ پیچھے پیچھے نعرے بازی چلی۔ یہ جو جمیل ڈار ہے، قوم کا غدار ہے، اور ٹریکٹر مالک زیر لب مسکراتے ہوئے خود کلامی میں بولتا رہا: ہضم ہوئے پچاس ہزار ہے، اب مجھے آیا قرار ہے۔ جمیل ڈار کوئی اکیلا شکار

نہیں پولیس اہلکار بھی فہرست میں تیار ہے۔ اس کے سر الزام کہ وہ خواتین کی تصاویر لیتا ہے۔ کہاں وہ زمانہ کہ خود پولیس والے الزام تراش کر ملزم کے بدن کی خراش ہی نہیں زخم کاری کے ذریعے پھلواری بنا دیتے، کہاں بیچ سڑک دختر کشمیر نے کرسی سے وردی والے کو بندھوایا اور پھر اس کی اپنی تصاویر منظر عام پر آئیں۔ کوئی عام خام بندہ نہیں بلکہ وردی پوش۔ وردی پوش تو الزام کے مسلسل کٹہرے میں کھڑے ہیں کہ مار پیٹ وہ کریں، پیلٹ وہ چلائیں، گولیاں وہ داغیں، بلکہ حد تو یہ کہ چوٹیاں بھی وہیں کاٹیں۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ افواہ پھیلائی کہ براہ راست وردی پوش ملوث ہیں۔ شاید اسی لئے فلمی ہیرو نے کب کا فیصلہ سنا دیا تھا کہ مجھے تو سب پولیس والوں کی صورتیں ایک جیسی دکھتی ہیں۔ اس لئے پولیس والا کیا، فوجی کیا، نیم فوجی کیا اہل کشمیر کسی کو موجی بننے نہیں دیں گے۔ مہمان کیا گداگر کیا، دونوں اصنافِ آدم عنقا ہو گئے ہیں۔ کہاں گاؤں گاؤں گھومنے والے گداگر، کہاں شہر شہر موجود ماڈرن بھکاری کہ پانچ دس روپے لینے سے انکاری کہ صاحب آج کل مہنگائی کا زمانہ ہے پھر جی ایس ٹی نے تو جینا حرام کر دیا۔ مانا کہ بیس لاکھ Turn Over پر کوئی گوشوارہ داخل کرنا نہیں لیکن ہم تو بیس سے تجاوز جو کر گئے کہ مودی سرکار کی جی ایس ٹی فوج جیٹلی صاحب کی قیادت میں تیار، کب ہمیں پابہ جولان کر دے۔ ہم جیسوں پر ہی تو نظر ہے باقی آپ سمجھ بیٹھے۔ اب تو وردی پوش کے ساتھ دیر سویر وارد ہونے والا مہمان بھی بلائے جان نظر آتا ہے۔ وہ تو خیر ایک دو دن مہمان بنتا تھا اور تیسرے دن بلائے جان کا روپ دھار لیتا لیکن اب کی بار مفتی سرکار میں سر شام ہی مہمان کی آمد ناگوار گزرتی ہے۔ کہاں مہمان کی آمد باعث مسرت کہاں اب باہر والے گیٹ بند ہونے کے سبب وہ دروازہ پیٹتا رہے اور میزبان اندر ٹی وی پر خبریں سننے میں مصروف کہ آج کتنی چوٹیاں کٹی، کتنے ہجوم کا شکار بن کر پٹ گئے، کتنے پرلیس بیانات کا درد سہہ رہے ہیں اور مہمان بے چارہ بس دروازہ پیٹتا رہے۔ صرف وہی خوش قسمت کہ کسی کی نظر نہ پڑے اور شک کی بنیاد پر ناک توڑ آنکھ پھوڑ کے دور سے گزرے۔ مہمان تو مہمان دودھ والا بھی شک کے دائرے میں ہے کہ اس کے برتن کا ٹھن ٹھن اب قینچی کی کرچ کرچ لگتا ہے۔ اخبار والا خبریں لکھتا رہتا ہے کہ لیکن ہاکر پر کڑی نظر ہے کہ اخبار گیٹ کی دراز کے اندر ڈالتے ہوئے کھرش کھرش بلیڈ یا استرا چلنے کی آواز سے مماثلت محسوس ہوتی ہے۔ یہ اور بات کہ

سبھی گھروں میں اتنی وافر زمین نہیں کہ سبزی یا پھول وغیرہ اگانے کے قابل ہو لیکن کئی گھرانے ایسے ہیں کہ مالی آتا رہتا ہے اور وہ اس وقت ہیبت ناک دکھتا ہے جب اس کے ہاتھ میں پیڑوں کی تراش خراش کے لئے قینچی موئی تراش ہتھیار محسوس ہوتی ہے۔ جسے کل تک آؤ بھگت کرتے کہ باغیچے کی حالت سنوار دے گا آج مکینوں کی حالت بگاڑنے والا دیو لگتا ہے۔ اپنے ملک کشمیر میں اگر کسی قسم کے ادارہ جات کی تعداد زیادہ ہے وہ یتیم خانوں اور خیراتی اداروں کی ہے۔ اپنی مرضی سے یا بادل نخواستہ اہل کشمیر ان اداروں کی امداد کرتے رہتے ہیں اور جب باریش کارکن مالی معاونت کے لئے گھر پدھارتے تو کچھ نہ کچھ ساتھ لے جاتے۔ حالات کیا بدلے، بال تراش اسکارڈ میدان عمل کیا کودے کہ ہر کوئی شک کے دائرے میں آیا۔ خیراتی کارکنان کا قلم سرکاری قلم دکھنے لگا، رسید بک وردی پوشوں کا روزنامچہ، ان کا بیگ باضابط قینچی بردار کا جھولا۔ سنا ہے آج کل ملک کشمیر میں خطوط اور پارسل تقسیم نہیں ہوتے۔ ہوں بھی کیسے کل تک ڈاکیہ ڈاک لایا، ڈاکیہ ڈاک لایا کی آواز سنتے ہی چھوٹے بچے بھی لیٹر پکڑنے دوڑتے لیکن اب تو دروازہ اندر سے بند ہے اور اوپر والی چٹخنی بند ہے کہ کہیں مستی میں کوئی بچہ کھول نہ پائے۔ ہم تو وہ ہیں کہ جب بھی کوئی چیز اپنی آنکھوں اور اپنے تصور سے دیکھنا چاہیں تو کوئی فن کار مقابلے پر نہیں اُتر سکتا۔ ہم نے سیلاب کے دنوں میں ایک معالج کی میت ڈیڑھ کروڑ روپے کے ساتھ مملکت خداداد پہنچا دی۔ سیلابی ریلوں کو ایک باریش بزرگ کی طرف سے راستہ متعین کروایا اور شہری حدود کی شروعات میں نیم فوجی محافظ کی آنکھوں سے دیکھا، شہر پہنچتے پہنچتے فوجی گارڈ سے تصدیق کرائی اور شہر کے وسط میں ایک اور نیم فوجی سرشتے کے دربان سے دیدار کروایا۔ پھر یہ موتراش کس کھیت کی مولی ہے۔ اسے ہم کونسا روپ دھار لینے پر آمادہ کریں یہ ہماری سوچ پر منحصر ہے، یہ ہماری اپنی تصوراتی دنیا ہے۔

ہم کو تو بتایا گیا تھا کہ جب بھارت ورش کا بھگوا کرن ہوگا تو گنگا، گائے اور رام مندر اس کے نشان ہوں گے یعنی روٹی، کپڑا اور مکان کے بدلے یہی نئے تین نشان دکھیں گے لیکن ہم کو کیا معلوم تھا کہ ترشول، نوٹ بندی اور جی ایس ٹی اصل بارود ہے جس سے بھگوا لوگوں کی توپ چلے گی۔ ترشول تو پہلے چلے کہ اخلاق، جنید، پہلو، ریاض اور نہ جانے کتنے شکار ہو گئے؟ پھر نوٹ

بندی کا تیر چلا اور غریب کاریگروں کی روٹی چھین لی۔ یوپی کے مزدوروں کا کپڑا چھن گیا کہ ان کے لوم بے کار ہو گئے۔ مکان تو چھن ہی جانا تھا کہ پوری انڈسٹری پر سکوت چھا گیا۔ پہلے نوٹ بندی کا وار ہوا پھر جی ایس ٹی نے شکار کر لیا۔ البتہ جب بھگت جنوں اور ان کے ٹھیکیداروں نے نوکری حاصل کرنے کا نیا منتر دریافت کیا تو ہم حیران و ششدر رہ گئے۔ جان بچانے میں عافیت سمجھی کہ اخلاق کے قاتلوں کو این ٹی پی سی میں نوکری دلائی گئی۔ واہ! کیا منترا نکالا کہ مسلمان کو مار ڈالو اور نوکری پاؤ مگر ایسے میں یوپی کا یوگی دیوالی منانے ایودھیا پہنچا۔ قمقموں سے سارا علاقہ سجایا گیا کہ یوگی مہاراج کو رام راجیہ کی یاد آئی۔ رام راجیہ جو بقول اس کے ایودھیا کا نظریہ ہے جس میں کسی کو دکھ نہ پہنچے کوئی تکلیف محسوس نہ کرے۔ کوئی مکین مکان یا روٹی کے لئے نہ ترسے یعنی زعفرانی لوگوں کے کتنے خوش رنگ سپنے ہیں لیکن یہ سپنے تب تک زندہ ہیں جب تک آگے اپنے ہیں۔ پھر بھلا دلت اور مسلم تو اس قبیل کے لوگ نہیں جنہیں رام راجیہ کی اچھی کہانی سنائی جائے۔ انہیں تو ترشول کے وار ہی کھانے ہیں، چابک کی مار ہی کافی ہے، تلوار کی دھار نصیب ہے۔ شاید اسی لئے بھاجپا سرکار میں جھارکھنڈ کی ننھی بچی بھات بھات (چاول چاول) کہتے جان کھو بیٹھی کہ آدھار کارڈ نہ ہوتے، اسے سات آٹھ دن کھانا نہ ملا یعنی بھگوا کرن کے لئے ہزار ہا کروڑ دیوالی منانے، رام مندر بنانے اور اپنی تعریف میں سرکاری پیسہ خرچ کر کے اشتہار دینے کے لئے ہے لیکن بھوکی بیٹی کا پیٹ بھرنے کے لئے نہیں۔ سرکاری تعریفیں تو ہوں بھلے ہی بھارت ورش غریبی کے عشاریے میں سوویں نمبر پر ہی رہے اور پھر شمالی کوریا یا بنگلہ دیش سے پیچھے ہی رہ جائے اور زعفرانی رام راجیہ میں بھلے انسانی راج نہ چلے مگر گئو راج تو چلتا ہے۔ فرید آباد ہریانہ میں بھینس کا گوشت لے جانے والوں پر شکنجہ کسا۔ ہجوم ٹوٹ پڑا، جتنی بھینس میں ہڈیاں نہ تھیں، اتنی ان کی توڑی گئیں۔ جتنا گوشت بھینس کا نہ لائے تھے، اس سے زیادہ ان کا کوٹا گیا۔ پھر مزیدار بنانے کے لئے مصالحے کی جگہ ایف آئی آر درج ہوئی۔ جو حملہ آور وہ صاف بچ نکلے جو زعفرانی دہشت کا شکار ہوئے وہ پولیس والوں کے ہتھے چڑھے۔ خیر گائے تو اہم شئے ہے، اسی لئے الور راجستھان میں ابھی پہلو خان کا خون خشک نہ ہوا تھا کہ مسلم گھرانوں سے اکیاون گائیں ضبط کر کے گئو شالہ کو بھینٹ کر دیں۔ یہ اور بات کہ جو گئو شالاؤں میں ہیں، وہ سنبھل نہیں پا رہی تھیں لیکن مسلم

گھرانوں کے پاس رہنے سے وہ گیو ماتا کا رتبہ کھو دیتی ہیں۔

ادھر خان لوگ شکار، ادھر مغل حکمران بھی جال میں پھنسے کہ ممبر اسمبلی نے نیا سنگیت بجایا۔ نئی تار چھیڑی، نیا راگ الاپا کہ تاج محل بنانے والے غدار تھے، اس لئے ان کی تعمیر شدہ کوئی چیز تاریخ کا حصہ کیسے بنے۔ ممبر اسمبلی کے سنگیت کی کان پھاڑ دھن ابھی جاری ہی تھی کہ ممبر پارلیمنٹ ونے کٹیار لاؤ لشکر کے ساتھ میدان میں کود پڑا کہ ہم تو بڑی سیٹ کے مالک بھلا چھوٹی سیٹ والا کچھ کہے اور ہم چپ رہیں۔ اسے تو تاج کی جگہ ہندو مندر کے اندر شولنگ دکھائی دیا جسے بقول اس کے توڑ کر وہاں مزار تعمیر کیا گیا۔ یوگی مہاراج کو وہاں بھارتی مزدوروں کے خون پسینے کی بو محسوس ہوئی۔ ہم بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلے تھے کہ ہم نے بھی تاریخ کے اوراق اُلٹے، غداروں کی تعمیرات کی فہرست بنا ڈالی۔ پھاوڑا لے کر تیار کھڑے ہیں کہ انگریز غداروں کی تعمیر کردہ ریل لائن تحس نحس کر دیں۔ لال قلعے پر پندرہ اگست کوئی ترنگا نہ لہرایا جائے۔ قطب مینار تو ٹیڑھا میڑھا شولنگم لگتا ہے، اس لئے شو بھگتوں کے حوالے کر دیں۔ ویسے ہم نے تو پھاوڑا اٹھانے سے پہلے سوچا تھا کہ ایسی سوچ والے کے جوتے مارے جائیں لیکن اس کی قسمت اچھی کہ اب کی بار مودی سرکار نے جوتوں پر بھاری جی ایس ٹی لگایا ہے۔ کوئی جرأت ہی نہیں کر سکتا کہ اتنے مہنگے جوتے مارے جائیں۔

یہ سماعتوں پہ جو شور ہے یہ ہوائے وقت کا زور ہے
کہ تیرے دل کا چور ہے جو چھپا ہے میری گھات میں

Published 23/10/2017

* *

لفظوں کے انتخاب نے رُسوا کیا کسے

اپنے ہل والے قائد ثانی آج کل دبنگ سیاستدان بنے پھر رہے ہیں اسی لئے کرسی کی امنگ لئے ترنگ میں آکر اپنا سیاسی جل ترنگ بجاتے ہیں۔ ایک ہفتے اس نے دلی دربار سے لے کر ناگپوری سنگھ پریوار کو چیتاوُنی کے لپیٹے میں لایا اور دھمکی دے ڈالی کہ نیشنل فوج تیار ہے، بر سر پیکار ہے بلکہ گپکار کی سڑکوں پر بازو لہرا لہرا کر برسوں کا حساب دو اٹو نامی کا جواب دو کے نعرے لگاتے پھر رہے ہیں اور اس وقت تک خاموش نہیں بیٹھنے والے جب تک اندرونی خود مختاری کا پارسل ان کے حوالے نہ کیا جائے۔ پارسل بھی وہ اسپیڈ پوسٹ سے وصول نہیں کریں گے بلکہ کسی خصوصی جہاز میں سج سنوار کر نئی نویلی دلہن کی طرح زرق برق لباس میں ملبوس کر کے ان تک پہنچایا جائے۔ دوسرے ہفتے وہ نیشنل سے انٹرنیشنل چلے گئے اور ملک کشمیر کا بٹوارا کر ڈالا کہ ملک خداداد کے جیالو تم مظفر آباد رکھ لو اور مودی مہاراج سرینگر رکھ لیں گے بلکہ اقوام عالم کے تحصیل داروں کو اطلاع دے ڈالی کہ وہ فوراً ملک کشمیر کے آر پار کا غذات جمع بندی مع کھیوٹ و شجرہ تیار رکھ لیں تا کہ اس کے مالکانہ حقوق پر مہر ثبت کی جائے۔ ہم تو بشمول اپنے مدیر عام خام بندے ہیں سوچنے لگے کہ ادھر نوازی اور ادھر مودی کو کشمیر ملے گا، بھلا ہم جو کشمیری ہیں ہمیں کیا دیں گے؟؟؟ ہم جو برس ہا برس سے اعلان کرتے پھر رہے ہیں کہ یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گے تو ہمیں کس کھاتے میں ڈالا جائے گا؟؟؟ ہم جو ”ظالمو! جواب دو خون کا حساب دو“ کا برسوں سے وِرد کرتے رہے ہیں ہمیں بھلا کس فہرست میں شامل کیا گیا ہے؟؟؟ گولیاں ہم نے کھائیں، پیلٹ ہم نے سہے، قید و بند میں ہم رہے پھر غریب کشمیری کا حال کون پوچھے کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟؟؟ ہم نے سوال قائد ثانی سے براہ راست کر ہی ڈالا کہ عالی جناب! میرا کشمیر کون

سا ہوگا؟ جواب فوراً ملا کہ تم تو پشتینی باشندے ہو، اسی خیال میں خوش رہو، گم رہو، صم رہو، البتہ کشمیر کا میرا حصہ اہم ہے اور مسند اقتدار کی کرسی کے نیچے جو زمین گھیری جائے گی وہ میری ہوگی اور اسی کے گرد ہل والا جھنڈا ہاتھ میں لے کر نیشنل سازندے مدھر ساز چھیڑیں گے، نیشنلی رقاص اور رقاصائیں (پی بس خوش کرتی کرلولو) گیت گائیں گے بلکہ (اَلہ کرے گا وانگن کرے گا ب کرے گا بب کرے گا) پر بھی تھرک تھرک کرناچیں گے اور ایسے میں جو کنول کی پتیوں کو چومنے والوں نے قائد ثانی کی سرزنش ہی نہ کی بلکہ عدالتی کاروائی کا بھی بیڑہ اٹھایا تو وہ بھڑک اٹھا۔ ببانگ دہل کہہ ڈالا کہ جب مظفر آباد تمہارا ہے تو اسے واپس جیت کر دکھاؤ۔ کبھی جو کہا تھا اس پر نیوکلیائی بم برساؤ، وہی آج محسوس ہوا کہ وہاں چوڑیاں پہنے نہیں بیٹھے ہیں کہ تم لوگ گئے اور وہاں چھن چھنا چھن ہوگی۔ نہ جانے یہ کیسے قائد ثانی کو معلوم ہے وہاں بھی دھن دھنا دھن ہوگا؟؟؟ بم بارود پھٹے گا، لاشیں گریں گی، چیتھڑے اُڑیں گے، خون اور آگ کی ہولی کھیلی جائے گی۔ کسی کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا بلکہ سب ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ ویسے قائد ثانی کا جی ابھی بھرا نہیں کہ فوراً تیسری دھمکی دے ڈالی کہ دلی دربار کی طرف سے لاگو مرکزی قوانین کو فوراً واپس لیا جائے یعنی وہ جو گھڑیال گھمانے کی کبھی بات ہوئی تھی، اس پر عمل کرو نہیں تو نیشنلی ڈیجٹل گھڑیال متعارف کر دیں گے، پھر دیکھنا۔

فلک پر جتنے مَلک ہیں وہ اپنے ٹی وی پر
شبانہ روز تماشہ بشر دیکھتے ہیں

ایسے میں سیاسی ایکٹر کا ساتھ دینے فلمی ایکٹر رشی کپور بھی میدان کشمیر میں کود پڑا۔ اعلان کر دیا کہ موت سے پہلے پاکستان دیکھنا چاہتا ہوں اور

ڈفلی والے ڈفلی بجا
میرے گھنگھرو بلاتے ہیں
میں ناچوں تو نچا

پر ٹویٹ کی، چڑیا کو پھر سے اڑا دیا۔ ٹویٹ کی چڑیا پنکھ پھیلائے دُور دُور دیشوں تک پہنچی اور اس کا پیغام پہنچا گئی۔ کسے نہیں معلوم کہ قائد ثانی جب ناچتے ہیں تو بڑے بڑے ایکٹرس کو مات دیتے

ہیں اور جب اہل کشمیر کو نچاتے ہیں تو اُن کی سر تال کو بدل دیتے ہیں بلکہ کرسی کے عوض ایسے بیچ دیتے ہیں کہ بے چاروں کے پاس کیش میمو بھی نہیں رہتا!!!! اگر کچھ بچ بھی جاتا ہے وہ بقول کسے گبر سنگھ ٹیکس میں چلا جاتا ہے۔ جی ایس ٹی کی بات چلی تو اس کی والدہ مرحومہ ماجدہ یعنی نوٹ بندی یاد آئی جس کے بطن سے اس کا جنم ہوا۔ سال بھر پہلے نوٹ بندی کا اعلان ہوا تو مودی مہاراج کے چیلے خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ کچھ اس وجہ سے کہ مودی سرکار نے کمال (یشونت سہنا کی ڈفلی کہتی ہے: زوال کہئے زوال کہئے، ملک ہوا ہے کنگال کہئے) کا قدم اٹھایا کچھ اس لئے کہ ان کا کالا دھن رنگ بدل کر اصلی چٹا سفید بن جائے گا۔ ویسے سیاست دان تو چشم زدن میں رنگ و آہنگ بدلتے ہیں لیکن ان کا پیسہ جب رنگ بدلے تو گرگٹ کی ایسی کی تیسی مگر جو کچھ ہمیں معلوم نہ تھا وہ منسٹر صاحب روی شنکر پرساد کہہ بیٹھے کہ نوٹ بندی سے عصمت فروشی میں کمی آئی۔ واہ واہ! اب اس بات کی خبر کون رکھتا ہے ہم سوچنے لگے۔ پھر جو بھاجپا کے دو لیڈر راجستھان کے ریگستانی علاقے میں سیکس ٹیپ پر چھا گئے تو پتہ چلا کہ اندر کی خبر بھاجپا والے ہی رکھتے ہیں۔ البتہ اہم بات یہ ہے کہ ڈیجٹل انڈیا کی نعرے بازی میں اگر عصمت فروش خواتین بھی ڈیجیٹل ہوگئیں تو روی پرساد عصمت فروشی روکیں گے یا ڈیجٹل لین دین؟؟؟ دیش کے ایک سو پچیس کروڑ دیش واسی جواب دیں۔ خیر نوٹ بندی کے ایک سال کے شور شرابے میں منسٹر صاحب بھول ہی گئے کہ نوٹ بندی سے قبض کی تکلیف بھی دور ہوگئی۔ جب غریب کارخانہ دار اور مزدور کچھ کما نہ پائے، کچھ کھا نہ پائے تو قبض کی شکایت کس چیز سے ہو؟؟؟ یعنی منسٹر صاحب منہ سے سیاسی بارود تو چھوڑ سکتے ہیں غریب عوام پیچھے سے کیا دھماکے کر پائیں گے؟؟؟

آٹونامی کے شور شرابے میں اور نوٹ بندی کی برسی کے غل غپاڑے میں جو دینشور بابو جاسوسانہ انداز میں چپکے سے آئے اور خاموشی سے چلے گئے کہ جہلم اور ڈل کے پانیوں پر کوئی ارتعاش پیدا نہ ہوا۔ ملنے جلنے کوئی خاص و عام آیا نہیں، دروازے پر وہی لوگ انتظار کئے جو ٹی وی اسکرین پر آنے کے لئے پانی میں چھلانگ مار سکتے ہیں۔ خود شرما جی سابق وزیر اعلیٰ سے ملنے پہنچے۔ دروغ برگردن راوی جس نے یہ اطلاع دی کہ نیشنلی ٹویٹر ٹائیگر نے صرف اتنا کہا: دنیش بابو دو چٹکی آٹونامی کی قیمت تم کیا جانو! اس سے تو ہم اہل کشمیر کے سامنے ہلکا سا منہ اٹھائے چلنے کے

قابل ہوتے ہیں۔ بس دو چٹکی دنیش بابو۔

یہ اہل کشمیر ہیں ہی ایسے کہ خود مرتے ہیں، خود تڑپتے ہیں، خود ہی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں اور بقول بانوئے کشمیر ہم کشمیری اپنے آپ کو خود ہی تکلیف دیتے ہیں۔ کیا کہا یقین نہیں آیا تو لو جی ہم فہرست آپ کے سامنے رکھتے ہیں، پڑھیے اور اندازہ لگائے بلکہ سینے اور سر دھنیے۔ تیرہ سالہ انشاء لون تو گھر میں بیٹھی تھی کہ کھڑکی سے خود ہی جھانک کر پیلٹ کی بوچھاڑ کے سامنے اپنا خوبصورت منہ رکھ دیا، بھلا اس میں وردی والے کا کیا قصور؟؟؟ کھریوشار کا اُستاد شبیر منگو تو رامبو اسٹائل میں وردی پوش اہلکاروں سے اُلجھ گیا پھر حفظ ماتقدم کے طور جب وردی والوں نے مارا پیٹا اور جان ہی لے لی تو اس میں ان پر کیسا دوش؟؟؟ کولگام کے پہاڑی علاقے میں جو دہقان نے پولیس اسٹیشن پر حملہ کر دیا تو اس کا بدلہ وردی والوں نے بائی پاس پل کے پاس ترکھان سے لیا، بھلا اس میں قصور تو کشمیری کا ہی ہے نا؟؟؟ طفیل متو کیا، اے ٹی ایم گارڈ کیا، بجبہاڑہ کا اسکالر کیا، غرض کتنے کشمیریوں کا نام لیں، اپنے آپ کو ہی تکلیف دیتے ہیں اور پھر الزام دوسروں پر لادنے کے عادی ہیں!!!

اتنا ہی نہیں ایک تو خود کو تکلیف دیتے ہیں پھر اس کا معاوضہ بھی مانگتے ہیں۔ واہ کیا بات ہے! اپنے ہی گھروں کی توڑ پھوڑ کرواتے ہیں۔ کانچ لگی کھڑکیاں اس وقت کھڑکتی ہیں جب کھڑک سنگھ بندوق کے بٹ، لاٹھیاں پتھر کا استعمال کرتا ہے۔ دروازے ٹوٹتے ہیں، ٹی وی فرج ٹوٹتے وقت جوابدہی بھی کرنا پڑتی ہے کہ اتنی پراپرٹی ہونے کے باوجود آزادی مانگتے ہو۔ بھلا کون سنے جب بانوئے کشمیر کی پوری ٹیم گرما گرم دھوپ سینکنے جامبولوچن کے دیش چلی جاتی ہے۔

غالب ہوا ہے عشق پہ رنگ حکومت
معشوق میں وہ جذبۂ ایثار نہ رہا
مشکل میں ہاتھ چھوڑ دے خوشیوں میں ساتھ دے
گویا کہ پیار نہ ہوا دربار مو ہوا
(بشیر دادا)

ادھر پانی کے لئے ہاہا کار، راشن کی دوکانوں پر لمبی قطار، بجلی آئے نہیں بلکہ جائے بار بار یعنی

شکایتیں ہیں بے شمار اور روز روز چھاپے ہے اخبار۔ اچھی خاصی فیس ادا کرنے کے بعد بھی بجلی کا رونا روتے ہیں۔ سرد آہیں لے کر بلاتے ہیں، پکارتے ہیں۔

ہیٹر کی رکی نبض چلانے کے لئے آ
کمرے میں بجھا بلب جلانے کے لئے آ
ٹھنڈا ہوا ہے بستر ہ ٹھنڈی ہے سانس بھی
ڈوبی ہے دل کی دھڑکن اٹھانے کے لئے آ

ہم تو بچپن سے فلمیں دیکھتے آئے ہیں اور پچپن میں بھی ان کا مزہ لیتے ہیں۔ بچپن سے لے کر پچپن تک کبھی بھی فلم میں پولیس والوں کو وقت پر آتے نہیں دیکھا بلکہ فلم کے خاتمے کے قریب جب ہیرو درجن بھر لوگوں کو پچھاڑ دے تو پولیس والے حاضری دیتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی اپنے ملک کشمیر میں ہو گیا۔ قریب دو مہینے ہم آپ سب لوگ چوٹی کٹاؤ مہم کا شکار ہوئے۔ راہ چلتے بھکاری پر شک کیا، گھر آئے مہمان کو کنکھیوں سے دیکھا کہیں قینچی تو نہیں نکال رہا، ڈاکیے اور ڈیلوری بوائے کی خوب تلاشی لی، مالی کی قینچی کو ہتھیار سمجھ لیا، لیکن اپنے پولیس والے بھائی صاحب نظر نہ آئے۔ اب جو فلم قریب قریب ختم ہی سمجھو کہ وردی والے اپنا چہرہ دکھا گئے۔ اخباری کانفرنس میں گاندربل میں دعویٰ کیا کہ چوٹی کٹاؤ مہم کا راز فاش ہو گیا۔ جانے اہل کشمیر فلمی کہانیوں پر کیوں بھروسہ نہیں کرتے، ویسے کریں بھی کیوں یہ تو فکشن ہوتا ہے فرضی سین میں فرضی کردار!!!

وہ جو فلمی ہیرو نے کہا تھا مجھے تو سب پولیس والوں کی صورتیں ایک جیسی دکھتی ہیں، اب کی بار تو ہم پر بھی فلمی اثر ہونے لگا۔ ہوگا کیوں نہیں نوئیڈا میں کم سن طالب علم کے قتل کے شک میں کنڈکٹر کو گرفتار کیا گیا اور تب تک مار پیٹ جاری رہی جب تک اس نے ناکردہ گناہ قبول نہ کیا۔ اتنا ہی نہیں جے این یو کے طالب علم نجیب کی گمشدگی کیس میں سی بی آئی نے دلی پولیس پر الزام لگایا کہ وہ برسر اقتدار پارٹی سے وابستہ لڑکوں کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے، آٹو ڈرائیور کو غلط بیانی پر مجبور کیا گیا کہ اس نے نجیب کو دانش گاہ کے قریب اُتارا تھا۔ ہم تو حیران ہیں کہ پولیس والے ہر جگہ فکشن تحریر کر رہے ہیں!!

Published 20/11/2017

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اُس کی گردن پر

ہڑتال کال نیشنلائیز ہوگئی۔ کیا سنا نہیں آپ نے۔ مانا کہ آپ نے بنک نیشنلائز، پرائیویٹ ادارے نیشنلائز، ہوائی کمپنیاں نیشنلائز سنا ہے کہ ادارے سرکار اپنی تحویل میں لے لیکن چونکہ کشمیر کا باوا آدم نرالا ہے یہاں ہڑتال نیشنلائز ہوگئی۔ لو جی اہل کشمیر اب موج مناؤ بلکہ گاؤ ناچو کہ ملک کشمیر میں ہڑتال کے مسئلے پر سرکار اور آزادی نوازوں میں ٹھن گئی اور ہڑتال میں سے برسر اقتدار لوگ اپنا حصہ مانگنے لگے۔ عرف عام میں اسے ہڑتال کی کال کہتے ہیں اسی لئے ہم سے زندہ دلان کشمیر پوچھتے رہتے ہیں کہ آج ہڑتال بند ہے یا کھلی ہے۔ ہڑتال کا فائنل رزلٹ دکانیں مقفل، کاروباری ادارے بند رکھنا ہوتا ہے اور عبور و مرور پر قدغن ہے۔ اس کا ایک حصہ تعلیمی اداروں کے پٹ بھی کھینچنا مقصود ہے لیکن اس پر سرکار پہلے ہی سے اپنے تار ہلاتی رہی ہے۔ خیر یہ جو ہڑتال ہے پہلے تو آزادی نوازوں کا اس پر حکم چلتا تھا کیونکہ ان کے نام ہڑتال کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ بلکہ اس مسلے پر تمام تر تفصیلات نوے کی دہائی کے ابتدائی دنوں میں ان کے نام منتقل ہوگئیں۔ مانا کہ بیچ بیچ میں ٹرانسپورٹر یا کاروباری حضرات اس مسلے میں اپنی ٹانگ اڑایا کرتے تھے یا صاف الفاظ میں کہہ دیجیے مداخلت بیجا کرتے رہے ہیں۔ گویا ہڑتال نہ ہوئی مسلہ کشمیر ہوگیا کہ ہر کوئی اپنی لیڈری اسی پر چمکاتا ہے۔ وہ بھی جنہیں مسلہ کشمیر کا الف با پتہ نہیں اور جو ملک کشمیر کبھی آئے نہیں اس مسئلے پر کتابیں اور مضامین تحریر کرتے ہیں۔ حد تو یہ کہ تیرہ سالہ لڑکی بھی ترنگے والا چھوٹا سا جھنڈا لے کر ہوائی اڈے پہنچی اور لالچوک میں جھنڈا لہرانے کا اعلان کر دیا۔ پھر جو ٹی وی پر تصویر آگئی تو کشمیر کے نام پر چمک گئی۔ پورے بھارت ورش میں اس کے نام کی واہ واہ ہوگئی کہ

اہل کشمیر کو دھمکانے والی چھوٹی بچی میدان عمل میں کود گئی اور جو کام نوے میں مرلی منوہر جوشی سے نہ ہو پایا وہ اس کھلتی کلی نے کر دکھایا۔ خیر ہڑتال یعنی دوکانیں وغیرہ بند رکھنے کی بات اب تو قلم دوات کنول مشترکہ سرکار بھی اس میں اپنا حصہ مانگنے لگی۔ مطلب ہڑتال کی کال نیشنلائیز ہو گئی۔ جبھی تو سرکار نے باری باری شہر میں دوکانیں بند کرانے کی کال دے ڈالی۔ خیر سرکار کے ذمے جو کام تھے ان کا نپٹارا تو اس نے کرلیا اب تو ہڑتال کی کال کا ایک مدعا بچا تھا کہ اس پر ہاتھ صاف کرنے کی باری آئی۔ سرکار کا کام بجلی فراہم کرنا ہوتا ہے سو سرکار نے کر ڈالا۔ بلکہ بجلی کا شیڈول بھی مشتہر کردیا اور یہ بھی دھمکی دے ڈالی کہ صارف بجلی کا صحیح استعمال کر ڈالیں تو کٹوتی برائے نام رہے گی۔ اور صارف بیچارے بھی فوراً صحیح استعمال کرنے لگے۔ بجلی ضایع ہونے سے بچاؤ کا انوکھا طریقہ نکالا۔ لالٹین کو صاف کردیا۔ اس میں مہنگے داموں والا مٹی کا تیل ڈال دیا کہ سرکاری دوکانوں سے کم قیمت پر تیل خاکی ملنا اب بند کردیا گیا ہے۔ موم بتیاں خرید لیں، کہیں کہیں کائر و لکڑی کے الاؤ کا بھی انتظام کردیا تاکہ بجلی کا مناسب استعمال ہو۔ سرکار کے ذمے صاف پانی کا انتظام ہوتا ہے اور صارفین کا کام مناسب استعمال۔ سرکار نے نلکے خشک کردئے صارفین نے سردی کے موسم میں کم پانی پینے کا رواج ڈھونڈھ نکالا کہ زیادہ پئیں تو بلا لحاظ عمر و جنس زیادہ پیشاب کی مصیبت ہوگی اس لئے سرکار اور رعایا دونوں خوش۔ اشیائے خوردنی کی قیمتیں بھی واجب ہونی چاہئیں۔ سرکار نے نرخنامہ مشتہر کردیا اور اس کی ذمہ داری ختم۔ اس کے بعد بھی سرکاری کارندے بازاروں میں گشت لگاتے ہیں کہ قیمتیں اعتدال میں رکھیں۔ یقین نہ آئے تو کبھی کبھار ٹی وی پر ان کی تصاویر دیکھ لیں۔ اتنا ہی نہیں اعلیٰ افسران اور وزرا میٹنگ بلا کر جائزہ لیتے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہے کا فتویٰ جاری کرتے ہیں پھر بھلا کسی کو جھٹلانے کی کیا ضرورت۔ کیونکہ سرکار جب کمیٹ مینٹ کرتی ہے تو پھر اپنے آپ کی بھی نہیں سنتی۔ اور بقول فلمی ہیرو سرکار جو کہتی ہے وہ کرتی ہے اور جو نہیں کہتی وہ definitely کرتی ہے۔ اسی لئے مخلوط سرکار نے سارے کام نپٹا لئے تو یہ دیکھنے کی بات کی کہ کہیں کوئی کام باقی تو نہ رہا۔ پتہ چلا کہ ہڑتال کی کال کو نیشنلائز کرنا بھول گئے ہیں فوراً اعلان کر ڈالا کہ فلاں دن فلاں علاقے میں دوکانیں بند رہیں گی۔ مانا کہ دوکاندار اور کاروباری رونا روئے کہ ہمیں تو ویسے بھی کچھ کرنے کو نہیں کہ ادارے

کسی نہ کسی بہانے بند ہی رہتے ہیں لیکن سرکار جو نہیں کہتی وہ ضرور کرتی ہے اسلئے دوکانیں باری باری سے بند۔ سرکار کی کامیابیاں سن کر ہم پریشان تھے کہ ماحولیات اور تعلیم کا کیا ہوگا کہ یہ چیزیں ٹھیک ہوں تو سارا ملک کشمیر بہتر ہوگا۔ پھر تو ہماری باچھیں کھلیں کہ خبر آئی ملک کشمیر ماحولیات اور نظام تعلیم میں دوسرے نمبر پر آ گیا۔ واہ نظام کو درست کرنا کوئی ہم سے سیکھے یا ہماری قلم دوات کنول سرکار کے نقش قدم پر چلے۔ خبریں اڑانے والے تو اپنا کام کرتے رہیں گے کہ سرینگر کی پینسٹھ فیصد آبادی کا فضلہ آبی پناہ گاہوں میں چلا جاتا ہے۔ اس کی کیا تک ہے۔ کسے نہیں معلوم ہم جھیل، دریا، آبی پناہ گاہیں سال بھر صاف کرتے رہتے ہیں پھر ماحولیات درست کیوں نہ ہو۔ اور تعلیمی نظام کو درست کرنے کا ہم نے جو نیا طریقہ ایجاد کیا ہے اس پر ہم قومی ایوارڈ ہی نہیں عالمی ایوارڈ کے مستحق ہیں۔ سکول کالج نصف وقت کسی نہ کسی بہانے بند رکھتے ہیں تو ہوگیا نا تعلیمی نظام درست۔ جب بانس نہ رہے تو بانسری کیسے بجے۔

موج منانے کی بات اور بھی ہے کہ قلم دوات کنول سرکار عام معافی کا اعلان کر گئی ہے اور ان بچوں کے خلاف ایف آئی آر واپس لے رہی ہے جو پہلی بار سنگباز بنے۔ کیا بات ہے دلی کا دل وسیع ہوگیا۔ وہ جو جادو کی جھپی سے کشمیری دل جیتنے کا اسکرپٹ لکھا گیا تھا اس پر شوٹنگ ہونے والی ہے۔ گانے بجیں گے، ڈول تاشوں کی دھن پر رقص ہوگا کہ ہم نے تمہیں معاف کیا، ہم نے تمہیں معاف کیا۔ اب کی بار مودی سرکار میں قومی دھارے میں شامل ہو جاؤ۔ کنول کے پھول کھلاؤ۔ قلم دوات ہاتھ میں لیکر تعلیم پر دھیان دو اور پھر جو بڑے ہو جاؤ گے تو وردی پوش طاق میں ہیں۔ وہ تو بھائی اور بات ہے کہ اس وقت مملکت خداداد کا سیدھا الزام لگتا ہے۔ سنا ہے دلی والے دنیش بابو پھر ملک کشمیر پدھاریں گے جادو کی جھپی کا دوسرا دور شروع کریں گے۔ طلبا سے بات کرنے والے ہیں۔ مودی سرکار کے زیر سایہ من کی بات کریں گے۔ کسی کی سنیں نہ سنیں اس کی ذمہ داری ان پر عائد نہیں کہ جب ستر سال نہ سنا آج سننے کی کیا ضرورت؟

لگتا ہے کہ جادو کی جھپی کے ساتھ بریانی بھی کھلائیں گے۔ ہاں بریانی پر سابق بیروکریٹ سونالی کمار کی کتاب یاد آئی جس میں تحریر ہے کہ اہل سیاست کو بریانی نہ کھلانے پر تبدیلی عمل میں آ گئی۔ مطلب وہ جو کشمیری کہتے ہیں کہ پیٹ کا کینہ سب سے بڑا ہوتا ہے بلکہ مہلک ہوتا

ہے، اس کا شکار میڈم بھی ہوگئی۔ کسے نہیں معلوم اہل سیاست کا دماغ بھلے ہی چھوٹا ہو لیکن پیٹ بڑا ہوتا ہے۔ اس میں جتنا ڈالو سما جاتا ہے پھر بریانی کی کیا بات ہے۔

دونوں کے درمیان ہیں بے انت دوریاں
امکان اتصال کہاں خوب و زشت میں
نیتا کی توند دیکھ کے آتا ہے یہ خیال
دوزخ کو کہاں لے کے جائے گا بہشت میں

ایک دلچسپ خبر ہے کہ بروڈہ شہر کے ایک علاقے میں بنک ڈکیتوں نے تین دو کانوں کے نیچے سے چالیس فٹ سرنگ کھود کر بنک میں چوری کی۔ ہمارا مشورہ کوئی مانے نہ مانے لیکن ہم ہمیشہ مشورہ مفت دیتے ہیں کیونکہ ایک ہم کشمیری ہیں دوسرے ہم صحافی ہیں۔ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ملک کشمیر کے پہاڑی علاقوں کو ملانے کے لئے سرنگوں کی اشد ضرورت ہے۔ جبھی تو یہ دور دراز علاقے ایک دوسرے سے ملے رہیں گے اور ان کے بیچ کا فاصلہ کم ہوگا۔ مطلب ٹنل کیا کھدی لوگوں سے لوگ اور دلوں سے دل ملیں گے۔ مانا کہ ٹنل کھودنے کا کام بہت مشکل ہے اور اس میں کافی پیسہ خرچ ہوتا ہے لیکن ہماری بات سنیں تو ان ڈکیتوں کو فوراً کام پر لگایا جائے۔ بغیر انٹرویو اور فارم بھرے انہیں ملک کشمیر میں ٹنل کھودنے کا کام سپرد ہو۔ ہمارے انجینیر دیکھتے رہ جائیں گے اور اہل سیاست افتتاحی رسم انجام کے بدلے سنگ بنیاد رکھنے میں خوشی محسوس کریں گے۔ سنگ بنیاد یعنی سیاسی اہلکار کے نام کی تختی دکھنی چاہئے پھر پروجیکٹ مکمل ہو نہ ہو اس کی ذمہ داری حالات پر ہے کہ وہ ٹھیک رہیں تو کام ہوگا ورنہ۔۔۔۔ یہ مشورہ ہم اس لئے بھی دے رہے ہیں کہ اپنے شہر کے کسی منچلے اور دل جلے نے تنگ آ کر ایک زیرِ تعمیر بیت الخلا کی دیوار پر کوئلے سے لکھ دیا کہ افتتاح کا انتظار۔۔۔۔ وزیر نہیں ملتا۔

سنا ہے بھارت ورش اور مملکت خداداد کسی مسلے پر یکجا ہوں نہ ہوں لیکن آلودگی یکسان ہوتی ہے۔ دلی، پنجاب، یوپی ہریانہ میں پچھلے دنوں سے زہریلی آلودگی نے گھیر رکھا ہے لیکن دھواں تو کچھ زیادہ ہی پریشان کر رہا ہے۔ ایسے میں خبر آئی کہ پنجاب کے آر پار بھی یہ مسلہ ہے۔ اسی لئے پاک پنجاب اور مشرقی پنجاب کے وزرائے اعلیٰ اس مسلے پر یکسان حکمت عملی پر

قدم اٹھانے والے ہیں۔ مطلب دھواں اور آلودگی آر پار موجود ہے اور اس کے بیچ روکنے والی کوئی سرحد نہیں۔ یعنی محبت کی لہریں سرحدوں کو پھلانگتی ہیں اور دھواں کوئی کانٹے دار تار نہیں مانتا۔ ایسے میں پنجابی پنجابی بھائی بھائی، شہباز شریف اور امریندر سنگھ یہ غزل گنگناتے پھرتے ہیں

تیرا ہر مرض الجھتا میری جان ناتوان سے
جو تجھے زکام ہوتا تو مجھے بخار ہوتا
جو میں تجھ کو یاد کرتا تجھے چھینکنا بھی پڑتا
میرے ساتھ بھی تو یہی بار بار ہوتا

کنول والوں کا شاہ تو بادشاہ ہے، جو چاہے کر کے دکھاتا ہے کہ مودی اسے مرد میدان یعنی Man of Match کہتا ہے۔ مظفر نگر میں ہندو مسلم فسادات کرا کے یو پی الیکشن جتوایا۔ جسے چاہے خلا میں پیسے کمانے کی تربیت دے۔ اسی لئے تو جے امت شاہ نے پچاس ہزار بزنس میں لگا کر اسی کروڑ کمائے۔ اب تو الزام ہے کہ اس کا گجرات میں سہراب الدین کیس سننے والا جج مشکوک حالت میں مرا۔ جج موصوف کی بہن کا الزام ہے کہ بھائی کو شاہ دوست فیصلہ سنانے کے لئے ایک سو کروڑ کی رشوت کی پیش کش ہوئی لیکن دنیا کے سب سے بڑے جمہور میں اکا دکا لوگ منہ کھول رہے ہیں باقیوں کو تو سانپ سونگھ گیا ہے کہ آخر کنول والا شاہ تو ان کا بادشاہ ہے۔

چلتے چلتے یہ دلچسپ اور دل کو خوش کرنے والی خبر سن لیجئے کہ اب پینسٹھ سال کی عمر تک لوگوں کو جوان ہی تصور کیا جائے گا۔ عالمی صحت ادارے WHO کی رپورٹ میں اٹھارہ سے پینسٹھ برس تک لوگوں کو جوان مانا جائے گا یعنی ایک پیر قبر میں ہو اور دوسرا کیلے کے چھلکے پر ہم گاتے جائیں گے کہ ابھی تو میں جوان ہوں!!

Published 27/11/2017

* * *

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے

اپنے ہل والے قائد ثانی آج کل سیاسی افق پر اس قدر چھائے ہوئے ہیں گویا قائد نہ ہوں گھنگھور گھٹائیں ہوں یا ہل کندھے پر سنبھالے سیاسی کھیتوں کی جانب قدم تال کرتے ہوئے کھیت جوتنے میں مصروف ہوں۔ عام کہاوت ہے کہ جو بوو گے وہی کاٹو گے لیکن قائد ثانی اس بات کی فکر کئے بنا کہ کیا اور کیسے کاٹیں گے بس بوئے جا رہے ہیں۔ قائد ثانی کی ناک سے آجکل رینٹ بھی آٹونامی کی بہتی ہے بلکہ اس کے جسم سے پسینہ بھی مسلہ کشمیر کے حل کا جاری ہے۔ مانا کہ بھارت ورش میں ہل جوتنے والے کسان یا تو دھرنے پر بیٹھے ہیں یا خودکشی کا ارتکاب کرتے ہیں کہ بیچارے لیا ہوا قرضہ واپس ادا کرنے سے معذور ہیں، کہ انہیں ۲۰۲۲ تک خواب دیکھنے کا فرمان جاری ہوا ہے جب مودی سرکار ان کی آمدنی ڈبل کردے گی۔ سہانے سپنے شیخ چلی کے۔ فی الحال سیاسی کسانوں اور با اثر کارخانہ داروں کے کھیت سرسبز و شاداب بنے ہیں کہ امبانی، اڈانی اور جے شاہ وغیرہ کی غریبی دور کرنے کا موقع ہے۔ اپنے اسلاف کی ماضی کی بائیس سالہ آوارہ گردی پس پشت ڈال کر قائد ثانی کی پولٹیکل مٹر گشتی اور راج نیتک دھینگا مشتی کے طفیل سیاسی اتھل پتھل مچی ہوئی ہے۔ اور جب بادل ہوں تو بارش کی توقع ضرور ہوتی ہے اور جب بارش ہو تو کیچڑ کا پیدا ہونا بھی لازمی ہے۔ اگر کیچڑ سیاسی ہو تو چھینٹیں اڑ ہی جاتی ہیں۔ مانا کہ سیاستدان ان چھینٹوں سے نہیں ڈرتے بلکہ سیاسی چھینٹوں کے طفیل ہی وہ خبروں میں رہتے ہیں اور خبروں میں رہنا سیاستدان کے لئے زندگی کی نیو ہے۔ اخبار میں نام آتا ہے، ٹی وی پر تصویر آتی ہے، تبصرہ نگاروں کے کالم چھپتے ہیں پھر مشہور یا بدنام اس کی سیاستدان کوئی پریشانی مول نہیں لیتے کہ دونوں

چیزیں ان کے لئے یکساں ہوتی ہیں۔ خیر قائد ثانی ہر ہفتے کوئی نہ کوئی سیاسی بارود پھینکتے ہیں اور اب کی بار مودی سرکار کی کنول برادری کو چیتاؤنی دے ڈالی کہ پار والے کشمیر میں جو ترنگا لہرانے کی بات کرتے ہو ہمت ہے تو پہلے ادھر والے ملک کشمیر میں لالچوک کے گھنٹہ گھر پر جھنڈا لہرا کر دکھاؤ۔ ہل والوں کو تو معلوم ہے کہ لال چوک کا شجرہ خسرہ ان کے نام کب کا منتقل ہو چکا ہے جبھی تو اسی جگہ ہل والے اور یجنل قائد نے یہاں پر سریلی آواز میں گیت گایا تھا اور نیشنل فوج نے ہل والا جھنڈا لہرا کر لہراائے کشمیر کے جھنڈے پر رقص کیا تھا۔

قائد ثانی کو احساس ہے کہ جب لال چوک کے تمام کاغذات ان کے نام ہیں پھر کنول کا پھول یہاں پر کیسے اگے گا۔ قلم دوات کے ذریعے کوئی نیا فتویٰ، نئی تحریر ممکن نہیں کہ ان کے مالکانہ حقوق والے کاغذات رد کردیں۔ مگر اس سیاسی اتھل پتھل کے سبب کنول والا سورج پال اموبھڑک اٹھا اور خواب دیکھ کر خواہش ظاہر کی کہ وہ ہل والے قائد ثانی کو اسی لالچوک میں تھپڑ مارنا چاہتا ہے۔ اتنا ہی نہیں شاہ سے زیادہ وفادار (more loyal than the king) مسلم راشٹریہ منچ نے دلی میں قائد ثانی کا پتلا جلایا۔ سورج پال کو کیا معلوم یہاں خواب دیکھنے کے جملہ حقوق مردمومن اور ان کی اولاد کے پاس محفوظ ہیں۔ سورج پال اگر تاریخ کا طالب علم ہوتا تو اسے معلوم پڑتا کہ اصل تھپڑ تو ۱۹۴۷ میں اسی جگہ نہرو جی اپنے دوست کو مار کر گئے تھے اور اس تھپڑ کی گونج ابھی تک اہل کشمیر محسوس بھی کرتے ہیں، درد بھی جھیلتے ہیں۔

کھوگئی ہے میری بدھی من تو شدم تو من شدی
لمحوں نے کرڈالی خطا پائے سزا ہے یہ صدی

اور اس درد کی ٹیس شہر شہر، گاؤں گاؤں، قریہ قریہ محسوس ہوتی ہے بلکہ ملک کشمیر کے کھیتوں کھلیانوں، آبشاروں مرغزاروں میں بھی تکلیف دیتی ہے۔ اگلر کنڈی پلوامہ میں بھی اس دھمکی کے ساتھ کہ یا تو علاقہ خالی کردو یا سارے مردوزن، طفل و جوان مملکت خداداد سے درآمد کرکے ہتھیار اٹھاؤ اور بہادر فوجیوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرو عام لوگوں کی نیند حرام کردی گئی۔ یہ چیخ دلی کے تہار جیل میں بھی ابھرتی ہے۔ کہیں تہار کے صحن میں دو قبروں کی صورت مقبول ہوتی ہے یا افضل مقام حاصل کرتی ہیں۔ کہیں اٹھارہ قیدیوں کو تختہ مشق بنتے نظر آتی ہے۔ تہار کی چیخ

خود قائد ثانی کو بھی نیند سے بیدار کرتی ہے اور وہ اسے نا قابل قبول مانتے ہیں، قیدیوں کے بشری حقوق کا واویلا مچاتے ہیں، قیدیوں کی کشمیر واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور یہ درد تو پیلٹ کے قہر سے بینائی کھو جانے میں بھی نظر آتی ہے اور ایسے میں ہیلنگ ٹچ کے نام پر کچھ ایف آئی آر واپس لینے میں بھی واضح ہوتی ہے کہ بیگناہوں کے خلاف درج شدہ رپورٹیں واپس لینے کا احسان بھاری ہوتا ہے۔

تم نے احسان کیا تھا تو جتایا کیوں تھا
جھک گئے ایسے بوجھ سے شانے میرے

ادھر اپنے ملک کشمیر میں ہل بردار اور قلم دوات والے ایک دوسرے کی تاک میں بیٹھے ہیں کہ کب کوئی پھسل جائے اور ہم اوپر سے ایک اور لات ماریں کہ گرنے والے کے دوبارہ اٹھنے کا چانس نہ رہے۔ اسی لئے ہل بردار ٹویٹر ٹائیگر نے مبینہ سنگ بازوں کے خلاف ایف آئی آر واپس لینے کے بارے میں نون میں نقطہ نکالا کہ صاحب یہ آرڈر تو دلی دربار کا ہے بانوئے کشمیر نے فقط پوسٹ مین کا کردار نبھایا۔ ہم تو صحافی ہیں کچھ اندر کی خبر رکھتے ہیں۔ ہمیں تو معلوم ہے جب دلی دربار میں زکام ہوتا ہے تو ملک کشمیر کے ہندنوازوں کو سوائن فلو کا دورہ پڑتا ہے۔ اسی لئے تو ۲۰۱۰ میں کرفیو لاگو کرنے اور ہٹانے کا فیصلہ دلی دربار میں ہوا۔ شمالی کشمیر میں فوج تعیناتی کا حکم دلی سے آیا بلکہ اسکول کھولنے کی بات بھی دلی سے ہی نکلی۔

ایوان سیاست میں شہرت کے مزے بھی
اندیشہ رسوائی بھی ہے اس کے علاوہ

خیر یہ سورج پال تو تاریخ کے بدلے دہشت کا طالب ہے جبھی تو فلم ایکٹرس دیپکا پڈکون کو دھمکی دی کہ اس کا سر کٹوا لے گا کیونکہ اس نے رانی پدماوتی کا رول فلم میں ادا کیا۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ اطلاع دی کہ ملک کشمیر کے بعض تاریخ داند (دان) پدماوتی کا شجرہ نسب پدگام پورہ سے نکال کر لائے ہیں کہ بقول ان تاریخ دانوں کے رانی پدماوتی وہاں پر مٹی کا گھڑا سر پر اٹھائے پانی لانے جاتی تھی۔ گاؤں کے چشمے پر سہیلیوں سمیت گیت گاتی، نہاتی نچوڑتی تھی جبھی پدماوتی کا اغوا ملک کشمیر سے ہوا تھا اسی لئے تو کنول والے کہتے ہیں کہ اہل کشمیر آج کے نہیں ہزار ہا سال سے

آتنکی بنے ہوئے ہیں کہ نجانے کتنے عرصے سے ان کی مان مریادا کو داؤ پر لگائے پھرتے رہے ہیں۔

جانے یہ کنول والے کس مٹی کے مادھو ہیں کہ بات کو اپنے طریقے سے موڑنے کا ہنر کوئی ان سے سیکھے۔ سالہا سال سے تو بھارت میں اہل اسلام کو غزنی اور بابر کی اولاد مان کر نقش کہن مٹانے کی بات کرتے تھے۔ کوئی تاج کو مندر مانتا کوئی بابری مسجد کو منہدم کرواتا اور تاڑنے والے تو قیامت کی نظر رکھتے ہیں کہ کہہ ہی ڈالا۔ اگر مغل، خلجی، غزنی وغیرہ راج نہ کرتے شاید تاج نہ ہوتا، چار مینار کی بلندی نہ ہوتی، حیدر آباد کا فلک نما پیلس نہ ہوتا تو اب کی بار مودی سرکار مجبور ہو جاتی کہ غیر ممالک کے لیڈران کو کسی گئو شالہ میں لے جاتے۔ گئو متر سے ان کے دکھ درد دور کر دیتے۔ بات کنول والوں کے ہنر کی چلی تو گری راج سنگھ کا نیا پینترا دیکھو۔ بھارتی مسلمان رام کی اولاد ہیں انہیں رام مندر بنانے میں امداد کرنی چاہئے۔ ارے واہ جب ضرورت پڑی تو کسی کے پیروں پر سر رکھ کر دَیا کی بھیک مانگو۔ اتنا ہی نہیں اب کی بار مودی مہاراج کو بھی اذان یاد آئی بلکہ سمجھ آئی۔ واہ رے الیکشن سیاستدانوں کو کیا کیا کرواتا ہے۔ نوساری گجرات میں ۲۹ نومبر کو اذان کے دوران وزیر اعظم مودی نے تقریر روک لی۔ اور تب تک خاموش رہے جب تک اذان اختتام کو پہنچی۔ مسلم اقلیت کو ۲۰۰۲ میں تہہ تیغ کرنے کا صلہ اذان کے دوران تقریر روکنے سے ادا کیا۔ اب بھی اگر مسلم اقلیت مودی کمپنی کو ووٹ نہ دیں تو بڑے احسان فراموش کہلائیں گے مانا کہ سیاست دان الیکشن کے وقت کچھ بھی کر لیں لیکن کنول والوں کے پاس اور بھی اکائیاں موجود ہیں جو وقت وقت پر مسلم اقلیت کو ڈرانے دھمکانے کے کام آتی ہیں۔ ترشول ہاتھ میں لئے اپنی طاقت کا مظاہرہ کوئی ان سے سیکھے اور جب سے کیرل میں ہندو لڑکی نے اسلام قبول کر کے اور ہادیہ نام رکھ کر مسلم نوجوان سے شادی رچائی تو بھگوا لوگ لو جہاد کی رٹ لگائے ہیں۔ خود سپریم کورٹ میں بھی اس مسئلے پر عجب پریم کی غضب کہانی دکھائی دی۔ کچھ نہ بن پڑا تو وی ایچ پی لیڈر گوپال نے اعلان کر دیا کہ اگر مسلمانوں نے لو جہاد نہیں روکا تو میں بجرنگ دل سے وابستہ جوانوں کو بھیجوں گا کہ وہ مسلم لڑکیوں کو پٹالیں۔ بے چارہ بہت مجبور و محکوم لگتا ہے!

ادھر اپنے ملک کشمیر میں سرنڈر اور غائب ہونے کی خبریں شہہ سرخیاں بنی ہیں کہ ان کے بغیر یہاں زندگی پھیکی پھیکی سی لگتی ہے۔ جیسے آٹھ ہزار انسانوں کے غائب ہونے سے تسلی نہیں

ہوئی کہ سرشام پبلک ٹرانسپورٹ غائب ہونے کی خبر بھی عام کردی۔ چونکہ اپنے ملک کشمیر کا باوا آدم نرالا ہے اس لئے یہاں گاڑی کی خبر بھی ایسے سامنے آئی کہ ہم سوچتے رہے کہیں عتاب کا شکار تو نہیں ہوئی۔ مگر سب کو معلوم ہے کہ اہل کشمیر جہاں دوسروں کے عتاب کا شکار ہیں وہیں اپنے لوگوں کا بھی قہر جھیلتے ہیں۔ کہاں آزادی نواز لیڈران نے اعلان کردیا کہ وہ ظلم کے آگے سرنڈر نہیں کریں اور کہاں محکمہ بجلی کے بعد محکمہ آب رسانی کے سرنڈر کی خبر آئی۔

چلتے چلتے یہ خبر کہ یوپی میں قیمتی پودے کھانے کے الزام میں کئی گدھے حوالات بھیجے گئے۔ ارے ہمارے یہاں ہوتے تو ہم ایک ایک سو کا نوٹ دے کر واپس بھیج دیتے کیونکہ ہم نے تو کئی گدھوں کو سر پہ بٹھا رکھا ہے!!

Published 4/12/2017

* * *

نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

اپنی قلم دوات کنول مخلوط سرکار کو سنا ہے اہل کشمیر کی شناخت نہیں ہوتی حالانکہ اس نے فوج کیا، نیم فوجی کیا، ریاستی پولیس اور سب سے بڑھکر ٹاس پٹاس فورس بھی ان کے پیچھے لگادی ہے کہ انہیں پہچانو، جانو، ان کے شناختی کارڈ چیک کرو اور پھر ایسے نشان ان کے جسم پر ڈال دو کہ یہ دور سے پہچانے جائیں۔ اگر ٹانگ لہرا کر چلیں تو پتہ چلے کہ ٹارچر سینٹر میں دن گزار کے آیا ہے اور ٹانگوں پر رولر چلنے کے عتاب سے گزرا ہے اسلئے کشمیری ہے۔ اگر بازو ٹیڑھا کر کے چلے تو معلوم ہو کہ کریک ڈاؤن یا تلاشی مہم میں ہینڈس اپ کر کے آیا ہے پھر واضح ہے کہ کشمیری ہے۔ جسم پر رنگ برنگے نشان ہوں تو سیدھا مطلب ہے کہ کسی جیل یا تھانے میں ہوا کے ساتھ ساتھ لاٹھیاں جوتے کھا کے لوٹا ہے اسلئے کشمیری ہے۔ سوجھے ہوئے چہرے، بنا بینائی کی آنکھیں، یا جسم پر اتنے چھید کہ پتہ نہ چلے سانس کہاں سے لیں اور پادیں کہاں سے، بھی اہل کشمیر کی نشانی ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ پیلٹ گن کا شکار ہوا ہے۔ مگر مخلوط سرکار کو ان نشانات پر کوئی تسلی نہیں ہوئی نا ہی آدھار یا الیکشن کارڈ بھایا اسلئے مخصوص کشمیر کارڈ بنانے کی سوجھی۔ ہم بھی کتنے سیدھے سادھے ہیں کہ کشمیر کارڈ کو کشمیرا کارڈ کے ساتھ خلط ملط کر دیا اور خوشی سے ناچے گائے کہ شاید کوئی نیا کشمیر اکارڈ بنا جا رہا ہے۔ ایک طرف سے یشونت سنہا دوسری جانب دنیشور شرما کی خبریں جو موصول ہوتی رہیں تو کارڈ کے بدلے اکارڈ دماغ میں سرایت کرنا بن ہی جاتا ہے۔ ویسے ہماری کہانی میں اکارڈ کی اہمیت کون نہیں جانتا بلکہ ہم تو اکارڈ کی سیاست کے مارگزیدہ ہیں اور وہی تاریخی درد سہلا رہے ہیں۔ خیر مانا کہ سرکار کے ذہن میں اس الگ کارڈ کی شناخت سمجھ آگئی ہے لیکن ہم چونکہ

صحافی ہے اسلیئے اس کارڈ کے بارے میں بھی سوچتے رہے کہ نئے کارڈ کا وجود کیسا ہوگا۔ شکل و صورت کیسی ہوگی۔ اس کا حجم کیا ہوگا اسکی پہنائیاں کیا ہونگی۔ اس بات پر سوچتے سوچتے ہماری رگِ ظرافت پھڑکی اور مخلوط سرکار کا داغ داغ کالا پیرہن ذہن میں کوندا۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اب کی بار مخلوط سرکار اہل کشمیر کے ماتھے پر شناختی کارڈ گودے گی جیسے جنگلوں میں پیڑوں پر نمبر گودے جاتے ہیں۔ اس کے لئے چھنی ہتھوڑے کی ضرورت پڑے گی۔ ایسے میں شناختی کارڈ ماتھے پر چھپیں گے اور کئی ایک لوگوں کو روزگار بھی نصیب ہوگا کہ مخلوط سرکار کو بیروزگار نوجوانوں کی سخت فکر لگی ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے بانوئے کشمیر آجکل ضلعی صدر مقامات کا دورہ کر کے لوگوں کا حال چال پوچھتی ہے۔ ان کی مشکلات کا ازالہ کرنے کا حکم دیتی ہے۔ لوگ بجلی کا رونا روتے ہیں اور کم از کم اس دن بجلی کا چہرہ دیر تک دیکھ پاتے ہیں جب تک بانوئے کشمیر صدر مقام پر موجود رہے۔ ان کی آمد پر سڑکوں کے گڑھے بھرے جاتے ہیں بلکہ پانی کے ٹینکر گھوم کر لوگوں کی پیاس بجھاتے ہیں۔ اب تو سنا ہے کہ پیلٹ سے بینائی کھونے والوں کا درد بھی یاد آیا۔ مشتے از خروارے کو سرکاری نوکری کے احکامات بھی اجرا کیئے جا رہے ہیں۔ یہ ہوئی نا بات کہ زخم بھی ہم ہی دیں اور مداوا کرنے بھی ہم ہی پہنچیں۔ ہیلنگ ٹچ کی جے ہو!

ویسے مخلوط سرکار کو عام لوگوں کی ہی پریشانی نہیں بلکہ ممبران قانون سازیہ اور بیروکریسی کی بھی فکر ہے کہ جہاں عام لوگوں کو بہتر طبی سہولیات میسر ہوں وہاں یہ ممبران بھی مستفید ہوں۔ بھلے ڈاکٹر اور دوائی نہ ہو لیکن شفا خانوں کی عمارتیں موجود ہوں۔ اور اگر عام لوگ سڑک کے کنارے دندان ساز کی خدمات حاصل کر کے درد دندان اخراج دندان کے دور سے گزرے لیکن ممبران سیاست دلی نوئیڈا سرکاری خرچے پر جائیں کہ انہیں انفکشن کا زیادہ خطرہ رہتا ہے اسی لئے تو وی آئی پی یعنی very inscure person کہلاتے ہیں۔ ہم تو سڑک سڑک قریہ قریہ اپنی مرضی سے گھوم پھر سکتے ہیں لیکن انہیں تو بیت الخلا بھی وردی پوش سے پوچھ کے جانا پڑتا ہے۔ ہم تو عام خام لوگ ہیں ہمیں سرداری عوام کا حق والے نعرے سے بہلایا گیا گو اصل بات ہے کہ ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی اور اہل سیاست، آپ تو ہوا بند ہونے کی صورت میں بھی دلی کا ہی رخ کرتے ہیں کہ ان کی ہوا دلی دربار ہی نکال پاتا ہے۔

ہم تو اہل کشمیر ہیں اسلئے اللہ میاں کی گائے ہیں۔ سمجھتے سب ہیں لیکن بولتے بہت کم ہیں۔ نظر تو رکھتے ہیں کہ سب کچھ تاڑ لیتے ہیں اسی لئے جب بانوئے کشمیر کنن پوشپورہ عصمت دری کیس کا پرچم اٹھائے شہر شہر مارچ پاسٹ کرتی ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ خاتون ہونے کے ناطے ان کا جگر کتر کتر جاتا ہے کہ صنف نازک پر ہوئی زیادتی برداشت نہیں ہوتی۔ اب کی بار جو بشری حقوق ادارے نے انہیں معاوضے کی سفارش کی، ہائی کورٹ نے مہر لگا دی پر سرکار سپریم کورٹ میں اس کے خلاف رٹ دائر کرنے پہنچی۔ ہم تو انگشت بدندان رہ گئے کہ ایسا کیا بدلا کہ کل والی بات یاد نہیں۔ پھر معلوم پڑا اتب تو سرکار نہیں تھی، موٹروں کا پوں پوں نہیں تھا، ہٹو ہٹو کہنے والوں کا دھوں دھوں نہیں تھا۔ اب تو زمانہ بدل گیا ہے تب کرسی دلاؤ مہم جاری تھی اب تو کرسی بچاؤ مہم پر ہیں۔ اور پھر پیسہ بچا ہی کہاں ہے کہ صنف نازک میں بانٹا جائے۔ وہ تو ممبران سیاست و بیروکریسی نے طبی مشغلے میں اڑا دیا۔

ان پر مٹی ضرور ڈالیں گے
مسائل جو سر اٹھائیں گے
سوچتا ہوں رات دن اتنا
اتنی مٹی کہاں سے لائیں گے

اپنے قائد ثانی مانو قلم دوات سے اس کی ذاتی چڑ ہے اسی لئے تو سیاسی مخالفین طعنہ دیتے ہیں کہ ڈاکٹری علم بھی اس نے قلم دوات کے بغیر ہی پاس نہیں پار کر لیا۔ کوئی کہتا ہے کہ والد صاحب کی دوستی کام آئی، کوئی کہتا ہے کہ پشمینہ شال نے گرمی دکھائی اور کوئی کہتا ہے ڈل کے پانیوں پر گھومتے شکارے اپنا کمال کر گئے۔ خیر جو بھی ہو لیکن قلم دوات والوں سے قائد ثانی ۱۹۸۷ میں بھی نفرت کرتے تھے اور اب بھی سیاست واسطے کا بیر رکھتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ دشمن کا دوست بھی دشمن گردانتے ہیں کہ اسی لپیٹے میں کنول والوں کو بھی باندھ دیتے ہیں۔ ہم جو ماضی کے یارانے رکھتے ہیں نئی دوستی کیوں جوڑی۔ آخر ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔ اسی ناراضگی کے سبب کہہ بیٹھے بلکہ نیا بنگولہ چھوڑا کہ بھارت کے لوگ مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کرتے۔ ارے واہ قائد ثانی کو اب بھارت کے اہل اسلام بھی یاد آئے۔ مگر قائد ثانی کا مقابلہ اس وقت بانوئے کشمیر سے ہی نہیں

مودی مہاراج کی کنول برادری سے ہے۔ وہ تو اس کی سیاسی پھُس کا جواب قومیت کی ٹھُس سے دیتے ہیں اور کسی بھی بیان کا جواب مملکت خداداد کی جانب بیدخلی سے دیتے ہیں۔ ادھر مودی مہاراج کا بھی کیا کہنا وہ تو ہر کسی کو چائے پلانے کا پلان ہاتھ میں لئے ہیں۔ گجرات الیکشن مہم کے دوران کہہ ڈالا کہ ۱۲۵ کروڑ بھارتی میرے بھگوان ہیں اور میں ان کی خدمت کررہا ہوں۔ کسی میں ہمت نہیں کہ یاد دلائے کہ پی ایم صاحب وہ بیچارے بھوکے ہیں، بے روزگار ہیں، ناراض ہیں۔ فاقہ کشی کے سبب خودکشی کررہے ہیں۔ خیر صاحب تم عیش مناؤ لوگ مریں جئیں تو اپنی قسمت سے۔ آخر سب کا ساتھ سب کا وکاس میں مسلم شخص کو جلاؤ۔ گائے کے گوشت کے نام پر مارو کاٹو، عشقیہ جہاد کے نام پر زندہ انسانوں کو آگ میں جھونک دو، فلموں کے نام پر سر کاٹو، بلکہ الیکشن مہم کے دوران مسلمانوں کی آبادی کم کروانے کا منتر بھی پڑھو۔ میدان صحافت کے مچھلی بازار میں اس بات پر سانپ تو سونگھ گیا ہے کہ کہیں پر کوئی نہیں بھونک رہا ہے اور اگر کوئی تنقید کرے اسے گرفتار کرلو۔ متروں، بھائیو، بہنو کیا خوب ایجنڈا ہے۔ لوگ تو کہتے پھریں گے کہ گجراتی میں ہم چھوو کاس اصل میں ہم چھو بکواس ہے۔

یہاں پر نوٹ کے بدلے زمین کی لیز ممکن ہے
یہاں پر ووٹ کے بدلے ٹائی اور قمیض ممکن ہے
یہاں پر تخت کی خاطر کسی کا خون بہتا ہے
یہ ایسا ملک ہے پیارے جہاں ہر چیز ممکن ہے

اہل اسلام کیا دنیا بھر کے دبے کچلے لوگ انکل سام سے خائف ہیں اسلئے دبے لفظوں یا بانگ دہل نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ جمہوریت کا دعویٰ کرکے مصر، لیبیا، عراق وغیرہ میں جمہوریت کو تہہ تیغ کرواتے ہیں۔ اپنی جنگی مصنوعات کے بازار کے لئے جنگیں لڑواتے ہیں۔ انصاف اور برابری کی دہائی دے کر صیہونیت کی امداد کرتے ہیں۔ جیسے سارا فلسطین یہودی غضب کے نیچے نہیں تھا کہ نیا تنازعہ کھڑا کرکے یروشلم کو اسرائیل کی راجدھانی تسلیم کیا۔ دنیا بھر سے تنقید جاری ہے لیکن ٹرمپ اپنی جگہ عالمی تھانیداری کا رعب جمائے بیٹھا ہے۔ بیچارے مسلم ممالک کے سربراہان چوکیداری کی وردی پہنے خاموشی سے دبے الفاظ میں احتجاج کررہے ہیں کہ کہیں انکل

جی ناراض نہ ہوں۔ رہ رہ کے خیال آتا ہے کہ یہ ٹرمپ ایسا اعلان ملک کشمیر میں کردے پھر جواب میں لہرائے جانے والی کانگڑیوں کا بمبارد دیکھے۔

سامراج سے ڈرنے والے ڈونالڈ نہیں ہم
کہ کونڈل ہے کانگڑی کا قومی نشان ہمارا

سب نے تو سنا ہوگا کہ کارنجار بدست گلکار کوئی اہم فریضہ ہے۔ اور اپنے ملک کشمیر میں اس کا چلن عام ہے۔ یہاں قصائی دوائیاں بیچتا ہے، قلم کار گاڑی چلاتا ہے، ڈاکٹر کی بہن طبی نسخہ لکھ دیتی ہے، استاد مکان تعمیر کے دوران ضروری مشورے دیتا ہے۔ اور سب سے بڑھکر علاج ڈاکٹر سے کرواتے ہیں لیکن پرہیز کے معاملے میں دفتری ساتھی کا مشورہ مانتے ہیں۔ اسلئے کھیل کود میں بھی اگر ایسا تجربہ ہوا تو کیا مضائقہ۔ دلچسپ بات ہے کہ اسی نہج پر گزرتے سابق پولیس افسر کو کرکٹ سنبھالنے کا کام سونپا گیا۔ جب اتنا کچھ ہو سکتا ہے تو کرکٹ کیوں پیچھے رہے۔ شاید اسی لئے کسی منچلے کسی دل جلے نے یہ شعر بولا نہیں، بقول سدھو کھڑ کا دیا

اب رائفل بٹ سے اپنے یہاں کرکٹ کھیلا جائے گا
عجب نہیں گر گیند کے بدلے گرنیڈ اچھالا جائے گا

Published 11/9/2017

* *

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور

یہ سیاسی گٹھ جوڑ بڑے خطرناک ہوتے ہیں اس کا علم بلکہ ان کا تلخ تجربہ اہل کشمیر سے زیادہ بھلا کس کو ہو سکتا ہے؟ کہاں کہاں آگ لگا دیتے ہیں اور کہاں کہاں مرچی لگ جاتی ہے کوئی ہم ہی سے پوچھے۔ کیونکہ ملک کشمیر والے گٹھ جوڑوں کا درد ایک ایک جوڑ میں محسوس کرتے ہیں۔

کبھی اندرا عبداللہ گٹھ جوڑ نے بائیس سالہ آوارہ گردی کی کمر توڑ دی اور مانگ ہماری رائے شماری کی ڈھولک پھوڑ دی۔ پھر راجیو فاروق گٹھ جوڑ نے جمہوری عمل کی بانسری توڑ دی۔ اب کی بار مودی سرکار اور مفتی سرکار میں گٹھ جوڑ کیا ہوا کہ کنول نے قلم سمیت دوات میں گھس کر وہ روشنائی والی خوبصورت شیشی توڑ دی جس کا دیدار کرتے ہوئے مفتی آف بیجبہاڑہ نئے نئے فتویٰ جاری کرتے رہے بلکہ خوابوں کی تعبیر تک بات پہنچی۔ ہم کو معلوم ہے یہ گٹھ جوڑ نہیں بلکہ جوڑ توڑ رہے ہیں اور ان کا نتیجہ اقتدار کے لالچیوں کیلئے جوڑ اور رعایا کے لئے ہڈیوں کا توڑ، یہاں تک کہ تاریخ کا خطرناک موڑ ثابت ہو گیا۔ انہی گٹھ جوڑوں کے سبب ہمارے نئے نئے روڑ کھلے جن پر چلو تو انگ انگ میں موڑ آ گیا اور اگر نہ چلو تو پیٹ بلکہ دماغ میں بھی مروڑ آتے رہے۔ کیونکہ ان جوڑ توڑ کا کوڈ ہی کچھ اتنا مخفی تھا کہ اہل کشمیر کچھ سمجھ نہ پائے وجہ یہ کہ سب کچھ ان کے سامنے توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا اور ہم جسے آزادی سمجھے وہ قید و بند ثابت ہو، اجسے عزت و آبرو کا مقام سمجھے اسکے سبب ہم بڑے بے آبرو ہو کر تیرے دفتر سے ہم نکلے۔ اور اس دوڑ میں اہل سیاست نے ایک دوسرے کو ہرانے کی کوشش میں اپنے لوگوں کو اس قدر مروڑا کہ ان کی گردن بھی سنبھل نہیں پا رہی۔

ابھی اہل کشمیر یہاں کے گٹھ جوڑ سے ابھر نہ پائے تھے کہ ٹرمپ نیتن یاہو گٹھ جوڑ نے

یروشلم کو اسرائیلی راجدھانی بنانے کا اعلان کردیا اور نہتے فلسطینی ٹینکوں، گولیوں کا مقابلہ پتھروں اور نعرے بازی سے کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ عربستان کے حکمران خواب خرگوش میں ہیں۔ ایسا نہیں کہ ان پر نیند کا اس قدر غلبہ ہے کہ وہ اتنی بڑی خبر سن نہ پائے مگر اقتدار کا چسکا کچھ اس قدر خون میں سرایت کرگیا ہے کہ پیروں کے اردگرد کی آگ محسوس نہیں ہو رہی۔ اپنے ملک کشمیر کے باشندے جب حالات پر تبصرہ کرتے ہیں تو دوکان کے تھڑے پر، نائی کی دوکان پر، ہریسے کا مزہ لیتے ہوئے اور چلم میں آگ ڈالتے ہوئے کرتے ہیں۔ اور جب کسی سے اختلاف یا نفرت کرتے ہیں تو اسکے نام یا کام کے ساتھ ایسا طنز جوڑتے ہیں کہ تاریخی جوڑ توڑ بھی پھیکا لگتا ہے۔ اسی لئے آج کل عربی حکمرانوں کے پیچھے پڑے ہیں کہ وہ یروشلم کے معاملے میں چپ سادھے ہیں۔ تبصرہ اس طرح ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ موٹی کھال اور وزن دار چربی لئے عربی حکمران کھا پی کر گہری نیند سوئے ہیں یا بیدار ہوئے تو لمبے چوغوں میں ان کے پیر پھنس جاتے ہیں کہ چل نہیں پاتے بھلا قبلہ اول کی کیا حفاظت کریں؟ یہ تیل مرچنٹ (تلہٕ وٲنی) سروں پر ڈوپٹے جیسے اوڑھے ہوئے ہیں کہ دائیں بائیں آگے پیچھے سارے منظر آنکھ کے پردے سے غائب ہیں۔ مانا کہ ہماری خواتین نے ڈوپٹوں کو تیر کمان بنا کر طاغوتی طاقتوں کو للکارا لیکن عربی حکمران ہمت نہیں جٹا پاتے۔

کافی پرانا فلمی گانا یاد آیا کہ ‘ہر دل جو پیار کرے گا وہ جانا جائے گا، دیوانہ سینکڑوں میں پہچانا جائے گا۔۔۔ اور جو کرسی کے لئے پیار کرے گا سیاستدان کہلائے گا۔ ایسے میں یہ دیوانگی کنول والے مودی مہاراج، قلم دوات والی بانوئے کشمیر اور نیشنلی قائد ثانی میں بدرجہ اتم موجود ہے، دور سے ہی نظر آتی ہے کیونکہ کرسی کے شوق میں پھولے پھولے سے دکھتے ہیں۔ اور اپنے ملک کشمیر میں تو سیاستکاروں نے کرسی کو گھر کی جاگیر سمجھ رکھا ہے کہ کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے تو آنکھ ہی پھوڑ لیں۔ جبھی تو کسی منچلے نے سرکار کو کچن کیبنٹ کا نام دیا۔ باپ بیٹا پارٹی اور سرکار سنبھالے، ماموں بھانجی پارٹی اور سرکار پر قبضہ، اور اب کی بار سنا ہے کہ بھائی بھی میدان عمل میں کود رہا ہے۔ کودے کیوں نہیں آخر کوئی چوری تو نہیں کی۔ پہلے عوامی شکایات کی سیل سنبھالی تو ملک کشمیر میں کوئی شکایت باقی نہ رہی جبھی تو کشمیر چھوڑ بانوئے کشمیر دور دراز پہاڑی علاقوں ڈوڈہ

بھدرواہ پہنچی ۔ ان کی تمام شکایات کا ازالہ کیا ۔ بجلی دی پانی دیا ۔ پھر ساٹھ ہزار یومیہ لوگوں کی شکایت دور کی ۔ دائیں بائیں دیکھو تو بس سیاحت کا مسلہ حل طلب ہے ۔ اس کے لئے مفتی خورد ایسا فتویٰ جاری کردیں گے کہ چشم زدن میں ہزاروں کیا لاکھوں سیاح وارد کشمیر ہونگے ۔ ہاؤس باٹ اور ہوٹل و ٹیکسی والوں کے وارے نیارے ہونگے ۔ تل دھرنے کو جگہ نہ ملے گی ۔ بلکہ کہنا پڑے گا ہوشیار خبردار کوئی سیاحوں کی بھیڑ میں کچلا نہ جائے نہیں تو پھر کنول بردار اسے کچُلن جہاد کے نام سے یاد کریں گے ۔

یہی تو میرا اوڑھنا بچھونا ہے کہ کچھ اور میرے من کو نہیں بھاتا
کروں کیا میں سیاست کے سوا مجھے تو اور کوئی بزنس نہیں آتا

گجرات الیکشن میں سیاسی دیوانہ دور سے ہی پہچانا جا رہا ہے کہ بائیس سال پرانی سرکار ڈولتی، کھسکتی، سرکتی جو محسوس ہوئی تو گجرات ماڈل کے نکے نکے ٹوٹکے ہوتے دکھے ۔ اس لئے اس ماڈل کا نام نہ لینا بہتر جانا ۔ بھلا جب اور کار آمد مدعے جیب میں ہوں تو عوام کو ان سے کیوں نہ ٹرخایا جائے ۔ لوگوں کو روٹی کپڑا مکان چاہئے اور وہ اسی کی مانگ کر رہے ہیں لیکن مودی مہاراج منی شنکر ائر کا نیچ لفظ پلیٹ میں دے رہے ہیں کہ اس کا مزہ لو، بھوک پیاس سب مٹ جائے گی ۔ لوگ نوکریاں کھونے کا رونا روتے ہیں مودی جی رام مندر کا ماڈل سامنے رکھتے ہیں کہ تیار ہونے دو پھر اس میں جا کر پرارتھنا کرو تو بھگوان سب کچھ دے گا، بھلا مودی کیا دے سکتا ہے ۔ ایسے میں غور کیا تو پتہ چلا یہ مملکت خداداد والے کہاں کہاں پہنچتے ہیں اور کس کس آئٹم کی خبر رکھتے ہیں ۔ ہم سمجھے تھے ان کے پاس فقط ایٹم بم ہے جس کے سبب یہ اب پڑوسیوں سے نہیں ڈرتے ۔ ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ ان کے چوہے بھی ہیں جو کبھی گجرات میں طاعون پھیلانے میں استعمال کئے گئے ۔ پھر خبر آئی کہ نہیں مچھر بھی ہیں جو دلی میں ڈینگو پھیلانے میں کام آئے بلکہ سابق وزیر داخلہ پر جو جوتا پھینکا گیا وہ بھی لاہور کی باٹا فیکٹری سے چرایا گیا تھا ۔ لیکن اب کی بار مودی سرکار نے بتایا کہ پار والے گجرات الیکشن میں بھی اتنا اندر تک داخل ہو گئے ہیں کہ سابق وزیراعظم، سابق نائب صدر، سابق فوجی افسر اور پاکستانی ڈپلومیٹ نے کھانا کھاتے ہوئے کنول برادری کو ہرانے کی کھچڑی پکائی، یعنی سابق وزیر اعظم نے خاموشی سے نمک مرچ ملایا، سابق

نائب صدر نے تہذیب یافتہ انداز میں ہانڈی گرم کی، سابق فوجی افسر نے نشانہ سادھا، اور کئی ایک صحافیوں وغیرہ نے خبری بن کر کھچڑی تیار کرنے کی خبر ایک دوسرے کو سنائی۔ واہ رے مودی مہاراج سیاسی ہانڈی پکانا کوئی تم سے سیکھے۔

من کی بات بہت من لگا کے بولتا ہے یہ تو نہیں تیرا اشتہار بولتا ہے
کچھ اور کام جیسے اسے آتا ہی نہیں مگر وہ جھوٹ بہت شاندار بولتا ہے

دروغ بر گردن راوی جس نے یہ خبر پہنچائی کہ احمد آباد میں روڈ شو میں خطرہ تھا کہ لوگ نہیں پہنچیں گے اسلئے جان بوجھ کر اس پر پابندی لگوائی گئی۔ کوئی ہفتہ بھر پہلے آبی ہوائی جہاز کا آڈر دیا گیا تھا تا کہ نئی سیاسی طنابیں کھینچی جا سکیں۔ اور تین سال سے میڈان انڈیا کی دہائی دینے والے مودی مہاراج نے امریکی کمپنی کا جہاز بُک کروایا تھا اور لطف کی بات یہ کہ مملکت خداداد پر الزام لگانے والے نے یہ جہاز کراچی سے بلوایا۔ واہ کیا بات ہے جہاز کراچی سے آیا، پایلٹ کینیڈا کا تھا۔ لگتا ہے مودی مہاراج اپنے لوگوں سے زیادہ غیر ملکیوں پر بھروسہ کرتا ہے۔ خیر خود تو جہاز میں بیٹھ کر مندر پہنچا پر والدہ کے لئے ویل چیر بھی نہ لایا کہ وہ پیدل چل کر ووٹ ڈالنے پہنچی۔ یہ بھی اہل سیاست کا ایک تماشہ ہے کہ یہ بزرگ خاتون نوٹ بندی کے دوران لائن میں کھڑی تھی لیکن اہل سیاست نوٹوں کی گڈیاں لئے گھومتے رہے۔

کیا خوب بات ہے کہ جس کا کوئی نہیں اسکا تو خدا ہے یارو۔ اسی لئے کنول والوں کی سرکار لوگوں کو تو پریشانیوں کے سوا کچھ نہ دے پائی لیکن خدا نے کسی کی سن لی تو چھوٹی آنکھوں والے چینی فوجی ہندی چینی بھائی بھائی پاؤں تلے روند کر مودی سرکار کو گجرات الیکشن میں مشغول رکھکر ڈوکلام واپس پہنچے اور کوئی اٹھارہ سو فوجیوں نے مورچہ سنبھالا۔ وہ جو ڈپلومیسی کی باتیں کرتے تھے انہیں ڈپلومیٹک طریقے سے اندھیرے میں رکھا اور خود وہیں قابض ہوئے۔ اتنا ہی نہیں مودی سرکار تو دوسروں کا پانی بند کرنے کی دھمکی دیتے تھے لیکن چینی تو برہمپتر دریا کا رخ موڑنے نکلے ہیں۔ سنا ہے اس کے لئے وہ ٹنل کھود رہے ہیں اسی لئے دریا کا پانی تبت سے آگے بھارتی علاقے میں کالا رنگ اختیار کئے ہے۔ یعنی جن کا دل کالا ہے ان کے لئے پانی بھی اپنا رنگ بدلے۔ مطلب اندر باہر ایک جیسا۔

خیر جن کے ہاتھ داغدار ہوں بلکہ بیگناہوں کے خون سے رنگے ہوں ان کی سرکار میں اور کیا ہوگا۔ بنگالی مزدور کو زندہ جلانے والے کو تو گرفتار کیا گیا لیکن ملک بھر سے پانچ سو سولہ لوگوں نے قاتل کی بیوی کے بنک اکاونٹ میں تین لاکھ روپے جمع کیئے۔ یعنی چڑھ جا بیٹا سولی رام بھلی کرے گا اور رام بھگت چائے پانی کا معاملہ حل کر دیں گے۔ کیونکہ اقلیتوں کو قتل کرنا ان کے دھرم یُد میں شامل ہے۔ الزام تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ گائے کاٹنا، مندر پر حملہ اور اب عشقیہ جہاد سب کی سزا قتل ہی تو ہے۔

ہبرون فلسطین میں ٹھیلے سے تین سیب چرانے کی پاداش میں اسرائیلی فوجی کمانڈر کو معطل کیا گیا اور اپنے یہاں شہر خاص منور آباد میں مبینہ طور بکری کے پیسے مانگنے والے دوکاندار و موسیقار عنایت اللہ کو وردی پوش نے گولی ماری اور گولی مارنے پر اس دیش بھگت ''بہادر'' کو سزا ملے گی، اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کے انتظار میں ہمارے بال سفید، کمر دوہرے اور چہرے جھریوں کے نقش ونگار سے بھر چکے ہیں مگر نیائے کی دیوی ہے کہ میڈم ابھی تک کہیں پرلوک میں محو خواب ہے۔

چلتے چلتے یہ دلچسپ خبر کہ مدینہ سے ملتان سفر کرتے ہوئے پاکستانی عورت نے ایک پیاری سی بچی کو جنم دیا۔ بچی کا نام miracle girl رکھا گیا۔

Published 18/12/2017

* * *

نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

لو جی کشمیر والو! من موجی ہو جاؤ، خوشی خوشی گرم گرم ہریسہ کھاؤ کہ خبریں ہی کچھ ایسی آ رہی ہیں۔ ملک کشمیر کے ہندنواز سیاست دان دھمکی پہ دھمکی دئے جا رہے ہیں۔ للکارتے ہوئے دھمکا رہے ہیں کہ یلغار ہو۔ ادھر نیشنل کے ہل والے قائد ثانی نے اندرونی خودمختاری کے حصول کا بگل کچھ اتنی زور سے بجایا کہ دلی دربار والے اسے صور اسرافیل سمجھ کر گھبرا گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہی رہے کہ یہ اچانک کیا ہو گیا، کیسے ہو گیا، کیوں ہو گیا۔ ہماری بلی ہم سے میاؤں نہیں بلکہ ہماری مرغی ہم سے کرت کرت کرنے لگی ہے۔ ادھر بانوئے کشمیر نے اعلان کر دیا کہ میرے وقت میں مسئلہ کشمیر حل نہ ہوا تو دھمکی دے کر کہہ دیا کہ وہ سیاست چھوڑ دیں گی۔ ہو نہ ہو سیاست چھوڑنے کا ڈر پوری طرح وہم وگمان میں گھس گیا ہے کہ لاشعور میں جگہ بنا لی ہے۔ اور اس کے چلتے ینگ مفتی کو فوری طور سیاست کا مزہ چھکانے کی سوجھی کہ دن پھر گئے تو لحہ لحہ جلن محسوس ہو گی کہ خود تو کرسی واقتدار کا حظ اٹھایا لیکن کرسی کھونے کا کرب قائم رہا اور شفیق بھائی کو اقتدار کی پری سے ملاقات نہ ہو پائی۔ مطلب صاف صاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ ہم ملک کشمیر کے تمام مسائل کریں گے اور کوئی ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہے کہ جو چاہے میدان عمل میں آ جائے، ہم سے دو دو ہاتھ کرے بلکہ بہتر ہے کہ لڑ مرو عاشقو والا راؤنڈ ہو ہی جائے۔ پھر دیکھتے ہیں بقول اہل کشمیر کس کی ماں سونا تولتی ہے اور کس کی ماں چاندی۔

ویسے معاملہ کچھ بھی ہو تو لا تو یہاں انسانی (کشمیری) خون ہی ہے اور اس کے لئے کسی

ناپ تول کی ضرورت نہیں۔ کوئی لیٹر، میٹر، گز کام نہیں کرتا بلکہ دریا دریا، چشمہ چشمہ سرخ ہے اور ہم ہیں کہ پیش پرودگار فریاد کرتے ہیں، سوال کرتے ہیں یہ لال لال رنگ کی ندیاں کب ہمیں چھوڑیں گی؟ کشمیری لہو کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں، البتہ خون بہا کے نام پر کبھی انکم ٹیکس کاٹ کر اور اب جی ایس ٹی تراش کر ایک لاکھ دے کر اعلیٰ حضرت حاتم طائی کی قبر پر لات پڑتی ہے، چیک دینے دوران ٹی وی کے لئے کچھ تصویریں بنتی ہیں تا کہ سند رہے۔ سند رہے کہ مانا کہ ہمارے ہی بندوق سے یہ کون مرا، کس کا لہو بہا لیکن زخموں پر پھاہا رکھنے کے لئے پیسے بھی تو ہم ہی ادا کرتے ہیں۔ مطلب صاف ہے کہ کان کا پردہ ہم پھاڑیں اور سننے والی مشین بھی ہم ہی لائیں، پیر بھی ہم کاٹیں اور اونچی ایڑی والا جوتا بھی ہم ہی خرید کر دیں، ٹانگیں ہم توڑ دیں اور بیساکھی کا انتظام بھی ہم ہی کر دیں یعنی زخم بھی ہم دیں اور ہیلنگ ٹچ بھی ہم ہی بہ نفس نفیس انتظام کریں۔ اسی پس منظر میں بانوئے کشمیر نے اعلان کیا کہ وردی پوشوں کا آپریشن آل آوٹ اپنی جگہ لیکن ملی ٹنٹ مارنے سے کوئی تنظیم آل آوٹ نہیں ہوگی بلکہ رائفل بٹ سے بیٹنگ جاری رہے گی، یعنی ملی ٹنٹ بھلے دود بدو لڑتے رہیں اور نئے لوگ داخل تنظیم ہوں اور روز روز کی تلاشی مہموں میں خون بہا کوئی کارگر حل نہیں، اس لئے ہیلنگ ٹچ کی اشد ضرورت ہے۔

سی ایم محترمہ کا کہنا ہے کہ ملی ٹنٹ مارنے سے کچھ نہ ہوگا ہماری تو امید بندھ گئی تھی کہ اب کے بعد شاید خون خرابہ نہیں ہوگا۔ پھر خون بہا بھی نہ ہوگا اور اس کے ساتھ جو بونس کے طور اہل کشمیر کو تحقیقات کا چوں چوں مربہ ملتا ہے وہ بھی بند ہوگا کہ اس کا مزہ چکھتے چکھتے کشمیریوں کا مزہ ہی کرکرا ہو گیا ہے۔ البتہ آصف کا اقبال بلند نہیں تھا کہ بیچارہ ''غلطی والی موت'' مطلب کراس فائرنگ کا شکار ہو گیا۔ ادھر بٹہ مرن شوپیان میں بھی روبی کی زندگی کی چمک ماند پڑ گئی۔ ہو نہ ہو فیصلہ یہ ہو گیا ہے کہ بھلے ملی ٹنٹ مارنے سے کچھ نہیں ہوگا لیکن معصوم سویلین مار ڈالنے سے ہی کچھ فرق پڑ ہی جائے۔ پہلا شکار تو کپوارہ کا سومو ڈرائیور ہو گیا پھر شوپیان کی خاتون، اور ابھی یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ ''غلطی'' سے جان بحق ہوئے یا کراس فائر میں؟ اس بارے میں تارا مسیح سے اطلاع ملتے آپ کو بتایا جائے گا۔ پھر براہ راست ذمہ داری ڈالنا تو ممکن نہیں کہ افسپا کی مدافعتی چادر تو بڑی کارگر ہے۔

اس کی درندہ خوئی سے اہل کاشمر
کتنے پھوٹے لہو کے فوارے
اتنے فرعون نے نہ مارے تھے
جتنے بندے افسپا نے مارے

اس قسم کی اطلاع ذرا دیر سے ملتی رہتی ہے۔ شک ہو تو پتھری بل، کنن پوشپورہ، ہندوارا، حول وغیرہ سب یاد کرو۔ کچھ تو حافظے سے نکل گئے کچھ ہوم منسٹری کی بھاری دھول کے نیچے دبے پڑے ہیں اور کچھ ملٹری کورٹ کے نیچے سسک رہے ہیں کہ کب باہر آکر تازہ ہوا کھالیں اور اہل کشمیر ہمارا چہرہ، بیمار ہی سہی، دیکھ پائیں۔ اسی لئے ایک بے بال و پر ممبر اسمبلی نے پھرن تار تار کر کے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر اعلان کر دیا کہ یہ بیچارے مجسٹریٹ تو ارباب اختیار یعنی وردی پوشوں کے بالائی ورکر ہیں کہ انہی کے اشاروں پر نِکے بڑے دستخط کر دیتے ہیں۔

دیکھ اتنا نہ بے تکلف ہو
کچھ ذرا احتیاط کر بھائی
چھوڑ قصہ کراس فائرنگ کا
آلو قیمے کی بات کر بھائی

خیر ہیلنگ ٹچ تو مرد مومن کا سنہرا خواب تھا اور اس کے لئے انہوں نے تاریخی (یا تاریکی کا) فیصلہ لیا۔ شمال و جنوب کو ملانے کا جو بیڑا مرد مومن نے اٹھایا تھا اس کی یاد اپنے وزیر خزانہ کے بہی کھاتوں میں درج ہے جبھی تو انہیں اب کی بار وہ تاریخ یاد آئی جو ۲۰۱۵ میں رقم کی گئی بلکہ اس نے ہی رام کے ساتھ مل کر یہ تاریخی مادھو تراشا تھا اور اب جو کوئی اس کے خدوخال، ناک نقش، چہرے مہرے، رنگ وروپ ظاہر کرنے کی بات کرتا ہے تو وزیر خزانہ جی ایس ٹی کاٹ کر دکھاتا ہے اور وہاں تو صفر صفر ہی نظر آتا ہے کہ باقی کنول برداروں کے کھاتے میں چلا گیا اور خود قلم دوات والے روکھی سوکھی شیشی لے کر رہ گئے، یعنی وزیر خزانہ کے پاس حساب ہے کتاب ہے لیکن کباب نہیں کیونکہ وہ تو بھاجپا والے اڑا کر لے گئے۔

وزیر خزانہ حسیب بنے ہوئے ہیں اور سیاست کاروں کے درد کے علاج کی قیمتیں ادا

کرتے ہوئے کنگال دکھتے ہیں، پھر حساب دکھائیں تو کیا؟؟؟ ممبران اسمبلی کو دلی میں دانت ہڈی کا علاج کراتے خزانہ خالی ہوا تو جانباز فائر سروس اہلکار کے لئے کچھ بچا ہی نہیں۔ جانباز اہل کار آگ بجھاتے زخمی ہو گیا لیکن اس کے بہتر علاج کے لئے سرکار کی تھیلی میں کچھ نہ بچا تھا کہ میڈیکل کھاتے میں سب پیسے ممبران قانون سازیہ کے بیرون ریاست علاج و معالجہ پر خرچ ہو گئے تھے۔ جانباز اہل کار کو ہوائی جہاز سے دلی نوئیڈا نہ لے جایا جاسکا اور وہ زندگی کی جنگ ہار گیا

سود در سود دے کے روو گے
ہم کو یہ ادا نہیں بھاتی
قرض پہ قرض لے کے ہنستے ہو
شرم تم کو مگر نہیں آتی

ملک کشمیر کے ہل والے دریند رسردی سے نہیں ڈرتے بلکہ سردی کی مشکلات کا سامنا کرنے میدان لال چوک میں اُتر آئے کہ اہل کشمیر کا درد ان کے سینے میں بستا ہے اور انہیں تڑپاتا ہے ۔ اسی لئے بجلی کی کمی کا، انسانی حقوق کی پامالی کا، راشن کی نایابی کا دیو انہیں سامنے محسوس ہوتا ہے۔ بھائی ہو کیوں نہ، اپنے دور اقتدار میں تو انہوں نے اس دیو کو پابند سلاسل کر دیا تھا۔ پھر بجلی کی کمی نہ تھی راشن کی فراوانی تھی۔ انسانی حقوق کی پاسداری عروج پر تھی جبھی تو ایک سال ۲۰۱۰ میں فقط ایک سو بیس مارنے کا سکور تھا اور ۲۰۰۸ سے ۲۰۱۰ تک دو سو اڑسٹھ۔ بھلا یہ بھی کوئی ہندسہ ہے !!! نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر نے ٹویٹر چڑیا اڑا کر کپوارہ کے سومو ڈرائیور کی ہلاکت کی ایک عدد مذمت کی اور اس کے لئے تحقیقات کی فوری تکمیل کا رونا رویا

آنکھوں میں آنسو چہرے پہ ہنسی ہے
سانسوں میں آہیں دل میں بے بسی ہے
ہم کو معلوم ہے اس دردِ بے پناہ کا راز
پہلے کیوں نہ بتایا جان کرسی میں پھنسی ہے

بے چارے اہل اسلام شکایت کے عادی ہیں اور ہر وقت مظلوم بنے پھرتے ہیں کہ انہیں ہندو شدت پسند پیٹتے ہیں، مارتے ہیں کاٹتے ہیں جلاتے ہیں لیکن مودی سرکار میں جہاں ”سب کا

ساتھ سب کا وکاس'' عام ہے اسلیئے سب پہ لات سب کی مار اسی سکے کا دوسرا پہلو ہے۔ اہل اسلام کی پٹائی کٹائی ابھی جاری تھی کہ عیسائی افراد ناراض ہوئے کہ انہیں اس عمل میں شامل نہیں کیا جاتا۔ بس پھر کیا تھا سب کا ساتھ سب کو مار بریگیڈ نے میرٹھ میں مسلمان کو ہندو کا مکان خرید نے نہ دیا۔ مدھیہ پردیش میں بھی یہ بریگیڈ میدان میں اُتر آیا۔ کرسمس کے موقعے پر گانے والے عیسائی گویوں کی مار پیٹ کی۔ پادری کی گاڑی کو آگ لگا دی۔ پولیس بھی پیچھے نہ رہی، انہی گویوں کو گرفتار کیا اور جو پادری وغیرہ انہیں چھڑانے آئے تھے، انہیں بھی قید کیا۔ ایسے میں ہندو جاگرن منچ جاگ اٹھا اور علی گڑھ میں کرسچن اسکولوں کو کرسمس نہ منانے کی وارننگ دے ڈالی۔ کہا بجرنگی بھائیو! یہ زبردستی کرسچن بنانے کی سازش ہے۔ ساتھ میں یہ بھی مشورہ دیا کہ کرسچن بنانا ہی ہے تو کشمیر میں اہل اسلام کو مسیحی بنا دو یعنی جو جیتا وہ نریندر اور جس نے پیٹا وہ اسی کا دریندر۔ لیکن اصل دریندر تو گجرات کے ووٹر نکلے۔ مودی نے ان سے ایک سو پچاس سیٹیں مانگیں تھیں کہ اسمبلی میں بھاجپا کا دبدبہ قائم رہے لیکن گجراتیوں نے مودی کا جاری کردہ جی ایس ٹی کاٹ کر بہ صیغہ بے رنگ دے دیا۔ یعنی ایک سو پچاس کا اٹھائیس فیصد کاٹ کر ننانوے کانٹے دار سیٹیں حوالے کر دیں۔ انت میں کانگریس کو ہرا دیا، مودی کو ڈرا دیا، اچھا بیوپاری کامیاب بیوپاری!

آخر پر یہ دلچسپ خبر کہ ۱۹۴۸ میں مسلم خواتین کو عبادت کرتے اور دعائیں کرتے دکھانے والی ایک تصویر جو پیٹر فیٹر مین نے لی تھی، امریکہ میں نیلامی کے دوران بتیس ہزار پانچ سو پاونڈ میں بک گئی۔ واہ بھئی واہ گورو! گوشت پوست والے مسلمان کا جنگ وجدل سے ستیاناس کرو، مگر اس کی تصویر نیلام ہو تو کروڑوں ڈالر پاؤنڈ اسی طرح اُڑاتے پھینکو جیسے محمد بن سلمان نے فرانس میں کروڑوں ڈالر کا قصر شاہی خرید کر نیا عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ جیو میرے لال بجھکڑو، جُگ جُگ جیو!

Published 15/12/2017

* * *

آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

اپنے ملک کشمیر میں، کہتے ہیں، بھلے ہی روٹی کپڑا اور مکان نہ ہو لیکن افواہ سازی اور دھمال ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر زندگانی ہیچ ہے بھائی۔ افواہ تو نائی کی دوکان اور ہریسے کی خوشبو سے اُبھرتی ہے، پھر اہل کاشمر کیا کیا کہانیاں گڑھتے ہیں توبہ توبہ۔ جب سے انڈیا ڈیجیٹل کی سولی چڑھ گیا تب سے تو افواہ سازی میں نیا جوش اور ولولہ رچ بس گیا۔ ابھی صدر ٹرمپ نے یروشلم کو اسرائیلی راجدھانی کا اعلان کر ہی دیا تھا بلکہ حکم نامے کی سیاہی خشک بھی نہ ہوئی تھی کہ افواہ پھیلی ٹرمپ کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔ مانا کہ بعض ماہرین نے اس بات کا اندیشہ پہلے بھی ظاہر کیا تھا لیکن اہل کاشمر نے اس کا ثبوت ڈیجیٹل موڑ میں سامنے رکھ دیا۔ ٹرمپ کو ہاتھ میں بلا لئے نجانے کیا کیا توڑتے دکھایا گیا۔ ایسا ویڈیو دیکھکر لگتا ہے کہ ٹرمپ نے ملک کشمیر کا ٹاس پٹاس فورس جوائن کر دیا ہے اور اندھا دھند پولیس ڈنڈے کی مانند بلا چلا رہا ہے۔ کسی کا سر پھوڑ رہا ہے، کہیں کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ رہے ہیں، ٹی وی چکنا چور ہو رہا ہے، کمپیوٹر کی کرچیاں پھیل رہی ہیں۔ دروغ برگردن راوی جس نے ڈیجیٹل ثبوت کے ساتھ ٹرمپ کا میڈیکل ریکارڈ پیش کیا اور یہ بھی وہ ملک کشمیر کے ٹاس پٹاس فورس میں نوکری پا گیا ہے۔ خیر افواہ سازی تو عوام کرتے ہیں لیکن دھمال کا انتظام سرکار کرتی ہے۔ سرکار بھلے ہل والوں کی ہو یا قلم دوات والوں کی دھمال تو دھمال ہے۔ اس میں اچھلم کود ضروری ہے۔ بانوئے کشمیر تو اوڑھنی پھیلا کر التجا کرتی ہے کہ بھائی لوگو اپنی باجی کی عزت رکھو اور پنچایت ممبری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ کسے نہیں معلوم الیکشن میں اچھل کود سب سے مزیدار ہوتی ہے۔ گاڑی ہے، چائے ہے بلکہ گوشت چاول ہے۔ پھر سنا ہے کہ روز کے چار پانچ سو تو ہیں ہی۔ وہ جو بات پھیلائی گئی تھی کہ سنگ بازی کے بھی چار پانچ سو

روزانہ ملتے ہیں اسلئے تمام آزادی نوازوں کو دلی بلا بلا کر ہاتھ میں ہتھکڑی پاؤں میں بیڑی ڈالی گئی تو پھر بھلا ان پر الزام بے سود ہوگا۔ ایسے میں قلم کنول مخلوط سرکار نے دھمال کا آزمایا ہوا طریقہ نکال لیا۔ رائے شماری سے تو سرکاریں ڈرتی ہیں لیکن پنچایت انتخاب کا بہانہ اچھا ڈھونڈا۔ دھمال کا تازہ ترین پیک پنچایت الیکشن کی صورت میں بانوئے کشمیر نے متعارف کرایا یعنی اس فریش دھمال کی برانڈ ایمبیسیڈر میڈم بنی۔ ہم تو سرکار پر تنقید بھی نہیں کر سکتے کہ وہ جو اسلام آباد والی پارلیمان سیٹ خالی پڑی ہے، اس کا کیا ہوا۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس کا امیدوار ایڈجسٹ ہو گیا کہ اسے سیاسی نوکری حاصل ہو ہی گئی پھر بھلا سیٹ کا کیا؟ پھر جو رشتہ دار نے کرسی چھوڑی اس کے لئے تو وقف بورڈ کی وائس چیرمین کی نشست پہلے ہی انتظاری موڑ میں ڈال دی گئی ہے یعنی سانپ بھی مرا لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔ لاٹھی ٹوٹنی بھی نہ چاہئے کہ یہی تو عقل نما ہے اور اہل کاشر کو اسی کے ذریعے راہ راست پر ہانکا جاتا ہے اور جب لاٹھی ٹوٹتی ہے تو غریب کشمیری کے جسم پر بلکہ وہاں رنگ برنگے نشانات ابھر آتے ہیں تاکہ دور سے ہی پہچان میں آجائے کہ تو ملک کشمیر کا پشتینی باشندہ ہے جس کے حقوق کے محافظ کبھی ہل والے بنتے ہیں اور کبھی قلم بردار۔ حالانکہ ہر بار اسے دار ہی چڑھایا جاتا ہے۔ کسے نہیں معلوم کہ قلم بردار سرکار کو اہل کاشر کی صحت کی فکر ہے جبھی تو موسم سرما یعنی چلہ خورد اور چلہ بچہ میں الیکشن کی تیاری ہے۔ کانگڑی سے نجات ملے گی، سیاسی اچھل کود میں خون کا دورہ تیز ہوگا، چربی میں اضافہ کم ہوگا اور جو اچھل کود میں حصہ نہ لیں ان کے لئے ایک دوسرے پر وار کرنے کا ہتھیار ساتھ رہے گا کیونکہ کونڈل ہے کانگڑی کا قومی نشان ہمارا۔

ہتھیاروں کی بات چلی تو قلم کنول سرکار نے اپنے طور بھی نیا میزائل چلایا، اس کا نام ایس آر او ۵۲۵ ہے اور یہ حال حال ہی محکمہ جنرل ایڈمنسٹریشن میں تیار ہوا ہے۔ اس کا لانچنگ پیڈ جموں سیکٹریٹ ہے اور اس کی لانچنگ کا مشاہدہ سیاسی اور انتظامی صاحبان اقتدار نے کیا۔ اس کا ہدف ملازمین کی قلم، زبان اور ہاتھ ہے کہ جس نے جو چلایا میزائل وہیں نشانہ بنائے گا۔ کیونکہ ملازمین کی زبان قلم پر بھی افسپا کا نفاذ عملایا گیا۔

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
ہر ایک کی زبان پر تالہ چڑھا دو

الیکشن کی آمد آمد ہو تو کئی کام نکل ہی جاتے ہیں۔ الیکشن ٹائم میں کام دروازے سے، کھڑکی سے، روشن دانوں سے حتیٰ کہ سیاسی کواڑ کھول کر نکل آتے ہیں۔ اور سیاستدان بھی ان کے آڑے آکر راستہ نہیں روکتے بلکہ بابل کی دعائیں دے دیکر چہل قدمی کے لئے شاباشی دیتے ہیں، کیونکہ اس میں اہل سیاست کے تماشے کے لئے ڈگڈگی کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ اسی مہینے جو الیکشن کا اعلان کرنا تھا تو ساٹھ ہزار یومیہ کارکنان کی مستقلی کی بات چلی اور کچھ اس زور سے چلی کہ عوام الناس حیران رہ گئے۔ ارے بھائی جمہوری تماشے میں اس قدر تیز وطرار فائل چلتی ہے کہ سب دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ مانا کہ پہلے نیم مستقل ملازم اس بات کا رونا روتے ہیں کہ ان کے نام کب لاٹری نکلے گی اور پڑھے لکھے بیروزگار بھی اس امید میں کہ کچھ قرعہ فال ان کے نام بھی نکلے اور وہ نیم خواندہ یا بالکل ہی ناخواندہ یومیہ ورکروں کی طرح خوشی منائیں گے۔ کسی دل جلے اعلیٰ خواندہ امیدوار نے کیا پتے کی بات بتائی کہ آج کل نیم خواندہ افراد کا ہی بول بالا ہے اسی لئے تو بقول شخصے اس کے یہ لوگ اس الیکشن لاٹری کا فائدہ تین پشتوں تک لینے کے اہل ہوں گے۔

اب کی بار پنجاب کے ایک میگزین کی سرورق پر جو تصویر اُبھری تو پنڈتوں کے خودساختہ نمائندے اور بھاجپا ایم ایل اے کے مرچیں لگیں۔ کچھ تو صحافت کا مچھلی بازار بھی گرم ہوگیا۔ سب نے مل کر اپنی محسوس کردہ تپش کا اظہار کیا کہ سرورق کی تصویر زخم کرید رہی ہے۔ پچھواڑے میں آگ لگا رہی ہے۔ ٹی وی اسکرین پر اعلان کرنے پہنچے کہ بھائی لوگو! یہ آگ بجھاؤ اور ادھر میگزین کا مدیر بھی ڈھیٹ ہے کہ ہم تو لوگوں کی آواز ہیں۔ وہی آواز عوام تک پہنچاتے ہیں۔ اسی لئے برہان وانی کی تصویر سرورق پر چھاپ دی، پھر بھلا کسی کے مرچی لگے یا انسانی گوشت کی جلتی بُو محسوس ہو۔

یہ مہاشے جب بھارت ورش کے سر پر سوار ہوئے تھے تو سب کا ساتھ سب کا وکاس کی ڈھولک بجاتے پھر رہے تھے۔ پرتاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں اسلئے وثوق کے ساتھ کہہ دیا تھا کہ یہ گائے، گنگا، رام مندر کی ٹولی ہے۔ اب جو تاڑنے والوں کی طرف دیکھتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ دور کی نظر کتنی مضبوط ہے ان دوراندیشوں کی۔ ابھی تک وہ کنول بردار مشٹنڈے اور ان کے ترشول بردار حواری ہی مارکاٹ کرتے تھے پر اب تو منتخب لیڈر بھی مارکاٹ کی بات کرنے

لگے۔ تین سال جو گزرے تو کہیں ساتھ اور وکاس نظر نہ آیا بلکہ نوٹ بندی اور جی ایس ٹی کا زہر پھیلا کر کام کاج کے جسم میں جان لیوا بیماری پیدا کر دی۔ گجرات والوں نے جی ایس ٹی کاٹ کر اسمبلی دے دی۔ اس کا اثر راجستھان پر بھی ہوا۔ بی جے پی ایم ایل اے گیان دیو آہوجا نے فائنل وارننگ دے ڈالی کہ گایوں کی سمگلنگ میں ملوث ہونے پر موت ہی ملے گی۔

مرکزی وزیر اننت کمار ہیگڑے کو بھی سب کا ساتھ سب کا وکاس نہ بھایا تو سیکولر طاقتوں پر برس پڑا۔ تم لوگوں کا ڈی این اے ہی خراب ہے۔ ہم ہندوتا کے حساب سے آئین میں ترمیم کریں گے۔ آئین میں ترمیم نہیں بلکہ گجرات کابینہ کی حلف برداری بھی ہندوتا طور طریقے سے ہوئی۔ مودی مہاراج پورا کنول بردار لاؤ لشکر سمیت پہنچے۔ روپانی کو کرسی پر دوبارہ بٹھایا کہ بھائی بڑی مشکل سے کانٹے کی ٹکر کے بعد ہاتھ لگی ہے، اسے سنبھال کر رکھیو کیونکہ جنتا اب حساب مانگتی ہے۔ اگر ایسے ہی حساب جاری رہا تو ۲۰۱۹ میں کنول کی پتیاں سوکھ جائیں گی۔ جنتا ٹیکس کا ہی نہیں خون کا بھی حساب مانگتی ہے، جبھی تو بنگالی مزدور افضال خان کی موت کے بدلے راجستھان سرکار کی امداد کے بدلے انصاف کا تقاضہ کرتے ہیں۔ اسی لئے تو پانچ سو لوگوں نے ہجومی امداد کے صدقے سات لاکھ روپے جمع ہوئے۔ وسندرا سرکار کی امداد ٹھکرا دی کہ بھیک نہیں انصاف چاہئے۔ مانا کہ بہت جلد انتخابات ہونے والے ہیں کوئی الیکشن تو اقلیتوں کے خون کے بغیر بھی جیتو۔ قاتلوں کی پشت پناہی سے ہاتھ کھینچ لو۔ کچھ تو ہمارے غریب لیوڈورا واسیوں سے سیکھو کہ سورگباشی پنڈت والدین کی بچیوں کو مسلم گاؤں نے گود لیا کیونکہ یہ تو ہماری بچیاں ہیں۔

آخر پر یہ دلچسپ خبر کہ پولیس سربراہ نے خاص ایپ کا افتتاح کٹرہ میں کیا تاکہ ویشنو دیوی یاتری اور عام لوگ اپنی شکایات کا ازالہ کرانے کے لئے استعمال کریں۔ جناب عالی! اپنا احوال بھی ٹھیک نہیں، اس لئے عرض یہ ہے کہ اپنے یہاں بھی شکایتوں کا پلندہ ہے۔ ایسے ہی ایپ کی ضرورت ادھر بھی ہے۔ کچھ نظر عنایت یہاں بھی ہو جبھی تو بیگناہ وردی پوشوں کے عتاب سے بچے رہیں گے!!

تو نے بتایا نہیں کہ درد کہاں ہوتا ہے
اک جگہ ہو تو بتاؤں کہ یہاں ہوتا ہے

Published 12/03/2018

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا

چہار سو شور ہے پچھلا سال نکل گیا، اگلا برس تشریف لایا۔ بھائی لوگو! یہ سال تو آتے جاتے ہیں۔ اپنے لئے تو یہ ہندسے ہیں جن میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے کبھی کوئی مبارک بادی کی بات لے کر نہیں آتے۔ یہ تو ان کے لئے مبارک باد ہوتے ہیں جن کے بینکوں میں ایف ڈی آر ہوں، یا جن کو کچن کیبنٹ میں سگِ دوران کی وساطت سے جگہ ملے ؎

ایک اور اینٹ گر گئی دیوار حیات سے
نادان کہہ رہے ہیں نیا سال مبارک

ہم نے تو سترہ میں بھی پانی کے لئے ایجی ٹیشن کی تھی آگے بھی وہی کرنے کا خوف ہے۔ سالہا سال سے بجلی کی فراہمی نہ ہونے کا رونا روئے اور مستقبل میں بھی بجلی کے ہاتھوں بجلی ہی گرنے کا اندیشہ لگتا ہے۔ چلہ کلان اور اسکے خاندان کے ہاتھوں بلیک مارکیٹ نیشنلائز ہونے کا خطرہ ہے، آگے بھی رہے گا

جاتا کیسے نہیں کوئی خوشی سے تھوڑی جا رہا ہے بلکہ اس کی جان کے لالے پڑے ہیں۔ کہیں وردی پوش پیچھے ہیں کہیں سنگباز، کہیں تلاشی مہم کا شکار ہے تو کہیں کرفیو نما بندشوں کا۔ اسکی پیٹھ میں کتنے پیلٹ ہیں، منہ پر کتنے تالے ہیں، دماغ میں کتنے جھالے ہیں، بدن پر کتنی لاٹھیوں کے نشان ہیں، یعنی آدھا پریشان ہے اور آدھا پشیمان۔ ایسی حالت میں بیچارہ جان بچا کر منہ چھپا کر جائے نہیں تو کیا کرے۔ یہ اٹھارہ والا بھی لگتا ہے معصوم ہے، نادان ہے چلا آیا سال بھر ڈیرہ ڈالنے۔ انجام سے بے خبر۔ اسے ابھی نہیں معلوم یہاں سب کچھ جان پہچان، رشتہ داری

اور ذات برادری سے ہی چلتا ہے بھلے وہ سرکاری نوکری ہو یا سیاسی منصب ؎

وہ ساتھ بیٹھ جائیں تو رکشا بھی مرسڈیز
کرسی ہمیں عزیز ہے کرسی کو ہم عزیز

اسے کہتے ہیں جوتیوں میں دال بٹنا۔ حالانکہ ہمارے دونوں ہمسایوں نے سالہا سال پہلے اپنی اپنی دال الگ پکانا شروع کردی، چولہا چوکا الگ کردیا، پکانے والے برتنوں کا بٹوارہ کردیا۔ دیگچی میں رکھ لوں، پلیٹ تمہارے حصے۔ کڑچھی میری تو اتا تیرا۔ سنا ہے پھر چمچوں پر فساد کھڑا ہوا کیونکہ کوئی بھی سرکار چلانے کے لئے چمچوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ بڑے بھائی کی حیثیت سے بھارت ورش نے زیادہ چمچے اپنے پاس رکھے اور چند ایک ہی مملکت خداداد کو ملے۔ لمبی کاٹھ کے چمچے بھارت ورش کی جھولی میں گر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیچ کی دیوار اتنی اونچی کردی کہ دھوپ بھی بانٹ دی۔ اور اس قدر سڑک سڑک کو لہولہو کردیا کہ انسانیت شرما گئی۔ پھر کیا تھا ایک دوسرے کو نمک مرچ لگاتے رہے کہ زخم ہرے ہی رہیں اور تیکھا پن بھی برقرار رہا۔ اسی لئے کسی نہ کسی مسلے پر اب بھی جوتم پیزار کرنے پر اتر ہی آتے ہیں۔ پھر اس قدر کیچڑ اچھالتے ہیں کہ چہرہ مہرہ لیپ میں گم ہوجاتا ہے۔ دنیا دیکھتی رہ جاتی ہے کہ نیو یارک، کیا جینوا کیا، تہران کیا، استنبول کیا، بات ناڑے، ایزار، پاپوش تک پہنچ جاتی ہے۔ بیچ بیچ میں ذرا معاملہ زیادہ بڑھ جاتا ہے تو دھمکی کو نیوکلیر کردیتے ہیں اور میزائل گننے لگتے ہیں۔ اور تو اور صحافت کے مچھلی بازار میں بھی نجانے کتنے لفاظی بنگولے داغ دیتے ہیں۔ پھر لگتا ہے کہ ٹی وی اسکرین سے نکل کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوں گے اور چھینا جھپٹی میں گریبان پکڑ لیں گے یا بقول گبر سنگھ ٹینٹوا ہی دبائیں گے۔ سرجیکل اسٹرائک کا شوشہ بھی چھوڑا، مختصر جنگ کا کھیل بھی درمیان میں کھیلا گیا اور اس کے چلتے طنز کے تیر چلتے ہی رہتے ہیں۔ تیر بھی ایسے کہ زہر میں بجھے ہوتے ہیں۔ خیر ابھی جوتیوں میں دال بٹنے کی بات چلی تو پتہ چلا کہاں مملکت خداداد والوں نے انسانیت کا مظاہرہ کرکے کمانڈر کلبھوشن جادو کے اہل خانہ کو ملاقات کی سہولیت مہیا کی لیکن سنا ہے کہ سب کچھ تو ٹھیک تھا پر بات جوتی پر رک گئی جس کے بارے میں کہا گیا کہ اس میں برقی مشین کو لوہے کی چیز محسوس ہوئی۔ ایک طرف جوتی اتاری گئی تو دوسری طرف سے جوتی کا ناپ نمبر آسمان پر چڑھایا گیا پھر کیا تھا دونوں اطراف سے

لوہا لینے کی بات چلی۔ شہر شہر، دفتر دفتر جوتی کا معاملہ زیر بحث رہا۔ یہ انسانیت ہے، ہی ایسی چیز کہ بر صغیر میں اس کا کافی چرچا ہے۔ ملک کشمیر میں بھی انسانیت کو شرمسار کیا گیا۔ وہیں اس کا اتنا چرچا کیا گیا کہ کشمیریت ایک طرف سے بھاگی اور جمہوریت دوسری طرف سے فرار ہوگئی۔ بات جوتی کی ہی ہوتی تو جوتی اتار کر ہی ختم کر لیتے مگر یہ تو کنگن اور زیور تک بھی پہنچی۔ مانا کہ زیور عورت کا گہنہ ہوتا ہے لیکن غالب گورو کی ماں بھی تو صنف نازک تھی اسے بھی تختہ دار پر چڑھانے سے پہلے شوہر سے ملنے کا قانونی اور اخلاقی حق تھا لیکن اسے تو خط کے ذریعے اطلاع پہنچائی گئی جو اسے رسم چہارم کے روز ملا۔ یہ خط کوئی معمولی چیز نہیں سرحد پر ہو تو خاندانوں کو جدا کر دیتا ہے بلکہ لہولہو کر دیتا ہے اور خونی لکیر بن جاتا ہے۔ اہل کشمیر تو کہتے ہیں کہ ان کا خطِ تقدیر ہی منحنی ہے پھر بھلا دونوں ہمسایوں کے درمیان پھنسے ہونے کے سبب ان کا خطِ آزادی نہیں پہنچتا۔ ایسے میں خطِ افضل گھر کیسے وقت پر پہنچ پاتا؟ اور اہل کاشمر تو جیلوں میں تشدد کا سامنا کرتے ہیں۔ زخم پر زخم کھاتے ہیں۔ طبی امداد سے مستثنیٰ ہیں۔ رشتہ داروں سے ملنے پر پابندی ہے۔ اندرونِ ریاست جیلوں میں قید کرنے پر قدغن ہے۔ جوتی کنگن پر اعتراض کرنے والے اہل کاشمر سے معافی مانگنے سے آٹھ سال سے آنا کانی کر رہے ہیں۔ اسے ملک کشمیر میں کہتے ہیں میرا گیا تیرا، تیرا گیا ٹہ ٹیں۔

سب کا ساتھ سب کا وکاس والے مودی مہاراج تو بالکل یک طرفہ ہو گئے اور وہ جو کانگریس وغیرہ پر الزام لگاتے تھے کہ پاکستان اور مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوششیں کرتے ہیں اس کا خود بھی ثبوت دے دیا۔ ایک طرف مملکت خداداد کے ساتھ جوتیوں میں دال بانٹ رہے ہیں دوسری طرف اپنے سکورٹی مشیر کو پاکستانی ہم منصب سے غیر مما لک میں بیٹھ کر گفت وشنید کرواتے ہیں۔ یہ تو وہی بات ہوگئی کہ کانگریس سرکار اگر پاکستان کو عشقیہ خطوط (لو لیٹر) لکھتی تھی مگر مودی سرکار تو ان کے ساتھ ڈیٹ پر جاتی ہے۔ مسلم خواتین کی فکر جب ستانے لگی تو انہیں طاقتور بنانے کے لئے طلاق ثلاثہ کا بل لوک سبھا میں منظور کروایا، کہا کہ مسلم خواتین کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے اور انہیں ان کے شوہر پاؤں کی جوتی سمجھ کر زندگی سے تین لفظ کہہ کر نکال دیتے ہیں پھر وہ پریشان حال ماری ماری پھرتی ہیں۔ جانے مودی مہاراج نے کیوں اس میں سب کا ساتھ نہیں مانگا، بھلا اتنا بڑا ''شبھ کاریہ'' فقط مسلم خواتین کے لئے ہی کیوں؟ ہندو مہلاؤں کا اصرار

ہے کہ انہیں بھی اس ''وکاس'' میں حصہ دار بنایا جائے بلکہ یشودا بین نے تو باقاعدہ سوال پوچھا کہ مجھے تو میرے پتی دیو نے طلاق کا ایک لفظ بھی نہ بولا تھا یعنی اگر مسلم مرد تین الفاظ کے ساتھ تین سال جیل میں گزاریں بھلا ایک بھی لفظ نہ بول کر کیسے کوئی وزیر اعظم بن سکتا ہے؟ اس لئے ہم نے پوچھا کہ طلاق ثلاثہ بل کیوں؟ بولے مرد لوگ ایسے ہی نکل جاتے ہیں۔ ہم نے پوچھا اور خواتین؟ بولے وہ اپنا انتظام کر لیتی ہیں جیسے کہ یشودا بین نے کیا۔

کٹے جو روز و شب ایسے پریشانی سے مرجاتے ملے رسوائی تو کیا کرتے پشیمانی سے مرجاتے
انہیں تو وقت نے توڑا اور رشتہ داری میں اگرچہ سخت جان تھے وہ، عقد ثانی سے مرجاتے

چلو، اب انصاف کی لاٹری نکل ہی گئی ہے سب کا ساتھ سب کو انصاف کے شور شرابے میں اب مسلم خواتین مزید انصاف مانگ رہی ہیں۔ وہ جو ۲۰۰۲ میں گجرات فسادات میں زنا بالجبر اور اجتماعی عصمت دری کا شکار ہوئیں، جن کے خاندان زندہ جلائے گئے، جن کے پیٹ کاٹ کر مادر رحم سے بچے کھینچے گئے انہیں بھی انصاف ملنے کی توقع ہے۔ چلو مودی سرکار اب کی بار انصاف بانٹ ہی رہی ہے، کون جانے انہیں بھی انصاف کی پوٹلی فراہم کی جائے؟ ہم تو ممبئی کی عشرت جہاں کے لئے انصاف کی دہائی دے رہے ہیں، ادھر طلاق ثلاثہ کی عرضی گزار بنگال کی عشرت جہاں کنول بردار ہوگئی۔ اب کی بار مودی سرکار فی الحال اپنا کوئی کرشمہ نہ دکھا پائی۔ نہ وہ پندرہ لاکھ کھاتوں میں جمع ہوئے نہ وہ بے ایمان سیاستدان ہی جیلوں میں ٹھونسے گئے، البتہ جو کچھ آس پاس ہوتا ہے اس کا کریڈٹ لینے میں بالکل نہیں چوکتے۔ کھلاڑی تمغہ جیتے تو بھاجپا سرکار سے، امتحان میں کامیابی تو بھاجپا سے، اب تو سعودی سرکار نے مسلم خواتین کو محرم کے بغیر حج پر آنے کی اجازت دی تو مودی سرکار یہ کریڈٹ بھی اپنے نام کرتی ہے۔ ہو نہ ہو سعودی عرب کی مطلق العنان حکومت پر بھی اب کی بار مودی سرکار کا قبضہ ہو گیا ہے یعنی جو کھانا کھائے وہ مودی سرکار سے، جو مارا جائے وہ اپنی بلا سے۔ بھائی لوگو! اپنے بھیجے میں تین سوال دیر سے کھلبلی مچا رہے ہیں: اول کیا شاہانِ سعود نے گجرات نرسنگار کے نامدار مودی سرکار کو اپنے سویلین ایوارڈ سے اتنا زیادہ مذہب دار کیا کہ وہ طلاق ثلاثہ کو جیل کا کھیل اور بلا محرم حج کا طرف دار ہو گیا؟ دوم کیا شاہ سلمان نے ٹرمپ کو سونے کی تلوار دے کر قدس کا تھانیدار بنایا کہ وہ یروشلم میں اپنا گھر بار سجانے لگا؟ کیا

تصدق مفتی کو سیر وسیاحت کا منصب دار بنا کر قلم دوات نے زخموں کی مرہم چھوڑے سیلف رول کا گھر سنسار بسایا؟ مجھے جواب کا انتظار ہے۔ رہی اپنی بے یار و مددگار جنتا، اُن کے لئے مفت مشورہ ہے۔

مالی مدد مل جائے گی آپ کے بیوی بچوں کو
آپ تسلی سے مر جائیں باقی کام ہمارا ہے

جاتے جاتے یہ دلچسپ خبر کہ کارسیوک بلبیر سنگھ جو بابری مسجد ڈھانے میں پیش پیش تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد آج کل خستہ حال مساجد کی مرمت و آرائش میں مدد دینے میں مصروف ہے۔ چلئے کار جہاں دراز ہے۔۔۔۔

Published 8/1/2018

* * *

وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

ہم تو عام خام لوگ ہیں، راجہ نہیں پرجا ہیں، صاحب اقتدار و اختیار نہیں بلکہ دبے کچلے مردم ناپائیدار ہیں، اسلیئے تماشائے اہل سیاست دیکھتے ہیں۔ مانا کہ یہ تماشہ دیکھتے اور پرکھتے ہیں لیکن اس بارے میں کچھ کہنا اپنے بس کی بات نہیں۔ کہیں گے تو سیاسی چودھری مونچھوں پر تاؤ دیکر پیچھے پڑیں گے، وردی پوش درندر جھنڈا ڈنڈا ہاتھ میں لیکر ہمیں دبوچ لیں گے، وطن پرستی کے گیت گانے والے سینگ مار، ترشول بردار گھیرا ڈال کر آلتی پالتی مارنے پر مجبور کریں گے۔ اسی لئے ہم کٹتے ہیں، مرتے ہیں بلکہ دن دھاڑے گولی کا شکار بنتے ہیں اور ہماری طرف سے کوئی سوال نہیں پوچھتا۔ اگر کوئی سوال پوچھتا ہے تو وہی جو ماضی میں پوچھے گئے سوالات کا جواب نہیں دے پایا، کیونکہ کل اسکے ہاتھ سے مرے آج دوسروں کے ہاتھوں مر رہے ہیں۔ کل وہ ہمارا خیر خواہ بنا پھرتا تھا آج اسے ہمارا دکھ درد ستاتا ہے۔ ہم نے تو کرکٹ میدان میں مملکت خداداد کا ترانہ گایا تو پکڑے گئے۔ بھلا ہم نے کسی ترانے کی بے عزتی تو نہیں کی کہ دیش دروہ کا کیس بنتا۔ اسی لئے ہم بس سننے کا کام کرتے ہیں اور جو کچھ سیاسی قلا باز بولتے ہیں اسے دانائے راز مان کر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ اب تو ہماری گردن خم ہوتے ہوتے اس قدر ٹیڑھی ہوگئی ہے کہ سیاسی رہزن ہماری گردنوں کو اپنی نشست بنا کر آرام وسکون سے ہماری ہی چھاتی پر مونگ دلتے ہیں۔ وہ ہل چلاتے ہیں ہم واہ واہ کرتے ہیں۔ وہ قلم دوات سے فتویٰ لکھتے ہیں ہم لبیک کہتے ہیں۔ وہ ہمارے ہی خون سے سینچ کر کنول کے پھول اگاتے ہیں ہم اف نہیں کرتے۔ وہ پنجہ مار کر ہاتھ صاف کرتے ہیں ہم معاف کرتے ہیں۔ وہ ہتھوڑے سے ہماری ہڈیوں سے چٹک چٹک آوازیں نکال لیتے ہیں اور ہم ہیں کہ اسے مدھر سنگیت سمجھ کر تال سے تال ملاتے ہیں۔ بس تو پھر سنتے جایئے کہ تماشائے اہل

سیاست کیا ہوتا ہے۔ ابھی ہل والے قائد ثانی بانوئے کشمیر کی طرفداری کرنے کیلئے الفاظ تول ہی رہا تھا کہ بھارت پاک مذاکرات ناگزیر ہیں اور یہ کہ پڑوسیوں کے درمیان اور اپنے ملک کشمیر میں امن کی لہر پیدا کرنے کیلئے مملکت خداداد کے نام لو لیٹر بھیجنے کے بجائے اور ڈیٹ کرنے کے بدلے بالمشافہ زبان گیلی کرنی پڑے گی۔ منہ سے میٹھے بول بولنے پڑیں گے۔ یعنی کچھ میٹھا ہو جائے کا Jingle گانا پڑے گا۔ اسی دوران اپنے نیشنلی ٹویٹر ٹائیگر نے بھری اسمبلی میں للکار کر کہا کہ ملی ٹنٹوں کی ہلاکتوں پر فخر نہ کریں بلکہ تین برس میں کتنے برہان وانی پیدا کئے اس کا حساب دیں۔ بات تو صحیح ہے کہاں ہل والی سرکار کا ریکارڈ اس معاملے میں کہیں بڑا اور چوڑا ہے بلکہ بے حساب ہے۔ غیر مسلح احتجاج کرنے والوں کی گنتی تو سوا سینکڑہ پار کر گئی پھر قلم دوات والے کیا اپنی کہانی لکھ بیٹھے۔ اپنے ملک کشمیر میں تو کسے نہیں معلوم بے حساب طاقت کا استعمال حکمرانوں کا بڑا پن ہے۔ یعنی مارو، کاٹو، اندھا کرو اور پھر اعلان کرو کہ ہم تحقیقات کریں گے۔ قصورواروں کو سزا دیں گے۔ امن کی بات کرو، تشدد مسلے کا حل نہیں۔ یہی فتویٰ جاری کرو، یہی سیاسی بیان جاری کر دو۔ یعنی بلے بن کر چوکے چھکے اڑاؤ پھر ایمپائر بن کر اپنے طریقے سے آؤٹ کرانے کی انگلی لہراؤ۔ انگلی جو لہرائی تو مرنے والے کے خلاف ایف آئی آر درج کراو کہ بدقسمت تو سرکار کے خلاف جنگ لڑ رہا تھا۔ جب ایسا ہوا تو مظلوم ملزم بن گیا۔ مارا گیا تو فائل ہی بند۔ البتہ جس نے مارا اسے انعام کے لئے نامزد کرو۔ اتنا ہی نہیں نیشنل کے ٹویٹر ٹائگر نے چڑیا اڑا کر بانوئے کشمیر کے نام سیاسی نامہ کہہ ڈالا کہ بس تین سال، تیری وزارت کے تین سال، فقط تین سال یاد کرو اور اپنے مرد مومن والد کی وزارت کے تین سال سے موازنہ کرو۔ پھر دیکھو پرکھو۔ کہاں اس کے خواب وخیال کہاں اس کی تعبیر۔

یوں نہ خوابوں میں آیا کرو میرے لیڈرو
دل ہے نازک ہمارا سہم جاتے ہیں گیڈرو

کہاں تمہارے کنول برداروں کی معیت میں تین سال یعنی کہاں ایک ہاتھ میں دوات اور دوسرے میں قلم۔ پھر وزارت کی کامیابیاں تحریر ہوتی تھیں اور اب تو دوات میں روشنائی سوکھ رہی ہے لیکن کنول کو پانی مل رہا ہے۔ ادھر اپنے نیشنلی Toothless ٹائگر یعنی قائد ثانی نے بانوئے کشمیر کو شاباشی دی جو بھارت پاک مذاکرات سے متعلق بیان دے ڈالا کہ یہ بات چیت ناگزیر ہے۔ واہ جو کل تک بم بارود

کی باتیں کرتے تھے وہ آجکل امن کی فاختہ اڑا رہے ہیں۔ اسے ہی تو تماشائے اہل سیاست کہتے ہیں۔

نیشنل کے ہل بردار تو تین سال کا حساب مانگتے ہیں ہم تو تیس سال کا اکاؤنٹ ڈھونڈھ رہے ہیں کیونکہ ان برسوں میں تو قلم دوات والے مملکت خداداد کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔ سبز پرچم، سبز لباس بلکہ سبز روشنائی بھی۔ یہاں تو سبز کے نام پر ہم نے تماشائے اہل سیاست کئی بار دیکھے ہیں۔ کبھی سبز رومال میں نمک کی ڈلیاں بندھی تھیں اور پھر سبز پھرن نمودار ہوا۔ کسے معلوم تھا کہ سبز گھاس پر ان کے ساجھے دار بھگوا رنگ چڑھا دیں گے۔ اسی لئے تو قلندر نما ممبر نے کرکٹ کھلاڑیوں کے ساتھ سبز کا استحصال کرنے والوں کے خلاف بھی پرچہ کاٹنے کی مانگ کی کہ بے چارے کو گھسیٹ کر ایوان سے بے دخل کر دیا۔

بدل دوں گا شیرینی سے اپنی تلخ گوئی کو
کریلے کو چقندر مالٹا کو آم لکھوں گا
میں کسی لیڈر کو اب ظالم لکھ نہیں سکتا
اب آئندہ سے تم کو خادم اقوام لکھوں گا

سنا ہے صحافت کے مچھلی بازار میں سب سے باتونی چینل پر بڑا اٹر ٹر ہوا اور ملک کشمیر کی خبر گیری کرنے وہ پہنچ ہی گئے جنہیں ہر کشمیری مملکت خداداد کا ایجنٹ دکھتا ہے۔ اچانک اس چینل کو عوام کی صحت یاد آئی اور وہ بقول شخصے ایس کے انسچوٹ آف سیاست کا پوسٹ مارٹم کرنے پہنچے۔ ویسے ہونا تو یہ چاہئے کہ انسچوٹ میں بیماری کی تشخیص ہو لیکن الٹا صحافت کے ماہر جراح اپنے آلات لیکر پہنچے اور اندر باہر سب کا آپریشن کر ڈالا۔ پھر کیا تھا اپنی مخلوط سرکار مچھلی بازار کا شور برداشت نہ کر پائی بلکہ اچانک ڈری ڈری، سہمی سہمی دکھائی دی۔ جو کوئی صحافت کے جراحوں کو بیمار نظر آیا اسے اقتدار اعلیٰ کے دفتر منسلک کر دیا مگر اپنے لوگوں کو کب سے ہر بات میں غیر ملکی ہاتھ نظر آتا رہا ہے بھلے وہ امیرا کدل پل کی تیز چڑھائی ہو یا گھوڑے بان کی تھکان، پھر سکمز ڈایریکٹر تو بڑی ہستی ہے۔ نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر نے باضابط اعلان کر دیا کہ سکمز کی تبدیلیوں میں بھی فارین ہینڈ ہے۔ کیا پتہ فارین ہینڈ میں کوئی "منظور" سیاست ہی پر تول رہا ہو۔

چلو جی اس نے فارن ہینڈ کی بات کی لیکن ہمیں لگتا ہے کہ کنول برداروں کا ہاتھ ضرور ہوگا

کیونکہ انہیں تو ہر معاملے میں انگلی کرنے کی بری عادت ہے۔ اس حد تک کہ اجتماعوں میں لوگوں کی شرکت بھی بھاجپا والے اپنے حساب سے بڑھا دیتے ہیں جسے عرف عام میں فوٹو شاپ کہتے ہیں۔ شاید اسی لئے بعض حزب اختلاف لوگ بی جے پی کو بھارتیہ جن فوٹو شاپ پارٹی کہتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ دوسری سرکاروں کے کام کاج میں بھی مداخلت کر دیتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو یوگی آدتیہ ناتھ کا دوسرے سی ایم کو مشورہ سن لو۔ کرناٹک سی ایم اگر ہندو ہے تو بیف بین کر دے۔ واہ کیا بات ہے ایک طرف گوا کا وزیر اعلیٰ کرناٹک سے بیف کی درآمد کرنے کا خواہاں ہے اور دوسری طرف شمال مشرق ریاستوں میں بیف بین کی کوئی بات نہیں کیونکہ وہاں انتخابات ہونے والے ہیں۔ ارے بھائی یا تو گائے کو ممی رہنے دو یا اسے پوری طرح یمی (Yummy) بناؤ۔ یہ شہر شہر بانٹنے کی بات کیا ہے۔

یوگی کا مسلہ فقط حیوان ہی نہیں بلکہ رنگ بھی اسے بھگوا چاہئے۔ اتر پردیش میں عمارتیں کیا، گاڑیاں کیا اور اب حج ہاؤس کیا۔ سب کا بھگوا کرن کرا دیا۔ دروغ بر گردن راوی جس نے ہری ہری گھاس کو بھی بھگوا رنگ کرانے کی کوشش میں گائے کو ناراض کر گئے کیونکہ گائے تو ہری گھاس کے بدلے کوئی رنگ پسند نہیں کرتی۔ مطلب رنگ کے معاملے میں گائے اور یوگی کے بیچ ٹھن گئی۔ جس گائے کو یوگی مہاراج ممی پکارتے وہ تو پیار میں کمی کی نشاندہی کر بیٹھی۔

نعرے ہر سمت لگے، شور ہوا، رنگ بدلا
رنگ بدلتے بھارت میں انسان کی قیمت کوئی نہیں

یہ کنول بردار اب سائینسی معلومات میں بھی انگلی کرنے لگے ہیں۔ کہاں ماضی کے زبردست سائینسدان اور کہاں کنول بردار اہل علم۔ اب کی بار مودی سرکار کے ایک چیلے راجستھان کے وزیر تعلیم نے نئی کہانی سنائی تو ہم دنگ نہیں رہے کیونکہ تاریخ تو وہ بدلنے پر پہلے سے تلے ہیں اب تو سائینس بھی نشانہ بنا اور سائینس دان بھی۔ وہ جو نیوٹن صاحب تھے ان پر بھی نشانہ سادھا کیونکہ بقول وزیر تعلیم نیوٹن کیا جانے، برہم گپتا دوم نے نیوٹن سے ایک ہزار سال پہلے زمینی کشش کا قانون پیش کیا تھا۔ مطلب جس سیب کو نیوٹن نے گرتے دیکھا اور قانون ثقل پیش کیا اسے برہم گپتا دوم قاش قاش کوئی ہزار سال پہلے نگل گیا تھا۔

Published 22/1/2018

جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

جانے کیوں سب کو سانپ سونگھ گیا، کوئی بات نہیں کرتا، کوئی شور نہیں مچاتا، کوئی سڑکوں پر آکر نعرے بازی نہیں کرتا، سیاسی بیان بازی کے لئے الفاظ نہیں، کالم نگاروں کے قلم کی روشنائی سوکھ گئی۔ ویسے تو یہاں روشنائی کنول کھلانے کے کام آتی ہے، اسی لئے شاید آصفہ کا خون ہی چاہئے نئی داستان لکھنے کے لئے۔ نہیں تو ننھی سی جان سات دن تک مردار خور گدھوں کی شکار نہ بنتی

جان و عزت دے گئی معصوم آصفہ
کیا یہی مرد مومن کا خواب تھا

اسے تو ڈیوٹی دی گئی تھی کہ سرحدوں کی حفاظت کرو، کیونکہ سرحد پہ جنگ ابھی جاری ہے، کون ہے جو لاشوں کا بیوپاری ہے مگر وہ تو استادوں کا استاد نکلا۔ اپنے ملک کشمیر کے چلہ کلان کی سردیوں میں منفی درجہ حرارت میں بیان بازی کا تیل ڈالا اور ماحول گرما گرم کر دیا۔ ہم جو اپنے استادوں سمیت کانگڑی تاپے، کھڑکیوں پر پالی تھین چڑھا کر اندر بیٹھ کر چلہ کلان کا لمحہ گزار رہے تھے۔ کہیں کہیں ہریسہ زعفرانی کی خوشبو میں بجٹ کے ہندسوں کا حساب لگا رہے تھے۔ اور اس سرد ماحول میں کبھی کبھار ہڑتال کال کا مزہ لوٹ رہے تھے کہ اچانک ماحول گرما گیا۔ بجٹ کے ہندسے اب کی بار ذرا پہلے ہی آ گئے اور کوئی ہو نہ ہو پر اپنے ملازمین بشمول اساتذہ بڑے شاد دکھتے ہیں۔ اپریل میں ساتویں تنخواہ کمیشن کی سفارشات کی مٹھائی شوگر بیماری کے ڈر کے بغیر منہ میں دبائے رکھے خوش و خرم گھومتے ہیں۔ ہم تو اسے دھمکیاں دینے والا سالار ہی سمجھتے تھے کہ آئے دن مملکت خداداد کو نامہ خشم بھیجتا ہے کہ بھائی لوگو! ہوشیار خبردار ہم تو بس آنے ہی والے ہیں۔

میزائل کی مانند ہمارے فوجی پدھاریں گے۔ نہ جانے کتنوں کو ماریں گے اور پھر اپنے جسم پر خراش لئے بغیر ہی واپس لوٹیں گے۔ اتنا ہی نہیں ہم تو ڈھائی سرحدوں پر جنگ لڑنے کی شمتا رکھتے ہیں۔ کبھی کبھار تو ہم سوچتے ہیں کہ اتنی دھمکیاں تو شمالی کوریا کا جنگ باز صدر بھی ڈونالڈ ٹرمپ کو نہیں دیتا کہ میزائل اڑ رہے ہیں کہیں تمہارے بال نہ بکھر جائیں۔ خیر بات پبن راوت کی چل رہی تھی کہ اپنا محکمہ ضرب وحرب ایک طرف چھوڑ کر ملک کشمیر کے اساتذہ پر برس پڑا کہ یہ تو دو دو نقشے دکھاتے ہیں۔ اور ہمارے اساتذہ تو قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تو ایک بھی نہیں دکھاتے اسی لئے ہمارے امتحانی نتائج پر غور کرو تو سمجھ آئے گا کہ ہم جو کہتے ہیں، سچ کہتے ہیں، سچ کے سوا کچھ نہیں کہتے۔ ایسا جو اساتذہ نے کہہ دیا تو وزیر نقشہ جات و تعلیمات بپھر گئے کہ صاحب ہمارے پاس نقشے ہیں بلکہ برابر دو دو ہیں لیکن ہمارے اساتذہ دکھاتے سکھاتے نہیں۔ کب سے انہیں الماریوں میں بند رکھے ہیں۔ اور ان پر یہ الزام غلط اور سراسر بے بنیاد ہے کہ وہ نقشہ نکال کر سکھاتے ہیں، پڑھاتے ہیں۔ بھلے وزیر تعلیم اپنے محکمے پر ایسا بہتان کیوں برداشت کریں کیونکہ جو کام کیا نہیں اسکا الزام ان کے سر کیوں تھوپا جائے۔ ہماری الماریوں میں تو نقشہ جات دھول کے نیچے دبے ہیں یا پھر سلور فش کی خوراک بنے ہیں۔ یقین نہ آئے تو پرکھ لو ان نقشہ جات میں کیڑوں نے اس طرح لائنیں کاٹ دیں ہیں کہ کہیں کشمیر تو کہیں شمال مشرقی ریاستیں باقی نقشے سے الگ دکھتی ہیں۔ لیکن اس پردیش دروہ کا مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا بلکہ کیڑے مار دوائی کی ضرورت ہے۔

اسکولوں میں دوہری پڑھائی ہے
ہم پہ الزام بے وفائی ہے

وزیر تعلیم نے فوراً بھانپ لیا کہ سپہ سالار تعلیم کا نیا طریقہ سامنے لانے کی شاید سوچ رہے ہیں جس میں لوہے کا قلم، خون کی دوات اور انسانی کھالوں کو کاغذ بنا کر لکھنے کی ترغیب دیں کہ وہ اپنے دور میں وہی کچھ کرتے آئے ہیں۔ اور جو شاگرد ڈسپلن کا مظاہرہ نہ کریں انہیں گاڑیوں کے بانٹ ہی نہیں بلکہ سکولی عمارتوں کی چھتوں سے باندھا جائے گا۔ پھر جو باقی بچے دیکھیں گے تو خود ربط و ضبط نہ سہی لیکن ڈر اور خوف ان کے اندر سرایت کر جائے گا جس کے سبب وہ وردی پوش کو دیکھتے ہی تھر تھر کانپ جائیں گے۔ شاید اس کے چلتے یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گے کی آواز

دب جائے گی۔ مزید برآں اس طرح باندھنے والوں کو انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ مگر وزیر تعلیم تو کچھ نہیں کہتا گر اسے اپنی پارٹی کے قلم دوات کی فکر نہ ہوتی۔ وہ تو قلم دوات پر جملہ حقوق محفوظ سمجھتے ہیں کیونکہ اسی سے ان کی سیاسی بقا قائم ہے۔ کسے نہیں معلوم کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا جو اسے قلم دوات کی روایتی عزت افزائی نہ کرنے کی پاداش میں کئی مہینے وزارت کی پری کا دیدار نہیں کرنے دیا گیا۔ مشقت کے بعد جو کرسی ہاتھ لگی تو اس پر سپہ سالار کی تنقید کہاں برداشت ہوتی۔ اپنے قلم سے فتویٰ لکھ ہی ڈالا کہ وردی پوش اپنے کام سے کام رکھیں جبھی تو سرحدوں سے کوئی گھس نہیں پائے گا۔ یعنی دونوں آنکھیں اپنے کام پر ٹکائے رکھو، منہ کو بھی قابو میں کرو، سرحد کی گھس پیٹھ روکتے روکتے دوسرے محکموں میں گھسنے سے باز آؤ

افسپا میں اک سفر یاد آیا
ہر طرف تفتیش دِگر یاد آیا

ویسے سپہ سالار کے بارے میں وزیر تعلیم ہی خفا نہیں ہوئے بلکہ تحریک مدافعت کے لوگ بھی روٹھے روٹھے ہیں کہ اس نے انہیں بھی للکارا کہ بھائی لوگو اب کی بار آپ کو بھی بندوق برداروں کی فہرست میں شامل کیا جائے گا۔ دروغ برگردن راوی جس نے یہ کہا کہ سپہ سالار کشمیری دلوں میں اپنی فوجی دوربین و خوردبین سے دیکھنے کا اہل ہے جبھی اسے ملک کشمیر کے دل و دماغ میں نقاب پوشوں کے تئیں محبت میں کمی دکھائی دی۔ اور اعلان کر دیا کہ کشمیریوں کی مطلوبہ خواہش کی تکمیل ناممکن ہے۔ یہ اور بات کہ بندوق برداروں کے جنازے میں میدان بھر جاتے ہیں، عیدگاہوں میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی اور نماز جنازہ بھی کئی بار پڑھنی پڑتی ہے۔

بھارتی سپہ سالار کے بارے میں چینی نمائندہ بھی چیخ اٹھا کہ بھارتی سالار کا بیان غیر تعمیری اور سرحدوں پر امن قائم کرنے کے خلاف ہے۔ ایسے میں ایک دلچسپ خبر آئی کہ ایک چینی کمپنی نے ایسا کپڑا ایجاد کیا جس کے پیچھے انسان غائب ہو جاتا ہے۔ ایک منٹ کے ویڈیو میں ایک آدمی کو چلتے پھرتے دکھایا گیا لیکن جیسے ہی وہ پردے کی طرح اس کپڑے کو اپنے سامنے ڈالتا ہے تو وہ آدمی غائب ہو جاتا ہے۔ ڈر اس بات کا ہے کہ اگر اس کپڑے کا لباس پہن کر چینی فوجی بھارتی سرحد میں داخل ہوئے تو کیا ہو سکتا ہے؟ البتہ یاد رہے مال چینی ہے جس کی گارنٹی ہم

دینے کو تیار نہیں۔ اس دوران یہ خبر آئی کہ چینی فوج شمالی ڈوکلام میں بکتر بند گاڑیوں اور سات ہیلی اڈوں کے ساتھ داخل ہوگئی اور وہاں دوسری فوجی تنصیبات تعمیر کی ہیں جن میں سڑک اور بنکر شامل ہیں۔ کون جانے وہی کپڑے زیب تن کئے ہوں جن میں آدمی دکھتا نہیں۔ ایسے میں بھارتی دعوی کہ پانچ مہینے پہلے چین کے ساتھ معاملہ نپٹ گیا شاید اسی چینی کپڑے کی اوٹ میں سرک گیا اور وہ معاہدہ کہیں نظر نہیں آتا۔ اب انتظار ہے کہ چین پر سرجیکل اسٹرائک کب ہوگی؟ سنا ہے سکورٹی ایڈوایزر بھاجپا الیکشن میں رول نبھا رہا ہے بلکہ وزیراعظم کے لئے مشروم کی خریداری بھی اسی کے ذمہ ہے پھر سرجیکل اسٹرائیک کون ترتیب دے؟

اب کی بار مودی سرکار نے باقی سارے کام جو نپٹا لئے تو پاسپورٹ کلر اسکیم پر اس کی نظر پڑی۔ عام لوگ اور ارباب اقتدار کے درمیان جہاں قسمت میں تفاوت ہے ایسے ہی پاسپورٹوں میں بھی ہونا چاہئے، یہ انہیں سوجھا۔ دلت جو جھاڑو کمر سے لٹکائے پہچانے جاتے ہیں، مسلمان جو مخصوص ٹوپی سے نظر آتے ہیں، خود شدت پسند جو ترشول ہاتھ میں لئے پہچان میں آتے ہیں ایسے ہی ہوائی اڈوں وغیرہ پر بھی دکھنے چاہئیں۔ پاسپورٹ کا رنگ تبدیل کرنے کا جو مودی سرکار نے من بنایا تو سنا ہے کہ میرون کلر وی آئی پی یعنی ارباب اقتدار کے پاس ہوگا، سفید رنگ کا پاسپورٹ افسروں یعنی ارباب اختیار کے پاس ہوگا، عام خام لوگ ڈارک بلیو، بھگوا رنگ دوسرے درجوں کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ ہم سوچ میں ڈوب گئے ہیں کہ پڑھائی سے متعلق جو اسناد پیش نہ کر پایا بھلے ہی وہ وزیراعظم بھی بنا ہو کیا وہ دوسرے درجے کا رنگ والا پاسپورٹ لیکر خوش رہے گا۔ ادھر اپنے ملک کشمیر میں ممبران قانون سازیہ کو شکایت ہے کہ وزرا اور بیروکریٹ ممبران قانون سازیہ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یعنی ہم تو عام خام لوگ ہیں ہماری بھلا کوئی کیوں سنے مگر ارباب اقتدار جنہیں ہم عرصے سے سمجھ رہے ہیں انہیں بھی کوئی بھاؤ نہیں دیتا۔ مطلب ان کا پاسپورٹ بھی دوسرے درجے کے رنگ والا ہی ہوگا۔

وہ تو اسے حج سبسڈی کہتے ہیں یعنی حج کے اخراجات میں سرکار کی طرف سے کچھ کمی اور سالہا سال اسی مغالطے میں مسلم قوم کو مشغول رکھا۔ کہ ہم ہیں جن کو آپ کی فکر ہے اور پنجہ مار کر ہاتھ کے لئے ووٹ چھینتے رہے۔ ادھر کنول برداروں کی آنکھ میں یہ سبسڈی شہتیر کی مانند تکلیف

دیتی رہی۔ روز اول سے اسکو ختم کرنے کے درپے تھے اب تو حکم نامہ بھی جاری کردیا۔ سیدھی سادھی مسلم قوم اس سبسڈی پر خوشی سے پھولے نہ سماتی تھی لیکن انہیں کیا معلوم یہ سبسڈی تو حج کے نام پر بھارت کی قومی ہوائی کمپنی ائر انڈیا ڈکارتی تھی۔ مسلم قوم کا نام دے کر ائر انڈیا کا وہ مہاراجہ کھاتا تھا جو اندر سے کھوکھلا ہوگیا تھا بلکہ دیوالیے پن کی دہلیز پر تھا۔ یقین نہ آئے تو مختلف ہوائی کمپنیوں کے دلی جدہ ریٹ دیکھو کہاں ایرانڈیا کا پچیس ہزار سے اوپر اور کہاں باقیوں کا تیرہ ہزار کے آس پاس۔

بزرگ حج کیا کرتے تھے جتنے پیسوں میں
اب اس رقم میں احرام نہیں آتا

ائرانڈیا کے نام پر مسلم قوم پر احسان کرنا اور باقی مذاہب کے لئے سرکار کا پورا دھیان اس طرف۔ امرناتھ یاترا کے لئے تمام سرکاری مشینری جانے کیوں کنول برداروں کو نظر نہیں آتی۔

فرقہ پرستی اور بدامنی کے ہاتھوں دلوں پر خوف طاری رہے گا
حکومت بھی یہی فرما رہی ہے ترقی کا سفر جاری رہے گا

* *

آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

ٹی وی کیا اخبار کیا، گلی کیا بازار کیا، امیر کیا نادار کیا، شور تو بہت ہے بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ۔ پر یہاں تو چونکہ باوا آدم نرالا ہے اسلئے نعرے میں ذرا تبدیلی ہے۔ اپنے یہاں تو بیٹی پٹاؤ بیٹی کٹاؤ بیٹی سلاؤ البتہ بیٹی کے مجرم کو کسی بھی قیمت پر بچاؤ کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اور اگر بیٹی نربھے نہ ہو آصفہ ہو تو مجرم بچاؤ مہم میں ایکتا سے کام لو، گنگا کی امداد حاصل کرو، ماحول ہی لال کردو۔ وردی والوں سے مدد لے کر اہم شواہد مٹاؤ، کپڑے دُھل کر فارنسک لیب بھیجو تا کہ کوئی نشان باقی نہ رہے۔ اس پر طرہ یہ کہ کیس کی تحقیقات اپنی پولیس سے نہیں مرکزی سرشتے سے کراؤ۔ جانے سیدھے الفاظ میں کیوں نہیں کہتے کہ کنول برداروں کو جو من بھایا تو کیس ہی کاٹ کر کھایا۔

ہم نے تو اس بات پر بہت افسوس کیا کہ چلہ خاندان بھلے ہی اس سال وارد کشمیر تو ہوا لیکن خشک خشک ایسے گزرا مانو رگوں میں خون نہیں، منہ میں دانت نہیں پیٹ میں آنت نہیں، کسمپرسی کی حالت میں آیا ناداری کی صورت میں چلا گیا۔ کسی نے نام نہ لیا، کسی نے خیر خبر نہ پوچھی۔ چوری چھپے آیا اور دُم دبائے بھاگ گیا کوئی نام لیوا بھی نہ دیکھا۔ بھلا ہوتا بھی کیسے کوئی سفید چادر تک نہ پھیلا پایا، کہیں کیچڑ جمانے کے لئے دو بوند پانی نہ برسایا۔ اپنے یہاں تو دو بوند زندگی کی پلاتے ہیں اور اس کا چرچا اس قدر کرتے ہیں کہ پانچ سال کے بچے کیا پینسٹھ سال کے بزرگ بھی یہ بوند پینے کے متمنی ہوتے ہیں کہ جیسے بھی گزرے لیکن زندگی تو ہے۔ پھر ہم نے سوچا تھا بلکہ چاہا تھا کہ چلہ خاندان کی ماگریشن کے ساتھ ہی اپنے ملک کشمیر میں نئی صبح کا آغاز ہوگا۔

دھوپ پھیلی گی، پھول کِھلیں گے، اِسکول کھلیں گے، تعلیم کا نور پھیلے گا، چہل پہل سجے گی، پرندوں کی اڑان ہوگی مگر ہمیں کیا معلوم کہ اِدھر ہندوستان ہے، اُدھر پاکستان ہے اور لوگ تو کہتے ہیں اپنا ملک کشمیر جنت نشان ہے۔ گلوں بھرا گلستان ہے۔ یہاں آبشاریں ہیں، بیابان ہیں مگر دیکھنے کو تو یہاں لہوارزاں ہے۔ شہر شہر، گاؤں گاؤں، قریہ قریہ آہ وفغان ہے۔ بستی بستی انگشت بدنداں ہے۔ خوف ودہشت کا سماں ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اپنا ملک کشمیر اب پروبستان ہے کہ ہر واقعے، المیے کی تحقیقات کرانے کا اعلان ہے یعنی دانت بھی ہے اور درد دندان بھی، کیونکہ ہر قطرہ خون کا حساب لینے کا فرمان ہے۔ ابھی ایک معرکے کے تانے بانے جڑے نہیں کہ دوسری خبر موصول ہوتی ہے۔ پھر ہر بستی شوپیان بن جاتی ہے کہ مر بھی جاؤ لیکن کسی وردی پوش سے استفسار نہ کرو اور اگر کہیں صاحبان اقتدار نے جرات کا مظاہرہ کر کے رپورٹ درج بھی کروائی تو مالکان سیاست میدان میں کودیں گے، ایف آئی آر پر سوال اٹھائیں گے، صحافتی مچھلی بازار میں شوروغوغا ہوگا، کچھ باقی بچا تو عدالتی نظام میں جوابدہی ہوگی۔ ابتدائی رپورٹ پر قدغن لگے گی۔ پروب کی اینٹ سے اینٹ بجے گی، تحقیقات کا پرزہ پرزہ اُڑے گا، انصاف کے ترازو کی ڈنڈی بھونچال سے لرزے گی، انصاف کی دیوی کی آنکھوں پر پٹی پڑی رہے گی مانو اِدھر قوت گویائی پر قدغن ہے ادھر شنیدن و دیدن پر پہرے ہیں۔ خون بہتا رہے گا اور کسی سے پرخاش نہیں کہ وہ تو صاحبان اختیار ہیں۔ ان کے جسم پر مخصوص وردی، کندھے سے لٹکے مہلک ہتھیار ہیں، افسپا کا انصاف پروف جیکٹ زیب تن ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ابھی ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہ ہوئے کہ تین کے بعد پانچ مارے اور جو لیبل چپکانا چاہا وہ نام دے دیا۔ کبھی سنگ باز کے نام پر، کہیں آتنک واد کی دہائی دیکر اور اب بالائی ورکر کی فہرست تیار کر کے فہرست لمبی کرائی جارہی ہے۔

ایسے میں کسمپرسی کی حالت میں جمہوری تماشے سے چنے گئے لوگ بس مذمتی بیان دینے پر اکتفا کر گئے۔ خون بہا کے نام پر چند سکے منظور کئے۔ مانا کہ صحافت کا ایک مچھلی بازار ہے لیکن حاشیے پر ہی سہی کچھ تو ضمیر کے قیدی بھی ہیں کہ آواز اٹھاتے ہیں قلم کو جنبش دیتے ہیں اور اسی سے تلوار کا کام لیتے ہیں۔ حق تو یہ کہ ایسا کرنا دودھاری تلوار کے مترادف ہے۔ یقین نہ آئے تو وہ نصیحت یاد کرو جو محترم المقام اے این آئی نے دے ڈالی کہ اچھے صحافی کا کام ہے وہ سرکار کے

تعمیراتی ایجنڈے کی پذیرائی کرے، آگے بڑھائے، اسی کی جے جے کار کرے۔ یعنی بھلے ہی طول وعرض میں ہاہا کار ہو لیکن کوئی سوال نہ اٹھائے بلکہ سرکار کی بیان بازی کو حرف آخر تصور کرے اس پر یقین لائے، اسی کے حق میں بینڈ باجا بجائے بلکہ بارات بھی لیکر جائے، پھولوں کے ہار پہنائے، اور اگر کوئی مخالفت کرے اسے دیش دروہی کہلائے۔ نہیں تو شوپیان ہوگا، یوسف کامران ہوگا، داروغہ زندان ہوگا

قاتل کی یہ دلیل منصف نے مان لی
مقتول خود گرا تھا خنجر کی نوک پر

مگر یہ کون ہے جو وردی پوشوں کے بارے میں کچھ غلط ملط باتیں سنا رہا ہے کہ ان کی بندوقیں آئیں بائیں شائیں چلتی ہیں کہ ادھر ہولی کا موسم ہے تو سرخ رنگ بکھیر دیئے اور اگر دیوالی ہو تو آگ اُگلتے پٹاخے پھوڑ دیئے۔ بھلے ہی دیر ہو جائے لیکن کمانڈر صاحب کو تو تین دن بعد احساس ہو ہی جاتا ہے کہ عام سویلین تھے۔ بندوق کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا، یعنی زمین دوز تھے نہ ہی بالائی کارکن۔ بس افسپا کے ان صاف کا شکار ہوئے۔ وردی پوشوں کے غرور کی بھینٹ چڑھے۔ اقلیت دشمن سیاستدانوں کی چاپلوسی تلے روندے گئے۔ ہم تو نوحہ بھی نہیں لکھ سکتے کہ دیش دروہی کی تلوار سر پر لٹکتی ہے۔ شاعر مشرقؒ سے معذرت کے ساتھ

جانے پیران سیلکشن بورڈ کس مٹی کے مادھو ہیں کہ ہر سرکار میں اپنی جگہ بناتے ہیں، اپنا سکہ جماتے ہیں، اپنی دھاک بٹھاتے ہیں، اور پھر جسے چاہیں اسے پروانہ ہاتھ میں تھماتے ہیں کہ چل جا بیٹا عیش کر، عیش ہی کیا یہی پروانہ کیش کر۔ ہم تو سوچتے ہیں کہ مشتاق پیر سے لے کر منصور پیر تک ان کے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں کہ جو سیدھے منہ پاس نہیں ہوتے وہ ٹاپ کیسے کرتے ہیں۔ پھر کہیں ڈاکٹر بنتے ہیں کہیں افسری کی پہلی سیڑھی پار کرتے ہیں کہ آگے کوئی کھائی کوئی پہاڑ پار کرنا نہیں پڑتا جبھی تو کہیں ہوٹل میں بیٹھ کر مزے سے امتحان دیتے ہیں کہ لکھتے لکھتے تھک گئے تو چائے کباب کا آرڈر دیدیا۔ چٹنی کے ساتھ نوش کیا پھر کہیں کوئی نوٹ لکھا اور جب سرکاری نوکری کی بات بنی تو کچن کیبنٹ سے لیکر کچن انتظامیہ ہی کیوں بنتی ہے۔ ایسا نہیں کہ جو امید باندھے تھے وہ بے یارو مددگار ہیں کیونکہ ان کی طرف سے جو آواز اٹھی تو پروانہ ہوا میں اچھال کر بولا گیا

کہ اتنا شور کس لئے، یہ لو اس کا تعویذ بنا کر گلے میں ڈال دو بھلا ہمیں اس کی کیا ضرورت۔ ہم تو فتویٰ دینے والے لوگ ہیں۔ جب پارٹی اپنی، سرکار اپنی، پھر یہ معمولی آرڈر کیا معنی رکھے۔ ایسے میں بانوئے کشمیر نے ایک اور تحقیقات کا حکم دیا۔ ہو نہ ہو انہیں اب خواب میں بھی تحقیقات کے آرڈر دکھائی پڑتے ہوں کیونکہ آخر خواب تو خواب ہے جس نے دیکھا بھلا اسے کون روکے۔ کسی نے نیا کشمیر کا خواب دیکھا تھا کسی نے سیلف رول کا، کسی نے رائے شماری کا اور کسی نے آزادی کا۔ نیا کشمیر تو نیا کشمیر ہریسے کی دوکان بنا اور بائیس سالہ آوارہ گردی پر منتج ہوا۔ سیلف رول والے خواب کی تعبیر مخلوط سرکار اور قطبین کے ملاپ کی نذر رہوا۔ رائے شماری اور آزادی کی تعبیر آئے دن کی ہڑتال کال میں سمائی جا رہی ہے۔

وہ تو بڑے بڑے دعوے کرتے تھے کہ ملک کشمیر کا سیاسی حل نکالیں گے۔ مملکت خداداد سے بات چیت کی بحالی کروائیں گے۔ پھر برصغیر میں امن ہوگا۔ سرحدیں نہیں رہیں گی، کوئی خون نہیں بہے گا، کسی ماں کی گود نہیں اجڑے گی، کوئی بچہ باپ کے سائے سے محروم نہ ہوگا کسی دلہن کا سہاگ نہ اجڑے گا، کسی کی عصمت نہ لٹے گی۔ پر وہ جو کنول والا مادھو گرجا کہ مملکت خداداد سے بات چیت دلی دربار کے اختیار میں ہے تو کہیں سے قلم دوات والوں کی روشنائی میں ابال کیا آتا، لب بھی نہ ہلے، مانو کنول والا سانپ سونگھ گیا ہو۔ ہل والا ٹویٹر ٹائیگر تو ہر بات پر ٹویٹر چڑیا اڑاتا ہے لیکن اس کا کیا وہ تو حزب اختلاف میں بیٹھا ہے۔ اب کی بار سنا ہے کہ بانوئے کشمیر کو وہ طوق یاد دلایا گیا جسے قطبین کا ملاپ، مرد مومن کا خواب کہئے، انقلابی قدم کہئے۔ مانا کہ یہ سب باتیں وزارت کی کرسی کی شکل میں سامنے ہیں کہ اس پر بیٹھا جائے نہ اسے چھوڑا جائے۔ چھوڑنے کی سوچ نہیں سکتے کہ بیروزگار اہل خانہ جائیں گے کہاں اور چپکے رہیں تو دلی دربار میں کبھی کھانسی آئی تو بجبہاڑا میں چھاتی میں درد محسوس ہوتا ہے۔ ناگپور میں کہیں زکام ہوا تو گپکار میں ناک سے رینٹ بہتی ہے۔ جبھی تو سنا ہے کہ ٹویٹر کی چڑیا اڑانے پر بھی پابندی لگی ہے۔ یہ چڑیا کتنے پر پھیلائے اس کی اجازت دلی دربار سے لینی ضروری بن گئی ہے کہ کہیں پر زیادہ پھیلے تو کنول بردار جموں میں اس کے سبب اٹھنے والی دھول ناک، کان، آنکھ میں پاتے ہیں۔ ایف آئی آر پر عدلیہ کی پابندی، ٹویٹر پر کنول برداروں کی ہتھکڑیاں، سیاسی بیان بازی پر اپنوں کی بیڑیاں، جائیں تو کہاں

جائیں۔ جانے ہمیں اپنے اسکول کے دن کیوں یاد آنے لگے۔ وہ جو ہاتھ اٹھا کر ماسٹر جی سے پاس کی اجازت طلب کرتے تھے، ماحول کچھ ایسا ہی بنا ہے۔ ہم تو حیران ہیں کہ مرد مومن نے خوب دیکھا تھا تو کیا دیکھا؟

خیر یہ تو بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں۔ کوئی کس کو بولنے دے، تولنے دے، کہنے دے سہنے دے۔ یہ تو ان کا معاملہ ہے کیونکہ وہ تو راجہ ہیں ہم تو رنک ہیں۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔ لیکن ہمیں تو پہلے بتایا گیا کہ بنک اکاونٹ کھول دو تو فائدہ ہوگا۔ ہم خوشی سے پھولے نہ سمائے کہ شاید وہ پندرہ لاکھ جمع ہونے والے ہیں جن کا وعدہ مودی مہاراج نے الیکشن کے دوران کیا تھا۔ پر ہم تو پتے کی بات کہاں سمجھے تھے کہ اصل میں کسی اور مودی کو فائدہ ہونے والا ہے جو بڑے مودی کے ساتھ تصاویر کھنچواتا ہے۔ بنکوں سے بارہ ہزار کروڑ نکال کر انہیں انگوٹھا دکھاتا ہے کہ میرا نام بدنام کر دیا اب میں کوئی پیسہ واپس نہ دوں گا اور اگر دوں بھی تو فقط پانچ ہزار کروڑ۔

یعنی کھانے والے کھا کر چلے گئے اور ملک کا چوکیدار تھک ہار کر سو گیا، یہی سپنا دیکھتے دیکھتے کہ نہ کھاؤں گا نہ کھانے دوں گا، البتہ کھانے والوں کو اپنے فوٹو میں رکھواؤں گا تا کہ وہ ہر کسی کی پہچان میں آ سکیں۔

Published 12/3/2018

* *

حسیب کے نصیب میں خسارہ دیکھئے

وہ تو بانوئے کشمیر کے لئے مرد مومن تھے، خود کے لئے قطبین کا ملاپ کرنے والے اور تاریخ کا رخ موڑنے والے اہل سیاست اور اب تو سابق وزیر خزانہ نے انہیں اس کا رہبر و رہنما گردانا۔ ہو کیوں نہیں اسے تو قطبین کے ملانے والا ایسا کیمیا بتایا جو فیوی کول سے بھی مظبوط ہو۔ جبھی تو رام کے ساتھ مل کر قلم کنول کا باہمی مادھو اس طرح تراشا کہ دوات کے اندر کنول کے پھول اگتے رہے اور کچھ تو اس حد تک کہتے ہیں کہ ایسے میں دوات کی روشنائی کنول اگانے میں سوکھ گئی۔ خیر ہم تو عام خام لوگ ہیں، ہماری کیا بساط، مرد مومن نے تو اسے اردلیٔ خزانہ مقرر کیا کیونکہ اپنے یہاں اردلیوں کی کمی ہے۔ لو جی! سیاست میں رہبری پر عوام تو اعتماد نہیں رکھتے لیکن رہبر تعلیم، رہبر زراعت، رہبر جنگلات بنا کر نام نہاد رہبروں کی نئی کھیپ تیار کی اور اپنے جوانوں کو ٹرخایا کہ تم سے ہی رہبری کا کام لینا ہے۔

ہماری رہزنی کا سب کو ملال ہے
پر تیری رہبری کا سوال ہے

وہ تو حسیب ہے، اس لئے ہم نے سوچا تھا کہ رہبر خزانہ بن کر اقتصادیات کا حساب رکھے گا۔ پائی پائی کا حساب دے گا، آنے آنے کا گوشوارہ پیش کرے گا۔ چمڑی جائے گی پر دمڑی کا ہیر پھیر نہیں ہوگا۔ جبھی تو راجپورہ والوں نے آنکھوں پر بٹھا کر سیاست کی پالکی سجا کر اسمبلی بھیجا تھا کہ ہو نہ ہو معاشیات کا سارا بورا الٹ کر ان کے آنگن میں انڈیل دے گا۔ بھلے ہی مودی سرکار بنک اکاونٹ میں پندرہ پندرہ لاکھ جمع نہ کروا پائے لیکن حسیب قلم کنول سرکار کے خزانے سے مالا

مال کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا۔ یا پھر جو قلم دوات والوں نے دوہری کرنسی کا میٹھا منہ میں انڈیل دیا تھا ہو نہ ہو ٹھلا بابو نوٹوں کے ساتھ قراقلی لگے نوٹوں کی مشترکہ بارش ہو ہی جائے گی۔ مانا کہ اس کے بدلے اس نے دلی دربار کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنے ملک کشمیر میں جی ایس ٹی کی سنہری چڑیا متعارف کردی یہ کہکر کہ ساری معاشی بیماری کا کارگر علاج یہی ہے، بس یہی ہے۔ یعنی معاشیت کی ٹانگ ٹوٹی ہو، اقتصادی سر درد ہو، پیسے کی کمی سے پیٹ میں مروڑ ہوں یا کرنسی کی بینائی میں کالا موتیا اُتر آیا ہو سب کا علاج یہ جی ایس ٹی کی ایک شیشی۔ جی ایس ٹی، جی ایس ٹی، جی ایس ٹی۔ اب قلم دوات کا استعمال کر اس نے ملک کشمیر کی تاریخیات کو کچھ اس طرح مروڑ دیا کہ گریز سے گنڈ بل اور سونمرگ سے سورسیار تک کشمیری سیاست میں بوال آیا۔ خود قلم دوات والے اس مروڑ کا درد پیٹ کیا گلے میں محسوس کرنے لگے۔ جبھی تو مدنی کیا ویری کیا سب یک زبان بول پڑے کہ بھائی صاحب جج کرو بیان واپس لو نہیں تو ہمارا قلم کیا الم توڑا جائے گا، دوات الٹ کر روشنائی ملک کشمیر کی زمین میں جذب ہو جائے گی، پھر ہم نعرہ کیسے لکھیں، فتویٰ کیا جاری کریں گے۔

تیرا شہر کتنا عجیب ہے کوئی دوست ہے نہ رقیب ہے
سلام کر کے سب نکل گئے یہ حسیب کا ہی نصیب ہے

پھر تو بانوئے کشمیر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ وزارت اقتصادیات پہلے اپنے کھاتے میں اور بعد میں بات بات پر اسکول کالج بند کراؤ، ملک کشمیر کا مسئلہ تعلیمات وتعطیلات سے حل کرانے والے جوس پلاؤ کارِ کرتا کے کھاتے میں ڈالنے کا کھیل کھیل ہی دیا۔ ایک تو سارا حساب اپنے گھر اور دوسرے کنول والوں کے ساتھ پریم پتر لکھنے والے ماہر اقتصادیات کا بڑھتا قدم روک ہی دیا کہ کہیں وہ مستقبل میں کوئی نیا ناطہ نہ جوڑ دے اور پھر مفتیاں بیج بہاڑہ کا فتویٰ کسی کام کا نہ رہے، کہ اپنے ملک کشمیر میں ایسے کانڈ ہوتے رہتے ہیں۔ شیخ کیا بخشی کیا، صادق کیا قاسم کیا، فاروق کیا گلہ شاہ کیا، مفتی کیا بیگ کیا المختصر تخت پر بٹھانے والے ساتھ میں تخت سے اتارنے کا پربندھ پہلے ہی کر کے رکھتے ہیں۔ جوڑیاں توڑیاں سلامت رہیں۔

اس پر ہل والے دریندروں کو بھی موقعہ ہاتھ لگا۔ اپنے دور میں آسیہ نیلوفر کیس کی کالک

منہ پر پٹائے آصفہ کے حق میں انصاف کی دہائی دینے نکل پڑے۔ ساتھ میں ملک کشمیر کا حل ڈھونڈنے گپکار کی خاموش سڑکوں پر ایسے لال جھنڈا لے کر فلیگ مارچ کیا کہ نیشنلی فوج کے قدم تال پر قلم کنول ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہوا۔ لگتا تھا ابھی ہل والی فوج چڑھائی کر دے گی، پیپلز بھاجپا ٹھکانوں پر اپنا پرچم لہرائے گی، قبضے کا اعلان نوائے صبح کی چھت پر کر دے گی، ایمرجنسی نافذ کر سرکاری ایوانوں کو اپنی تحویل میں لے کر تختہ پلٹنے کا ایسا اعلان کر دے گی کہ قلم کنول والوں کو جموں سے سرینگر آنے کے لئے پاسپورٹ ویزا کی ضرورت محسوس ہو۔ اور تو اور ہل والے ٹویٹر ٹائیگر نے فوراً چٹکی لی کہ قلم دوات والی بانوئے کشمیر حسیب کا حساب کرنے سے اپنے گناہ دھونہ پائے گی۔ اور ہم بس سوچتے ہی رہ گئے کہ بانوئے کشمیر کو کٹہرے میں کھڑا کرنے سے کیا وہ نعرہ بھول پائیں گے

ظالمو جواب دو خون کا حساب دو

اور ہم ہیں کہ سر کھجانے بیٹھ جاتے ہیں۔ پریشان ہیں کہ کس سے حساب مانگیں، کس کے نام الزام ڈالیں، کس سے امید رکھیں کس سے بچتے رہیں ؎

ایک حمام میں تبدیل ہوئی ہے دنیا
سب ہی ننگے ہیں کسے دیکھ کے شرماؤں میں

خیر دھونے دھلانے کی جو بات چلی تو سنا ہے کنول بردار بھاجپا اصل میں واشنگ مشین ہے۔ جبھی تو کل کے غدار اور بے ایمان بھاجپا میں داخلے پر شفاف ہو جاتے ہیں۔ ان کے گناہ ایسے دھل جاتے ہیں جیسے گنگا نہائے ہوں۔ یقین نہ آئے تو سجاد لون کو دیکھ لو اور اگر کشمیر کی کھڑکی سے باہر جھانکو تو مہاراشٹر کے سابق کانگریسی لیڈر کو دیکھ لو جو کل تک رشوت خور تھا اور اس کو بھاجپا والے کرپشن کیس میں داخل زندان کروانا چاہتے تھے کہ اچانک لیڈر نے پینترا بدلا۔ ہاتھ ملانے سے گریز کر کے کنول کا پھول چھاتی پر سجایا کہ اچانک اوپر سے نیچے تک دھل گیا اور اندر باہر شفاف ہو گیا۔ اس سے بڑھ کر نریش اگروال بڑے لمبے اور دلچسپ شعر سناتا تھا۔ نمونہ کلام پھر کبھی۔ خیر کنول بردار اسے مملکت خداداد ترسیل کرنے کی بابت کاغذات تیار کرنے لگے کہ نریش دیش دروہی ہے، ناصاف ہے ناپاک ہے مگر اگروال تو پکا بیوپاری نکلا۔ ڈرائی کلین کے لئے بھاجپا

لانڈری میں داخلہ لیا اور صاف وشفاف ہی نہیں ہوا بلکہ راجیہ سبھا کا ٹکٹ بھی حاصل کیا۔ کنول بردار اپنی جگہ مگر جو سائیکل سواروں نے ہاتھی میرے ساتھی کا نعرہ لگایا تو یوگی مودی قلعے میں شگاف پڑ گئے کہ اب کی بار یوگی مودی سرکار کے لئے سیاسی زلزلے کا مرکز یوپی ثابت ہوا۔ گئوشالہ والا گورکھپور ہاتھ سے نکل گیا، پھولپور کے کنول پھولوں میں وہ پرانی مہک نہیں رہی۔ شاید یہ پھول اب باسی ہو گئے ہیں اور ان سے فرقہ وارانہ بدبو کے سوا کچھ بھی نہیں مگر ہم تو کچھ اور سمجھتے ہیں۔ سری رام کی سبکی کرنے والوں کے ساتھ ہاتھ ملایا تو رام جی کے جھوٹے گُن گانے والوں پر اس کی مار پڑی۔ اور تو اور یوگی مہاراج اپنی گئو ماتائیں میدان الیکشن میں اتارنے سے رہ گئے۔ شاید بھول گئے وہ ووٹ دیتیں تو بھاجپا آرام سے جیت جاتی۔

الیکشن تو آگے بھی ہیں۔ کہاں پندرہ لاکھ کی باتیں، دو کروڑ نوکریوں کے وعدے، ایماندار سرکار کا آشواسن، چھپن انچ چھاتی کا گھمنڈ۔ یہ تو اب باتیں ہی رہ گئیں اب آگے دکھانے کو کچھ نہیں۔ بچی کھچی امید تو رام مندر سے ہے شاید اسی لئے یوگی پارٹی نے ڈبل سری یعنی سری سری روی شنکر کو میدان میں اتارا ہے کہ رام بھلی کرے گا کچھ ہماری مدد کرو۔ ہمارے پاس اب دھونے نچوڑنے کو کچھ نہ رہا تم ہی اپنی ایک چادر میلی سی ہماری ستر پوشی کے لئے عطیہ میں دیے دو۔ سری سری تو کپڑے کم ہی پہنتا ہے لیکن لگتا ہے کسی ریڈی میڈ کپڑے کی پیمایش ہے جیسے ایکس ایل یا ڈبل ایکس۔ کچھ عرصے سے اچھل کود میں مصروف ہے کہ رام مندر کا حل عدالت سے باہر ہی نکل آئے لیکن کوئی نام لینے کو تیار نہیں۔ ساتھ میں یہ دھمکی بھی بونس کے طور پر دیتا ہے کہ اگر رام مندر نہ بنا تو بھارت ورش میں خانہ جنگی ہوگی اور بھارت ملک شام میں تبدیل ہوگا۔ ابھی ڈبل سری رام مندر کا حل نہ کر پایا کہ ملک کشمیر کو پرامن بنانے ڈل کے پانیوں پر ٹھنڈی ہوا کھانے پہنچا کہ بھائی لوگو سروں کو ٹھنڈا رکھو، دل تھام کر بیٹھ جاؤ کہ ہم ملک کشمیر میں امن لائیں گے۔ اہل کشمیر تو سبز رومال میں لال نمک دیکھنے کے عادی ہیں نجانے کیا کیا سبز باغ دکھانے ڈبل سری بھی پہنچا تھا مگر اب کی بار سبز باغ میں دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ زندہ باد مردہ باد چلّا کر اسے چلتا کر دیا گیا۔ مرتا کیا نہ کرتا فوجی ظلم کرتے ہیں، دہرا کر اپنی راہ ہو لیا۔ واپس پہنچتے یہ نہ سمجھ پایا کہ ایودھیا حل کرنے آیا تھا یا مسئلہ کشمیر۔ مسلمانوں کو بلا معاوضہ مشورہ دے ڈالا کہ رام مندر کے لئے ایودھیا میں زمین دان

میں دے دو یعنی باتوں باتوں میں اپنی خمیر تک پہنچ ہی گیا۔

چلتے چلتے یہ دلچسپ خبر کہ کینیڈا میں ڈاکٹروں نے اضافی تنخواہیں لینے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ اس پیسے کو کسی فلاحی اسکیم کے لئے استعمال کیا جائے لیکن اجین مدھیہ پردیش میں سنگھی بلوائیوں نے کرسچن ہسپتال میں اودھم مچائی اور جے سی بی لا کر اس عمارت کے کئی حصوں کو توڑ ڈالا۔

Published 19/3/2018

* *

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں

کسے نہیں معلوم اپنے قلم دوات والے نسل در نسل فتویٰ باز رہے ہیں، پر اب کی بار تو ملت اسلامیہ پر بھی فتویٰ نما تبصرہ جھاڑ دیا۔ کون جانے اہل قلم دوات عالمی سطح پر کوئی ایسی تبدیلی لانے کے لئے زور آزمائی کرنا چاہتے ہوں جس سے آر پار بلکہ سات سمندر پار بھی سیلف رول کے دائرے میں آجائے۔ پھر اس سیلف رول مملکت کا دارالخلافہ بیج بہاڑہ ہوگا۔ ٹرمپ، پوتن، مودی اور نہ جانے کون کون Islamophobia پر گفت وشنید کرنے پہنچ جائیں گے اور بابائے سیلف رول کے مزار پر حاضری دیں گے۔ مانا کہ اہل قلم دوات ابھی افسپا ہٹانے کا کارنامہ انجام نہیں دے پائے لیکن کریں کیا افسپا کی میخیں کچھ اس قدر ٹھونکی ہوئی ہیں کہ لاکھ کوشش کے باوجود نکل ہی نہیں پاتیں یعنی افسپا نہ ہوا ملک کشمیر ہوا۔ جہاں ملک کشمیر سے پیار کرنے والے کئی ہیں، وہیں افسپا کو طلاق ثلاثہ دینے کو کوئی من موجی تیار نہیں۔ بھارت کیا مملکت خداداد کیا، چین کیا عالمی تھانیدار کیا سبھوں کو ملک کشمیر خوب بھاتا ہے جبھی تو ہر کوئی اس سے پیار جتاتا ہے۔ اس کے گُن گاتا ہے اور اس پر نظریں جماتا ہے۔ بھارت ورش کا یہ اٹوٹ انگ ہے، مملکت خداداد کی یہ شہ رگ ہے، چین کے نئے بزنس ماڈل کی شاہراہِ چن چاچم چوں ہے اور عالمی تھانیدار کے لئے اپنی چودھراہٹ دکھانے کا چوک۔۔۔ اور دراوغۂ عالم اسی چوک سے شمال وجنوب، شرق وغرب اپنی نظریں جمانا چاہتا ہے۔ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں وہ تو ملک کشمیر کی زمین کے دعویدار ہیں نہ کہ اہل مفلس مخلوق کے۔ ایسا ہی کچھ افسپا کا حال جو وردی پوشوں کے لئے دفاعی جیکٹ کی مانند ہے۔ اس کے پار عدالتی حکم کی بولی نہیں جاتی، انتظامی تیر اس کو چھید کر نہیں جاتا، صحافتی میزائل

اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتا، بشری حقوق کی توپ اس کے آگے دھماکہ نہیں پھوٹتی۔ کتنے مارو، کتنے اندھے کرو، کتنوں کواپاہج بنادو کوئی سوال پوچھنے والانہیں اوراگرکوئی جرأت کرے بھی تو افسپا کا تھپڑاس کے منہ پر رسید کردوکہ دانت ایک طرف اڑ جائیں جبڑادوسری جانب بلکہ استفسار کرنے والا چاروں خانے چت ہوجائے۔ اور جب بھی قانونی حجام اس کی حجامت کرنے کی بات کرتے ہیں کہ یہ تو بڑا ہی بھدا دکھتا ہے اسلئے اس کے بال تراشنے کی ضرورت ہے، اس کے تیز دھار والے ناخن کترنے کی ضرورت ہے، اس کے میلے کچیلے دانت صاف کرنے کا وقت آگیا ہے تاکہ یہ کسی کوڈرائے نہ، کھرچے نہ، کاٹے نہ تو اس کی آڑ میں بیٹھے خاص کر وردی پوش فوراً اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ یہ تو بڑا خوبرو ہے، کوئی اسے چھیڑے نا کیونکہ یہ تو ہماری ذاتی ملکیت ہے، اس کے تمام تر کاغذات ہمارے نام بیع ہوئے ہیں بلکہ اس کا تمام حدوداربعہ ہمارے نام منتقل بھی ہوا ہے۔ اور بیعہ ناموں سے اہل کشمیر بہت ڈرتے ہیں کہ انہیں امرتسر میں پونے دوروپے فی کس کے حساب سے خریدا گیا تھا۔ کوئی اسے چھیڑے تو ہم چھیڑخانی کے الزام میں داخل زندان کردیں گے، کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے تو باضابط کیس بنے گا پھر چھوٹنے کا سوال نہیں۔ کوئی اس کی زلف تراشنے کی کوشش میں بس قینچی ہاتھ میں، بھلے کوئی موتراشی میں نہ پکڑا گیا لیکن اس کوشش میں فوراً سرکاری مہمان بن جائے گا پھر اس کی جان کی خیر نہیں۔ افسپا کی زلفیں قیمتی ہیں کشمیری زلفوں کو کون دیکھے۔ افسپا کی زلفیں وردی پوشوں کو بہت پیاری ہیں کہ اسی کے طفیل ۲۰۱۰ میں جہاں ایک سوبیس کو مارا تو کہیں پوچھ تاچھ نہ ہوئی، طفیل متو کو مارا تو کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ پتھری بل کیا، مژھل کیا، جو چاہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا۔ خود کول کمیشن بھی انگشت بدندان ہے کہ جہاں مارا وہاں طاقت کا بے دریغ استعمال کیا۔ بجا کہ اہل کشمیر اللہ میاں کی گائے ہی سہی لیکن کسی مجسٹریٹ کو بھی خاطر میں نہ لایا، اجازت لینا اپنی بے عزتی سمجھا اور جو سامنے آیا اسے لٹا دیا، پٹا دیا سلا دیا۔ افسپا کی زلفیں سنوارنے میں تو کنول بردار پیش پیش ہیں کیونکہ ان کے مونچھوں والے ہاف نیکر، ناگپوری لیڈر نے مسئلہ کشمیر کو اسرائیلی طریق کار سے سدھارنے کا عندیہ دیا۔ خود وزیر داخلہ بھی مسئلہ کشمیر کا دائمی حل نکالنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ قلم دوات والے زبانی جمع خرچی سے کام لیتے ہیں اور ہل بردار تو اس کے خلاف وہی حال کرتے ہیں جوانہوں

نے سبز رومال والے کوہستانی نمک کا کیا تھا۔ مانا کہ اب کی بار درانتی ہتھوڑے بردار میدان عمل میں کود پڑے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پر نہیں بلکہ درانتی کی کاٹ پر اور ہتھوڑے کی مار پر اعلان کر دیا کہ اب کی بار مودی سرکار نے ملک کشمیر کو اسی کیچڑ میں دھکیلا جس میں کنول کے پھول کھلتے ہیں۔ ہونہ ہو اہل کاشمر کو کھاد کے طور استعمال کیا گیا تا کہ کنول کا پھول باقی بھارت ورش میں کھلتا رہے، یعنی کشمیری خون سے اپنے کھیت سیراب کرائے۔ کشمیری اور کہیں اپنے ہی فوجیوں کی میتیں ڈائی پوٹاش کھاد کا کام کر گئیں۔ غریبوں کے گھر چراغوں سے محروم ہو گئے اور سیاسی کھلیان کھل اٹھے۔ قلم برداروں نے دوہری کرنسی کا مطالبہ کیا تھا ہتھوڑے بردار دوہری انتظامیہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بے چارے ہتھوڑ برداروں کی حالت بھی آر پار پتلی ہی دِکھتی ہے، پر کبھی کبھی ملک کشمیر انہیں یاد آتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے اپنے قلعوں میں عام خام لوگوں نے ہماری نہ سنی البتہ ہماری بات یہاں سنی گئی ہوتی تو پھر دیکھنا اہل کشمیر کیسی سیاسی فصل درانتیوں سے کاٹ لیں گے۔

وردی پوشوں کے گرد تو افسپا کا مدافعتی جیکٹ ہے کہ اس کے سبب کوئی انہیں چھو نہیں سکتا، بھلے ہی وہ بھلے مانسوں کو ماریں پیٹیں، اندھا کر دیں اور کچھ تو ترنگا ہاتھ میں لئے بیٹی بچاؤ کے بدلے بیٹی پٹاؤ بیٹی کٹاؤ کا نعرہ لگاتے ہیں۔ کنول بردار تو ایک ہاتھ میں ترنگا لے کر قاتلوں اور الزام یافتہ بلات کاریوں کو بچانے نکلتے ہیں۔ جے این یو ہو یا کٹھوعہ، الور ہو یا دادری ترنگے کا میزائل ہاتھ میں رکھ کر ہر گناہ وغیر قانونی وحیوانی حرکت دفاع ہوتا ہے۔ پھر سانجی رام کیا پروفیسر جوہری کیا قانون کو اپنی متعین راہ لینے سے روک لیتے ہیں۔ ایسے میں آصفہ کیا، اخلاق کیا، جنید کیا، پہلو خان، کیا سب ترنگا یاترا کے شور میں گم ہو جاتے ہیں۔ چلو کنول برداروں کے لئے اچھے دن تو آ ہی گئے۔ اور اگر یوگی راج چل رہا ہو تو کنول برداروں کے خلاف کون کیس بنائے۔ مظفر نگر فسادات میں ایک سو اکتیس کیس واپس لینے کی تیاری مکمل ہے کہ بے چارے کنول بردار ایسے ہی سائیکل سواروں کی الزامی فہرست میں شامل کئے گئے۔ اور اب جو یوگی راج ہے تو کنول بردار گنگو تیلی چھوٹنے ہی چاہئیں جبھی تو یہ اگلے الیکشن میں من موافق تیل نکالیں گے، پھر دیکھنا نہ نو من تیل بھی ہوگا، رادھا بھی ناچے گی کیونکہ مودی یوگی راج میں رادھا بھگتوں کی باندی ہوگی جس کی شرم وحیا ترنگے کی آڑ میں تار تار ہوگی کیونکہ جب گجرات میں چلتی بس میں بھاجپا نیتا شانتی لال

سولنکی اور چیتن ٹھاکر زنا بالجبر کے مرتکب ہوں تو کوئی کیا کرے، کیا سوچ ؟؟؟؟ ترنگے کی آڑ لے کر خود کو نہ بچائیں تو بھلا کیا کریں ؟؟؟ ترنگا اور جے سری رام کا نعرہ ان کا من بھاتا کھاجا ہے کہ اسی کے سبب بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ البتہ ہر سرشتہ بے وقوف نہیں بنایا جاسکتا۔ جھارکھنڈ میں علیم الدین لینچگ کیس میں جو گیارہ افراد کورٹ کی جانب سے دھر لئے گئے تھے وہ بھی بھیڑ سے جے سری رام کے نعرے بلند کرتے ہوئے، پکڑے گئے او بعد میں عمر قید کے مرتکب پائے گئے، حالانکہ بھگتوں کا وشواس ہے کہ جے سری رام کا نعرہ ہے جس سے مجرم کا بچاؤ کارگر ہوتا ہے۔

ویسے کنول برداروں کا یہ محبوب مشغلہ ہے کہ عام خام آدمی کو بیوقوف بنایا جائے۔ مانا کہ یوم احمقاں یعنی یکم اپریل کا رواج پہلے سے ہے لیکن کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اس کا سیدھا رابطہ کنول برداروں کی اعلیٰ ترین قیادت سے ہے۔ جبھی تو اکتیس مارچ تک عوام ٹیکس بھرتے ہیں اور اپنا فرض پورا کرتے ہیں۔ پر پہلی اپریل سے دوبارہ بیوقوف بن جانے کی راہ پر چل نکلتے ہیں کیونکہ نیزو مودی، مالیا اور دوسرے بھاجپا حمایتی قرض داروں کا لوٹا پیسہ واپس کرنے کی سعی میں لگ جاتے ہیں۔ بنک کم ڈیپازٹ رکھنے کی پاداش میں کھاتے داروں سے جرمانہ وصولتے ہیں۔ ایک ہی بنک نے پچھلے چند مہینوں میں جرمانے کی صورت میں اڑھائی سو کروڑ سے زیادہ وصول کیا۔ اس وصولی کے سبب وہ پیسہ واپس بنکوں میں جمع ہوگا جو مودی قبیل کے لوگ لوٹ کر نکل گئے اور جاتے جاتے ان کے ساتھ تصاویر لینے سے نہیں چوکے۔

سنا ہے مودی اور مالیا قبیل کے لوگ آج کل ٹھاٹھا ہنستے رہتے ہیں کہ بھارت کے وزیر باتدبیر فیس بک چیف کو دھمکی دینے سے نہیں چوکے۔ مارک زیوکر برگ یہ بات ذہن نشین کرلو کہ اب کی بار مودی سرکار تمہیں بھارت آکر صفائی دینے پر مجبور کرے گی بلکہ بھگت جنوں کے سامنے ناک رگڑ کر کہنا ہوگا کہ فیس بک سے کوئی بھارتی ذاتی ڈاٹا چوری نہیں ہوا۔ مودی مالیا کے پیٹ میں گدگدی ہوتی ہے کہ اُن کا سالہا سال سے کوئی بال بیکا نہ کرسکا، بھلا مارک پر دھمکی کیوں؟ اور اپنے دوست اس پر مزید کھلکھلائے کہ مودی سرکار نے یہ دھمکی ہندی میں دے ڈالی اور مارک فقط اُوش اُوش کہتے سر ہلاتے رہے۔ ایسے میں مودی سرکار یہی سمجھے کہ مارک کا جسم کانپ رہا ہے اور ہم سوچتے رہے کہ دھمکی دینا کوئی کنول برداروں سے سیکھے۔ مملکت خداداد کے نام دھمکیاں

نے سبز رومال والے کوہستانی نمک کا کیا تھا۔ مانا کہ اب کی بار درانتی ہتھوڑے بردار میدان عمل میں کود پڑے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پر نہیں بلکہ درانتی کی کاٹ پر اور ہتھوڑے کی مار پر اعلان کر دیا کہ اب کی بار مودی سرکار نے ملک کشمیر کو اسی کیچڑ میں دھکیلا جس میں کنول کے پھول کھلتے ہیں۔ ہونہ ہو اہل کاشمر کو کھاد کے طور استعمال کیا گیا تاکہ کنول کا پھول باقی بھارت ورش میں کھلتا رہے، یعنی کشمیری خون سے اپنے کھیت سیراب کرائے۔ کشمیری اور کہیں اپنے ہی فوجیوں کی میتیں ڈائی پوٹاش کھاد کا کام کر گئیں۔ غریبوں کے گھر چراغوں سے محروم ہو گئے اور سیاسی کھلیان کھل اٹھے۔ قلم برداروں نے دوہری کرنسی کا مطالبہ کیا تھا ہتھوڑے بردار دوہری انتظامیہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بے چارے ہتھوڑ برداروں کی حالت بھی آر پار پتلی ہی دِکھتی ہے، پر کبھی کبھی ملک کشمیر انہیں یاد آتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے اپنے قلعوں میں عام خام لوگوں نے ہماری نہ سنی البتہ ہماری بات یہاں سنی گئی ہوتی تو پھر دیکھنا اہل کشمیر کیسی سیاسی فصل درانتیوں سے کاٹ لیں گے۔

وردی پوشوں کے گرد تو افسپا کا مدافعتی جیکٹ ہے کہ اس کے سبب کوئی انہیں چھو نہیں سکتا، بھلے ہی وہ بھلے مانسوں کو ماریں پیٹیں، اندھا کر دیں اور کچھ تو ترنگا ہاتھ میں لئے بیٹی بچاؤ کے بدلے بیٹی پٹاؤ بیٹی کٹاؤ کا نعرہ لگاتے ہیں۔ کنول بردار تو ایک ہاتھ میں ترنگا لے کر قاتلوں اور الزام یافتہ بلات کاریوں کو بچانے نکلتے ہیں۔ جے این یو ہو یا کٹھوعہ، الور ہو یا دادری ترنگے کا میزائل ہاتھ میں رکھ کر ہر گناہ وغیر قانونی وحیوانی حرکت دفاع ہوتا ہے۔ پھر سانجی رام کیا پروفیسر جوہری کیا قانون کو اپنی متعین راہ لینے سے روک لیتے ہیں۔ ایسے میں آصفہ کیا، اخلاق کیا، جنید کیا، پہلو خان، کیا سب ترنگا یاترا کے شور میں گم ہو جاتے ہیں۔ چلو کنول برداروں کے لئے اچھے دن تو آ ہی گئے۔ اور اگر یوگی راج چل رہا ہو تو کنول برداروں کے خلاف کون کیس بنائے۔ مظفر نگر فسادات میں ایک سو اکتیس کیس واپس لینے کی تیاری مکمل ہے کہ بے چارے کنول بردار ایسے ہی سائیکل سواروں کی الزامی فہرست میں شامل کئے گئے۔ اور اب جو یوگی راج ہے تو کنول بردار گنگو تیلی چھوٹنے ہی چاہئیں جبھی تو یہ اگلے الیکشن میں من موافق تیل نکالیں گے، پھر دیکھنا نہ نو من تیل بھی ہوگا، رادھا بھی ناچے گی کیونکہ مودی یوگی راج میں رادھا بھگتوں کی باندی ہوگی جس کی شرم وحیا ترنگے کی آڑ میں تار تار ہوگی کیونکہ جب گجرات میں چلتی بس میں بھاجپا نیتا شانتی لال

سولنگی اور چیتین ٹھاکر زنا بالجبر کے مرتکب ہوں تو کوئی کیا کرے، کیا سوچ؟؟؟؟ ترنگے کی آڑ لے کر خود کو نہ بچائیں تو بھلا کیا کریں؟؟؟ ترنگا اور جے سری رام کا نعرہ ان کا من بھاتا کھاجا ہے کہ اسی کے سبب بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ البتہ ہر سرشتہ بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ جھارکھنڈ میں علیم الدین لینچگ کیس میں جو گیارہ افراد کورٹ کی جانب سے دھر لئے گئے تھے وہ بھی بھیڑ سے جے سری رام کے نعرے بلند کرتے ہوئے، پکڑے گئے او بعد میں عمر قید کے مرتکب پائے گئے، حالانکہ بھگتوں کا وشواس ہے کہ جے سری رام کا نعرہ ہے جس سے مجرم کا بچاؤ کارگر ہوتا ہے۔

ویسے کنول برداروں کا یہ محبوب مشغلہ ہے کہ عام خام آدمی کو بیوقوف بنایا جائے۔ مانا کہ یوم احمقاں یعنی یکم اپریل کا رواج پہلے سے ہے لیکن کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اس کا سیدھا رابطہ کنول برداروں کی اعلیٰ ترین قیادت سے ہے۔ جبھی تو اکتیس مارچ تک عوام ٹیکس بھرتے ہیں اور اپنا فرض پورا کرتے ہیں۔ پر پہلی اپریل سے دوبارہ بیوقوف بن جانے کی راہ پر چل نکلتے ہیں کیونکہ نیرو مودی، مالیا اور دوسرے بھاجپا حمایتی قرض داروں کا لوٹا پیسہ واپس کرنے کی سعی میں لگ جاتے ہیں۔ بنک کم ڈیپازٹ رکھنے کی پاداش میں کھاتے داروں سے جرمانہ وصولتے ہیں۔ ایک ہی بنک نے پچھلے چند مہینوں میں جرمانے کی صورت میں اڑھائی سو کروڑ سے زیادہ وصول کیا۔ اس وصولی کے سبب وہ پیسہ واپس بنکوں میں جمع ہوگا جو مودی قبیل کے لوگ لوٹ کر نکل گئے اور جاتے جاتے ان کے ساتھ تصاویر لینے سے نہیں چوکے۔

سنا ہے مودی اور مالیا قبیل کے لوگ آج کل ٹھاٹھا ہنستے رہتے ہیں کہ بھارت کے وزیر باتدبیر فیس بک چیف کو دھمکی دینے سے نہیں چوکے۔ مارک زیوکر برگ یہ بات ذہن نشین کرلو کہ اب کی بار مودی سرکار تمہیں بھارت آکر صفائی دینے پر مجبور کرے گی بلکہ بھگت جنوں کے سامنے ناک رگڑ کر کہنا ہوگا کہ فیس بک سے کوئی بھارتی ذاتی ڈاٹا چوری نہیں ہوا۔ مودی مالیا کے پیٹ میں گدگدی ہوتی ہے کہ اُن کا سالہا سال سے کوئی بال بیکا نہ کرسکا، بھلا مارک پر دھمکی کیوں؟ اور اپنے دوست اس پر مزید کھلکھلائے کہ مودی سرکار نے یہ دھمکی ہندی میں دے ڈالی اور مارک فقط اُوش اُوش کہتے سر ہلاتے رہے۔ ایسے میں مودی سرکار یہی سمجھے کہ مارک کا جسم کانپ رہا ہے اور ہم سوچتے رہے کہ دھمکی دینا کوئی کنول برداروں سے سیکھے۔ مملکت خداداد کے نام دھمکیاں

تو برسوں سے جاری ہیں کہ آئی ایس آئی کو قابو میں کرلو۔ کون جانے کس پر کتنا اثر ہوتا ہے؟

آئی ایس آئی کی بات چلی تو پنجاب کے وزیر اعلیٰ کی یہ بات دلچسپ محسوس ہوئی کہ ماحولیاتی آلودگی پاکستان سے آتی ہے، پنجاب ہریانہ سے ہو کر دلی پہنچتی ہے۔ ہاں ہم بھی اس میں حصہ جمع ڈالتے ہیں۔ ہم تو سوچ میں پڑ گئے کہ ہوسکتا ہے ماحولیاتی آلودگی برآمد کرنے میں بھی آئی ایس آئی کا ہاتھ ہو۔ جب جاسوس کبوتر بھیج سکتے ہیں، ہیضہ پھیلانے والے چوہے دراندازی کر سکتے ہیں، ڈینگو مچھر بھیں بھیں کرتے داخل سرحد ہو سکتے ہیں، ٹڈی دَل کے ذریعے ہماری فصلیں اُجاڑ سکتے ہیں تو بھلا آلودگی ہوا میں تیر کر کیوں پہنچ سکتی؟

Published 26/3/2018

* * *

اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

وہ جو مودی مہاراج نے دھمکی دی تھی کہ اہل کشمیر ٹورازم یا ٹررزم (سیاحت یا دہشت گردی) کا چناؤ کریں قلم دوات کنول سرکار نے اس بات کو بڑی سنجیدگی کے ساتھ پلو میں باندھ لیا، گانٹھ ذرا مضبوط بنالی کہ کھلنے نہ پائے نہیں تو ناگپوری فرمودات ادھر ادھر بکھر جائیں گے پھر زعفرانی احکام بیج بہاڑہ سے لیکر کٹھوعہ تک پھیل جائیں گے اور ہاتھ آنے کا سوال نہیں۔ ہاتھ نہ آئے تو ترشول بردار جے سری رام، جے مودی مہاراج، جے بھاگوت کہتے ہوئے ٹوٹ پڑیں گے اور جگر کیا، جسم کیا سب کچھ چھلنی کردیں گے کہ یہ بکھراؤ مملکت خداداد کے کہنے پر کردیا گیا۔ یہ سوچ کر تو سنجیدگی کے ساتھ لینا ہی تھا کہ مودی مہاراج جب من کی بات بولتے ہیں تو جن کی نہیں سنتے بس اپنی ہی دھن سناتے ہیں پھر کوئی اتنی بھی ہمت نہیں کرپاتا کہ کہدے غریبوں کی سنو وہ تمہاری سنے گا۔ کیونکہ چھپن انچ چوڑی چھاتی سے بات کرتے تو سب ڈرتے ہیں، بڑے بڑے پہلوانوں کے چھکے چھوٹتے ہیں اور اس سے زیادہ ان بھگتوں سے ڈرتے ہیں جو مودی مہاراج سے سوال کرنے والوں کو دیش دروہی مانتے ہیں اور مملکت خداداد کا ٹکٹ کٹوا دیتے ہیں۔ لندن جاؤ، لاہور جاؤ لیکن لال باغ میں رہنے نہیں دیں گے۔ بس پھر کیا تھا بانوئے کشمیر کی پوری ٹیم کام میں جٹ گئی اور چھ سو ڈیلی گیٹ کا بڑا جتھا ملک کشمیر بلایا کہ بھائی لو گورستہ، گوشتابہ، وازہ وان کھاؤ۔ ادھر ادھر گھومو کہ ہمارے پاس کشمیر ہے، حالات کا اسیر ہے، جنت بے نظیر ہے، ہر قیدی بلا تقصیر ہے، ٹولپ باغ ہے، مصیبتوں کا راگ ہے، ڈل جھیل ہے، دکھوں کی ریل پیل ہے، شکارا ہے، خونین نظارہ ہے، ہاؤس بوٹ ہے صاحبان اقتدار کے دلوں میں کھوٹ ہے۔ اور سب سے بڑھ کر دستر خوان ہے، مرغ مسلم و نان ہے جو ہم کسی بھی مہمان کے سامنے بچھاتے ہیں اور پھر انہی سیاحتی ڈیلی گیٹ کے ہاتھ یہ پیغام بھی پہنچا دیا کہ بھارت ورش کے صحافتی مچھلی بازار میں فرقہ پرستی

کے طرف دار بیٹھے ہیں جو انسانیت کے غدار بیٹھے ہیں جبھی تو ہر بات کو ہر خبر کو مردار کر دیتے ہیں، اچھے بھلے عوام کو داغدار کرتے ہیں۔ اور بقول اہل کشمیر جس کے پیچھے دم نہیں ہوتی ایک عدد جھاڑو باندھ دیتے ہیں۔ یہ بھی کہ بھارت ورش نے ملک کشمیر کو کٹھن گھڑی میں بھلا دیا، اپنے حال پر چھوڑا۔ خیر خبر نہ پوچھی، یعنی مرے تو مرے جیئے تو اپنی بھلا سے۔ حیرت کی بات کہ بانوئے کشمیر کو اب پتہ چلا کہ دلی دربار نے ملک کشمیر کو ان کے حال پر چھوڑا ہے، اکیلا چھوڑ کر ان کے دل کو توڑا ہے۔ اور یہ کوئی آج کی بات نہیں ستر سال سے چلا آرہا ہے۔ خیر کسے نہیں معلوم بانوئے کشمیر نے بھی مشکل وقت میں اہل کشمیر کو وردی پوشوں کے حوالے کیا اور ان سے جو بن پایا وہ حال بے حال کر دیا۔ کسی کی آنکھ پھوڑی، کسی کی ٹانگ توڑی، کسی کی گردن مروڑی، اور ایک سو بیس کی تو قبر کھودی۔ دو سال گزرے کسی کو انصاف نہیں ملا کسی کو سزا نہیں ملی۔ بات بنے گی بولی سے والا نعرہ بھلا دیا اور رات کٹے گی گولی سے دن گزرے گا پیلٹ سے ان کے ماتھے پر چپکا دیا۔ سیلف رول کو کچن رول میں تبدیل کر دیا

نا مکمل ہی پہن لو کپڑے
کچھ نہیں تو سیاست ہی سہی
ہم جو آنکھیں بچھائے بیٹھے ہیں
کچھ نہیں تو سیاحت ہی سہی

دروغ بر گردن راوی جس نے کلاس روم کا نقشہ کچھ یوں کھینچا۔ رول نمبر ایک، سر وہ ہسپتال میں زیر علاج ہے اسے پچھلے دنوں گولی لگنے سے ٹانگ میں گہرا زخم آیا ہے۔ رول نمبر دو، سر وہ آنکھ میں پیلٹ لگنے سے دیکھ نہیں پاتا ڈاکٹر کا کہنا ہے اسے ٹھیک ہونے میں وقت لگے گا۔ رول نمبر تین، سر وردی پوشوں کی مار پیٹ سے اسکی ہڈیاں فریکچر ہوگئی ہیں بازو اور ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہوا ہے چلنے پھرنے کے لایق نہیں۔ رول نمبر پانچ، سر اس کا باپ پی ایس اے کے تحت گرفتار کیا گیا اب عدالت میں پیشی کے سبب ماں کے ساتھ چل رہا ہے۔ رول نمبر چھ، سر گن پاؤڈر چھڑکنے کے سبب اس کا مکان جل گیا، وردی اور کتابیں خاکستر ہوگئیں۔ اور اس دوران خبر یہ آئی کہ پولیس حکام نجی سکولوں سے اپنے بچوں کے لئے ترجیحی طور ایڈمیشن مانگ رہے ہیں اور

فیس میں کمی بھی۔ ویسے سوچا جائے تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ ان کے بچے آئیں گے تو کلاس روموں میں رونق رہے گی۔ تعلیم کا بول بالا ہوگا۔ تعلیم تو زیور ہے کسی نہ کسی کے جسم پر جڑے گا تو خوبصورتی میں اضافہ ہوگا۔ تعلیم تو نور ہے ان ہی بچوں کے ذریعے پھیلے گا۔ اور فیس میں کمی تو ان کا حق بنتا ہے۔ ان ہی کے دم سے بندشوں کے نام پر کرفیو نافذ ہوتا ہے۔ اسکولوں میں حاضری ممکن نہیں رہتی۔ سکول بسوں کا تیل بچ جاتا ہے۔ چاک ڈسٹر کی بچت ہوتی ہے۔ رجسٹر کاغذ کا خرچہ کم ہوتا ہے۔ اور اس اتنی بچت کے عوض اگر کچھ مدد مانگتے ہیں تو بقول گبر سنگھ کوئی گناہ نہیں کرتے، میں کہتا ہوں کوئی گناہ نہیں کرتے۔

لو جی اہل کشمیر! خوشی سے ناچو گاؤ کہ دلی دربار کے پاس دفعہ ۳۷۰ ہٹانے کا کوئی منصوبہ نہیں۔ یعنی عز ہینڈ یزت فضی ہینڈ یزت قائم ہے۔ یہ کوئی ہوائی نہیں اڑی اور نہ ہی کسی نے افواہ پھیلائی بلکہ مرکزی منسٹر ہنس راج آہیر نے لوک سبھا میں بیان دیا۔ ابھی کنول بردار منسٹر نے زبان بھی نہ کھولی تھی کہ قلم دوات کے بیان بازوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ بچ گیا بچا لیا ۳۷۰ کی تال پر چند ایک ٹھمکے لگائے اور فوراً بیان دے مارا کہ ہمرا (ہمارے) موقفوا (موقف) پر مودی سرکار نے مہروا (مہر) لگا کر ہمری دوات کی روشنائی نکال کر ہمرے قلموا (قلم) سے دستخط کر دئے۔ یعنی بھاجپا بیسن ابھی گھولا نہیں گیا کہ قلم بردار اس کا لڈو چکھنے لگے کہ یہ دیکھو پرکھو ہمارے مشترکہ پروگرام میں جو بھی قہوہ بنانے کی تفصیل ہے اس میں زعفرانی مصالحہ برابر ملا ہوا ہے۔ پر ہم بھی کوئی کچی گولی نہیں کھیلے ہیں کہ وہ سب کچھ یاد ہے جب سنگھی بھگت ایک یا دوسرے بہانے سپریم کورٹ میں کیس ڈالتے ہیں۔ کسے نہیں معلوم کہ نیشنل کا ٹویٹر ٹاگر کیا، حریت کا صحرائی کیا، کامریڈ یوسف کیا بلکہ عام کشمیری رشید کاک کیا، سب سمجھ لیتے ہیں کہ اس میں سینٹر کی چال ہے کہ ادھر سے سیاسی فائدہ اٹھاؤ ادھر سے ۳۷۰ کے چیتھڑے اتارو۔ جب پورا ننگا ہو جائے تو عدالت عظمیٰ کا بہانہ بناؤ۔ سانپ بھی مارو لاٹھی بھی نہ توڑو۔ مگر انہیں کیا معلوم جب اہل کاشمر کا کچھ نہیں چلتا تو کانگڑی کا وار کرتے ہیں اور گرمی کے موسم میں بھلے کانگڑی ساتھ نہ ہو تو ہری ہری زہریلی گھاس (Nettle) لا کر سویہ شلکھ کرتے ہیں جبھی تو پٹھان چیخ کر کہتا ہے ادھر کا گھاس بھی کافر ہے اور فوجی چلا کر کہتا ہے ادھر کا گھاس بھی پاکستانی ہے۔

امن لے لو، بات چیت لے لو، مذاکرات میں حصہ لے لو، سستا لے لو، اچھا لے لو، پختہ لے لو، گارنٹی والا لے لو، دیکھ پرکھ کر لے لو، چھانٹ کر لے لو، رنگ برنگا لے لو، امن لے لو، بات چیت لے لو۔ سنا آجکل ملک کشمیر میں گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، بستی بستی یہی کچھ سنا جا رہا ہے کہ مرکزی مذاکرات کار دنیشور شرما گلی گلی گھوم کر امن اور بات چیت بیچ رہا ہے۔ ہمیں تو بچپن یاد آیا جب غیر کشمیری کاندھے پر گٹھڑی سنبھالے اور میٹر ہاتھ میں لئے کپڑا بیچنے آتے تھے اور ہم بچے دن بھر ان کے پیچھے چلتے کہ کیا بیچا اور کیسے بیچا۔ ابھی تو سنا ہے کہاں دنیش بابو امن اور بات چیت بیچ رہے ہیں پر اپنے لوگ کہیں ٹرانسفارمر کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہیں راشن کی دہائی دیتے ہیں۔ کسی کے بیٹے کا امتحان میں ریپئیر آیا ہے، کسی کا آدھار کارڈ نہیں بنا، کہیں کھیل کا میدان نہیں، کہیں سوچھ بھارت کا بیت الخلا نہیں۔ یعنی کسی کے پاس نوکری نہیں کسی کے پاس چھوکری نہیں اور یوں مطالبہ کرنے والے تو ضروریات کی ٹوکری سامنے رکھتے ہیں۔ بھائی جس کے پاس جو چیز نہ ہو وہ تو وہی مانگے گا۔ مزے کی بات ہے دنیش بابو کو دیوان غالب سنانے بھیجا وہ ترازو دیکھ رہا ہے۔

اپنے ملک کشمیر میں لوگ خاص کر خواتین کہیں نہ کہیں گیت بنا ہی لیتی ہیں اور ایسی تان چھیڑتی ہیں کہ موسیقار انو ملک اور سیاستدان نوجوت سدھو بھی دنگ رہ جائیں۔ یقین نہ آئے تو وہ والا یاد کرو ینا بامیون گرڑھی ملالے، چائے چنے ووٹ کورمے حوالے (شیخ صاحب یا محبوبہ مفتی ہم سے ناراض نہ ہونا کہ صبح ناشتے کی چائے پینے سے پہلے ووٹ آپ کے حوالے کر دیا)۔

اور آخر پر یہ خبر کہ محکمہ آب رسانی نے شمالی کشمیر مکینوں کو دھان کی کھیتی نہ کرنے کی صلاح دی ہے کہ آبی ذخائر میں پانی کی کمی ہے۔ اب پتہ چلا جو اہل کشمیر کہتے رہتے ہیں یا اللہ زراعت میں برکت عطا کر وہ اصل میں پنجاب کے کھیتوں کی بات کرتے رہتے ہیں۔ اہل کشمیر نے سیلابی صورت حال کے نام بددعاؤں کی لمبی فہرست ارسال کی تھی شاید اس کا اثر اب دیکھنے کو مل رہا ہے کہ سیلاب کی ایسی کی تیسی۔ ادھر بیچارے دریائے جہلم کی کھدائی کرنے والے بھی مزید وقت حاصل کر پائیں گے کیونکہ ان کا کام آج تک مکمل نہ ہوا

اتنا تو ہوا فائدہ بارش کی کمی سے
اس سال کوئی دھان کی کھیتی نہ کرے گا

Published 20/04/2018

خواب ہیں پھولوں کے لیکن خار سے بھی دوستی

وہ جو کہتے ہیں تم ہمارا اٹوٹ اَنگ ہو انہوں نے ہمیں ستر سال سے اپریل فول بنا رکھا اور اب کی بار بھی اس کا مظاہرہ کیا۔ اپریل کی پہلی اتوار خون خرابہ ہوگیا، کوئی ڈیڑھ درجن جاں بحق ہوئے، سو سے زیادہ زخمی ہوگئے۔ کئی ایک کی بینائی پر اثر ہونے کا خطرہ ہے۔ کئی ایک مکان بھی جلائے گئے۔ اور آر پار ملک کشمیر میں صف ماتم بچھ گئی۔ سادھنا ٹاپ سے سونہ مرگ، بھمبر گلی سے بھدرواہ تک ہر آنکھ اشک بار ہوئی، ہر دل خون کے آنسو رو دیا۔

عجب کیا ہے جو نوخیزوں نے سب سے پہلے جانیں دیں
کہ یہ بچے ہیں ان کو جلد سو جانے کی عادت ہے
(شبلی)

چلو بھائی عیش کرو، خوشیاں مناؤ، ڈھول تاشے بجاؤ، مٹھائیاں بانٹو، چراغاں کرو اور یہ مت سمجھنا کہ کسی کو ہماری فکر نہیں۔ کوئی اس جانی و مالی نقصان پر دکھی نہیں۔ یہ الزام مت دینا کہ کسی کا دل نہیں پسیجا۔ ارے بھائی اسی لئے تو کہتا ہوں کہ ناچو گاؤ کیونکہ نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر نے فوراً تین فوجی اور چار عام شہریوں کی موت پر دکھ کا اظہار کر دیا۔ ٹویٹر کی چڑیا فوراً پر پھڑ پھڑا کر چوں چوں کرتی بین کرنے لگی۔ اس نے اپنی چھوٹی چونچ سے ماتمی گیت گائے اور پھر دُکھ کے مارے دن بھر منہ میں ایک دانہ تک نہ ڈالا، یعنی ملک کشمیر کے جوانوں کی موت کے غم میں حکام کے ساتھ ڈنر نہیں کھایا بلکہ بھوک ہڑتال کر ڈالی کہ ہل والے کے حلق سے ایک نوالہ نہیں اُترا۔ اُترتا بھی کیسے وہ تو ستر سال سے ملک کشمیر کا سوگ منا رہے ہیں۔ کبھی ۱۹۵۳ میں اقتدار سے بے دخلی کا سوگ،

کبھی بائیس سالہ آوارہ گردی کا ماتم ، کبھی جگموہن کے ہاتھوں برطرفی کی سوگواری، اور اب مفتی آف بیج بہاڑہ کے ہاتھوں انتخابی شکست ۔ اور اب تو ہل والے قائد ثانی نے یہ بھی انکشاف کر ہی ڈالا کہ والد محترم نے اسے سیاست میں شمولیت سے باز رکھا بلکہ خود اس نے اپنے بیٹے کو بھی باز رہنے کی تلقین کی ۔ واہ کیا بات ہے! وہ تو خود ہی اہل کشمیر کام کاج چھوڑ کر سڑکوں پر نکل آئے اور جلوس کی صورت لال چوک میں ہل والے قائدین کو مجبور کیا کہ ہل والی مشعل قائد ثانی کے ہاتھ تھما دیں ۔ اور اگر نہ تھمائی تو ہم اَلہ کرے گا ''وانگن کرے گا بب کرے گا'' اور ''یی بس خوش کرتی کر لولؤ (جو عبداللہ چاہے کر لے)'' نہیں گائیں گے ۔ مرتا کیا نہ کرتا ، بھلا اتنی بھیڑ کو کیسے نا کہا جا سکتا۔ ایک مجبوری اسوقت بھی سامنے آئی جب قائد ثانی نے سینئر پارٹی لیڈروں کی مخالفت کے باوجود یہی مشعل اپنے فرزند کو سونپ دی کہ چلتے رہو بیٹا! اقتدار کی پری کو اپنے خاندان سے نہ بھگاؤ۔ اپنے لوگوں کی چھاتی پر مونگ دل لینا، سڑکوں پر انہی کا خون بہاؤ، پھر ٹویٹر پر آنسو بہاؤ تو ہل والوں کے گناہ دُھل جائیں گے ۔ کون کہتا ہے کہ ہل والوں کو اہل کشمیر کا دکھ نہیں؟ جبھی تو اپنے بال بچوں کا سکھ چین بھول کر اس وقت بھی زمام ہاتھ سے نہ چھوڑی، جب گجرات جل رہا تھا، جب ایک سو بیس مارے گئے، جب آسیہ اور نیلوفر کی روح تڑپی، جب طفیل اور وامق کا بچپن بکھر گیا ۔ اتنا ہی نہیں خود بانوئے کشمیر مرد مومن کے خواب کی تعبیر پوری کرنے دلی چھوڑ کر وارد کشمیر ہوئی کہ اُسے بھی دکھ تھا ۔ وہ ماؤں کے آنسو نہیں دیکھ پاتی ۔ کسے نہیں معلوم کہ ٹسوئے بہانے کے تمام تر جملہ حقوق اس کے ہاں محفوظ ہیں کہ اس کا بھرپور اظہار اس نے سالہا سال اقتدار سے باہر رہ کر کیا۔ کوئی بھی گاؤں محلّہ گھوم کر آ جاؤ بانوئے کشمیر کے آنسوں کی بو محسوس ہو گی ۔ کوئی آنسو بہانے کی ٹریننگ اس سے لے پھر دیکھتے ہیں کس کی ماں سونا تولے گی اور کس کی ماں چاندی ۔ وہ تو دورۂ دلی مختصر کر کے واپس لوٹی ۔ اسے تو بہت اہم کام نپٹانے تھے ۔ بھارت پاک مذاکرات کے لئے دلی اسلام آباد کو آمادہ کرنا تھا، آمادہ کیا ان پر دباؤ ڈالنا تھا، دباؤ کیا مودی اور خاقان عباسی کو کان پکڑے میز پر بٹھانا تھا کہ بات کرو، ملک کشمیر کا مسئلہ حل کرو اور اگر نہیں کرو گے تو میں اپنے سامنے اٹھک بیٹھک کراؤں گی، تب کہیں اسکول کے وہ دن یاد آئیں گے جب اُستانی چھڑی ہاتھ میں لئے مرغا بناتی تھی لیکن کیا کریں ہماری تو قسمت ہی ایسی نکلی کہ اسے یہ اہم فریضہ ادھورا چھوڑ کر

واپس لوٹنا پڑا۔ شومئی قسمت اب اہل کشمیر کو ایسی ہی ایک اور قربانی دینی پڑے گی کہ دلی اسلام آباد کو کشمیر یاد آئے کیونکہ جب کشمیری خون بہتا ہے تو ہند پاک کو سرینگر یاد آتا ہے۔ اور اپنے سیاسی بازی گروں کو ایسے وقت میں SOP یاد آتا ہے جبھی تو بانوئے کشمیر نے خاص میٹنگ بلا کر ایس او پی کی گردان کرائی۔ ایس او پی نافذ کرنے والوں کی گدگدی ہوئی کہ وہ کنگن میں گوہر کو گولی مار گئے تھے اور کپوارہ میں مکانوں کی توڑ پھوڑ میں مصروف تھے۔ مگر مرد مومن کا خواب ہے ہی کچھ ایسا کہ بانوئے کشمیر کی آنکھوں میں پھر سے آنسو بہے، کنگن کے گوہر کے اہل خانہ سے ملی، SOP نافذ کروانے کا میٹھا بین کیا، ایک اور ماں کے منہ میں ٹھوس دیا اپنی نیک نامی کا پرچہ۔

پاپا کہتے تھے بڑا کام کرے گا
سیاست میں بڑا نام کرے گا
کرسی سے چپکے انجام یہ دیکھو
لوگوں کا کام تمام کرے گا

ویسے یہ ہل والوں اور قلم دوات برداروں کی ہی بات نہیں بلکہ گاؤں گاؤں گھوم کر امن اور بات چیت بیچنے والے مرکزی مذاکرات کار دنیشور شرما کی بھی مہربانی ہے کہ اسے بھی ملک کشمیر میں بہنے والے خون پر دکھ ہے، وہ بھی اس قدر غم زدہ ہے کہ تعزیت کرنے بانوئے کشمیر سے دلی میں ملا۔ چار آنسو بہائے۔ وہ تو بانوئے کشمیر نے اپنے اسکارف سے خشک کئے، نہیں تو بیچارہ دھاڑیں مار مار کر روتا۔ اس کا تو زور زور سے رونا بنتا ہے کہ قریہ قریہ امن کے پرچم لہرانے گیا پر اتوار کے خون خرابے نے اس کی کوششوں پر ابلتا ہوا پانی پھیرا۔ کیا کرایا دھرا رہ گیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اُس آزادی کی نیلم پری کو بھی غلامی کی زنجیریں پہنا گئے جو دل و دماغ کو وسیع و عریض بنا کر قلم کنول سرکار نے زندانِ حیدر پورہ کے گیلانی، وعظ خوانِ نگین کے میر واعظ اور سخن دان مائسمہ کے یاسین ملک کو عاریتاً دے ڈالی تھی۔ سوچا تھا وہ بھی کیا یاد کریں کس جمہور پسند نوابن سے پالا پڑا ہے۔

پولیس والوں کو حکم شاہی دے ہی ڈالا کہ ان تین شہزادوں کو گھومنے پھرنے دو، جمعہ کی نماز پڑھنے دو، اپنے سگے سمبندھیوں سے ملنے جلنے دو، آزادئ تحریر و تقریر کا چھا چھم پرچم لہرانے دو۔ گھومیں پھریں گے تو ہمارا نام بھی اُنگلی کٹا کے شہید ہونے والوں میں درج ہوگا، یہ بھی دھوپ چھاؤں

دیکھیں گے، ان کو ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے دن میں تارے گننے کی اضافی عادت کم ہو جائے گی۔ آخر یہ کب تک بس چوری چھپے اخباری بیانات پر جییں گے، کم از کم ان کو بھی اپنی کڑوی زبان کا استعمال کرنے کا موقع تو دو، مابدولت کو ان کو نعرے ہم کیا چاہتے، چھین کے لیں گے، ہے آئی آئی آزادی کا وِرد کرنے تو دو۔۔۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہ ہونے پائے تھے کہ پولیس کو شوپیان کے مرگ زار سے خانہ نظر بندی کا بھاری دورہ پڑا، فوراً جیپسی وارِدِ حیدر پورہ، داخلِ نگین ہوگئی، عازم مائسمہ ہوئی، فوراً وہیں ڈیرہ جمایا، آزادوں کے لبوں پر قلم کنول مارکہ فیویکول کی پرت چڑھائی اور تان سین کی آواز میں ان آزادوں سے کہا ع

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

اب تینوں مہاشئے اپنے پیر ہلا نہیں پاتے، ہونٹ کھولے نہیں جاتے، ہاتھ چلا نہیں پاتے یعنی ۔

آزادئ جمہور کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

چلئے حضور اب منہ کا ذائقہ بدل دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اب کی بار مودی سرکار نے قارون کا خزانہ لٹایا ہے، حاتم کی قبر پر لات ماری ہے، امبانی کے ذاتی خزانے پر ڈاکہ ڈالا ہے، جبھی تو یہ معاشی آزادی ہاتھ لگی، اچھے دن آگئے، غریبی مٹ جانے کے آثار دکھائی دینے لگے۔ اب بھوک سے کوئی نہیں مرے گا، کوئی بے تن پوش نہیں گھومے گا، کوئی بنا روٹی کپڑا مکان نہیں پھرے گا کیونکہ سبسڈی گیس پر ایک روپے چوہتر پیسے کی کمی کر ڈالی۔ عام آدمی جو پندرہ پندرہ لاکھ بنک میں جمع ہونے کا انتظار کر رہا تھا، اب خیر سے پریشانی میں مبتلا ہے کہ یہ بچت کا ایک روپیہ پچھتر پیسے کس کمپنی میں لگاؤں تاکہ مستقبل سنور جائے اور باقی زندگی آرام سے کٹ جائے، جے جے مودی ہر ہر مودی الاپتے گزر جائے لیکن اب انتظار مار رہا ہے کہ مودی مہاراج باقی کے چودہ لاکھ ننانوے ہزار نو سو اٹھانوے روپے پچیس پیسے کس پورن جنم میں بنک کھاتے میں جمع کریں گے۔ چلو جی انتظار کا پھل میٹھا ہوتا ہے!!!

سب نے سنا ہوگا ہم نے بھی سنا ہے کہ عربی شاہزادے کا اونٹ کیسے دھیرے دھیرے ایک بہانے دوسرے بہانے سے اس کے تمبو میں گھس آیا پھر خود ہی ڈیرہ جما کر قابض تمبوہ ہو بیٹھا اور عربی کو باہر کھلے آسمان کے نیچے زندگی کی صبح و شام بسر کرنا پڑی۔ کچھ ایسا ہی ملک کشمیر کے ساتھ ہوا کہ ہل والے قائد اور ڈوگر دیش کے ساہوکار نے ایسے فوجی ٹولیوں کا آؤ بھگت کیا کہ اب تک ڈیرہ ہی جما بیٹھے ہیں اور جب ہم ''من تو شدم تو من شدی'' کا نعرہ یاد دلاتے ہیں تو جواب ملتا ہے میرا گیا تیرا، تیرا گیا ٹیں ٹیں۔ ایسے میں بھلا ہم کیا کریں۔ مار بھی کھاتے ہیں، جیل بھی جاتے ہیں، خون بھی دیتے ہیں بلکہ اتنا خون دیا ہے کہ اگر آزادی کی قیمت خون سے بدلی جائے تو ہم نے سود سمیت اپنے دشمن کو سب چکتا کیا ہوا ہے۔ کہاں ہم ملک خالی کرنے کی بات کرتے ہیں، کہاں وہ زمین خالی کرنے پر آمادہ نہیں۔ یقین نہ آئے تو سن لو بلکہ سن کر سر دُھن لو۔ زرعی یونیورسٹی کا مانسبل افزائش نسل حیوانات کا فارم ۳۵۲/ ایکڑ پر پھیلا تھا، اب اس فارم کا لنگوٹ ہی بچ گیا ہے کہ فقط ۸۰۰/ کنال زمین ہی بچی رہی کہ باقی پر راشٹریہ رائفلز کے سورماؤں کا ہیڈکوارٹر بنایا گیا۔ درگمولہ فوج کا ٹرانزٹ کیمپ ۱۰۵/ کنال پر پھیلا ہے کہ متی پورہ چھانہ پورہ گاؤں والوں کی زمین ہڑپ لی گئی۔ کریوہ دامودر میں تیس ہزار کنال زمین فورسز کی تحویل میں اور دھان تجزیاتی مرکز کیموہ کا بڑا حصہ ان کے قبضے میں بالکل آرام سے پڑا ہے۔ ادھر سیاحتی مقام کبوتر خانہ علاقہ پر سے مرکزی پولیس فورس (سی آر پی ایف) کا قبضہ چھوڑنے سے شہنشاہِ توپ و تلوار نے چھپن انچ چھاتی ٹھوک کر انکار کیا۔ اب کون مائی کا لال ان سے کہنے کی جسارت کرے حضور ابابیل صاحب! آپ کو پیارے پیارے افسپا کی قسم، بُرا نہ مانئے، یہ کشمیر میرا مادر وطن ہے، میری سر زمین ہے، میری جنم بھومی ہے، میرا گھر سنسار ہے، آپ اُڑن طشتری میں یہاں پدھارے تھے، اب پا پیادہ اپنے گھر لوٹئے کیونکہ ہوائی ٹکٹ بہت مہنگی چل رہی ہے۔ راز کی بات بتاؤں، ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کپکپاتے جسم، لڑکھراتے پاؤں اور لرزتے ہاتھوں کو میں آزادی کا جوش بھر کر بصد غیرت کماندانِ ابابیل کے صدر دفتر پہنچا، پھاٹک پر دستک دی، وہ مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے باہر آیا، اس کے ہاتھ میں ''افسپا میرا یار دلدار'' نامی کتاب تھی۔ میں نے کہا سلام جناب، اس نے صرف ہوں کہہ کر شانِ بے نیازی سے سر ہلایا۔ میرے منہ میں ایک ہکلاتی ہوئی

زبان تھی، اُسی بے چاری کو بڑی مشکل سے نحیف ونزار میں اپنا حالِ دل سنانے پر مجبور کیا، اس نے کمالِ جرأت سے کہا: کشمی ہمایا چھودئے نا، آجاتی دتجئے نا۔ وہ لال پیلا ہوکر بولا: اَبے اولال بجھکڑ! اپنی موم کی گردن نیچے کر، جاجا پہلے ہکلاتی زبان کو ٹھیک ٹھاک کر، اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو چپ چاپ پھوٹ یہاں سے۔۔۔ کشمیر چھوڑ دوں ہاہاہا!!! سرخ بیل میرا حصہ، کالا بیل میرا ہی کہ میں بڑا ہوں اور چتکبرا بیل پر اگر ہاتھ پاؤں، سر بھی پھوٹے یہ میں کسی بھی صورت چھوڑنے کو راضی نہیں۔ یہی سن کر میری آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو پسینے میں شرابور پایا۔

چلئے پھر سے موضوع بدلتے ہیں۔ سالہا سال دن رات محنت کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرو تو ممکن ہے کسی اسکول میں ٹیچر یا دفتر میں کلرک کی نوکری ازراہِ سفارش ورشوت مل جائے۔ اس لئے مفت مشورہ ہے زیادہ پڑھنے کی سکت نہیں تو دس بارہ جماعتیں پاس کر کے سیاست میں کود پڑو۔ ممبر قانون سازیہ بن جاؤ اور آگے منسٹر بھی تو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہاتھ جوڑے آگے کھڑے رہیں گے۔ اگر بالکل ہی معمولی تعلیم یعنی پانچ آٹھ جماعتیں ہی پاس ہوئیں تو کسی مذہبی مٹھ کو سنبھالو تو سیاست دان بھی ہاتھ جوڑے نمسکار کرتے پھریں گے۔ کچھ برسوں میں کہیں ڈیرہ جماؤ تو بابا بن جاؤ گے۔ پھر کروڑوں کی جائیداد انگوٹھے تلے رہے گی۔ یقین نہیں آرہا تو مدھیہ پردیش کی طرف دیکھو۔ نرمدا دریا کے پروجیکٹ میں دھاندلی کا راز فاش کرنے کی دھمکی سے ڈر کر پردیش سرکار نے پانچ سادھو سنتوں کو وزرائے مملکت کا عہدہ دے ڈالا، یعنی وزارت تو اپنی پیر کی جوتی ہے جب چاہا اُتارا جب چاہا پہنا!!

Published 09/04/2018

* * *

کفن نے بتایا پتہ قاتلوں کا

آصفہ ہم شرمندہ ہیں، تیرے قاتل زندہ ہیں، یہاں یہ فلک شگاف نعرہ میرے گوش سماعت سے ٹکرایا اور وہاں کھٹوعہ میں زعفرانی بٹوہ میں قید کالے کوٹ والے بابو در و دیوار ہلا رہے تھے: دیپک تیری پیپ سے انقلاب آئے گا۔ میں ہکا بکا رہ گیا، اس نعرے پر خون کے آنسو روؤں یا اُس وکیلانہ بد دماغی پر جگر کو پیٹوں۔ ویسے کئی کالے کوٹ والے ہمارے بھی جان جگر ہیں، کئی ایک ہمارے ہم جماعت رہے ہیں۔ مانا روزی روٹی کمانے کے لئے کوٹ کالے پہنتے ہیں لیکن دل ان کے اُجلے ہیں جیسے سپر رِن سے دُھلے ہوں کہ داغ نظر آتا ہے نہ دھبہ۔ نہ جانے ہم کیوں یہ سوچ کر اپنے دماغ کا تیل نچوڑتے ہیں کہ آخر کسی شاعر طنز و ظرافت نے کس بنا پر یہ طنزیہ شعر کہہ ڈالا ہے کہ پورے سماج میں کالا کوٹ کچھ اتنا زیادہ کالا نظر آتا ہے کہ خود کوئلہ بھی شرما جائے؟ کیوں وکیلوں کے تئیں شاعر نے شکوک پیدا کر دئے ہیں۔

پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے یہ کہا
لو آج ہم بھی صاحبِ اولاد ہوگئے

اس شعر کے ساتھ ہم اپنے من کے اُجلے اور تن کے ملائم وکیل دوستوں کو بہت چڑاتے اور ہنسی مذاق کا نشانہ بھی بناتے، مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ شاعر گرامی بڑے مردم شناس گزرے ہیں، ہو نہ ہو اُس کا پالا کھٹوعہ جیسے وکیلوں سے پالا پڑا ہوگا، اُن کے دل کا حال اور کنولی سیاست کا مایا جال سے واسطہ پڑا ہوگا، ان کے کرم کنڈلی کا راز جان گیا ہوگا، اسی لئے ہم جیسے سیدھے سادھے شہزادوں کو سالہا سال پہلے خبر دار کیا: ہوشیار خبر دار! اگر قانون سے نابلد، انصاف سے

لاولد اگر کوئی وکیل کالے کوٹ کے اندر بے درد سنگھ کی وردی پہنے ہو تو وہ ضرور قاتل کو مسیحا، مقتول کو مجرم، رات کو روشن، دن کو اندھیرا، چوہدری لال سنگھ کو دیوتا، چندر پرکاش گنگا کو گنگا جل جیسا پوتر بتادے گا۔ اُس بندۂ خدا نے شاید سنگھی وکلاء کے اندر باہر کالا پن، باہر میلا پن بھانپ لیا ہوگا جبھی تو ان کا کچا چٹھا بیچ بازار میں بس ایک شعر سے بکھیر دیا، یعنی ان کے کالے جسم کے ساتھ ان کا دل و روح کا کالا پن ہمارے سامنے آگیا۔ آٹھ سال کی معصوم بچی آصفہ کا درد بھی انہیں نہ رُلا سکا، اس کی آہ کا اثر بھی

ان کی آنکھوں میں تری پیدا نہ کرسکا بلکہ قاتل و مجرموں کی طرف داری میں سڑکوں پر نکل آئے جیسے عدالتی افسران نہ ہوں گلی محلوں کے غنڈے ہوں۔ اسی پولیس فورس کا راستہ روکا جس کی واہ واہ تب کرتے جب وہ بانہال کے اِس پار گولیاں پیلٹ چلاتے ہیں، اتنا ہی نہیں زیر حراست بدکرداروں بدقماشوں کی حمایت میں سڑکوں پر نکل کر واہ واہی کرتے رہے، شاید یہ بھی نعرہ لگایا ہو کہ سانجی رام آگے بڑھو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سانجی اپنا گھناؤنا کام اکیلے نہیں کرتا بلکہ سانجھے داری میں کرتا ہے۔ ہے تو وہ سانجی رام پر رام کا یہ بھگت رام مندر میں سب کچھ انجام دیتا ہے۔ جس مندر کی قسمیں کھاتا ہے، اسی کی آستھا کو گندہ کردیتا ہے۔ عجب نہیں کہ سیتا میا بھگوان رام سے کہہ دے، اچھا ہوا راون نے ہی اغواء کیا، آج کے رام بھگت ہوتے تو نہ جانے کیا حشر سامانی ہوتی۔ بوڑھے کھوسٹ سانجی نے بیٹے کو، بھتیجے کو، یومیہ مزدوری پر پولیس والے کو بربریت کا ٹھیکہ دیا۔ جب اس کا پول کھل گیا تو ہیرانگر پولیس تھانے کو مال و زر سے منہ مانگے داموں خرید لیا۔ پیسہ بولتا ہے جبھی تو عادت سے مجبور ان پولیس والوں نے قتل کی سنگین واردات کے اوپر اپنی من گھڑت کہانی کا کفن اوڑھنے کی ناکام کوششیں کیں۔ موقعٔ واردات پر جو تفتیش کرنے گئے وہ مجرموں کے اعانت کار بنے، جو جرم کی پرتیں کھولنے گئے، وہی سنگ دل قاتلوں کو قانون کی نگاہ سے چھپانے میں لگ گئے لیکن اسے کیا کہیے کہ ایک لوہار کی سو سنار کے مصداق آصفہ کے کفن نے بہت جلد اپنے قاتلوں کا نام پتہ اسی طرح بتایا جیسے آسیہ اور نیلوفر نے ان کی نشاندہی کی تھی، حق و صداقت سامنے آگئی، آصفہ کی مظلومیت کا فسانہ زبان زدِ عام ہوا، حریت نے ہڑتال کرائی، بکروالوں نے وردی والوں سے ٹکر لی، آہستہ آہستہ اقوام غیر متحدہ کے

باس سے لے کر نیو یارک ٹائمز تک کے کان میں بھنک پڑی کہ خستہ جگر آصفہ کشمیر میں صنف نازک کی مظلومیت کا استعارہ ہے، اس نے دنیا کو اس خبر سے اتنا ہلا کر رکھ دیا کہ بالی وڈ کے گلیمر سے لے کر سیاست کے ایوانوں تک، مودی سے لے کر مفتی تصدق تک، ثانیہ سے لے کر راہل گاندھی تک سب اپنی اپنی چپ کا روزہ توڑنے پر مجبور ہوئے۔ اس سے بوکھلا کر کالا کوٹ پہنے جموں بار کا سپہ سالار اسی غنڈہ گردانہ انداز میں بھڑک اُٹھا جیسے لال سنگھ نے سنہ سولہ میں جموں کے گوجروں کو دھمکی دی تھی کہ سن سینتالیس یاد کرو۔ ویسے اس نے بانوئے کشمیر اور ہل والے قائد ثانی کو یاد دلایا کہ ہم وہ ہیں جنھوں نے تمہیں ائر پورٹ سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ اب تو فوج پولیس سب کو چیتاؤنی دے ڈالی کہ ہم سامان حرب وضرب لے کر میدان میں آئیں گے، اپنے گرو گھنٹال سانجی رام کو جیل سے نکالیں گے، کہ وہی ان کا پیر و مرشد ہے۔ ادھر جانے کیا بات ہوئی کہ دیر ہی سہی راہل بابا نیند سے جاگا۔ اور وہ جو کہتے ہیں جہاں کانگریس کی چاچی بھتیجے نے منہ کر دیا ادھر سے واہ واہی وصول ہوتی ہے جبھی تو مقامی صدر کو بھی آٹھ سالہ بچی یاد آئی۔ اور ہم نے یاد کیا کہ ایسی ہی کشتی میں وہ بھی کبھی سفر کئے تھے۔ سوچتے ہیں کہ ایسا کیا ہوا کہ دل، جسم، روح اور پوشاک کے یہ کالے دیو گلی کے غنڈے کیسے بنے۔ ہو نہ ہو کنول بردار سیاست کے یہاں سے چڑھ جا بیٹا سولی رام بھلی کرے گا کی شاباشی ملی ہو۔ ان کے اپنے دو وزیر ہجومی سیاست کا حصہ بن کر سانجی رام کی جے بولے تھے اور بانوئے کشمیر اپنی کرسی کی حفاظت کرتے کرتے ان کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھا سکی کہ اس کے ہر قدم کے لئے دلی دربار کا تخلیہ درکار ہے۔ کنول برداروں کا ایک اور ساتھی اناؤ یو پی میں اسی ضمن میں زیر تفتیش ہے۔ کنول سیاست بھی عجیب ہے کہ جو باپ بیٹی کے حق میں آواز اٹھائے اسے پولیس تھانے میں لے کر خاموش کر دو۔ یعنی کبھی مسلم اقلیت کی جان کے لالے پڑے تھے اب تو ان کے اپنے حمایتی بھی ان کی لوٹ پاٹ کا شکار ہیں۔ معصوم لڑکی کے آنسو پونچھ کر نوکری دلانے کا وعدہ کیا۔ ہو نہ ہو یہ بھی میک ان انڈیا کا نیا پلان ہو جس میں وکاس کی نئی راہیں کھل جاتی ہیں۔ ایسا وکاس ان کو ہی مبارک۔ ایک اور تو یوگی راج میں اپنے پرانے گناہ دھلنے کے لئے ہاتھ پیر ہی نہیں مارتا بلکہ یوگی راج کے تلوے چاٹ رہا ہے۔ یعنی کنول بردار سیاست کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بیٹی بچاؤ پر کس سے ۔۔۔۔۔ بھاجپا کے کنول برداروں سے۔ مطلب صاف

ہے بیٹی بچاؤ نعرہ نہیں تھا بلکہ دھمکی تھی کہ اپنی بیٹیوں کو کنول لکڑیوں سے بچاتے رہو نہیں تو خیر نہیں۔ یا یوں کہیے کہ بیٹی بچاؤ تو نعرہ ہے بلاتکاری بچاؤ تو مینی فیسٹو ہے۔ جب کنول بردار شیطان کی طرف داری کرنی ہو تو بھاجپا کے لئے مملکت خداداد والا ہتھیار کافی مضبوط دکھتا ہے جبھی تو بی جے پی ایم پی کھنڈوا (مدھیہ پردیش) نند کمار چوہان نے سیدھا نشانہ سرحد پار داغا کہ آصفہ کا ریپ پاکستان کی سازش ہے۔ ظاہر ہے جب ملیریا کے مچھر، ہیضے کے چوہے، جاسوسی کبوتر سرحد پار سے آسکتے ہیں پھر بھلا ریپ کی سازش کیوں نہیں؟؟؟؟ خوش رہو زعفرانی بھگتو!

یہ بڑا پردیش ہی نہیں یوگی راج نے اسے انکاؤنٹر پردیش بنا دیا ہے۔ ہمارا تو دفعہ ۳۷۰ زخمی ہے اور ہم اس کی مرہم پٹی کروانے میں مشغول ہیں لیکن یوگی راج میں دھڑا دھڑ انکاونٹر ہو رہے ہیں اور ۳۷۰ لوگ مار ڈالے گئے۔ ابھی تک اسکور ایک ہزار واقعات تک پہنچ گیا۔ مودی کے گجرات کا ریکارڈ ٹوٹنے کو تیار ہے۔ وہ دو ہزار کٹوا کے وزیر اعظم بنا۔ اگلی باری یوگی کی ہے کہ مارتے جاؤ اور ایک ایک پائیدان اوپر چڑھتے جاؤ۔ سنا ہے بدمعاش بھی اس قدر گھبرائے ہیں کہ رات کو پولیس اسٹیشن آ کر سوتے ہیں۔ وہاں نہ انکاونٹر کا خوف نہ گرفتاری کا۔ یعنی چھوٹے چھوٹے سانبہ خود گبر سنگھ کی پناہ میں آ کر چین کی سانس لیتے ہیں۔

سیاست کی ملی جلی کھچڑی، جس میں قطبین ملانے کا کام مرد مومن کی سربراہی میں حسیب مادھو نے کر دیا، میں وہ دوسرے نمبر پر ہے کہ کنول بردار ہے اور ترشول برداروں کی ٹولی اس کے پیچھے چھپن انچ کی چھاتی تانے کھڑی ہے کہ کب اشارہ ہو تو وہ میدان جنگ میں کود پڑیں۔ مانا کہ وہ نرمل ہے اور کبھی کبھار اس کا دل کومل بھی بن جاتا ہے لیکن جنگ کا بگل وہ ہمیشہ منہ کے پاس رکھتا ہے اور اس کے ذریعے کہیں مملکت خدادا کی فوج کو کوستا ہے کبھی ملک کشمیر میں عسکری کمانداروں کو آنکھیں دکھاتا ہے۔ جبھی تو یہاں اسے جنگ آخری مرحلے میں داخل ہوئی محسوس ہوتی ہے اور اعلان کر دیتا ہے کہ ہمارا پلڑا بھاری ہے۔ بندوق کے مقابلے میں جب توپ اور گن شپ ہیلی کاپٹر ہو، پتھر کے بدلے میں جب گولی ہو، نعرہ بازی کے سامنے جو پیلٹ ہو تو کسے نہیں معلوم پلڑا کونسا بھاری ہوگا۔ پر سمجھنے والے سمجھتے ہیں جو نا سمجھیں وہ اناڑی ہیں کہ جو پلڑا ہلکا ہوتا ہے وہ عام خام لوگوں کا نہیں جمہور کا ہوتا ہے جس کی قسمیں رات دن کنول بردار کھاتے رہتے ہیں۔ ان کا کیا

ہے وہ تو جمہور کا دفاع اپنے انداز سے کرتے ہیں۔ نہتوں کو گئو ماتا کے نام پر مار ڈالنا اور عصمت دری وقتل کے ملزمین کو قومی ترنگا کی آڑ میں بچاؤ کرنا ان کی نظر میں جمہور کی آبیاری ہے یا راست الفاظ میں کہدیں کہ خونیاری ہے۔ یعنی وہ خون سے جمہور کو سیراب کرتے ہیں البتہ خون ان کا نہیں بیگناہوں کا ہوتا ہے۔ ویسے ملک کشمیر ہے ہی ایسا کھیل کہ کبھی اقوام متحدہ میں ڈپلومیسی سے کھیلا گیا، پھر سیاست سے من تو شدم تو من شدی کے ذریعے کھیلا گیا، کچھ دیر میدان جنگ میں بھی کھیلا گیا لیکن اب کی بار میدان کرکٹ میں کھیلا جارہا ہے۔ ادھر مملکت خداداد سے شاہد آفریدی اپنی دیرینہ عادت کے مطابق بلا ہوا میں گھما کر چھکے پر چھکے اُڑا رہا ہے۔ بیانات کی اسپن گیندیں پھینک رہا ہے کہ گھمبیر اور ویرو کا سر چکرا جاتا ہے۔ پھر وہ بھی بیانات کا اناپ شناپ بکتے ہیں۔ ایسے میں ہی گیند بازی کا اسپیڈ اسٹار بیانات کے باؤنسر پھینکتا ہے۔ نپی تلی رفتار میں ایک خواب کی بات کرتا ہے کہ کب وہ ملک کشمیر کی مکمل آزادی کی خبر سن پائے۔ اسپیڈ اسٹار کو کیا پتہ اپنے ملک کشمیر میں کتنے ہی لوگ یہ تمنا لئے ملک عدم سدھارے اور زمین جائیداد کی وصیت کے بدلے یہ تاکید کی کہ ان کی قبر پر زور سے چیخا جائے کہ یہ ملک ہمارا ہے اور اس کا فیصلہ ہم ہی نے کر ڈالا۔

جنگ تو پچھلے سال بھی جاری تھی اور بقول نرمل سنگھ اس جنگ میں بھی نہتے لوگ ہار گئے۔ کچھ زندگی کی جنگ ہارے کچھ عزتِ نفس کی۔ جیتی تو بس بندوق اور کرسی کے بل پر بلوان۔ یا یوں کہیے طاقت کے نشے میں (گلوان)۔ بندوق بردار فوجی کئی ایک کو درگور کر گیا۔ سیاسی کرسی کی تمنا لئے ہل والا قائد ثانی اقتدار حاصل کر گیا۔ بیچارہ غریب کاریگر فاروق ڈار دن بھر جان ہتھیلی پر لئے بونٹ سے بندھا گاؤں گاؤں گھمایا گیا۔ ایک طرف ووٹ اس کو شرمسار کر گیا کہ اپنے پاس پڑوسی منہ لگانے کو تیار نہیں۔ دوسری طرف سرکار کوئی معاوضہ نہیں دیتی۔ کہ اگر دیدیا تو خود میجر صاحب کی بے عزتی ہوگی بھلا میجر کا غصہ بڑا بھیانک ہوتا ہے۔ وہ تو کہتا ہے کہ دنیا کا سب سے مہلک ہتھیار افسپا میرے کاندھے کا تاج ہے کوئی مائی کا لال ہاتھ نہیں لگا سکتا اور یہ کہ میرے ہی دم سے سیاسی کرسی کی چاروں ٹانگیں مضبوط ہیں۔ اگر میں ہل گیا تو سیاسی دنیا ایسے لڑکھڑائے گی جیسے بھونچال کے بیل کے سینگ ہلانے سے دنیا ہلتی ہے۔ بھلا سیاسی بھونچال برداشت کرنے کی سکت اپنے سیاسی ساہوکاروں میں ہے کہاں؟ اور سیاسی دوکاندار تو اس تصویر کا فائدہ اٹھا رہے ہیں

کہ اس کی چھاپ لگی ٹی شرٹ بیچ کر بھاجپا لیڈر خوب کمائی کر رہا ہے، مگر فلمی ساہوکار بھی کوئی پیچھے نہیں کہ باغی ۲ فلم میں ایسا سین استعمال کر سو کروڑ زمرے میں داخل کروانے میں کامیاب ہو گیا یعنی فاروق ڈار کو منظور شدی رقم نہ دے کر بانوئے کشمیر اس ٹی شرٹ اور فلم کی برانڈ ایمبیسیڈر بن گئی ہے۔ سیاست بھی زبردست چیز ہے کہ الیکشن ٹائم میں سبھوں کو ووٹر یاد آتے ہیں جبھی تو دلت سماج کو سب پچکارنے لگے ہیں۔ ان کے حق میں بیانات، حمایت میں ریلیاں حتیٰ کہ بھوک ہڑتال بھی ہوئی۔ شی۔۔۔ شی کسی کو بتانا نہیں کانگریس والوں نے بھوک کے ڈر سے پہلے چھولے بھٹورے کھائے تب کہیں جا کر منچ پر بیٹھنے کی ہمت جٹائی اور دلت سماج کی حمایت میں کچھ گھنٹے چھولے والی بھوک ہڑتال کر دی۔

آخر میں یہ دلچسپ بات کہ بھاجپا کی آمدنی نوٹ بندی سال میں اکاسی فیصد بڑھی اور ایک ہزار اڑتیس کروڑ پہنچی۔۔۔ یعنی دیش کا پیسہ بھاجپا کی تھیلی میں!

Published 16/4/2018

* *

صداقت نہیں ہے سیاست کی لونڈی

جس کا ڈر تھا بے دردی وہی بات ہوگئی۔ بانوئے کشمیر نے واویلا مچایا، کچھ آنسو بھی بہائے کہ یہ اس کا مستقل شغل ہے۔ جہاں بھی دکھوں کا دریا دیکھا، اس میں چند ایک آنسو اپنے بھی ملا دیئے اور اعلان کر دیا کہ ہر ایک کا غم نقلی ہے، اگر کسی کا غم اصلی ہے تو وہ خود اس کا غم ہے۔ باقی لوگ نقلی مال بیچتے ہیں اور گلسرین کے آنسو بہاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اصلی مال پر جی ایس ٹی بھی عائد ہوتا ہے یعنی اگر کسی آنسو کی قدر و قیمت اعلیٰ ہے تو بس اہل قلم دوات کے اور ان میں بھی خود بانوئے کشمیر کے، مانو آنسو نہ ہوئے موتی ہوئے۔ جبھی تو واشگاف اعلان کر دیا کہ اپنی سوسائٹی میں کہیں نہ کہیں جھول ہے جس کا کوئی تول ہے نہ مول۔ اس کے پس و پیش اور چپ و راست میں مکھڑی کے جالے لٹک رہے ہیں جن میں بے قصور پھنس جاتے ہیں اور نکل نہیں پاتے۔ قلم والے مرد مومن نے قطبین کو ملا دیا تھا اور سیاست کا ایسا مادھورام اور حسیب نے مل کر تراشا تھا کہ اہل کشمیر ہائے ہائے کرتے رہے کہ یہ کیسا ملن ہوگیا۔ مانا کہ تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں اور پہلے ہی دن بھانپ لیا تھا کہ دوات کی روشنائی کنول چوس کر اپنی آبیاری کرے گا اور قلم خشکی کے سبب ناڑا لگانے کے کام آئے گا مگر کرسی کا ایسا لالچ دیکھو کہ اندھا کیا جانے بسنت کی بہار۔ کرسی کرسی کرتے کرتے کیچڑ میں ایسے پھنسے کہ اب تک نکلنا محال ہوا جا رہا ہے۔ کنول کا پھول ہاتھ نہ لگا بس کیچڑ سے سیاسی وجود ہی لت پت ہوگیا۔ خیر وہ تو بڑے مفتی کا فتویٰ تھا کہ ہم نے نئی تاریخ رقم کی ہے اور شمال جنوب کا ایسا میل کیا سمجھو فیویکول کا جوڑ ہے۔ مطلب جوڑ ایسا لگایا جو ٹوٹے دلوں کے بغیر سب کچھ جوڑتا ہے۔ بھائی صاحب! اپنے ٹوٹے دلوں کو جوڑنے کے لئے تو سیاست

دانوں کو کرسی چاہئے وہ تو ہاتھ لگ ہی گئی یعنی اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں، سیاسی ساہوکار کو کیا چاہئے ایک کرسی، ایک گاڑی اور گاڑی کے آگے جھنڈا اور ساتھ میں ڈنڈا۔ اب تو ڈنڈا بھی تبدیل ہو کر لوہے کا ہو گیا ہے جو منہ سے آگ اگلتا ہے، یعنی جھنڈے میں جو ڈنڈا ہے وہی سیاست کاروں کا ہے۔ لوہا جب ساتھ ہو تو لوہے کے چنے بھی چبانا پڑتے ہیں۔ ایسے میں فتویٰ بھی نیا جاری کرنا پڑتا ہے، اس کے لئے چھوٹا مفتی شامل حال ہے۔ ہاں، کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے جبھی تو نیا فتویٰ کچھ ایسا آیا کہ ہم نے سوچا امریکی تربیت کا کچھ اثر ضرور لیا ہے۔ بے باکانہ کہہ ڈالا کہ ہم شریکِ جرم ہیں۔ صاف ظاہر ہے جو خون بہا اس سے ان کے ہاتھ رنگے ہیں جنہیں کوئی مگرمچھی آنسو دھو نہیں سکتے۔ یہ جو نیا فتویٰ آیا تو ہم سوچنے لگے کہ قطبین کا جوڑ کمزور پڑنے ہی لگا ہے آج نہیں تو کل ٹوٹ جائے گا۔ دو تین دن کا وقت گزرا تو ہم سمجھے کہ فیویکول والا جوڑ اتنا مضبوط نہیں جتنا کرسی کے لالچ کا جوڑ ہے۔ شریک جرم کہنے والے شرکت اقتدار قائم رکھ گئے۔ شریک ندامت شریک ملامت بنے رہے۔ شرمندگی کے احساس کو ضمیر پر زیرو ڈگری ریگ مال چلا کر صاف کر گئے۔ ادھر جو لال سنگھ کا چہرہ شرمندگی سے لال ہو گیا اور چندر پرکاش کی گنگا الٹی بہنے لگی تو بانوئے کشمیر نے اسے اپنی جیت کے کھاتے میں ڈال دیا۔ پھر کیا تھا قلم دوات والے بھی خوشی سے ناچنے لگے مانو کہہ رہے ہوں جو ہم سے ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائے گا، یعنی سیاسی دھمال کرتے ہوئے فیرویو گیسٹ ہاؤس سے بیج بہاڑہ تک بیانات کی قندیل روشن کر دی اور دو وزراء کے استعفے کو اپنی جیت جتا کر غازہ سمجھ کر سیاسی قلابازیوں کے بازار حسن میں اپنا جلوہ بکھیرنے لگے۔

اچھا تو ہم چلتے ہیں
چہرے پر پاؤڈر ملتے ہیں

برادر اصغر کے فتویٰ کو پڑھنے کے بعد یعنی شریک جرم ہو کر بھی بانوئے کشمیر گورنر سے ملاقی ہوئی۔ یہ پتہ لگانے کہ کہیں کرسی کھسکتی تو نہیں جا رہی۔ حالانکہ کنول برداروں کو بھی ملک کشمیر کی گدی جانے کتنے ہون اور کتنی تپسیا کرنے کے بعد ہی ہاتھ آئی ہے اور وہ کسی بھی صورت اسے گنوانا نہیں چاہتے، پھر بھی کیا پتہ دلی دربار سے کوئی ایسا سندیسہ آیا ہو کہ اب کنول برادری کو قلم

برداروں کی ضرورت نہیں رہی۔ ادھر راجیہ پال سے ہدایت ملی کہ آصفہ کیس میں روزانہ ٹرائل چلایا جائے۔ اس نے تو آصفہ کیس میں کہا تھا پر ادھر یہ ملک کشمیر سمجھ بیٹھیں۔ سنا ہے کہہ ڈالا کہ اہل کشمیر کی ٹرائل کے لئے جھنڈے، ڈنڈے، بندوق، پیلٹ سب کچھ ہے اور ان سے جو بچ کر نکلے ان کے لئے پی ایس اے موجود ہے کہ جو چھ مہینے سورج کی روشنی کے دیدار نہیں کرواتا۔ پھر جو کورٹ کی وساطت سے بچ نکلتا ہے وہ دروازے سے نکلے تو کھڑکی سے واپس اندر پہنچ جاتا ہے۔ اندر آ کر مغالطے میں پڑ جاتا ہے ع

یہ تو وہی جگہ ہے گزرے تھے ہم جہاں سے

یہ کنول بردار بھی جانے کس مٹی کے مادھو بنے ہیں کہ انہیں ہر چیز اپنی دکھائی دیتی ہے۔ تاج محل شاہ جہاں نے نہیں بنایا یعنی بادشاہ نے جو محبت کی داستان کوئی بائیس سال میں لکھی انہیں شک ہی نہیں یقین ہے کہ وہ پہلے مندر تھا جس میں وہ پہلے آرتی اُتارتے تھے اور بادشاہ تو بعد میں اپنی ملکہ کی آرتی اُتارنے لگا۔ بقول بھکت جن جامع مسجد بھی یمنا مندر تھا اور لال قلعہ بھی کسی بھگت کی تعمیر ہے۔ چلو ہم تو چپ تھے کہ مسلم اقلیت پر حملہ کرنا وہ اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں لیکن اب تو سائینسی معلومات پر بھی حق جتانے لگے بلکہ ترشول سے سائینسی سیف میں سیند لگا کر زعفرانی چیتھڑوں میں لپیٹ کر اپنا مال ہے اپنا مال ہے دھونی رما بیٹھے۔ تریپورہ کے وزیر اعلیٰ نے نیا انکشاف کر دیا کہ انٹرنیٹ اور فیس بک وغیرہ رامائن کے زمانے میں موجود تھا۔ یہ مارک زیکر برگ بے چارہ ابھی امریکی قانون سازوں کے سامنے بیان دینے سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ بھارت ورش کے زعفرانی دشت آسنوں نے اپنا حق جتانا شروع کیا اور اس کی ملکیت پر ہاتھ ڈال کر کہہ دیا کہ بھائی صاحب آپ کے پاس جو فیس بک جائیداد کے مالکانہ حقوق سے متعلق کاغذات ہیں وہ جعلی ہیں اور ان پر کسی ایسی عدالت کی مہر ثبت نہیں جس میں جج صاحب چھوٹی چڈی پہنے اور ناگپوری تلک ماتھے پر سجائے ہو۔ مارک کی یہ حالت دیکھ کر ہم بھی شش و پنج میں پڑ گئے کہ ہو نہ ہو ناگپوری فیملی کی بات میں دم ہو۔ کتابیں کھنگالیں تو ہوش اُڑ گئے کہ مانا کہ بھارت ورش میں پاخانے نہیں تھے اور اسی لئے انگریزوں نے ریلوے لائینیں بچھا دیں کہ صبح صبح لوگ ہلکا ہونے انہی لائینوں پر اپنی لائینیں لگا دیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اب کی بار مودی سرکار نے سب سے

پہلا کام یہی کیا کہ ریلوے لائینوں کو اس گھس پیٹھ سے نجات دلا دی اور سوچھ بھارت کا نعرہ بلند کر دیا۔ یہ اور بات ہے کہ چھوٹے مودی نے یہ کام پنجاب نیشنل بنک میں گھس کر ہیرے جواہر کا جھاڑو پھیر کر خزانہ صاف کر دیا۔ اور بھگت جنوں کی یہ بات کیسے جھٹلائیں کہ بارہویں صدی تک بھارت میں نیوکلیائی ہتھیار، وائی فائی، انٹرنٹ سب کچھ تھا، پر اس کے بعد باہری حملہ آور آئے۔ کہیں خلجی کہیں بابر نے قبضہ جمایا تو بھگت جنوں کی اپنی ٹیکنالوجی ہاتھ سے گئی۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ اطلاع دی کہ جو ڈرون آج کل امریکی پاکستان افغانستان میں دوڑاتے ہیں وہ بھارت میں ڈرون آچاریہ نے صدیوں پہلے ایجاد کر دئے تھے اور صدیوں پہلے جو انٹرنیٹ رائج تھا اسے دیوی کے نام پر اندرا نیٹ کہا جاتا تھا۔ فیس بک تو دوستی کرنے کا سوشل نیٹ ورک ہے اور اسے پہلے زمانے میں بھارت کے نواسی رام جی مترتا یوجنا کہتے تھے۔ ہو نہ ہو اسی یوجنا کے ذریعے ویلن راوَن نے سیتا میا سے سادھو سنیاسی کے روپ میں دوستی کر لی اور پھر دھوکے سے بلا کر اغواء کر لیا۔ ایسا بھی کیا کہ بھگت جنوں کے واٹس اَپ کے ذریعے ہی ہنومان کو سندیسہ ملا اور وہ پورا پہاڑ لے کر حاضر ہوا کہ مائی باپ خود دیکھ لو کون سا پودا اور کس جگہ ہے تو پرکھ لو۔ ایک سوال تو پھر بھی من میں ابھرتا ہے بلکہ کچوکے لگاتا ہے کہ دریودھن اور یدھشٹر سامنے بیٹھ کر کیوں جوا کھیلتے رہے۔ وہ تو آرام سے آن لائن کھیل سکتے تھے جیسے آج کل گھر بیٹھے بھی کھیلا جاتا ہے۔ ہو نہ ہو یہی کچھ مودی مہاراج کے من میں سمایا ہوا ہے کہ لندن میں تقریر کرتے ہوئے اپنے بھگت جنوں کو اپنے وَش میں کر لیا اور یہ مٹھی بھر پیڈ (Paid) سنیاسی راگ ہر ہر مودی الاپتے رہے۔ اس دوران مہاراج نے سرجیکل اسٹرائک کا فسانہ چھوٹی مونچھ کو تاؤ دیتے ہوئے چھیڑا: یہ مابدولت چھپن انچ چھاتی والا ہی تھا جس نے گھنٹوں پاکستانیوں کے فون گھمائے تاکہ یہ کہہ سکیں ہم نے سرحد پار ہوا میں مکے مارے، لاتیں برسائیں، اب اپنے فوجیوں کی لاشیں اُٹھا لے جاؤ مگر فون نہ لگا، بک بک کرتا رہا اس سے اُپ بھوگتا کا فون آوٹ آف ریچ یا سوئچ آف ہے، مہربانی کر کے اگلی صدی تک انتظار کیجئے یا لائین پر بنے رہئے۔ ہم نے فون نہ چھوڑا، یہاں تک لندن آ گئے اور آپ کو یہ ماجرا سنا رہے ہیں۔ مہاراج پرتھوی راج! یہ ہوئی نا مردوں والی بات، مگر ذرا یہ راز بھی کھولئے اگر سرجیکل اسٹرائک پاکستانی علاقے میں ہوئی تو پاکستانی فوجیوں کی لاشیں ہندوستانی

علاقوں میں کیسے گریں؟ کہیں یہ ویدک زمانے کا کوئی چمتکار تو نہیں؟ خیر مودی مہاراج بڑے دیالو ہیں کہ پار کو لاشیں لے جانے کے لئے فون کرتے رہے۔

بھارت ورش کے لوگ بھی سیدھے سادھے ہیں کہ کبھی اندرا کی جے جے کار کر کے اس کے منہ پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے کہ وہ درگا ماتا ہے اور اب تو ناگپوری یوجنا کے پسر پروردہ مودی کے بارے میں منہ کھولنے والوں کو دیش دروہی جتاتے ہیں۔ جب ہم سب کا ساتھ والے زمرے میں شامل نہیں تھے تو ہمیں اچھے دن آنے والے نعرے سے روشناس کرایا گیا۔ ہم تو بلیوں اچھلنے لگے کہ ہم ساتھ اور وکاس کے گھوڑے پر سوار ہو کر اونچا اڑنے والے ہیں لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ وکاس سے پہلے ہمارے لال ٹماٹر دس روپے، ساگِ مفلساں آٹھ روپے اور امبری سیب سو پچاس روپے فی کلو بکتے، اب اتنا وکاس ہوگا کہ ان کے نرخ اوپر اور غریبی کی سطح سے نیچے والی جنتا اور نیچے۔ اسے کہتے ہیں خدا دے بندہ لے۔ اب یہ جو وکاس کا نیا منتر الٹ پلٹ کے دیکھا تو پتہ چلا کہ امیر راجہ کی غریب پرجا بھنگڑا ڈالے، خوشیاں منائے، پٹاخے پھوڑے کہ کم از کم اس کا نہیں غریب سبزیوں کا وکاس تو ہو گیا اور وہ امبانی کی طرح امیری کی سطح سے بھی اوپر آ گئے ہیں۔ اپنا غریب ڈیزل بھی خط افلاس سے نیچے تھا لیکن بھلے ہی بین الاقوامی سطح پر تیل کی قیمت کم ہوئی لیکن اپنے اچھے دنوں کا نعرہ سن کر ہمارا ڈیزل بھی امیر پٹرول کا درجہ پا گیا۔ مطلب سب کا وکاس ہو گیا کہ غریب کے اے ٹی ایم پر سرجیکل اسٹرائیک ہوئی اور بچارے کا سارا پیسہ اشیائے ضروریہ نے ڈکار لئے۔ مودی سرکار کی اس کرم فرمائی کی نکتہ چینی کے کیا معنی جب لوگ اچانک ان چار برسوں میں بہت بہت بہت امیر ہو گئے، یہ اور بات ہے کہ لوگوں کی نوکریاں پہلے ہی چلی گئیں اور نئی جابس کا کوئی اَتہ پتہ نہیں۔ البتہ مودی سرکار کوئی صدیوں پہلے کی ٹیکنالوجی استعمال کروا کے ایک سو کروڑ پچیس دیش واسی نہال ہیں کہ سنہرے سپنوں کے خزانے سے دھڑا دھڑ پیسہ نکال رہے ہیں اور بازارِ وکاس پر خرچ کر رہے ہیں۔ ادھر سرکار نے بھی از راہِ کرم اعلان کر دیا کہ پیسے کی کمی کو روکنے کے لئے ہم اور کرنسی چھاپیں گے، گویا ریزرو بنک نہ ہوا محلے کے نانوائی کی دکان ہوئی۔ خریداروں کی لمبی لائن جو دیکھی اور آٹا گوندھا، اور خمیر ملائی اور روٹیاں تندور میں سینک لی، معاملہ گول، کھیل ختم پیسہ ہضم۔ اب کی بار مودی سرکار کا پندرہ لاکھ کا وعدہ پورا نہ سہی مگر ۲۰۱۹ء میں یہ سپنا

ساکار ہوگا۔ فی الحال ہر سیکنڈ بھینگی آنکھ مارنے والے جنم جنم سے کنگال بابا رام دیو کا وکاس سچ مچ ہوگیا کہ اس کی پتنجلی پر ٹیکس چھوٹ کا اعلان ہوگیا۔ عام لوگوں کو تو پندرہ پندرہ لاکھ نہ بھی ملے مگر بابا کو تو کئی پندرہ پندرہ کروڑ کی راحت ملی!! اچھے دن ہیں مودی سرکار کے درباریوں کے لئے!!!

Published 23/04/2018

* *

بے گور و کفن عریاں ہے چورا ہے پہ سیاست

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے بھائی۔ شاید وہ زمانہ ہی نہ رہا کہ لوگ سڑکوں پر نکل کر الہ کرے گا وانگن کرے گا (جو چاہے سو آپ کریں، کوئی اعتراض نہیں اٹھائے گا) کے گیت گاتے تھے۔ اور یہ بھی کہ چائے چینے ووٹ کورمَے حوالے (صبح ناشتے سے پہلے میں نے اپنا ووٹ تمہارے حق میں ڈالا) مگر لگتا ہے زمانہ بدلتا جا رہا ہے کہ لوگ نعرہ لگا کر کہتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ کشمیری خون سے رنگے ہیں یعنی جو سرخ رنگ ٹی وی پر فوجی تجزیہ نگاروں کو دکھتا تھا وہ اب ہل والے سیاسی سوداگروں کے ہاتھوں کو چھو گیا ہے اسی لئے لوگ پوچھتے ہیں کہ تم لوگوں کو نیند کیسے آتی ہے؟ مطلب ہل والے قائدین اب اہل کاشمر کو کھونٹی بندھے بھیڑ نہیں سمجھ سکتے اور اسی بھیڑ چال کا فائدہ اٹھا کر انہی لوگوں کی چھاتی پر مونگ دلو مگر وہ اب سوال پوچھتے ہیں اور کیا بتائیں کہ گپکار میں پوچھتے ہیں بلکہ سوال پوچھنے بر کلے اور پھر پرنسٹن امریکہ بھی پہنچے۔ سوالات بھی ایسے کہ باپ دادا سمیت سب کی خبر لی، یہ تک کہہ دیا تم نے جو بویا وہی کاٹ رہے ہو۔ کہاں ہاتھ پر سمجھو بیعت ہی کر ڈالی تھی اور کہاں خوف اتنا کہ قبر کے مجاور بندوق بردار وردی پوش بنے ہیں۔

امریکہ تقریر فرمانے گئے تھے ینگ عمر
خود مار کھا کے آ گئے سامان پیچھے رہ گیا

عجب بات ہے کہ سوالات پوچھنے امریکہ میں بھی کھڑے ہو گئے جیسے وہاں سوال پوچھنے والے عنقا تھے۔ ارے بھائی لوگو وہاں تو صدر امریکہ سے بھی سوال پوچھتے ہیں مانا کہ جب

اسے جواب نہیں ملتا تو میڈیا کو بکاؤ میڈیا کہہ کر جان خلاصی کرواتا ہے۔ اب کرے بھی کیا کہ ڈونالڈ ٹرمپ کی ملک شام میں نہیں چلتی اور افغانستان میں بھی کوئی نہیں سنتا۔ سیریا میں روسی حمایت والی فوج آنکھیں دکھاتی ہے اور افغانستان میں طالبان نے موسم گرما میں محاذ جنگ گرمانے کی دھمکی دے ڈالی کہ لڑ مرو عاشقو ہم لڑنا جانتے ہیں میز پر آ کر بات چیت کے عادی نہیں۔ اس سے افغان حمیت کو زک پہنچے گی۔ یہ اور بات کہ عالمی تھانیدار ماضی میں تو مملکت خداداد سے یارانہ گانٹھ کر افغانستان میں نئے بم بارود کی ٹیسٹنگ کروا رہا تھا پر اب تو مودی کو اپنے قریب لا کر پیٹھ تھپتھپا رہا ہے کہ میں ہوں نا گھر گھر مودی کا منتر پڑھاؤں گا۔

ہر ہر مودی کا منتر پڑھانے کے لئے اب تو کوئی خارجی طاقت ہی چاہئے کہ داخلی فورس کمزور ہے۔ گرمیت رام رحیم تو سلاخوں کے پیچھے ہے۔ آسارام سے جو آس لگائے تھے وہ آس جودھپور کی عدالت نے توڑ دی کہ ریش سفید عمر بھر کے لئے اندر گیا۔ بابا رام دیو تو بابو رام دیو بن گیا اور دوکاندار بن کر منتر پڑھنے کے بدلے چیزیں بیچ رہا ہے۔ دوسرے منتر پڑھنے والے سائنس کے بھنور میں پھنس گئے۔ وہ صدیوں پرانی کہانیوں کی کھوج میں لگے ہیں اور روز نئی ایجادات ڈھونڈ نکال رہے ہیں۔ ہمیں پلاسٹک سرجری کا گیان تھا، مہابھارت وقت میں انٹرنیٹ موجود تھا، ویدوں اُپنشدوں میں آئنسٹائن سے زیادہ اچھی تھیوری موجود تھی۔۔۔ یعنی وہ تیار بیٹھے ہیں کہ چلو ہم بھارت کو پُراتن کال میں لے جائیں۔۔۔۔ اور اس کے لئے بھاجپا کو ووٹ دو کہ اب کی بار مودی سرکار کا پسر پروردہ وکاس جو سب کے ساتھ کی گٹھری کاندھے پر اُٹھائے مودی سرکار نے جگہ جگہ شہر شہر، قریہ قریہ گھومنے کے لئے چھوڑ دیا تھا اور سب اس انتظار میں تھے کہ آج نہیں تو کل اپنے یہاں پدھارے گا۔ ہر ایک کے لئے گفٹ پیک لے کر پہنچے گا، کسی کو پندرہ لاکھ کا چیک، کسی کو حفاظت کی ضمانت، کسی کو نوکری، کسی کو قیمتوں میں کمی، کسی کو اچھے دن کی گارنٹی ہاتھ میں تھما دے گا۔ چار سال تو بیت گئے پر وکاس نہ پہنچا بس مودی سرکار کے من کی باتیں ہر اتوار کان میں سیسہ ڈالتی ہیں۔ ہم نے تو خون پسینہ بہا کر کچھ پیسہ جوڑ کر بنکوں میں جمع کر رکھا تھا کہ آڑے وقت کام آئے گا پر سنا ہے کچھ لوگوں کے دن پھر گئے، ان کے اچھے دن آ گئے اور وہ بنکوں میں سوچھ بھارت ابھیان کا جھاڑو پھیر کر نکل گئے۔ ڈیزل اور پٹرول کے دام اس قدر بڑھے ہیں مانو

آگ پر تیل کا کام ہو رہا ہے

قیمتیں دالوں کی بھی بڑھ جائیں گی سوچا نہ تھا
لوگ دھکوں کے سوا اب اور کھائیں گے کیا

ہم بھی زیرک ٹھہرے اس لئے پھر ہم نے سوچا کہ مودی کا بیٹا وکاس فیل کیوں ہو رہا ہے۔ وہ ہر ایک امتحان میں پچھڑ کیوں رہا ہے اور تو اور مسابقتی امتحانات کے پرچے پہلے ہی بازار میں بکنے کے باوجود وکاس کیوں کوئی جماعت آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔ کیا وجہ کہ سابق سرکار کی اسکیموں پر ربن کاٹنے اور نقل کرنے کے باوجود وکاس کوئی کلاس پاس کیوں نہیں کر رہا ہے۔ سوچ بچار کرنے پر پتہ چلا کہ وکاس بے چارہ کیسے پاس ہوگا وہ تو دن بھر گایوں کے پیچھے دوڑتا رہتا ہے۔ انہی کی رکھوالی کرتا ہے اور جہاں کہیں لگے کہ گائے کے ساتھ انیائے ہوا وکاس مارکاٹ پر اُتر آتا ہے۔ اس کے علاوہ گئو موتر کو مختلف بیماریوں کے علاج کی فہرست بناتا پھرتا ہے۔ ہو نہ ہو کبھی گائے ماتا کے پیچھے نلکی سے نکلتا گرم پانی پینے کے ساتھ کپڑے دھونے میں بھی استعمال کرے کہ اندر آٹو میٹک گیزر جو چل رہا ہے۔ مانا کہ بھارت ورش نے سائنس میں ترقی کی ہے۔ یہاں موجودہ انٹرنٹ اور سوشل نیٹ ورک موجود ہے لیکن بے چارے وکاس کو مہابھارت ٹائم کے انٹرنیٹ کے پیچھے لگا دیا ہے اور وہ وہی استعمال کرتا ہے۔ صدیوں پہلے جو انٹرنٹ بھارت میں بقول بھاجپا لیڈران موجود تھا اس پر کام کرتے ہوئے وکاس کو کھوج میں لگا دیا تو ظاہر ہے وہ موجودہ سائنس پر کام نہیں کر پا رہا ہے، اس لئے بے چارہ فیل ہو رہا ہے۔

ادھر تو وکاس ہر امتحان میں فیل پہ فیل ہو رہا ہے۔ اندر ہی اندر تو مودی جی کو یہ پریشانی ہے کہ سال بھر ہی رہا اب کی بار مودی سرکار رٹنے کو لوگ تیار نہیں وہ تو کہہ رہے ہیں اب کی بار نہ لائیں گا مودی سرکار اور اس پریشانی میں مودی کے چیلے، آدھے ان پڑھ آدھے ویلے، بیان پر بیان دے رہے ہیں۔ کہیں پاکستان، کہیں مسلمانوں تو کہیں دلتوں کو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ مسلم کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، دلت دولہے کو گھوڑی چڑھنے کی اجازت نہیں۔ عیسائی کو دھرم پرورتن کے نام پر مار پیٹ اور پھر بیان بازی توبہ!!! خود مودی مہاراج بھی اس سے پریشان اس لئے کہہ ڈالا کہ بھائی لوگو! زیادہ باتیں نہ کرو، پریس کے لئے مصالحہ مل رہا ہے اور وہ بھاجپا کی کھلی اُڑا

رہے ہیں یعنی جو نعرہ کبھی نہ کھاؤں گا نہ کھانے دوں گا اب بدل کر نہ کہوں گا نہ کہنے دوں گا بن گیا۔

پہلے مکہ مسجد بلاسٹ میں ملوثین رہا کیے گئے اور بعد میں نرودہ پاٹیہ گجرات فسادات کے مبینہ ملزمین چھوٹے۔ سابق وزیر مایا کوڈنانی پر الزام تھا کہ اس نے ان فسادات کے دوران مسلم آبادی پر قہر بپا کروانے میں حصہ لیا۔ پر سنا ہے سرکاری وکیل ایسا آدمی بنایا گیا جس کا یہ پہلا بڑا کیس تھا، یعنی عدالت سے پہلے میچ فکس کیا گیا۔ کب کیچ کی اپیل کرنی ہے اور کب رن آوٹ کرانا ہے اس کا فیصلہ باہر ہی لیا گیا۔ پھر تو کوڈنانی کا بچنا طے تھا، ہو کیوں نہیں کبھی تو مودی اور شاہ کی دست راست جو رہی، یعنی کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ اب ایسے میں ہم سوچ رہے ہیں کہ وہ جو مرے اپنی غلطی سے مرے مایا کڈنانی بیچاری بے قصور ہے۔ جہاں مار کٹائی ہو رہی تھی وہاں مسلمانوں کو کس نے کہا تھا یکجا ہو جاؤ۔ نہ ہوتے تو مرتے نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مایا کوڈنانی پر کوئی الزام نہیں لگ سکتا۔ خیر کوڈنانی تو چھوٹی پر کانگریسی مسلم نیتا سلمان خورشید کی زبان کھل گئی۔ ببانگ دہل اعلان کر ڈالا کہ کانگریس کے ہاتھ مسلم خون سے رنگے ہیں۔ ہم تو حیران ہیں کہ جو بات ہمیں سالہا سال سے معلوم ہے، وہ سلمان کو اب پتہ چلی۔ ملیانہ کیا، میرٹھ کیا، نیلی آسام کیا کانگریسی دور میں تو جانے کتنے کاٹے گئے مارے گئے۔ بھاجپا کا خوف دکھا کر مسلم اقلیت کو ووٹ بنک کے طور استعمال کرتے رہے پر جب انہیں تہہ تیغ کیا گیا تو کوئی نام لیوا نہیں۔ ہو نہ ہو کوئی نیا سیاسی پینترا بدلنا ہے جو سلمان خورشید کو مسلم اقلیتوں کا عذاب یاد آیا۔ اس پر اپنے ہل والے قائد ثانی سلمان کی پیٹھ تھپتھپا رہے ہیں کہ اگر بھارت ورش میں کوئی سچ بولنے والا ہے تو وہ صداقت کے چراغ کی طرح خورشید ہی ہے۔ واہ کیا بات ہے! مسلم اقلیت کی خبر گیری کوئی قائد ثانی سے سیکھے کہ گجرات فسادات کے چلتے کرسی پر لات ماردی اور ٹویٹر ٹائیگر کو مرکزی کابینہ سے استعفیٰ دینے پر مجبور کیا کہ بیٹا۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
کہ اپنی سیاست کے انڈے ہیں گندے

اور ایسے میں قائد ثانی کو ماضی کی غلطیاں درست کرنے کا حوصلہ ملا۔ سنا ہے وہ سن ستاسی کی ووٹ چوری، ہیرا پھیری اور سینہ زوری کو درست کر دیں گے۔ سن دو ہزار دس کے ایک سو بیس لوگوں کو

واپس لے آئیں گے۔

ہاتھ میں لاٹھی پکڑ کر سرکار بنوائیں گے کیا
بابا جی کچھ اور دن آپ جی پائیں گے کیا

نعرہ مستانہ لگانے والے کیا پتے کی بات کرتے ہیں۔ قاتلوں کو بچانا ہے۔۔۔ سی بی آئی انکوئری بہانہ ہے۔ یہ کنول بردار بھی کونسی مٹی کے مادھو ہیں کہ ایک نہ دوسرے بہانے بلات کاریوں کا بچاؤ کرنے میدان میں کودتے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں نام میں کیا رکھا ہے یہ بھی بچاؤ کرنے کبھی انکور گپتا تو کبھی ہندو ایکتا منچ کا روپ دھار لیتے ہیں۔ کٹھوعہ میں سی بی آئی انکوئری کے لئے آندولن کہ بقول ان کے اسی سرشتے پر بھروسہ ہے لیکن اُناو یو پی میں سی بی آئی کیس میں پھنسے ایم ایل اے کے حق میں آندولن۔ مطلب کٹھوعہ میں سی بی آئی پر پورا بھروسہ ہے لیکن یو پی میں نہیں۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ شمالی ہندوستان میں گائے ماتا اور داتا ہے لیکن شمال مشرق اور گوا میں اس کا گوشت ہر کوئی مزے سے کھاتا ہے۔ گائے ماتا کے شردھالوؤں کی شرافت کے بھی کیا کہنے کہ سارا پریوار کٹھوعہ کے ملزمانِ عیب دار کے حق میں آندولن کار بنا۔ ویسے اس زعفران زار سے اور بھی کیا اُمید؟ مگر اپنا سر چکرایا دل گھبرایا جب بار کونسل آف انڈیا کی ٹیم نے جموں بار کی اخلاقی ہار کو سدا بہار جیت کی پھول مالا پہنا دی۔ اپنی یہ وکلاء ٹیم کتنی بے تکلفی سے بولی: دیش اور دنیا والو! یہ جو بم بم بھولے جموں بار نے قطار اندر قطار سی بی آئی کی گہار لگائی، یہ پھول ہی پھول مطالبہ اوروں کو خار ہی خار نظر آیا، کیوں؟ لو جی! یہ تھوڑی کارِ نجار بدستِ گلگار رہے، یہ تو صرف کارِ عطار بدستِ چمار ہے، اور پھر فرق بھی کیا پڑتا ہے اگر سی بی آئی معصوم آصفہ کو ہی آسیہ نیلوفر کی طرح بالآخر اپنا قاتل قرار دے، رہے اپنے یہ ملزمانِ کٹھوعہ، یہ بے چارے بے یار و مددگار ہیں، ایک مودی سرکار کے بغیر اُن کا دشمن سارا سنسار ہے، کون کہتا ہے کہ یہ بلات کار ہیں؟ یہ بچارے پریوار کے وفادار ہیں، ہونہار ہیں، باکردار ہیں۔ اس لئے ہم وچن بند ہیں کہ جب تک رسنا گاؤں کے سابق تحصیلدار سنجی رام کو سلطنتِ جن سنگھ کا مالک و مختار نہ بنائیں، دیپک کھجوریہ کو پولیس حوالدار نہیں بلکہ زعفرانیوں کا تاجدار نہ بنائیں، وشال کو خوش حال کشمیر کا صوبیدار نہ بنائیں، حوالات کی ہوا کھا رہے پولیس کرمیوں کو ممہ کنہ سے بڑھ کر اُپہار نہ دلائیں ہم پر آرام حرام ہے۔۔۔ بار کونسل ٹیم

کی ٹہنی پر ہم بہ قائمی حواس خمسہ پوچھتے ہیں یہ کیا ہو رہا ہے بھئی اس دُکھ بھرے دیار میں؟ یہ ماجرا ہے کیا کہ آصفہ کے لئے زمین روئے، آسمان ماتم کرے، لیکن کالے کوٹ سچ کو ٹالیں، جھوٹ کو اُچھالیں، حق کو چھپالیں، ناحق کو بتلائیں۔۔۔ حضرات! کسی کے پاس ہمارے ان سوالی مروڑوں کے لئے کوئی جوابی گولی ہو تو اس ناچیز کو ضرور دیجئے گا؟ ورنہ ہم یہی کہیں گے ع

بے گور و کفن عریاں ہے چوراہے پہ سیاست

Published 30/04/2018

* *

پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں

یقین کرو بھائی دلی کو جب زکام ہوتا ہے تو ملک کشمیر میں ہوائیں سہمی سہمی چلتی ہیں اور جب وہ چھولے بھٹورے تقسیم کرنے کی بات کرتے ہیں تو اپنے سیاسی بھکاری یہاں پلیٹ، برتن، ٹوپی تک آگے پھیلاتے ہیں کہ آپ ہمارے ان داتا ہیں، اس میں کچھ ڈال دو۔ مانا کہ اسے اہل کشمیر ''لعنتہٕ منزٕ چونچا'' (لعن طعن میں سے اپنا حصہ) کا محاورہ بولتے ہیں لیکن مجال ہے کہ کوئی پیچھے رہ جائے۔ اسی لئے جیسے ہی کنول بردار وزیر داخلہ نے نئی ڈگڈگی بازار میں متعارف کرائی اپنے سیاسی کفن چور اس پر تھرکنے لگے۔ ناچ میری بلبل کہ پیسہ ملے گا۔ اس کو ہاتھوں ہاتھ لے بیٹھے کہ یہ تو ناگپوری مٹھ سے ملا پرشاد ہے۔ اور تو اور ایک دوسرے پر سبقت لینے اخباری دفاتر کا طواف کرنا شروع کر دیا کہ بھائی جان جج کرو میرا بیان جلی سرخی جما کر چھاپ دو، نہیں تو ہوسکتا ہے کہ دلی والے اَن داتا ناراض ہوکر انتودھیا یوجنا والی راشن ٹکٹ پھاڑ دیں۔ ایسا ہوا تو ہماری قسمت بھوکوں مر جائے گی اور نجانے آگے کی کتنی نسلیں دانے دانے کو ترسیں۔ اس دوڑ میں نیشنلی ساگر سے وانی تک، ایس جہانی سے آس جہانی تک، پیپلز کے بیگ سے مدنی تک یعنی دواتی سے قلمی تک اور کنول والے ایرے غیرے سے نتھو خیرے تک، صوفی سے پھوپھی تک میدان کارزار میں کودے جیسے بات چیت کی فرمایش نہیں ہوئی تیغ وتفنگ کی آزمایش ہوئی۔

ہر اک نا اہل یوں چپکا ہوا ہے اپنی کرسی سے
دیا ہے نام کفن چور جب سے ہم نے انہیں

اس پر بلا عوض اجرت ایک عدد نصیحت بھی کر ڈالی کہ یہ ڈگڈگی کسی بھی حال میں بجاؤ اور اس میں

سے نت نئے سر نکلیں گے جس سے اہل کشمیر خوش ہوں گے کہ بھائی لوگو! تمہارے دن اب پھر گئے ہیں۔ اب کی بار میز پر آ جاؤ، بات چیت کرو کہ میز ملی تو کرسی خود بخود دوڑی چلی آئے گی۔ یہ اور بات ہے کہ دلی دربار سے ملی دان میں کرسی کبھی مضبوط نہ تھی۔ یہ ہمیشہ ہی لڑھکتی، کھٹکتی، ڈولتی دِکھی کہ جب دلی دربار چاہے اسے مضبوط بنانے اور کسی اور کو دکھانے کے لئے دو چار کیل ٹھونک ہی دیں یا ہلکا سا فیوکول مل دے۔ کیل بھی ایسے کہ ترپین کیا، چوسٹھ کیا، پچھتر کیا، چھیاسی کیا یاد کریں تو چھلنے والوں کو اب بھی وہ ٹیس یاد ہے اور فیویکول بھی اتنا کہ ہلکی سی سیاسی ہوا اڑی تو کرسی چیخ چیخ بازو ٹانگیں بیک الگ۔ ویسے کرسی تو سیاسی مچھندروں کی قسمت ہے آپ تو عام خام عوام ہیں آپ کے منہ میں سرداری عوام کا حق ہے برانڈ والا زیرہ ڈال دیں گے کہ ہم کو معلوم ہے آپ اسی خوشبو کے سہارے پھر سالہا سال جیتے ہیں بلکہ دماغ معطر رہتا ہے اور آئے دن چکر کھاتا ہے کہ ہمیں تو طرز حکومت نے سردار بنا دیا اور اب سب کچھ ہماری جھولی میں ہے۔ اتنا ہی نہیں قلم دوات والی بانوئے کشمیر بھی میدان میں اتری اور فتویٰ جاری کر دیا کہ یہ موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دو کیونکہ وزیر با تدبیر نے سونے کی چڑیا تمہاری کھڑکی کے پاس رکھ چھوڑی ہے، پٹ کھولو اور جٹ پکڑ لو پھر دیکھنا یہ کیسا میٹھا بولتی ہے، سنہرے پر تولتی ہے، چِچ چِچ کرتی ہے تو آر پار لوگوں کے دل جھوم اٹھتے ہیں، دماغ گھوم پڑتے ہیں، رواں رواں میں دھوم مچتی ہے۔ ہم تو تین میں ہیں نہ تیرہ میں پر سونے کی چڑیا کا تصور ہی ہمیں تھرک تھرک نچا دیتا ہے لیکن وہ جو تین میں بھی ہیں اور تیرہ میں بھی بلکہ تِن ترہ (تباہ) کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ اس سونے کی چڑیا کے پر گنتے ہیں۔ ان پروں کے اندر انہیں سونا تو نہیں بلکہ سلانے کی، بھلانے کی اور تلملانے کی دوائی دکھائی دیتی ہے۔ وہ تو سوال کر بیٹھے ہیں کہ ایسی فاختائیں تم نے ماضی میں بھی اڑائیں۔ ایک تو تازہ تازہ ہی اُڑی کہ رمضان میں جنگ بندی کا خوش رنگ پرندہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے پر پھڑپھڑاتا رہا اور ہماری آنکھوں کو خیرہ کر گیا بلکہ مدھر لے سے کانوں میں رس گھولتا رہا۔ پر ہمیں کیا معلوم تھا کہ گورکھا فوجی کی وہ تیس سال پرانی بات سچ نکلے گی کہ شاحب جی ہم انڈیا کا گولی نقصان نہیں کرتا، کھکری مار کر منڈی اڑا دیتا ہے۔ اور اب کی بار کھکری کے بدلے ٹائر گھومے، عادل اور قیصر کی جان چلی۔ تیل تو گاڑیوں کا جلنا ہی تھا، وردی پوشوں کو روزانہ الاونس ملنا ہی تھا، کوئی اضافی خرچہ نہیں

ہوا، البتہ لگے ہاتھوں گولی بولی سب کا نقصان ہونے سے رہ گیا۔ بات بولی کی رٹتے رہے کام گولی کے بدلے اسٹیرنگ سے لیا کیونکہ گولیاں تو برسوں سے چلا رہے ہیں۔ کبھی شہر شہر قریہ قریہ کبھی سرحدوں پر۔ یہ وردی پوش بھی دلچسپ لوگ ہیں اپنی وردی کے اوپر داغ لگنے نہیں دیتے پر انہیں کیا معلوم جب سارا دل ہی کالا ہو اس پر نیا تارکول کا داغ نہیں دکھتا۔ کولگام میں کئی کو مار ڈالا اور الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق مرے ہوؤں پر ہی الزام لگایا کہ یہ

لوگ اِس میں ملزم تھے، مشکوک تھے، مجرم تھے اور پھر یہاں قانونی شکنجے میں۔ مطلب فائیل بند بھی ہوگئی تفتیش کا کوئی جھنجھٹ نہیں، اضافی طاقت کا استعمال کوئی الزام نہیں، لگے ہاتھوں انعامی رقم بھی وصول ہوگئی۔ وصولی بھائی کیا کہنا۔ اور تو اور وردی پوشوں کو سب کچھ نظر آتا ہے کہ اڑتی چڑیا کے پر گنتے ہیں، سنگ بازوں کے ہاتھوں میں کتنے پتھر ہیں، ان کی تعداد تک بتاتے ہیں، چھپے چہروں کے پیچھے اصلی شکلیں نکال لاتے ہیں، پر اپنے مجرم بھائی نظر نہیں آتے۔ عادل مرا تو وردی پوش کے ہاتھوں ایکسیڈنٹ ہوگیا، قیصر مرا تو وردی پوش گھبرا کر گاڑی دوڑا بیٹھا اور وہ جو بمنہ میں گاڑی الٹی اس میں ڈرائیور کا نہیں بلکہ سنگ بازوں کے سایوں کا دوش تھا کہ وہی سامنے دِکھے اور گاڑی قابو سے باہر۔ اس پر اپنے سیاسی مگرمچھ سنگ بازی سے زیادہ مہلک، بیان بازی میں مصروف۔ تازہ بیان بھی کیا مزیدار ہے کہ اگر سنگ بازوں کے خلاف ایف آئی آر واپس لئے تو فورسز کا منوبل گر جائے گا۔ مطلب اگر منوبل گر گیا تو پھر خاک میں مل جائے گا۔ پھر منوبل ڈھونڈو تو انفکشن زدہ مل جائے گا۔ اور انفکشن زدہ چیز صحت کے لئے درست نہیں۔ ہو نہ ہو منوبل گرنے کے سبب ہی فوجی خودکشی یا برادرکشی میں آئے دن مصروف ملتے ہیں یعنی اب کی بار مودی مفتی سرکار میں سب کچھ ایف آئی آر پر ہی ٹنگا ہوا ہے ؎

کیا قیامت ہے گرفتاری کے وارنٹ آگئے
میں نے تو نعرہ دیا تھا خواب میں کشمیر کا

کنول والے سیاسی مشٹنڈے بھی عجب مخلوق ہیں کہ ایسے میں دھمکی دئے جا رہے ہیں کہ جنگ بندی کی شرط مانی نہیں تو گولیاں پھر چلیں گی۔ سنگ بازی بند نہ ہوئی تو ہم پھر بندوقوں کے دہانے کھولیں گے۔ مطلب صاف ہے کہ یہ جو عادل اور قیصر مرے اس میں ہمارا کوئی دوش نہیں بلکہ خود

ہی تیز رفتار گاڑیوں کے سامنے کھڑے ہو گئے، بریک فیل ہوا کہ دماغ، گاڑی تیز چلی کہ دل کا چور، شیشہ صاف تھا کہ دل میں میل اور اسی کے طفیل وہ زخمی ہوئے۔ پھر ہمارا کیا قصور زخموں کی تاب نہ لا کر مرے ہم نے تو کچھ نہیں کیا۔ تاب تو لانا بنتا ہے نا۔ ادھر بات چیت کے بگل بجے ادھر کنول بردار وزیر اپنے من کی بات کہنے لگے کیونکہ من کی بات کہنے کا ٹھیکہ انہوں نے لیا ہے اور اس کے جملہ حقوق زعفرانیوں کے نام منتقل ہوئے ہیں۔ اس لئے ایک منسٹر بات چیت کا شور مچاتا ہے، دوسرا اس پر غور کرتا ہے تیسرا اس کی تائید کرتا ہے چوتھا اس پر کفن اوڑھتا ہے اور پانچواں اس کی میت اٹھاتا ہے، پر ادھر اپنے قلم بردار اس کے جیون دان کی قسمیں کھاتے ہیں۔ ویسے اپنے ملک کشمیر کا مسلہ کچھ ہے ہی ایسا کہ ہر کوئی من کی بات کہتا ہے کیونکہ اپنے مسلے میں ہر کسی کی بات فٹ ہو جاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو پرکھ لو کہ کبھی کبھی یہ مسئلہ گھمبیر بھی بن جاتا ہے، اس لئے نہیں کہ اس کے سبب علاقے میں خونریز جنگ کا خطرہ ہے بلکہ اس لئے کہ ایک کرکٹ کھلاڑی کی فارم خراب ہو جاتی ہے۔ وہ ٹیم کی قیادت سے استعفیٰ دینے پر مجبور ہوتا ہے یا یوں کہئے اسے ٹیم کی آرام گاہ سے لات مار کر بھگایا جاتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو وہ اپنی شرمندگی چھپانے کے لئے سنگ بازی، فوجی طاقت، اور نجانے کیا کیا مسئلے بڑی گھمبیرتا سے چھیڑ دیتا ہے بلکہ اپنا ایک گوتم تیار کرتا ہے کہ کوئی اسے بلے بازی کا طعنہ نہیں دیتا۔ سنا ہے ہر صبح ہر شام مسئلہ کشمیر کی پوجا کرتا ہے، آرتی اُتارتا ہے کہ تم ہی ہو جو مجھے وقتاً فوقتاً شرمندگی سے نجات دلاتے ہو۔ اس لئے میرے اَن داتا جیتے رہو سالہا سال

بک رہا ہوں آج کل ہذیان باقی خیر ہے
اور لاحق ہے زرا نسیان باقی خیر ہے

یہ الیکشن تو بڑا جھنجھٹ ہے بھائی۔ اچھے بھلے سیاست دان کو کیا کیا کرواتا ہے۔ کہیں ووٹ کے لئے جوتے چاٹو کہیں حمایت کے لئے گدھے کو بھی باپ کہو اور تب تو حالت اور پتلی ہوتی ہے جب کچھ انتخاب کی بازی ہاری جائے۔ ادھر ضمنی انتخاب جو ہار گئے تو کنول برادری کے سوتے سوکھ گئے۔ کنول کو پھلنے پھولنے کے لئے پانی نہیں، شاید اب انسانی خون سے سینچنے کی تیاری میں لگے ہیں کہ سالہا سال سے ان کا یہی شیوہ رہا ہے۔ کیا کریں کسی چیز سے ان کا جی نہیں بھرتا۔ بابری مسجد توڑ دی کہ یہ مغلوں نے تعمیر کروائی۔ مانا کہ بیرونی شخصیات کو تاج محل کے سواد کھانے کو

ہے ہی کیا۔ جامع مسجد دلی کو یمنا مندر گردانتے ہیں۔ لے دے کے ایک مغل سرائے اسٹیشن بچا تھا، اس پر بھی ہاتھ صاف کر دیا کہ یہ اب دین دیال اپادھیائے اسٹیشن کہلائے گا یعنی اب کی بار مودی یوگی سرکار میں ہوٹل میں چکن مغلائی کے بدلے چکن دین دیال آرڈر کرنا ہوگا۔ پھر معاملہ ٹھنڈا نہیں ہوگا کیونکہ دین دیال تو (ویشنوی) ویجیٹیرین تھا لیکن چکن تو نان ویج ہے۔ ایسا ہوا تو کیس بنے گا، دیش دروہی کا الزام لگے گا، مملکت خداداد کا ٹکٹ کاٹنا ہوگا۔ یوگی کی دیکھا دیکھی کیا پتہ اپنے قلم دوات بردار مغل روڑ کو دین دیال اپادھیائے مارگ مان لیں۔ مغل باغات کو دین دیالو کی عطا کردہ ویشرام سنگھرالے کہ اہل ہند کو ستانے کے لئے تھوڑی زمین فراہمی کا پٹہ، مغلائی زعفرانی بریانی پر تو کنول برداروں کے وارے نیارے ہوں گے کہ مغل تو دین دیال بن گیا، زعفرانی تو وہ پہلے سے ہیں اور بریانی تو چاول مصالحہ جات یوجنا بن جائے کہ غریبوں کے لئے اگلے الیکشن سے پہلے میدان میں اتار کر ووٹوں کی بھیک مانگ سکیں۔ اور ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ مغل سلطنت کو دین دیال اپادھیائے ہندو راشٹر بنائے جانے کا باضابطہ اعلان ہوگا۔

اور اس دوران خبر آئی کہ اپنے نیشنلی ٹویٹر ٹائیگر کو نیشنل فوج کا نائب سالار مقرر کیا گیا۔ ویسے وہ تو پہلے بھی اضافی سالار تھا پھر نئی کمان کا کیا مطلب۔ نیشنلی جمعدار و صوبیدار برابر پیغام تہنیت بھیج رہے ہیں۔ ہم تو مخمصے میں پڑ گئے کہ نیشنل فوج تو اصل میں خاندانی شہسواروں کی ٹکڑی ہے۔ اس میں سامان حرب و ضرب خاندانِ شیخ میں تیار ہوتا ہے، اسباب چنگ و رباب بھی خاندانی لے ساز بناتے ہیں پھر اس میں مبارکبادی کیا معنی رکھتی ہے؟ اسے اہل کشمیر کہتے ہیں جگرٕ و رۆن تہٕ ٹاٹھیو کھیۆو (پیاروں نے تیار کیا اور دلاروں نے نوش کیا)۔

Published 12/06/208

* * *

بات ابھی باقی ہے

لو جی کر لو گل! اپنے ملک کشمیر میں کہیں زلزلے کے سبب زمین نہ ہلی پر سیاسی بھوکم دلی میں آیا۔ پھر پتہ چلا کہ اس بھوکم کا اصل مرکز تو فیر ویو گیسٹ ہاؤس تھا اور مانا کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا پر مالی نقصان کے سبب اب کی بار قلم کنول سرکار لڑھک گئی۔ پھر پتہ چلا کہ کنول بردار وزیر دلی ٹافی دودھ لینے نہیں گئے تھے بلکہ انہیں سرجیکل اسٹرائک کرنے کی عادت سی ہوگئی ہے اور اسکے بغیر ان کی روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ سرحد پر کریں تو مملکت خداداد والے ہنسی مذاق سمجھ کر طعنے دیتے ہیں اور خود اپنے سیاستدان اس کا ثبوت مانگتے ہیں پر قلم والوں کی اتنی جرأت کہاں کہ سوال اٹھائیں۔ اسی لئے وہ نشانہ بن ہی گئے۔

وہ تو کہتے تھے کہ یہ مضبوط ہے اور ایجنڈا آف الائینس کی سرنج استعمال کرا اسکے اندر ناگپوری وٹامن اور بیچ بہاری کیلیشم بھرا ہوا ہے جس کے سبب اسکی ٹانگیں طاقتور ہیں، جسم میں توانائی ہے، اور مودی کے فٹنس ویڈیو اور یوگا آسن کروا کر اسے مزید طاقت بخشی ہے۔ چھ سال کسی بھی صورت نہیں گرے گی۔ بلکہ اس پر بم بارود کیا مخالفین کے بیانات، نیشنلی ہل اور کانگریسی ہاتھ بھی لرزا نہیں سکتے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ دھماکہ جیسا ہوگا جس کا شور سب سن لیں گے البتہ بانوئے کشمیر کو یہ سنانے کے لئے گورنر صاحب کو فون کرنا پڑے گا۔ اور دروغ بر گردن راوی جس نے یہ اطلاع دی کہ فون لیتے ہی بانوئے کشمیر کے منہ سے ”ہےٗ کیاہ گوم“، ”یہِ کوس ترٗٹھ“، ”یہِ گُس مٔزیلہٕ“ سنائی دیا۔ کسے نہیں معلوم کہ اس سرکار کا تابوت تو کندھوں پر اٹھائے مفتی، گپتا، اختر وغیرہ ساڑھے تین سال سے چلے جا رہے تھے اور ساتھ میں رام نام ستیہ ہے، مردہ بیچارہ مست ہے،

گنگنائے جا رہے تھے۔ ایسے میں پتہ چلا یہ تو زعفرانی دھاگوں کے جوڑ سے ٹنگی ہوئی اور تعویذ گنڈے سے ٹکی ہوئی اوبڑ کھابڑ سرکار تھی کہ بس ایک زور کا دھچکہ لگا تو انجر پنجر ڈھیلے پڑ گئے اور پھر بکھر گئے۔

سیاست میں بیچ راہ ایسے بکھرے
جیسے سامان کسی کباڑی کا

اب تو سنبھالنے کو کچھ نہ رہا۔ منسٹری گئی، ہٹو ہٹو کہکر عام خام کو دور رکھنے والے وردی پوش گئے، جھنڈے گئے ڈنڈے گئے، ہوٹر کا پوں پاں گیا، موٹر کا دوں دھاں گیا، اس پر طرہ یہ کہ باہر گلی گلی میں شور مچانے والے نہیں رہے کہ "ییلہِ آو مفتی تیلہِ ژٕج سختی" گانے والے بیچارے جیلوں تھانوں میں بند ہیں اور جو بچے رہے انہیں انسانی ڈھال کے طور استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی انسان نہ ہوئے پتھر روکنے والے شیلڈ بن گئے۔ اب تو ''ہیرِ کیاہ نیشنل بوۂ کیاہ نیشنل'' والے بھی چھپے چھپے پھرتے ہیں کہ کون جھپٹ کر پکڑ لے پھر گئے چھ چھ مہینے کے لئے پی ایس اے تحت اندر۔ کیونکہ وہ لوگ تو اب برہان برہان، موسیٰ موسیٰ کہتے پھرتے ہیں۔ وہ جو کل تک کہتے پھرتے تھے کہ کنول قلم گٹھ جوڑ اصل میں قطبین کا ملاپ ہے اور مرد مومن اور مودی کا مشترکہ خواب ہے انہیں اب سب کچھ سراب دکھتا ہے۔ اسی لئے وہ اسے اب ناپاک گٹھ جوڑ کہتے ہیں۔ بھولے سے بھی نام لے کر زبان دھونے جاتے ہیں۔ ہاتھ غلطی سے لگ جائے تو صابن لیکر دھونے دوڑتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ پورا حساب لگا کر حسیب نے رام کے ساتھ مل کر جو مادھو تراشا تھا وہ بھی کمزور ثابت ہوا اور ساڑھے تین سال میں ہی دھوپ بارش کے سبب پگھلتا گیا، کچھ بچا تو بچوں نے اسی مادھو پر نشانہ باندھ کر کنکر چلائے کہ دیکھ لے کس کا نشانہ ٹھیک بیٹھتا ہے۔ ان کی اس کوشش میں کہیں مادھو کی ناک اڑی، کہیں سر پھوٹا، کہیں کان۔ بس۔

اہل کشمیر تو اہل سیاست ہیں۔ وہ نانوائی کے تندور کے پاس، دوکان کے تھڑے پر، مسجد کے آنگن، شادی بیاہ کے وازوان پر سیاست بولتے ہیں، مولتے ہیں بلکہ تولتے ہیں۔ اور اب کی بار تو سیاسی دکان چمکی ہوئی تھی۔ رستہ گوشتابہ نوش کرتے قلم کنول کا گٹھ جوڑ زیر بحث آ ہی گیا۔ ملک کشمیر میں فوج کو لوگ کیا سیبوں کے پیڑ روندنے کی بات چلی اور ایسے میں کمانڈوز کی آمد پر سیر

حاصل بحث تو ضروری ہے۔ کہاں جب ہزاروں بندوق بردار تھے تب کمانڈوز نہیں لائے، کہاں کمانڈوز تنصیبات پر تعینات ہوتے اور کہاں ڈیڑھ سو کفن بردوشوں سے مقابلہ کرنے کمانڈوز لائے گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ Kashmir کو Krushmir بنانا ہے کیونکہ الیکشن آنے والے ہیں۔ مودی سرکار کے بچاؤ کے لئے انسانی خون کی بلی چڑھانے کا پروگرام ہے اور چونکہ کشمیری خون سستا ہے جتنا بہاؤ کوئی سوال نہیں پوچھے گا جبھی تو اب کی بار مودی سرکار شاید اسی قربانی کے سبب بچ جائے۔

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کانپور ہے
پیدا ہر اک گوشے سے یوم نشور ہے
ہے تار تار پیرہن امن و عافیت
زخموں سے جسم بے گنہی چور چور ہے
آپس کی پھوٹ کر کے رہے گی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ! کب ہمیں اتنا شعور ہے

اور ادھر سرکار کیا گری کہ سیاستکاروں نے ہماری سوچوں سے اپنا سیاسی راستہ نکالنے کی کوشش کی۔ کنول قلم والے بے دریغ کہہ اٹھے کہ ہم نے گٹھ جوڑ عوامی مفاد میں کیا تھا۔ کہیں جموں تو کہیں اہل کشمیر کی خاطر کیا تھا۔ بلکہ یہ بھی کہ ۳۷۰ کے تحفظ کے لئے کیا تھا۔ اس دھینگا مشتی میں ہم ۳۷۰ ڈھونڈنے نکلے۔ پتہ چلا کہ بیچارہ کبھی سیاسی اکھاڑے میں کہیں سپریم کورٹ میں پاؤں تلے روندا جاتا ہے۔ اور کچھ ہی برسوں میں ہمارے پاس اس کا پھٹا پرانا لنگوٹ بچ گیا جسے سیاسی ساہوکار ہر الیکشن کے وقت لوگوں کو دکھاتے ہیں، اسی کے نام سے انہیں بہلاتے پھسلاتے ہیں۔ مگر اب مسلہ یہ کہ یہ نوجوان اب پھٹے لنگوٹ کو دیکھ کر ناک منہ پر رومال رکھ دیتے ہیں کہ اس میں سے سیاسی بدبو آتی ہے۔ البتہ سیاسی ڈگڈگی والے ہیں کہ اسے دل و جان سے زیادہ پیارا رکھتے ہیں کیونکہ انہیں اقتدار میں رکھنے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔

کنول بردار تو اب کچھ قدم آگے ہی نکلے کہ سرکار ٹوٹنے کا یہ معاملہ بھی مرحوم شجاعت بخاری کی جھولی میں ڈالتے ہیں کہ ان کی موت سے ہم دل برداشتہ ہوئے اور سرکار کی ناکامی سمجھ

میں آگئی۔ ارے واہ! سرکار کی ناکامی سمجھنے کے لئے انہیں بڑے صحافی کی جان چاہئے تھی اور وہ بھی اس صحافی کی جنہیں کل تک مملکت خداداد کا حامی، بندوق برداروں کا جامی، حریت کا سہیم اور ہندمخالفین کا فہیم طعنہ دیتے۔ مگراب انہیں اپنا ہم نوالہ ہم پیالہ بلکہ امن کا پیامبر کہتے تھکتے نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ شجاعت کی موت پراب کی بار مودی مہاراج نے ایک لفظ نہیں بولا۔ ہوسکتا ہے کہ اس شاک سے مودی مہاراج کی زبان ہی مقفل ہوگئی ہو۔

ادھر جو بانوئے کشمیر کی قلم کنول سرکار ساڑھے تین سال سے تھکی ہاری چلی جارہی تھی۔ ہم نے تو ایسا کبھی سوچا نہ تھا کبھی دیکھا نہ تھا کہ سارے افسر گورنر سے ملتے ہیں۔ اپنے محکموں کی بپتا سناتے ہیں۔ اپنا حال دل سامنے رکھتے ہیں۔ دکھ درد سے راج بھون کو آگاہ کرتے ہیں اور ہمیں روز انڈا بھون یاد دلاتے ہیں۔ کہاں سرکاری انڈوں کا نیا پھنڈا نکالا گیا تھا اور صاحب اقتدار کا محل عالیشان تعمیر ہوا اور کہاں انڈوں کی جگہ اب فائلیں راج بھون پہنچتی ہیں، یعنی افسروں کو بھی اس بات کا پتہ چل ہی گیا کہ اصل تار کہاں سے ہلتے ہیں بلکہ پازیٹو اور نگیٹو کا جوڑ مل کر کہاں شعلے بکھیرتا ہے اسی لئے وہ بھی اقتدار کے سرچشمے کے پاس ہی اپنی پیاس بجھانے آتے تھے۔ یا ہونہ ہو اقتدار کے پاور ہاؤس میں انہیں یہ پتہ چل ہی گیا تھا کہ آج نہیں تو کل راج بھون ہی راج کرے گا۔ باقی جگہوں میں فقط ہیلی کاپٹر کے پنکھے گھومتے ہیں اصل اقتدار کے پر کہیں اور جھولتے ہیں۔

مودی راج میں ہم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ کچھ ہو نہ ہو پر اچھے دن آئیں گے، پندرہ پندرہ لاکھ آئیں گے، کروڑوں نوکریاں آئیں گی۔ اب چار سال گزرے تو فٹنس ویڈیو آرہے ہیں، یوگا کے آسن آرہے ہیں، دھمکیاں آرہی ہیں کہ مودی سرکار کی تنقید کی تو خون بہے گا۔ پر یوگی سرکار تو مودی سرکار کا دم چھلا ہے وہاں پر کچھ نیا ہی آرہا ہے۔ قاسم کی جان جارہی اور وہ پانی مانگے تو جواب میں لاتیں، مکّے، تھپڑ آرہے ہیں، آدھ درجن پولیس اہلکاروں کی تصویریں آرہی ہیں اور سب سے بڑھ کر جان جانے کے بعد پولیس کا معافی نامہ آرہا ہے۔ کہ قاسم بھائی تمہیں پانی نہ پلا پائے اسکی الگ سے معافی، تمہاری جان نہ بچا پائے اسکی معافی، اور سب سے بڑھکر ملزمین کو ہم بچانے کی پوری کوشش کریں گے اس کی فائنل معافی۔ سنا ہے معافیوں کا پورا گلدستہ سجا کر قاسم کی قبر پر ڈال کر اعلان کروائیں گے کہ یوگی راج تو رام راجیہ ہے۔ کیا پتہ خود یوگی ہی قاسم کی قبر کا

ادگھاٹن کرنے پہنچ جائے۔

ہم نے تو سنا تھا کہ بہار اور یوپی وغیرہ سے کاریگر مزدور ملک کشمیر آکر کام کرتے ہیں، پر اب یہ دلچسپ خبر کہ یوپی کے ٹیلروں کو سنگ بازی پر لگایا گیا۔ یہ لوگ تو تعمیراتی کام بلکہ زرعی کام کاج کرتے پر یہ نیا کام بھی انہیں سونپا گیا، دلچسپی سے خالی نہیں۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے پر میدان صحافت کے مچھلی بازار میں یہ فیصلہ پیشگی سنایا گیا ہے کہ وہ جو کپڑے سینے گئے تھے وہ آزادی کے پرچم سینے پر مجبور ہو گئے۔ کیا پتہ اب پرچم کی پہنائیوں پر کڑھائی بنائی اور لکھنوی چکن کا کام دیکھنے کو ملے۔ اور وہ جو مودی سرکار نے نوٹ بندی پر اعلان کیا تھا کہ سنگ بازی ختم ہو گئی اور کچھ باقی بچی تو حریت قائدین کو دلی دربار میں زیر حراست رکھ کر کام تمام ہوا۔ مگر پکچر ہے ابھی باقی، بات ابھی ہے باقی ہے، ملاقات ابھی ہے باقی میرے دوست!!

Published 25/06/2018

* *

مٹھائی جھوٹ پر بانٹو پٹائی سچ کی ہونے دو

ابھی غریب و مفلس اقوام متحدہ کے بشری حقوق سر شتے کی رپٹ منظر عام پر آئی بھی نہ تھی کہ عالمی تھانیدار جہانی چوبدار بھڑک اٹھا، غصے کا مچھر اس کی ناک میں گھسا، غرور کا کھٹمل اس کی دستار میں داخل ہوا، گھمنڈ کا بچھو اس کی شلوار میں پناہ گزیں ہوا، آؤ دیکھا نہ تاؤ اعلان داغ دیا کس کی مجال کہ مابدولت کے لے پالک اسرائیل پر انگلی اٹھائے، اس کے ظلموں کو ظلم کہنے کی جرأت کرے، اس کی کالی کرتوتوں کا پٹارا کھولنے کی ہمت کرے، اس کی تباہ کاریوں پر چیں بہ چیں ہونے کا چرچا کرے۔ نادار و بے کار سے دِکھنے والے اقوام متحدہ نے بس اپنی بھویں تن لیں، پھٹی پرانی قمیص کی آستینیں اوپر کیں، آنکھیں میچ لینے کی کوشش کی کہ کون کون کسمپرسی کی حالت میں انسانوں کو پریشان کر رہا ہے، تھانیدار نے عقل نما چھڑی گھما کر کہہ ڈالا ہماری بلی اور ہم ہی سے میاؤں۔ اُدھر عالمی تھانیدار بھڑکا اِدھر سالارِ ہندوستان بھی غیظ و غضب سے لبریز ہو گیا، مونچھوں پر تاؤ دیتے گرج دار آواز میں کہا بشری حقوق ادارے کی کشمیر رپورٹ گمراہ کن ہے۔ الزام یہ دیا کہ جو راستہ مملکت خداداد جانا چاہئے وہ ملک کشمیر سے اقوام عالم نے گزار دیا۔ اور پھر یہ کہ فوج کا ریکارڈ سپُر رِن سے دُھلا ہوا صاف شفاف ہے، بلکہ اس کو نرما پاؤڈر سے بھی نہلایا گیا اور کئی گھنٹوں تک واشنگ مشین میں اس قدر گھمایا گیا کہ داغ ڈھونڈتے رہ جاؤ گے، مگر داغ پھر بھی نہ دُھل سکا لاگا وردی پہ داغ مٹاؤں کیسے؟ چھپاؤں کیسے؟

مطلب وہ جو کہتے ہیں کنُن پوشپورہ میں وردی پوش شرم ناک المیے کے جنم داتا ہیں، وہ باؤلے ہیں، مژھل فرضی انکاؤنٹر میں جو لوگ مرے وہ تو پٹھانی سوٹ کے الزام میں مارے گئے

اور پتھری بل والے جب مرے ہی نہیں تو فوج پر کاہے کا کیس بن پائے۔ الغرض افسپا کا بُلیٹ پُروف جیکٹ پہنے سالار اول نے فوجی بینڈ پر زبردست دُھن بجائی، سیاہی پر سفید برفانی چادر بچھائی۔ ابھی سالارِ اول کی ہاں میں ہاں ملی ہی رہی تھی کہ وزیر جنگ نے سب کو یہ فرما کر دنگ کیا کہ وردی پوش ملک کشمیر کے یار ہیں، بحالیٔ امن کے رضا کار ہیں، کارِ سرکار ترجیحی بنیادوں امن کی بہار ہے۔ یہ جو وزارتِ جنگ نے ملک کشمیر میں امن کے مفاد میں نت نئے اوزار درآمد کئے ہیں، جن میں پیلٹ، ربر گولیاں، چھ چھ مہینے کا پبلک سیفٹی ایکٹ، اشک آور گیس اور مکانات و دوکانات کی توڑ پھوڑ بھی شامل ہے، یہ بس سکھ شانتی کے اُپہار ہیں۔ ان سے بھی اگر کاروانِ امن نہ چلے تو میوہ درختوں کی کٹائی، نہتوں کی دُھلائی، گھروں کی صفائی، جیلوں کی بھرائی، تلووں کی پٹائی، داڑھیوں کی صفائی، ہاتھ پیر کی تڑائی، بستیوں کی جلائی، محاصروں کی چڑھائی جیسے انتقامی تجربات بھی عملانے پڑیں تو حرج ہی کیا ہے؟

اپنے ملک کشمیر میں وہی ہوا کہ زور کا جھٹکا کچھ زیادہ ہی زور سے لگا۔ پھر زمین ہلی، پاؤں تلے زمین کیا کنکریٹ ہلا اور اس نے کرسی میز سب کچھ ہلا دیا۔ ارباب اقتدار سر سے پاؤں تک ہلے بلکہ لرز اٹھے۔ جھنڈا ڈنڈا بھی ہلا۔ مطلب اپنے قلم کنول والوں کے انجر پنجر ہلے۔ اگرچہ اقتدار کی کنجی اپنے ہاتھوں میں ہونے کا مزہ کچھ اور ہی ہے کیونکہ رستہ گوشتابے کا سواد بھی اسی کی مرہون منت ہے، اسی کے بل پر اڑن طشتری کی سواری ملتی ہے، پھر قسم قسم کے واہن بھی اشارے کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر بھی چلو کنول والوں کے وارے نیارے ہوئے کہ ملک کشمیر کی کمان براہ راست دلی دربار کے ہاتھ میں آگئی اور اب کی بار مودی سرکار جو چاہے کروائے۔ پھر ادھر تو مودی کی کلہاڑی کا دستہ بیٹھا ہے کہ جسے چاہے کاٹ دے پھاڑ دے یا آسمان میں اٹھا دے۔ پھر سہراب دین فرضی انکاؤنٹر کیا، جسٹس لوہیا کی زندگی کیا، جے امت شاہ کی کمپنی کیا، گجرات بنکوں میں نوٹ بندی کے بعد رقمیں کیا۔ اسے تو چاہنے والے بھگت امت شاہ پادشاہ کہتے ہیں اور بادشاہت میں رعایا کو جس کروٹ بٹھائے اسی طرف بیٹھ جائے۔ بھائی! جب لوگ اپنے ہوں، ٹی وی چینل اپنے ہوں، پولیس اپنی عدالتیں اپنی تو بھلا کون کچھ کہہ پائے یعنی اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر نہ مارے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں بھگتوں کی ایک فوج ترشول سنبھالے کھڑی ہے کہ کب داڑھی والے

آدمی کو پانی کے لئے تڑپا تڑپا کر مارنا ہے، کب مظفر نگر میں دنگے کروا کے الیکشن جیتنا ہے، کب حکم ملے تو گائے ماتا کے نام پر اخلاق، پہلو، جنید یا قاسم کو کاٹ دیں۔

چھوٹیں جو گائے ماتا حسرت سے اونٹ بولے
افسوس شاہ جی نے ہم کو پتا نہ تھا

ایک اور فوج ہے جو کمپیوٹر ماؤس سے لیس ہے کہ فیس بک سے لیکر ٹویٹر تک اودھم مچا دیں۔ یہ تو ایسی فوج ہے کہ خود کنول بردار وزیر خارجہ کو نہ بخشے۔ ایسے میں ملک کشمیر کا زعفرانی بھونچال قلم دوات نہ الٹ دے تو کیا کرے؟ پر ابھی اس بھونچال کے آفٹر شاک چل رہے ہیں جس کے سبب قلم دوات کے اندر ٹھہراو نہیں آتا دکھتا اور ہل کے دستے پر ہاتھ جما نہیں رہتا کیونکہ یہ چھ سالہ اسمبلی توڑی نہیں گئی بلکہ لٹکی رکھی گئی۔ اسمبلی کیا لٹکی کہ ممبران اپنے آپ کو دار پر محسوس کر رہے ہیں اور پھر اس سے بڑھ کر آفٹر شاک کیا ہو کہ نیشنل کے دریندر نوائے صبح چھوڑ کر کنول کے پھول اگانے لگ جائیں، قلم بردار کمل ککڑی سے مستقبل سنواریں اور اپنے ہاتھ جگن ناتھ سے کنول کی آبیاری کریں۔ سنا ہے کہ سجاد بھی لون (Lone) یعنی اکیلا نہیں بلکہ ایک کاروان وقافلہ ہے۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ خبر دی کہ بھاجپا کے سیاسی مادھو نے جب اس کاروان کے ساتھ بات چھیڑی تو Achievable Chief Ministership کا نعرہ مستانہ فضا میں گونجا۔ اس کے سبب قلم، ہل اور ہاتھ والوں کو بھونچال کچھ زیادہ ہی تیز محسوس ہوا کیونکہ

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
گھوڑوں کی طرح بکتے ہیں ممبرانِ رضا مند

امت شاہ کی چڈی پہن فوج ملک کشمیر میں جو اپنے بل پر چڑھائی کرنے کا منصوبہ رکھتی ہے اس لئے بانوئے کشمیر کی نالائقی پر تابڑ توڑ حملے جاری ہیں کہ میڈم جو غلط ہوا وہ تم نے کیا اور جو صحیح ہوا وہ ہمارا کارنامہ۔ اس چھینا جھپٹی میں امت شاہ نے کنول کے نیچے جمی کائی سمیت کیچڑ منہ پر ماردی اور ادھر سے دوات میں جمی روشنائی بانوئے کشمیر نے پھینک دی۔ اس وار اور پلٹ وار کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں ایک دوسرے سے مخاطب نہیں بلکہ گتھم گتھا ہوئے

کہ پلٹ میری جان تیرا دھیان کدھر ہے

مطلب دونوں کے چہرے آجکل صاف نہیں دکھتے کہ الزامات کی موٹی پرت جو جمی ہے۔ ایک تو لداخ اور جموں کا رونا رو رہا ہے کہ ہم نے تو انہیں چھوٹا لندن بنایا ہوتا پر بانوئے کشمیر نے زوجیلا پہاڑ پر کنول بردار قافلہ روک دیا۔ ہم نے تو دفعہ ۳۷۰ کیا مسئلہ کشمیر ہی حل کیا ہوتا بلکہ مملکت خداداد سے ٹافی دودھ، مکھن وصول کیا ہوتا اگر سرحد کی طرف کوچ کرنے میں کنول بردار رکاوٹ نہ بنتے۔ الفاظ کی مارا ماری میں، الزامات کی بمباری میں، سیاسی آبیاری میں، اور کرسیوں کی بے کاری میں شمال وجنوب قطبین عوامی خواہشات کی تباہ کاری میں سرگرداں ہیں۔

ادھر ہل والے نیشنلی، قلم والے، پیپلز والے عوام کے غم میں کہیں ڈنر کھاتے ہیں کہیں میٹنگ کرتے ہیں اور کہیں بیان بازی کا چھل کپٹ کھیلتے ہیں۔ ایک نے تو ماضی کو بھول کر تعزیت کی اور گرما گرم ماحول پر فرج والا پانی ڈالنے کا ذمہ لیا۔ دوسرا تو ٹویٹر کی چڑیا اُڑاتا رہا۔ پھر جب کوئی مرد مومن کا ذکر کرے تو میڈم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکیں کیونکہ بقول کسے جو کچھ ہوا کسی خواب کی تعبیر نہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ کوئی نیا کشمیر نہیں۔ کشمیر والوں کی تو شکتی مان جیسے گھوڑے جتنی بھی قدر نہیں۔ اسی لئے ان کی موت پر کوئی آنسو نہیں بہاتا۔ کوئی ان کے درد کا مداوا نہیں کرتا۔ بس بہلا پھسلا کر خاموش کیا جاتا ہے۔ اگر نہ بہلے تو ٹاس پٹاس فورس کے ہاتھوں ان کا حساب لیا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ یہ اس کے بغیر نہیں سدھرنے والے۔ مطلب ان سے اپنے بھی ناراض اور اغیار بھی ناخوش۔ انہیں تو قند لذیذ کے نام پر زہر ہلاہل کھلایا جاتا ہے۔ ان ہی کے نام پر آر پار لوگ حکام کے ساتھ ڈنر بھی کھاتے ہیں، محفلیں بھی آراستہ کرتے ہیں، اعلیٰ اقسام کے سوٹ بھی زیب تن کرتے ہیں۔ کوئی اس میں اٹانومی کا تڑکہ تو کوئی ہڑتال کرفیو کی نمک مرچ ملاتا ہے اور اس کے بعد قسمیں بھی کھائی جاتی ہیں کہ یہ دوستی ہم نہیں توڑیں گے۔

میں شکار ہوں کسی اور کا مجھے مارتا کوئی اور ہے
مجھے بکری جس نے بنادیا وہ تو بھیڑیا کوئی اور ہے

چلئے صاحب اب کی بار مودی سرکار نے ایک اور ہدف پالیا کہ عالمی سطح پر بھارت ورش خواتین کے تحفظ کے ضمن سب سے نیچے ہے، یعنی پہلی پوزیشن حاصل کرلی۔ مانا کہ یہ نشانہ نیچے سے اوپر کی طرف ہے۔ اس لئے ہمیں اسکول کا زمانہ یاد آیا کہ کبھی کوئی نہ کوئی فیل شدہ بچوں میں فسٹ آتا

تھا۔ خیر اسکول کی بات بھگت جن کیا سمجھیں وہ تو اس کو بھی بھارتی سیاست کی اُپلبدی سمجھتے ہیں۔ کوئی انہیں کیا سمجھائے کہ بنک فراڈ میں اول نمبر، اقلیتوں پر تشدد اول نمبر، فرضی خبروں کے بلیٹن اول نمبر اور اب خواتین کی بے حرمتی اول نمبر سے ملک کی عزت نہیں بڑھتی۔ پر وہ اپنے محبوب لیڈر کے ہی گُن گائیں گے کیونکہ ان کی نظر میں ۔

مودی ان کا شیرا ہے   باقی ہیرا پھیرا ہے

اور مودی مہاراج تقاریر کرنے اور جملے بازی میں سبھوں کو پچھاڑ رہے ہیں، لتاڑ رہے ہیں اور ہم ہیں کہ انتظار کیئے کہ وقت بدلے گا، اچھے دن آئیں گے، کھاتوں میں لاکھوں جمع ہوں گے، جوانوں کو نوکریاں ملیں گی پر سرد آہ بھر کر بس گنگناتے پھرتے ہیں کیونکہ ہم عام خام جنتا ہیں ۔

چلیئے صاحب ہم نے سن لی آپ کی تقریر بھی
اور اخباروں میں پڑھ لی آپ کی تقریر بھی
کچھ زرا سا وقت گزاریں سیر ہندوستان میں
اور نقشے میں ذرا ڈھونڈیں میرا کشمیر بھی

Published 02/07/2018

* *

ہم اس کے ساتھ ہیں کہ تخت جس کے پاس ہے

ہم تو اس وقت اسکول میں تھے اور استاد محترم کے چابک کھاتے اٹھک بیٹھک کرتے جب سرکاری و نیم سرکاری ملازمین نعرے لگاتے: اندرا تیرے سماج واد میں بچے بھوکے مرتے ہیں۔ ان دنوں سماج واد ہم نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی یہ کہ کون سا واد ہے جس کے جملہ حقوق وزیر اعظم کے نام محفوظ ہیں اور جس کے سبب بچے بھوکے مرتے ہیں۔ ہم تو کبھی یہ سوچتے، ہو نہ ہو سماج واد کوئی چیچک ہیضہ جیسی بیماری ہے کہ ادھر لگی اور ادھر مر گئے۔ ان دنوں البتہ پھاٹہ وَن واد سنا تھا جو کشمیری گھروں میں نجی سطح پر عام تھا مگر اپنے ملک کشمیر میں کچھ ہفتوں سے سیاسی پھاٹہ ون واد زوروں پر ہے اور اس کے چلتے ایک تو قلم کنول سرکار گئی۔ قطبین کا ملاپ بکھر گیا، مرد مومن کے خواب ادھورے رہے، کنول برداروں کا کشمیر سے کنیا کماری تک ایک نشان میں جھول آ گیا۔ کیا پتہ نرمل کا کومل دل ٹوٹا، حسیب نے معاشی چھوڑ سیاسی حساب لیا، حق نے حق بجانب نعرہ لگایا اور دونوں کی ڈگمگاتی کرسی جوڑ چھوڑ کر بکھر گئی۔ پھر کیا تھا سرکار کے دوران دائیں بائیں گھومتے چیلے چانٹے گئے، سرکار کے سبب جڑے چمچہ بردار گئے، کرسی کو دیکھ کر فیویکول کی مانند چپک جانے والے دوست رشتہ دار گئے، صاحبان اقتدار کے ناز بردار گئے۔ ایک کے بعد ایک بیک ڈور سے زبردستی گھسے سیاسی منصب دار گئے۔ حالانکہ افواہ ہے نو سے چودہ تک اسکور ہے لیکن آخری خبریں آنے تک ایک ایک کر کے چار سیاسی ساہوکار گئے

ہم اسکے ساتھ ہیں کہ تخت جس کے ساتھ ہے
کیا معلوم کہ اب بخت کس کے ساتھ ہے

سیاسی کھیل نے اچانک کرکٹ کا روپ دھار لیا۔ جیسے کسی تیز وکٹ پر بلا گھمائے بغیر کھلاڑی کسی اور کی جھولی میں اپنا مستقبل سنوار گئے۔ مفتی خانوادے پر ایسا نشانہ سادھ گئے کہ کوئی فتویٰ کوئی تعویذ کام نہ آئے۔ مریدوں کے بغیر بھلا پیرانِ بجبہاڑہ کی کیا تُک یعنی اب توکل کے منصب دار ایسی حالت میں آگئے جیسے دفعہ ۳۷۰ ہوں کہ چیتھڑے اُڑے ہیں اور کوئی نام لیوا نہیں ؎

میری منزلوں سے کہہ دو میرا انتظار کرلیں
کہ بھٹک گئے ہیں رستے ذرا دیر تو لگے گی

ادھر اب الزام تراشی جاری ہے کہ قلم دوات پارٹی کی لیڈر شپ میں ماما بھانجی واد چل رہا ہے جس نے بہن بھائی واد کی شکل اختیار کی اور پھر کچن کیبنٹ پر منتج ہو گیا۔ اشارہ یہ ہے کہ باپ بیٹی واد سے شروع ہو کر بہن بھائی واد سونگھ گیا۔ ویسے اس الزام میں مزہ بھی ہے کہ الزام تراشی کرنے والے خود بھائی بھتیجا واد کے شکار ہیں یعنی چھاج بولے تو چھاج چھلنی بھی بولی۔ ویسے کسے نہیں معلوم کہ اپنے یہاں باپ بیٹا واد کب سے چل رہا ہے جو اب دادا پوتا واد تک پہنچ گیا۔ اسی لئے اپنے یہاں پوتے اور بیٹی دادا اور والد کے آشیر واد سے کرسی پکڑ لیتے ہیں، اقتدار جکڑ لیتے ہیں اور اہل کشمیر بے چارے چھوٹی سی جگہ میں سکڑ جاتے ہیں کہ انہیں پھلنے پھولنے کی جگہ نہیں ملتی۔ ملے گی کیسے ایک طرف تو افسپا کا آتنک واد جاری ہے، دوسری طرف پبلک سیفٹی ایکٹ کی سرداری ہے، پھر کہیں گئو ماتا کے نام پر بھکتوں کے تانڈو والی بیماری ہے، وردی پوشوں کا ضرب کاری ہے، کہیں سیاست کا مداری ہے، کچھ بچا تو آئے دن ہڑتال بلانے والوں کا اعلان جاری ہے۔ الغرض چار سُو آہ وزاری ہے۔ البتہ اس سیاسی واد کا شکار تو خود سیاست دان بھی ہو رہے ہیں۔ کہیں ہل والا نائب سالار تو کہیں قلم والا استاروگے اسمبلی توڑنے کے فراق میں سوکھے جا رہا ہے کہ کہیں سیاسی اتھل پتھل میں سب لوگ کنول کھلانے کے چکر میں نہ پڑ جائیں۔ کنول برداروں کے پاس تو زر، زمین سب کچھ ہے۔ پیسہ دے کر پانی کی بالٹی سب کے ہاتھ تھما دیں کہ کنول کی آبیاری کرو یعنی چڑھ جا بیٹا سولی رام بھلی کریں گے اور اہل کشمیر تو کب سے کہتے آئے ہیں: اے زر یہ خوش چھپیہ تہِ کر (دولت جو چاہے سو انجام دے)۔

اور جب زر کے ساتھ کرسی بھی ہو تو Deadly combination بن جائے۔

شاید اسی کو بھانپ کر ہل، قلم ہاتھ والے گھبرائے سہمے سے ہیں کہ ان پر بھی ہاتھ صاف نہ ہو۔ اسی لئے کہ درگھٹنا سے دیر بھلی، بھائی لوگو اسمبلی کو توڑ دو بلکہ مروڑ دو یا پھوڑ ہی دو۔ ایسا نہ ہوا تو کل کے کسمپرسی کے شکار، بے یار و مددگار ممبران اچانک وزیر با تقصیر بن بیٹھیں۔ ان کا نعرہ مستانہ الگ سے ہے۔

پھر بھی ہم سے ہے گلہ کہ وفادار نہیں
کون کہتا ہے کہ ہم لائق سرکار نہیں

ایسا ہوا تو اہل کشمیر پھر سے نانوائی کے تندور اور نائی کی دوکان پر بیٹھ کر سیاسی تُرم خان بن جائیں گے۔ پھر نیشنل کا ٹویٹر ٹائگر اور قلم والی بانوئے کشمیر ٹویٹر کی چڑیا اُڑاتے رہیں اور غلام کشمیر کا آزاد ساتھیوں سمیت پارٹی کا ہاتھ ملتے رہ جائیں۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ کل تک پنکھا جھلنے والے لوگ آج حساب مانگ رہے ہیں۔ تین سال میں ہتھیانے والی زمین جائیداد کا شجرہ و خسرہ تلاش رہے ہیں۔ بڑھیا بے نظیر بنک میں پچھلے دروازے سے داخل شدہ افراد کا آدھار کارڈ مانگتے ہیں۔ سماجی بہبود میں فلاح و بہبود پانے والوں کی نبض ٹٹول رہے ہیں۔ دیہات سدھار میں کن کن لوگوں کا سدھار ہوا ان کا شلوار مانگ رہے ہیں کہ قلم جواب بس ناڑا ڈالنے کے لائق ہی رہا، اس سے ان کا اِزار بند ناپ لیں۔ اس پر طرہ یہ کہ دیکھا دیکھی میں نیشنل کا طفل مکتب بھی میدان عمل میں کود پڑا کہ سارے بیک ڈور کی تحقیقات کرائی جائے۔ ہم تو کب سے تحقیقات کی مانگ کر رہے ہیں۔ الہ کرے گا وانگن کرے گا کی تحقیقات، پی بس خوش کرتی کر لولو کی تحقیقات، طفیل متو کی جان کی تحقیقات، ۲۰۱۰ میں ایک سو بیس کی، کرکٹ کشمیر کی جائیداد اور بی سی سی آئی سے آئے کروڑوں فنڈس کی تحقیقات، پر اپنی تو کوئی سنتا نہیں۔ سنے گا کون ہم تو عام خام ہیں یعنی ہم کس کھیت کی مولی ہیں؟؟

ابھی سیاسی طوفان تلاطم خیز موجیں مار رہا تھا کہ پانی کے ریلے شہر شہر گاؤں گاؤں کو چھو کر گئے۔ شکر کرو کہ سیاسی ارباب اقتدار حال حال ہی بے حال ہو گئے تھے، اس لئے سیلابی ریلے کے دوران ان کو بندوں کی حفاظت کرتے نہیں دیکھنا پڑا کہ ان کے ہی دم سے پانی میں پھنسے لوگ باہر بحفاظت نکل آتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو یاد کیجئے کہ اپنے یہاں کبھی کسی مذہبی تقریب کے

سلسلے میں انتظامات کا پٹارا کھولا جاتا ہے۔ اگرچہ کسی ایک سرشتے کو یہ انتظامات کرنے ہوتے ہیں لیکن ان انتظامات کا جائزہ اور ان کی روداد مع تصاویر ٹی وی پر دیکھنے کو ملتی ہیں۔ فلاں منسٹر، فلاں بیروکریٹ، فلاں پولیس افسر ٹی وی پر یا تو میٹنگ کرتے دکھتے ہیں یا کبھی کبھار اس جگہ کا دورہ بھی کرتے ہیں۔ آرام دہ کرسی پر میٹنگ کر کے سیلاب روکتے ہیں، بھونچال کو آنے نہیں دیتے، تیز رو ہواؤں کا رخ بدل دیتے ہیں یعنی ایک سرشتے کے کام کو دیکھنے پرکھنے آدھ درجن دوسرے سرشتے پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ اپنے ملک کشمیر میں بارہ قلی تیرہ میٹ والا معاملہ سالہا سال سے چلتا آرہا ہے پھر انتظامات کو آخری شکل ملتی ہے اور تب کہیں پہچانا جاتا ہے جب ارباب اقتدار اسے گود لیتے ہیں۔ جبھی تو سرکاری ٹی وی پر، اخباری بیانات میں کافی تذکرہ ہوتا ہے۔ خیر یہ تو ایک تصویر ہے کشمیر کے سیلاب کی جو ۲۰۱۴ میں سر سے اوپر گیا اور ابھی تک اُترنے کا نام نہیں لیتا کہ اسے دریائے جہلم وغیرہ میں کھدائی کر کے ٹھہراؤ کی جگہ چار سال میں نہیں ملی۔ پھر ہونا کیا تھا اپنے ارباب اقتدار نے وہی کیا کہ سیلاب کے ریلے کے سامنے (بقول اہل کشمیر یہ پس ڈکھ شُپ) چھاج رکھ دیا۔

بھلا انہیں کیا معلوم کہ اب کی بار مودی سرکار اہل کشمیر کو جل بن مچھلی چھوڑ کر فٹ بال ورلڈ کپ دیکھنے میں مصروف ہوگئی۔ اس لئے نہیں انہیں میسی اور رونالڈو کی کھیل جادوگری میں کوئی دلچسپی ہے بلکہ سنا ہے کہ اس گیم میں کچھ ایسے بھی ممالک شامل حال ہیں جن کا نام مودی مہاراج پہلے نہیں سنے تھے۔ پھر کیا تھا فٹ بال کی طرف دھیان دئے بغیر اس نے نئی لسٹ بنائی کہ بولیویا، کورشیا، نائجیریا وغیرہ کی سیر نہیں کی گئی تھی۔ ہو نہ ہو ۲۰۱۹ الیکشن سے پہلے ان ممالک کا بھی دورہ ممکن بنے۔ بھلا ابھی تک کے دوروں پر تین سو پچپن کروڑ خرچے میں کچھ کروڑ اور جمع ہوں تا کہ ان ممالک میں بھی بھارت ورش کا نام روشن ہو۔ اتنا ہی یوگا سی ڈی بھی جاری کر دی کہ بھلے ملک فٹ رہے نہ رہے یا معاشی طور ملک یوگا کرتے کرتے لڑھک ہی جائے پر صاحبان اقتدار فٹ رہیں۔ اسی لئے تو یوگا سی ڈی پر بیس لاکھ خرچ کئے گئے۔ یہ الیکشن کا بگل بھی دکھاتا ہے رنگ کیسے کیسے کہ جن دلتوں کو آئے دن مار پیٹ، زدوکوب کے دور سے گزرنا پڑتا ہے، ان کی خوش آمدید یا خوشامد میں بھاجپا مصروف ہے۔ سنا ہے کنول برداروں کو مودی مودی نعرے میں کشش کم دِکھتی ہے اسی

لئے آج کل یہ لوگ کبیر کبیر گاتے ہیں۔

آ امت شاہ مل کے کریں آہ و زاریاں

چلتے چلتے یہ دلچسپ خبر کہ گوا میں پیداوار بڑھانے کی سرکاری اسکیم شیوگ کا سمک فارمنگ متعارف کی جارہی ہے۔ کسانوں کو ہدایت کہ کھیتوں میں بیٹھو اور منتر گاؤ۔ ہو نہ ہو بھاجپا پولنگ بوتھوں کے سامنے بھی یہی طریقہ اختیار کرلے کہ ووٹنگ مشین میں کنول کنول کی پیداوار بڑھ جائے!!

Published 9/7/2018

* *

تم بار بار پی چکے ہو جواں لہو

اپنے ملک کشمیر کے لوگ بھی بڑے دلچسپ ہیں، بات کا بتنگڑ بناتے ہیں، رائی کا پہاڑ بناتے ہیں۔ خود ہی کہتے ہیں کہ الہِ کُلِس چتہِ تُلہ کُل بناوان (یعنی کدو کی بیل کو توت کا درخت بناتے ہیں)۔ مطلب صاف ہے کہ جس کے پیچھے دُم نہ ہو اس کی جگہ جھاڑو باندھ دیتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی کسی منسٹر صاحب کے ساتھ واقعہ جوڑا کہ اس نے میٹنگ شروع کرنے سے پہلے کانا پھوسی کر کے یہ پوچھا کہ کیا سرکاری ترجمان آیا ہے۔ اسے تو پریشانی تھی کہ اگر سرکاری ترجمان نہ آیا ہو تو اس کی تقریر کا خلاصہ کون ریڈیو ٹی وی پر نشر کروائے گا۔ کوئی نہ

کوئی تو سرکاری سرشتے کا ترجمان ہوتا ہے، پر اپنے لوگ اسے ''ٹرجمان'' کہتے ہیں۔ لوگوں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، صحافت کے مچھلی بازار میں اسی کا سکہ ہے اور کوئی اس سے اختلاف کرے تو بھگت جن اس پر مزید ٹروں (سفید جھوٹ) کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ پھر دیکھتے دیکھتے اسے مملکت خداداد روانہ کرنے کا حکم نامے کے اجراء ہوتا ہے۔ ویسے اس ''ٹرجمان'' نے غلط کیا بولا جو اس نے دیکھا بھالا وہی بیان دیا۔ کچھ باقی رہا تو اپنے لوگوں کی زبانی روداد سنی تو بیان کردی۔ جب بھیڑ میں سے پتھر برسے، پھر پٹرول بم برسے تو جوابی کاروائی کو کون روک سکتا ہے۔ مانا کہ عندلیب چودہ پندرہ سال عمر کی ہے لیکن ہے تو آتنک وادی۔ کلاس میں رول نمبر ایک ہونے کے باوجود اس کے روم روم سے دہشت ٹپکتی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں پتھر دوسرے میں اینٹ رہتی ہے تاکہ پتھر اینٹ کا جواب دے سکے۔ اس پر بچی کی ہمت دیکھو، پاؤں سے پٹرول بم اچھال رہی تھی، ہے تو پڑھائی کرتی بچی، لیکن جو اسکول بیگ اچھالا تو اس میں رکھے آدھ درجن گرنیڈ پھٹ گئے اور تو اور ٹِفن میں چاول کے بدلے آر ڈی ایکس بھرا تھا۔ جو پھینکا تو دھماکے

سے پھٹ گیا اور پھر فوج میں ایسی کھلبلی مچادی کہ نہ جانے کتنے زخمی ہوئے۔ مطلب ایسی ہی بچیوں کے لئے وہ ترانہ خوب لکھا ہے۔ کشمیر کی بیٹیاں، نڈر دلیر بچیاں۔ زخمی فوجیوں کی تفصیل ”ترجمان“ جمع کررہا ہے بلکہ ساتھ تحقیقات بھی کروا رہا ہے۔ تحقیقات سے پتہ چلے گا کہ کون زخمی فوجی کس یونٹ یعنی کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور پھر بقول فلمی ہیرو (شعلے کا ویرو) خاندان کا پتہ چلتے ہی آپ کو اطلاع کردیں گے، بقول بشیر دادا۔

اپنے حقیر خواب میں بھرتے رہو لہو
تم بار بار چاٹ چکے ہو جواں لہو
اک بار زندگی میں کبھی شرم بھی کرو
معصوم عندلیب گلستان کے قاتلو

اور تو اور اقوام متحدہ کے بشری حقوق سرشتے نے جو حال حال ملک کشمیر سے متعلق رپورٹ جاری کردی اس پر ادارے کے سربراہ زید الحسین پر الزام لگا کہ رپورٹ یک طرفہ ہے۔ کیا پتہ اہل کشمیر نے زید الحسن کو رستہ گوشتابہ کھلا کر رپورٹ لکھوائی۔ عندلیب جیسی جنگجو بچیوں کے ہوتے ہوئے اصل میں بہادر فوجی اور نیم فوجی دہشت کا شکار ہوجاتے ہیں۔ بشری حقوق کی پامالیوں کی یہ رپورٹ اس طرح مرتب ہوسکتی ہے سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہنے کو تو وہ ذیابیطس کا معروف معالج ہے لیکن مودی مہاراج کا دست راست تصور کیا جاتا ہے۔ دست راست ہی کیا چپ و راست، خورد و کلاں گنا جاتا ہے۔ اسی لئے تو مودی سرکار کا پی ایم آفس کا وزیر با تدبیر ہے۔ دروغ برگردن راوی جو قلم والے ممبران کی سیل ریٹ پر نظر رکھے ہیں کہ ان کا ریٹ دن بدن اوپر نیچے ہو رہا ہے کیونکہ وہ اب ممبران نہ رہے بازار حصص کے شیئر بن گئے ہیں۔ اس کا کہنا ہے یہی ڈاکٹر ملکِ کشمیر کا کنول بردار اور قلم برباد پارٹی کا وزیر اعلیٰ بننے والا ہے۔ وہ ہے تو معالج لیکن آج کل قلم کنول ایجنڈا آف الائینس کی دھجیاں جمع کررہا ہے جو بقول اس کے بانوئے کشمیر نے بکھیر دیں، یعنی اب پتہ چلا کہ بانوئے کشمیر اپنے لوگوں کا زدوکوب اور مارکاٹ ہی نہیں کروارہی تھی بلکہ ایجنڈا کے بخیے اُڑا رہی تھی تاکہ یہ دھجیاں بکھر جائیں۔ کیا بات ہے۔

میری کرسی کے ٹکڑے ہزار ہوئے
کوئی ادھر گرا کوئی ادھر گرا

کنول بردار کہیں پاکستان کو دھمکا رہے تھے، کہیں گئو ماتا کے گن گا رہے تھے، کہیں مسلم و دلت اقلیتوں کی مار کاٹ میں مصروف تھے، اسی لئے اب اڑھائی سال کے بعد سونہ مرگ سے مادھو پور تک دھجیاں بکھری ہوئی دیکھیں۔ شاید اسی لئے کنول برداروں کا مادھواب قلم والی پارٹی کے حصے بخرے کرنے میں مصروف ہے کہ چیتھڑوں کو پھر سلا جا سکے۔ کہیں سجاد لون، کہیں انصاری ٹولہ سوئی دھاگہ اور پیوند جمع کر کے لا رہا ہے کہ بھائی لوگو سی لو جبھی تو اہل جموں و کشمیر کی خدمت ہو سکتی ہے۔ حالانکہ کون نہیں جانتا بے چارے عام خام لوگ تو بس بدنام ہیں، البتہ ان کے نام پر ہی ساری ڈکیتیاں ڈالی جاتی ہیں۔ ادھر بانوئے کشمیر کہاں خاموش بیٹھنے والی کہ وہ بھی اپنے چیتھڑے سینے لگ گئیں۔ مانا کہ دمحال والا ابھی دور ہی ہے لیکن سنا ہے اکیس ٹیلر ماسٹر اپنے طور رفو کرنے پہنچے کہ سبز رومالوں والا گاؤن پھر سلا جائے جس کا خواب مردِ مومن نے کب کا دیکھا تھا۔

ہاں خواب پر یاد آیا کہ اب کی بار مودی سرکار کا آٹا گوندھنے والے امبانی نے بھی اک خواب دیکھا کہ جیو نام سے یونیورسٹی بنائی جائے لیکن الیکشن کا قرضہ چکانے کے لئے اپنے خواب کی تعبیر کے ساتھ مودی سرکار نے اس بے نشان ادارے کو شرفِ اعجاز excellence award سے نوازا اور افواہ گرم ہے کہ بے چارے غریب اور نادار امبانی کی اس یونیورسٹی کے لئے ایک ہزار کروڑ کی امدادی گرانٹ منظور کر لی مگر سوال یہ ہے کہ ادارے کی بلڈنگ وغیرہ ہے کہاں؟ چلئے ہم بھی اعلان کرتے ہیں کہ مستقبل قریب میں ایک کتاب لکھنے بیٹھ جائیں، کیا پتہ اسے بھی اعلیٰ ترین مودی انعام سے نوازا جائے کیونکہ آج کل چلن ایسا ہی ہے۔ رہا سوال امبانی کی جیو یونیورسٹی کا نام پتہ معلوم کرنے کا مسئلہ۔ ہو نہ ہو مملکت خداداد نے سراغ رسان سیٹلائٹ، جو چین سے اُڑایا گیا، اسے ٹوہ لینے میں استعمال کیا جائے اور جیو ادارے کی تفصیلات معلوم کی جا سکیں۔ چھتیس گڑھ کی چندر منی کسان عورت ہے اور اب کی بار مودی سرکار نے ویڈیو کانفرنس میں اس سے پوچھا کہ تمہاری آمدنی کتنی بڑھی؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ دوگنی ہو گئی ہے مگر بعد میں اس عورت نے خلاصہ کیا کہ کیسے ایک سرکاری افسر نے اسے سکھایا تھا کہ جواب کیا اور کیسے دینا ہے

یعنی ادھر مودی سرکار کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ رہے ہیں ادھر نادار و مفلس اوران پڑھ خواتین کو طوطے کی رَٹ سکھائی جارہی ہے۔ کون جانے اس عورت کی دوگنی آمدنی کی کھوج کے لئے بھی یہی سیٹلائٹ استعمال کیا جائے۔

ہوئے وکیل جو پیدا تو شیطان نے یہ کہا
لو آج ہم بھی صاحب اولاد ہوگئے

آصفہ کیس عدالت میں زیر سماعت ہے۔ عدالت عظمیٰ نے سی بی آئی منتقلی سے انکار کیا پر کالے کوٹ والے کی جرأت کہ پریس بریفنگ میں اعلان کردیا کہ اس کیس کے پیچھے جہادی کارفرما ہیں۔ تب ہم سمجھے شاید سانجھی رام اوراس کے حواریوں کونام نہاد جہادیوں نے ماہانہ تنخواہ پر رکھا ہوا ہے۔ بقول حبیب جالبؔ

خاک میں مل گئے نگینے لوگ
حکمران بن گئے کمینے لوگ

مودی سرکار کا منسٹر جینت سنہا ہاورڈ بزنس اسکول کا تربیت یافتہ ہے۔ ہم تو سوچتے تھے کہ مغربی تعلیم حاصل کرکے کچھ تو مودی سرکار کو سمجھائے گا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بھگت جنوں کی تربیت کا زیادہ اثر قبول کر چکا ہے۔ یقین نہ آئے تو سن لو کہ ایک مسلم فرد کی مار پیٹ میں ملوث ملزمین کا سواگت کیا بلکہ ہار پہنائے۔ کنول برداروں کی تاریخ ایسی ہے کہ ایک مسلم کا خون بہایا تو منسٹر ہار پہنائے کیونکہ دو ہزار کا خون بہائے تو پہلے چیف پھر پرائم منسٹر بن جائے۔ جب ووٹ کے لئے ترسا جائے تب خون کی بہائی بوندیں یاد آئیں۔ خونِ مسلم و دلت تو الیکشن کے لئے سونے پہ سہاگہ ہے۔ اس لئے جتنے قطرے خون بہائے اتنے ہی پھول پرِو کر ہار بنائے کہ حساب برابر ہوجائے۔ حیف کہ ایسا کام کیا ہے۔

یہ سواگت منسٹر صاب کیا کہنا اقتدار کا سراب کیا کہنا
کیا پڑھایا ہے کیا سکھایا ہے جینت سنہا جناب کیا کہنا

Published 17/7/2018

* *

دھمکی کا دھماکہ اور ڈھولک ہے تاتھیہ

ارے واہ کیا بات ہے! اپنے قلم دوات والے پہلے نئے نئے فتویٰ جاری کرنے کے لئے اس کا استعمال کرتے تھے، کبھی سیلف رُول کی گردان کرتے، کبھی مسئلہ کشمیر کے حل کا فرمان جاری کرتے، کبھی مفتی مفتی، سختی سختی کا وظیفہ پڑھاتے، کبھی قطبین کے ملاپ کا جوڑ سمجھاتے، کبھی گولی نہیں بولی کا عنوان دوہراتے، کبھی باجپائی کی انسانیت، جمہوریت اور کشمیریت کی گنتی یاد دلاتے۔ پر اب کی بار جو لولی لنگڑی سرکار گئی تو قلم کو بندوق کے نام پر استعمال کیا اور دوات کو آر ڈی ایکس کے طور۔ سنا ہے آنکھوں سے آنسوں کی لڑی جاری ہے اور بند کمروں میں مودی شاہ جوڑی کو یاد کر کے گنگناتے ہیں ۔

تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو — وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا
وہ جو الائینس کا ایجنڈا تھا — وہ جو سکورٹی کا ڈنڈا تھا
وہ جو کرسیوں کی بھرمار تھی — وہ اپنی مخلوط سرکار تھی
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو — وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا
وہ جو قلم تھا دوات تھی — وہ جو رازونیاز کی بات تھی
وہ جو کنولوں کی حیات تھی — وہ کیا دن تھے کیا رات تھی
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو — وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا

کچھ نہ بن پایا تو نیا نعرہ مستانہ اتنی زور سے لگایا کہ سونمرگ سے سورسیار تک لوگوں کی گدگدی ہوئی اور وہ کھی کھی کرتے رہے۔ نعرہ تھا دلی والو ہوشیار قلمی فوج ہے تیار۔ کنول والو خبردار ہم بیج بہاڑہ

کے تبردار۔ مانا کہ ہم ہیں بے یار و مددگار بلکہ اب تو سیاسی نادار کہ ہماری پارٹی ہوگئی ناپائیدار۔ اس کی بنیادوں میں سے باندھ کے رکھنے والا سیاسی سیمنٹ کھرچتا جا رہا ہے آہستہ آہستہ۔ اور جو سرکار کا جوڑ تھا وہ بس ٹوٹتا جا رہا ہے لیکن اگر یہ ٹوٹ کر ہماری سیاست کو بکھیر گیا تو ساری ذمہ داری دلی دربار پر عائد ہوگی، اور ناگپوری زعفران براہ راست ملوث سمجھا جائے گا یعنی ادھر جو قلم دوات پارٹی کا قلم ناڑا ڈالنے لائق ہی رہ گیا اور دوات کسی بھی صورت اُلٹی ادھر صلاح الدین، یاسین ملک، ایریا کمانڈر، ڈویژنل کمانڈر پیدا ہوں گے اور وہ کسی بھی صورت قلم دوات کا بکھراؤ برداشت نہیں کر پائیں گے، یعنی پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ خبر نہیں تو تواریخ کا مطالعہ کرو۔ زیادہ دور بھی جانے کی ضرورت نہیں بس اسی کی دہائی میں چلے جاؤ جب ہم نے ہل والی نیشنل کا + نفر + نس کا اغوا کیا تھا اور گلہ شاہ کو ملک کشمیر کا پادشاہ بنا دیا۔ اتنا ہی نہیں اسے چھوٹ دی کہ جتنا چاہے اپنے اہل کشمیر کی چھاتی پر مونگ دلو بلکہ اس کے لئے مدھیہ بھارت سے کوٹنے والی پولیس کا انتظام کیا۔

وہ بھی مائی کا لال نکلا جس کو بادشاہ بنایا وہ گلہ کرفیو بن بیٹھا کہ ہل برداروں کا ہوا پانی بند کر دیا۔ اس سے جی نہ بھرا کہ نام نہاد پادشاہ سچ مچ کا بادشاہ بن بیٹھا یعنی ہماری بلی ہم سے میاؤں کرنے لگی، اور پھر ہمیں انہی لوگوں کے ساتھ دھکم پیل کرنا پڑی جو عرصہ دراز سے ہمارے حامی بنے تھے۔ گلہ کرفیو کو چلتا کیا تو نیشنل کے ساتھ ہاتھ ملائے اور ایسی ویسی الیکشن لڑی کہ ملک کشمیر کو تاراج کر دیا۔

کسی کو تھانے میں پٹوایا کسی کو بندوق کے بٹوں سے مارا اور پھر وہی ہوا جس کی آج ہم دھمکی دیتے ہیں۔ اس لئے ہم بانگ دہل اعلان کر دیتے ہیں کہ ہم نے جو نعرہ لگایا تھا گولی سے نہیں بولی سے وہ بدل کر بس گولی گولی بن جائے گا۔ پھر بندوق کندھے پر سنبھالے چیف کمانڈر بانوئے کشمیر ہوگی، پیکا گن لئے ڈویژنل کمانڈر رینگ مفتی ہوگا، واکی ٹاکی پر بات کرتا اور ہدایتیں دیتا ایریا کمانڈر ماما جانی ہوگا، ضلع کمانڈر ماسا پیارا ہوگا، یعنی جہاں کچن کیبنٹ بنی تھی وہاں ”مفتی صابن فوج ہے آؤ“ ہوگا۔ مطلب سامان حرب وضرب بھی اپنا، فوج کے سالار بھی اپنے۔ اور بیچارے کنول برداروں کے قدم ہی ڈگمگائے۔ ڈرے ڈرے سہمے سہمے اعلان کر دیا کہ ہم ایک صلاح الدین سے مقابلے کے لئے دس دس بھگت سنگھ بھیجیں گے۔ بیچارے اپنے لیڈر کی مانند ان پڑھ لوگ بھگت سنگھ کو بھگت سمجھ بیٹھے۔ انہیں کیا پتہ بھگت سنگھ بائیں بازو کے خیالات کا آدمی تھا اور

اسے بھگتوں کی فرقہ وارانہ اور کرسی پرستانہ سیاست سے نفرت تھی۔ اگر وہ آج زندہ ہوتا تو سب سے بڑا سنگھ پریوار کا دشمن ہوتا، راہل گاندھی جیسا ویر سینا نانی نہیں کہ ایک سانس اندر لیتے ہوئے مودی مہاراج کی بھرپور خبر لے، دوسری سانس چھوڑنے سے پیشتر ہی اپنی دو بٹا دو انچ چھاتی چھپن انچ چھاتی والے مودی سے ملائے اپنے بھاشن کا سارا مزا بگاڑے جیسے کسی نے مرچوں میں شہد ملائے۔ خیر اِدھر دخترِ مفتی نے کنول برداروں کو خالی خولی دھمکی دی اُدھر اپنے ایم ایل ایوں پر غصہ اتارا۔ کسی کو عہدے سے ہٹایا، کسی کو چیتاونی دی کہ ہوش میں آؤ قلم دوات آگے بڑھاؤ۔

میرے ممبرو زراء یاد کر　　پھر ایک بار زندہ باد کر
چلے آؤ پھر بجبہاڑہ میں　　پھر سے من میرا شاد کر
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو　　وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا

جب ایم ایل اے حضرات کی باری آئی تو قلم والے ہتھیار کمزور پڑ گئے کیونکہ ایم ایل ایز تو تینتیس ہزار وولٹ کے ساتھ گھومتے ہیں، ہاتھ لگاؤ تو زور کا جھٹکا زور سے ہی لگے گا جب کہ ایم ایل سی حضرات تو کمزور سی بیٹری ہے، آج نہیں تو کل ڈسچارج ہو کر منہ آسمان کی طرف کر کے پانی مانگے۔

یہ ایک دو ہفتے تو ملک کشمیر میں زور کے جھٹکوں کے ہفتے رہے۔ پہلی بار کنول برداروں کو سیکرٹریٹ میں داخلہ ملا تھا، رد ہو گیا، قلم والے بھی پیٹھ میں ترشول محسوس کر گئے اور اوہ آہ کرتے رہ گئے۔ کرسی کی آس میں بغاوت کرنے والے تو کچھ لے کچھ دے کی سانس میں دھک دھک کرتے رہے۔ دروازے پر کسی بھکاری نے دستک دی تو امت شاہ اینڈ کمپنی کا بلاوا سمجھ کر اٹھ بیٹھے، آنکھیں ملیں لیکن سامنے کچھ نہ دکھا۔ دھیرے سے چادر پھر اوڑھ لی کہ چلو سپنے ہی میں دیدارِ یارو اقتدار کر لیں۔ ایسا ہی ایک جھٹکا ہل والے قائد ثانی پر بھی لگا۔ وہ جو مل جل کر ایک سو تیرہ کروڑ ڈکارنے کا الزام تھا اس میں جان سی آئی۔ سی بی آئی نے پیسے پیسے کا حساب جوڑا جیسے گواسکر، میانداد، پرویز رسول نے ایک ایک کر کے رن جوڑے تھے مگر قائد ثانی نے رن بنانے والوں کو پس پشت ڈال کر اپنی ہی رنگین دنیا بسائی تھی کہ عیش کرو خرچ کرو۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کس رئیس سے پالا پڑا تھا۔ کھیل کود میں وقت کیا برباد کرنا میری طرح ہر کسی مسئلے کا حل گولف کورس میں تلاش کرو۔ بی سی سی آئی کے مال سے مالا مال ہو جاؤ۔

اوراس کے چلتے ہل والے قائدثانی کو یاد آیا کہ بھارت میں مسلم اقلیت عتاب کا شکار ہے۔ یہ وہ والا بھارت نہیں رہا جس کی کلپنا ہل برداروں نے اس وقت کی تھی جب وہ حملہ آور خبردار کا نعرہ لگاتے لکڑی کی بندوقیں کندھوں پر اُٹھائے بچہ نغمہ گاتے پھرتے تھے۔

اہل کشمیر تو کہتے ہیں گلہ وانس گُر حوالہ (چور کے ہی ہاتھ میں گھوڑے کی لگام تھمانا)۔ ہم تو سنتے آئے تھے پر سمجھ نہیں پاتے کہ ایسا کیوں اور کیسے ہو؟ بھلا ہو اپنے یہاں گورنر راج کا کہ اس کا مطلب سیدھے سادھے الفاظ میں سمجھا دیا۔ جب بڑی کرسی پر کوئی تجربہ کار بندہ بیٹھا ہو اور اوپر سے پیٹھ پر تھپکی بھی ملتی رہے کہ جیسے کہا جائے ویسے ناک کی سیدھ میں چلتے رہو۔ مانا کہ آصفہ کا کیس عدالت میں زیر سماعت ہے، مگر بیٹی مرواؤ بیٹی پٹاؤ کا نعرہ بھی جو دلوں میں گونج رہا ہے، اس کا کچھ تو خیال کرنا ہی ہے۔ لال سنگھ کو میدان میں اتارا کہ ساجھی رام اینڈ کمپنی کے بچاؤ میں لڑ مرو عاشقو۔ پر دفتروں میں بیٹھ کر بھی کام تو کرنا ہی ہے کہ بھگت جنوں کی مضبوط دیوار بنی رہے۔ اسی لئے تو ایف ایس ایل رپورٹ کے لفافے نے لیٹر بم کا کام کیا اور اس میں موجود رپورٹ اُڑن چھو ہوگئی۔ اب کی بار تو آصفہ کا گھوڑا ہی وکیل بے دلیل، حامیٔ ذلت و تذلیل ساہنی گلہ وان کے حوالے کردیا کہ کل تک عدالت میں کیس لڑتے تھے اب اپنے دفتر سے کام کرکے اسے داخل دفتر کرنے میں قدم بڑھاؤ۔ یعنی کچھ بھی ہو بیٹی نہ پڑھے بیٹی نہ بچے!!

سب کا ساتھ سب کا وکاس والا مودی نعرے بازی میں گرتا ہی جا رہا ہے کہ وکاس ہوا تو بھگتوں کا۔ ایک بھکت نیرَ و مودی، دوسرا جے امت شاہ، تیسرے لہو کے پیاسے بھگت جن۔ ان کے وکاس لسٹ پر روز بروز معصوموں کا لہو گرتا جا رہا ہے اور مرنے والوں کی فہرست میں وکاس جاری ہے۔ اخلاق سے شروع ہو کر اب بتیس کا آنکڑہ پار ہوا۔ کچھ ہاتھ نہ لگا تو زعفرانی خرقہ پوش سوامی اگنی ویش کو ہی جا لیا، دھما دھکا، تھما تھپڑ لگا مکا کہہ کر سوامی کی دستار ہی گرادی، یعنی دلت اور مسلم تو اصل زر میں حاصل کئے سوامی کو بونس میں ہتھیا لیا۔ ادھر خود مودی کو بھی وکاس کہیں نظر نہیں آتا تو لگے ہاتھوں ۲۰۱۴ کا مودی مودی نعرہ بھلا دیا اور ۲۰۱۹ء الیکشن کے لئے مسلم مسلم مسلم کی رَٹ شروع کردی، اب کی بار مودی مہاراج کسی کام کے نہیں رہے جبھی تو یہ دلچسپ خبر عام ہوگئی کہ کرناٹک کے کسان اب مودی شاہ کٹ آؤٹ اپنے کھیتوں میں چیتھڑے پہنا کر

scarecrow (کشمیری اسے کھو کہ برونٹھ کہتے ہیں) بنا کر کھڑا کرتے ہیں تا کہ پرندے ان کی فصلوں کو نقصان نہ پہنچا دیں۔ ارے واہ کیا بات! کہ ابھی تک تو مودی شاہ کے بھکت انسانوں کو ڈرانے کا کام کرتے تھے لیکن خود اب مودی شاہ پرندے ڈرانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ چلو کسانوں کی آمدنی بھلے ہی بھاجپا سرکار میں نہ بڑھی لیکن کنول بردار تو کسی نہ کسی کام آ ہی گئے۔

Published 23/7/2018

* * *

انگلینڈ سے آیا میرا دوست، دوست کو سلام کرو

لو جی من موجی سرینگر کے باشندو! اب کی بار موج مناؤ بلکہ ڈھول تاشے نقارے بجاؤ کہ شہر سرینگر میں فارین تعلیم سے آراستہ جنرل ڈائر کا ایلچی میونسپلٹی میئر سج سنور کے پدھار رہا ہے! یہ اعلان کوئی ایرا غیرا نتھو نہیں کر گیا بلکہ خود گورنر کشمیر نے کیا۔

چلئے صاحب ہم نے سن لی آپ کی تقریر بھی
اور اخباروں میں پڑھ لی آپ کی تحریر بھی
مخمصے میں تھے کہ کون بن جائے گا اپنا میئر
آپ نے کھول دی اس راز سے زنجیر بھی

ایسے میں فرض بنتا ہے کہ گلی گلی، سڑک سڑک سجا ڈالو اور ہو سکے تو دریائی جلوس کی تیاری بھی کر ہی دو۔ یا تو مسلسل محورقصاں رہو کہ مابدولت، افراسیابِ دوران، سربراہ شہر خموشان، داد رسانِ عرضیاں وارد سرینگر ہونے والے ہیں۔ اب کی بار اصل اعلان جب بھی ہو گا لیکن ناچو گاؤ کہ اب اپنے شہر میں سب کچھ فارئین ہو گا کیونکہ نئے سٹی فادر کے تار رودبارِ انگلستان سے جڑے ہیں۔ مطلب اب اپنے یہاں تعلیم تو ہو گی ہی سڑک سڑک، گلی گلی کوچہ کوچہ فارئین ہو گا۔ شہر میں جو کتے گھومتے لوگوں کو کاٹتے ہیں، وہ بھی فارئین ہوں گے۔ ان کے دئے زخم بھی فارئین ہوں گے اور اس پر دوا مرہم بھی فارئین ہو گا۔ شہر سے غلاظت بھی فارئین ہی اُٹھے گی اور اس سے بدبو بھی فارئین ہی اُٹھے گی۔ اور کسے نہیں معلوم کہ اپنے یہاں فارن بدبو بھی خوشبو ہی محسوس ہوتی ہے۔ اس قدر اچھی کہ ہم اسے سونگھنے نزدیک جاتے ہیں۔

کسے نہیں معلوم یہ فارن بندہ کبھی ہل والوں کو رندا دیتا تھا اور کبھی پیپلز کا باشندہ تھا۔ مطلب کبھی شیر کا اسیر تھا اور کبھی ہل کا دلگیر تھا۔ پر کیا کریں خود پیپلز اور ہل برداروں نے بھی اہل کشمیر سے وفا نہیں کیا تو ان سے کوئی فارن بندہ کیسے ترک تعلق نہ کرے؟ وہ بھی اس وقت کہ خود ہل والے حیران و پریشان کہ میدان بلدیہ میں زور آزمائی کریں اور دیہات سدھار عمل میں کہاں پدھاریں؟ اس ادھیڑ بن میں ملک کشمیر میں ایک طرف بلدیہ الیکشن کی حالت دفعہ ۳۷۰ جیسی ہوگئی ہے، دوسری طرف اس کے جسم سے سڑا گوشت نوچنے والے بھی منہ اندھیرے پہنچ ہی گئے کہ ابھی لوگ محو خواب ہیں ہم اڑا کر لے جائیں۔

واہ بی میونسپلٹی جان کیا کہنا ترا
تو چچی لیلیٰ کی عاشق تیرا مجنوں کا چچا
اپنی خود داری کو کھو کر تجھ پہ جو شیدا ہوا
بے خودی میں یہ زبان حال سے کہتے سنا
بس کہ دیوانہ شدم عقل رسا درکار نیست
عاشق میونسپلٹی را حیا درکار نیست

بات فارن کی چل رہی تھی، ویسے بھی آجکل بھارت ورش میں فارن کا سکہ ہی چلتا ہے۔ اسی لئے تو فارئین قانون کی نقل کر کے ایسے ایسے نئے حکم نامے جاری ہوئے، کبھی اجتماعی ضمیر کی تشفی کے لئے کسی کو سوئے دار چڑھانے کا فرمان جاری ہوا، اور اب کی بار اجتماعی ضمیر کی تشفی کے لئے ہم جنس پرستی کو صحیح ماننے کا فرمان شاہی صادر ہوا، یعنی پہلے جو کسی کو گالی دیتے تھے وہ اب محبت کا اظہار ہے۔ پھر یہ بھی کوئی شادی شدہ خاتون اپنے شوہر کی ذاتی ملکیت نہیں کہ وہ کہاں جائے اور کس کے ساتھ جائے، پوچھ تاچھ، تفتیش تحقیق ممکن نہیں۔ لگے ہاتھوں آدھار کارڈ کو بھی ضروری نہیں سمجھا گیا۔ پھر ہم بھی حالیہ چار فیصلوں کو ایک سطر میں لکھنے لگے تو ”آپ سابر ملائی مندر کسی پڑوسی عورت کے ساتھ بنا آدھار کارڈ دکھائے جاسکتے ہیں“ برآمد ہوا۔

مانا کہ کبھی ہمارے پاس نیشنل فوج تھی جو ہل والا جھنڈا ہاتھ میں اُٹھائے ”اونچا رہے گا جھنڈا ہمارا“ کی تال پر ساودھان ویشرام کا نعرہ لگاتے سڑک سڑک گھومتی، شہر شہر جھومتی، گاؤں

گاؤں دھوم مچاتی ۔ ان کے جوتوں چپلوں کی آواز سے دل دہل جاتا ، بلکہ سنا ہے دلی دربار کے ایوانوں میں ارتعاش نہیں زلزلہ پیدا ہوتا ۔ اور نیشنل فوج کے سالار اُچھل پڑتے کہ ہم ہیں اور بس ہم ہیں ۔ پھر ہوا یوں کہ وہ ساودھان ویشرام کی تال میں سود وزیاں میں تفریق نہ کر بیٹھے ، ان کے جوتوں سے چرچر بلکہ چرررررر کی آوازیں آنے لگیں اور ہم سمجھے کہ ان کے جوتے کیا پاؤں بھی چھلنے لگے ہیں ، ان میں قوت رفتار مدھم ہوئی ، گز بھر میں زبان قوتِ گفتار ناپید ہوگئی ، زور بازو اس قدر کم جیسے کسی کمزور پیڑ کی جھکی جھکی سوکھی سوکھی شاخیں ہوں ۔ تاریخ شناس صاحبان کا فرمان ہے کہ کبھی ہمارے پاس دفعہ ۳۷۰ تھا اور یہ بھی کہ کبھی ہمارے کچن کابینہ میں اندرونی خودمختاری تھی ، ان دنوں کسی کی کیا مجال کہ اسٹیٹ سبجیکٹ قانون پر اُنگلی اٹھائے ، پیر اٹھائے ، ہل والے ہل کا پھل اس کی آنکھ میں شہتیر بنا کر اُتارتے ۔ پھر ہونا کیا تھا ان سب چیزوں کو محفوظ سیف میں بند کرکے ہم نے تالے کی چابی اپنے سیانے نیتاؤں کے حوالے کی ، کہا مائی باپ ! بِن تالے کی چابی کی نگرانی آپ کی نوکری ۔ وہ چالاک میٹھے بول میں لپٹے وعدے فرما گئے کہ ۳۷۰ ، ۳۷۰ پھزی ہیند یزت عزی ہیند یزت (۳۷۰ سب کی عزت ہے) ۔ پر یہ حفاظت ونگرانی تب تک ہے جب اپنے پاس کرسی ہوگی کیونکہ ہم وہی کرسی اسی سیف کے آگے رکھ کر ہل والے جھنڈے کا ڈنڈا ہاتھ میں لئے رکھوالی ہی کیا چوکیداری کریں گے ۔ دن رات ایسی چوکیداری کہ ہماری آنکھ نہ پھڑکی تا کہ کوئی پاس نہ پھٹکے ، سیف کو ہاتھ نہ لگا پائے ۔ چابی کا بس ہم دور سے ہی دیدار کروادیں گے ۔ اپنے اہل کشمیر بھی سادہ منش کہ چابی کا دیدار کچھ ایسے کرتے کہ پھر خالی ہاتھوں کو چہروں پر ملتے ۔ دروغ برگردن راوی جو کہتا ہے کہ چوکیداروں نے پیچھے سیف میں ہلکی دراز بنوادی اور جو جب جہاں چاہا بیچ دیا یعنی قومے فروختند ، چہ ارزاں فروختند ۔ ہاں یاد رہے سستا نہیں بیچا بلکہ اسی کرسی کی منہ دکھائی کے عوض بیچ دیا جو ملکِ کشمیر کے عام خام نے پہلے ہی ان کے حوالے کردی تھی ۔ اب سوچنے والی بات یہ کہ جو ہاتھ لگا ، اُسی کو بیچ کھایا ، اُڑایا ، اب کیا خاک واپس کیا لائیں ؟ بے چارے ملک کشمیر کے سیاست دان ، بے چارے اہل کشمیر کے چوکیدار ، واللہ اپنے سیاست کار اتنے بھی معصوم اور بھولے بھالے نہیں ، اب یہ وہی سودا ہمیں بیچنے آئے ہیں جو کل لے دے کر کرسی حاصل کر بیٹھے ۔ جبھی تو ملک کشمیر میں نیا ڈرامہ جاری ہے یعنی شرطیہ نئی کاپی کے ساتھ فلم ریلیز

کردی ہے۔ اس فلم کے اہم کردار ہل والے قائد ثانی اور قلم والی بانوئے کشمیر نبھا رہے ہیں۔ کہیں کہیں سائڈ رول میں میر ہے، انجینئر ہے، اکا دکا دونفری پارٹیوں کے بے کار ذمہ داران ہیں، جنہیں کوئی نہیں پوچھتا، وہ بھی گھوڑوں کے ریوڑ میں گدھے کی طرح اپنی ٹانگ پسار رہے ہیں، خدارا! ہماری بھی تصویر اخبار میں چھاپئے۔ فلم کا اسکرپٹ تو تازہ دم ہے جس کے تحت اپنے ہل والے قائد ثانی آجکل دبنگ بنے ہیں، اسی لئے کبھی ترنگ میں آکر دلی دربار کو چیتاوَنی دیتے ہیں کہ لڑ مرو عاشقو۔ قضیہ زمین برسرِ زمین حل کرو۔ ۳۵۔ الف کی ریت کو ہماری کھلی تھراتی مٹھی میں رہنے دو۔ نعرہ بھی کتنا دلچسپ ہے: یہ دفعہ ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔ اور تو اور مملکت خداداد کے نو منتخب قائد سے بات چیت کرو نہیں، تو وہ تیز رفتار باؤنسر مار دے گا پھر آنکھ پھوٹے، سر پھٹے یا ناک ٹوٹے ہم ذمہ دار نہیں، کیونکہ سواری ہر حال میں اپنے سامان کی خود ذمہ دار ہوگی۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ بات کرو بلکہ ہلکا پھلکا مسکہ ہی مار کر اس کی رفتار کم کردو نہیں تو خیر نہیں۔ پھر پار والے قائد کی رفتار کا لطف اٹھاتے خود بھی ڈم ڈم باجے ڈول پیٹتے ہیں کہ ۳۵۔ اے کے ساتھ چھیڑ خوانی کی تو اسی جرم میں رُوٹھ کر پنچایتی انتخابات میں کودوں گا نہیں۔ گاؤں گاؤں کی مٹی نہیں چھانوں گا بلکہ شہری کوچوں میں بھی نہیں گھوموں گا یعنی شہر و دیہات ایک کردوں گا اور چناؤ کے برقی ڈبے بھی ساتھ نہیں لینے دوں گا۔

یہ اور بات ہے کہ چند ہی ہفتے پہلے اٹل بہاری کے ساتھ باجپائی کے سوگ پر اپنا شیر کا بچہ دھاڑا اور ایسا دھاڑا کہ بام و در ہل گئے، رام اور شیام دہل گئے، مودی و شاہ مچل گئے۔ سورگباشی باجپائی کے سنگھی پسر پروردہ اس کی آتما کو اتنا شانت نہ کر پائے جتنا ہر دیگ کے اس من تو شدم چمچے نے کر دکھایا۔ بھارت ماتا کے گن گان میں تان ملادی مگر بھائی لوگ تاڑ گئے یہ قائد ثانی نہیں بلکہ کرکٹ اسکینڈل کا بھوت یا خالی کرسی کا بخار بول رہا ہے۔ راج نیتی اسی کو کہتے ہیں، بولو تو اونچا بولو۔ اسی لئے قائد ثانی کو بھارت ماتا کی جے جے کار ذرا اونچے سُر تال میں کرنا پڑی۔ ٹھیک کیا جو کیا، جوانی موروثی بادشاہت میں بتائی اب بڑھاپے میں جیل کون جائے۔ اس پر مجھے خوامخواہ بچوں کا وہ گیت یاد آیا: پوشن پا بھئی پوشن پا۔ سو روپے کی گھڑی چرائی، اب تو جیل میں جانا پڑے گا، جیل کی روٹی کھانی پڑے گی۔ اور پھر جب گھڑی سو روپے کی نہ ہو بلکہ پورا

سات کروڑ والا معاملہ ہو جیل کی روٹی کچھ زیادہ ہی کڑک ہو سکتی ہے کہ اس سے دانت ہی ٹوٹ جائے، معدہ روٹھ جائے۔

وہ جو قلم دوات والے ہیں نا، کرسی کیا گئی ان کا قلم پاجامے میں ناڑہ ڈالنے کے لائق بھی نہ رہا اور دوات میں روشنائی یکایک سوکھ گئی۔ اسی لئے تو اسے تازہ کرنے کے لئے اپنے جوانوں کا پاک خون یاد آیا۔ ان پرانے پاپی سیاسی مگرمچھوں کو ایک وقت میں کیوں ایک ہی بات یاد رہتی ہے کہ یا کرسی یا اپنے لوگوں کا خون! کرسی نہیں تو اپنے جوانوں کے خون کی یادیں رہ رہ کے ستائیں جب کرسی ہاتھ آئے تو لہو کے کفن میں لپٹے جوان یادِ ماضی عذاب بن جائیں بلکہ کچھ اور مارو کی رَٹ لگائیں۔ قلم دوات والی نے بے وفا کرسی جاتے ہی لگے ہاتھوں قبروں سے معافی بھی مانگ لی۔ کوئی قبر سے اٹھ کر بولا جا معاف کیا؟ کسی کی بینائی لوٹ آئی؟ ماں بہن کی بھیگی پلکیں خون کا بوجھ جھٹک سکیں؟ جنتا اپنی گھٹن بھرے ترنم میں گنگنائے۔

تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو   تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ذرا یاد کر وہ انتخاب   پھرے گاؤں گاؤں بے حساب
کہا سب سے مومن کا وہ خواب   کہ مانگے ہر کوئی جواب
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو   تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کہاں دودھ اور وہ ٹافیاں   وہ نرم سفید سافٹیاں
جو گئے تھے لینے تتلیاں   مگر لوٹے واپس لہو لہاں
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو   تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

Published 15/10/2018

* *

گول مال ہے بھائی سب گول مال ہے

ہم تو الیکشن میں اس قدر مصروف تھے کہ سمجھو دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ بقول ایک ایکٹر ہم کھاتے پیتے الیکشن، اُٹھتے بیٹھتے الیکشن، دوڑتے ہانپتے الیکشن، مرتے جیتے الیکشن تھے۔ چلو ایک الیکشن ختم ہو گیا یعنی ہم آدھے جیئے آدھے کا حساب لگانا باقی ہے۔ الیکشن کے اس غل غپاڑے میں ہم نے وہ آواز ذرا ہلکی سنی جس کا شور بھارت ورش میں اونچا تھا۔ سب کو ''میں بھی'' (Me Too) کے زلزلے میں بڑا جھٹکا منسٹر صاحب کو لگا، مگر ذیلی جھٹکے (After shocks) فلمی اداکاروں، ڈائریکٹروں سمیت اوروں کو بھی لگے۔ اس چھینا جھپٹی میں بلدیہ انتخابات کا بھوت اتنا بھاری تھا کہ بیتال پچیسی کی بھوتیا لاش اشوک پیڑ سے اُتر کر بس اپنے کندھے پر سوار تھی۔ اسی لئے ساری سرکاری مشینری گھوڑے کی طرح آنکھوں پر پٹ لگائے بس ایک ہی سمت دیکھ رہی تھی کہ اپنے ملک کشمیر میں بلدیہ اور دیہات کا سدھار ہو جائے۔ شہر شہر گاؤں گاؤں کی گندگی فرار ہو جائے جبھی تو مودی مہاراج کا سوچھ بھارت ابھیان کا خواب بھی مزیدار ہو جائے اور اس کی تعبیر بھی دمدار ہو جائے۔ اپنا ملک کشمیر عجب سرزمین ہے۔ یہاں زمین اور اس پر قائم باغ بغیچوں، سڑکوں نالیوں کی فکر سب کو لاحق ہے بھلے ہی زمین پر چلنے پھرنے والے زندہ رہیں نہ رہیں۔ اسی لئے تو زندہ لوگوں کی کوئی نہیں سنتا بلکہ اُنہیں چیتاوَنی دی جاتی ہے کہ تم لوگ گولی کے بدلے پھولوں کی اُمید مت رکھنا۔ ارے صاحب یہاں تو عام لوگوں کو بھی پھول نہیں دیئے گئے بلکہ اپریل سے لے کر اگلی مارچ تک انہیں فول ہی فول بنایا گیا۔ ان عام خام لوگوں کو تو سرداری کا حق ہے کے مغالطے میں حیران و پریشان رکھا گیا لیکن وقت بے وقت مار مار کر ہڈی پسلی بھی توڑتے ہیں، بینائی بھی چھین لیتے ہیں، قید بھی کرتے ہیں اور جب وہ اس کے سبب مر جاتے ہیں تو ان

کے لواحقین کو کم از کم ایک لاکھ کا معاوضہ ادا کرتے ہیں۔ یہ تو وہی بات ہوئی مرا ہوا ہاتھی سوا لاکھ کا لیکن مرا ہوا کشمیری ایک لاکھ کا۔ اور پھر معاوضے کی چیک کی ادائیگی پر یہ جملہ کہ عیش کرو بھلے ہی زندہ رہتے اس آدمی نے اپنے خاندان کے لئے کوئی کام نہ کیا پر مرتے ہی بنک کھاتہ کھلوایا۔ کیونکہ بنک کھاتہ کھولنا ضروری ہے کہ اس میں کبھی نہ کبھی وہ پندرہ لاکھ جمع ہونے ہیں جن کا وعدہ مودی مہاراج نے ساڑھے چار سال پہلے کیا ہوا ہے۔ یہ اور بات کہ ایسا وعدہ کب وفا ہوگا اس کی ذمہ داری ہماری قسمت پر عائد ہوتی ہے مودی سرکار پر نہیں۔ خیر اپنی انتظامیہ کو پریشانی یہ تھی کہ گلی کوچوں کی مرمت کا بیڑا اٹھانے والوں کی قسمت پار ہو جائے۔ سو سونار کی نہیں بس ایک لوہار کی ہو جائے۔ پھر ایسی مار ہو جائے کہ چار سُو ہاہا کار ہی نہیں پارم پار ہو جائے۔ ایسے میں جو کچھ ہوا اس کے سبب کسی سے آنکھیں چار نہیں ہوئیں بلکہ کوئی کوئی ساہوکار ہو گیا، یعنی

بہت شور سنتے تھے ڈبے میں ووٹ کا
جو پرکھا تو بس کھوٹ ہی کھوٹ نکلا

کہاں ساٹھ سے زیادہ کا نشانہ سادھے صاحبان اقتدار دھما چوکڑی مچانے والے تھے اور کہاں ایک آنکھ والا (ایک ہندسہ) کاٹھ کا الو ہی سامنے آیا۔ وہ بھی چوری چھپے منہ اندھیرے مشین دیوی کے درشن کر آیا۔ اور سنا ہے اس کھوٹم کھوٹ میں جموں دلی سے بلدیہ سرکار چلانے والے چن لئے گئے کہ انہیں ووٹ کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ ہڑتالی بادشاہوں کے چمتکار کے سبب جو محمود کی کلاہ تھی وہ اُچک کر موہن کے سر کی زینت بن گئی۔ اسی لئے تو لوگ کہتے ہیں کہ اب کی بار مودی سرکار بنے نہ بنے پر ملک کشمیر کی چھوٹی سرکار مودی چھاپ ضرور ہوگی اور اس کے لئے جموں دلی کیا لندن سے دوست یار بانہال ٹنل پار کر کے وارد کشمیر ہوں گے، کیونکہ اپنی عجب پریم کی غضب کہانی میں ہر بار کاٹھ کی ہانڈی ہی چڑھی ہے اور اس ہانڈھی میں پکی ضیافتیں اپنے اہل سیاست کو خوب بھا گئیں

ہیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذہب کے خلاف
دیکھئے ممبر ذرا ہوں تو کردوں سب کو صاف

مہتر ان کے در پہ جھاڑو دینے آئے کیا مجال
اور سقا مشک سے نالی دھلائے کیا مجال
ناچ تگنی کا انہیں اب میں نچاؤں گا حضور
دیکھئے کس کس طرح ان کو ستاؤں گا حضور

ترنگ میں آکر موہن پیارے، مورے رام کی لیلا گانے والے ہل والے قائد ثانی جو الیکشن سے پہلے دبنگ بنے پھرتے تھے، وہ اچانک مون بھرت لئے ملنگ ہوگئے۔ ان کی زبان جو قینچی کی مانند چلتی تھی، وہ ایسے رُکی کہ بے چارے ۳۷۰ اور ۳۵۔ اے کی آواز بھی نہیں نکل پائے، بلکہ اپنے ملک کشمیر میں یارلوگوں نے پوسٹر چسپان کروائے ہیں کہ ہل والے قائد ثانی کا پتہ دینے والے کو اونچا رہے گا ہل والا جھنڈا ہاتھ میں تھما دیا جائے گا اور ساتھ میں ۳۷۰ روپے کا نقد انعام بھی حوالے کیا جائے گا، کیونکہ اب کی بار نیشنلی یار کے پاس دیناروں کی تھیلی میں سوراخ جو ہوگیا تو سرکار جانے کے ساتھ ہی اس تھیلی میں رفو کرنے والے نکل گئے اور اوپر سے دیناروں کی بھرپائی کرنے والے بھی سرک گئے۔ کبھی نیشنل خزانے میں اہل اسلام کا ادارہ بھی تھا کہ ہل بردار مسکینوں، غرباء، فقراء کی امداد ہوتی تھی مگر اس پر بھی کئی سال سے رقیبوں کا قبضہ جما ہوا ہے۔ جب کچھ نہ رہا تو آباء واجداد کی پوٹلی سے ۳۷۰ اور ۳۵۔ اے نکال کر گزر بسر کر رہے ہیں۔ زمانہ ہی بدلا کہ اب کوئی (پی ببس خوش کرتی کرلولو) کا نعرۂ مجرمانہ لگانے والے نہیں رہے اور تو اور (پِنا بَبا میون گرٹھی ملالے چائے چنے ووٹ کورَے حوالے) والے بھی عنقا ہوئے جا رہے ہیں۔

ادھر اپنے قلم دوات والوں کا حال بے حال ہے کہ امت شاہ پادشاہ اور مودی مہاراج اینڈ کمپنی نے مل کر دوات اُلٹ کر سیاہی گرادی اور لوگ گنگناتے ہیں ؎

الم توڑ ڈالا قلم توڑ ڈالا
بانو نے میرا بھرم توڑ ڈالا

پھر ہونا کیا تھا، رہی سہی کسر بلدیہ الیکشن نے پوری کردی۔ ڈر تھا کہ اُمیدواران انتخاب نہیں ملیں گے ووٹر تو بڑی بات ہے۔ اسی لئے سیاست کے شکنجے میں پھنس کر ایک ہی چیخ نکلی: بائیکاٹ!!!!!!!! شہری الیکشن کا دور تو ختم ہوا، ابھی دیہاتی الیکشن کی آمد آمد ہے لیکن کس منہ

سے کہیں کہ ہمارے منہ سے رال ٹپکتی ہے۔ کہیں تو بیٹھنے کی کرسی ملے کہ ہم تو زندگی کے تین نشان روٹی، کپڑا اور مکان والے نہیں بلکہ ہم وہ لوگ ہیں جو اس وظیفے کا ورد کرتے رہتے ہیں، کرسی، کرسی، کرسی!

اب تو آئیں بائیں شائیں کر کے اسی نعرہ بازی میں پناہ ڈھونڈ لی جس سے پارٹی کا آغاز کیا تھا۔ ادھر کفن کے دھاگے چن چن کر اپنی پارٹی کا پرچم سی لیا تھا، اُدھر منان وانی کے جنازے سے پھول پتیاں چن کر نہیں بلکہ چپکے سے اُٹھا کر غم گساری کا دعویٰ ہے۔ یا یوں کہیے کہ ان ہی پھول پتیوں کو اہل قلم اور صاحبِ دوات اپنے بالوں اور کاج بٹن میں سجا کر چل پھر رہے ہیں کہ ہم ہی تو منان کے جانان اور اصل وارث ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ ملک کشمیر کے نوجوان اب اپنے لگتے ہیں کہ ان پر سرکاری تشدد ایک آنکھ نہیں بھاتا، بالکل برداشت نہیں ہوتا۔ ادھر کہیں خون بہا، ادھر بیج بہاڑہ میں ٹیس اُٹھتی ہے۔ فوراً منہ سے بیان پھوٹتا ہے، دل سے آہ چھوٹتی ہے، جگر کے ٹکڑے ہوتے ہیں، دماغ پر دُکھڑے کوٹتے ہیں۔ پر کیا کریں یہ جو پبلک ہے اور اس پر سونہ مرگ سے سورسیار ہی نہیں، کمان پوسٹ سے سرمولی کے نون چائے پوائنٹ تک کی جنتا سب جانتی ہے، سب پہچانتی ہے۔ کیوں نہیں، انہوں نے تو سنتالیس کے قبیلۂ جاٹ کی ابابیلیں بھی دیکھی ہیں، بائیس سال کی آوارہ گردی بھی دیکھی ہے، خودمختاری کا اندرون ننگا و بیرون خالی بھی دیکھا ہے، سیلف رول کی سیلفی بھی کھینچی ہے، دوہری کرنسی کی مار بھی جھیلی ہے، اس لئے دوست کون ہے، کون سہیلی ہے، سب پرکھا ہے۔

کچھ حال بھارت ورش کا بھی ٹھیک نہیں۔ دلی دربار بھی اس بھنور میں آگری ہے کہ ڈالر اونچا اڑتا ہے تو لہریں تیز ہوتی ہیں اور روپیہ بے چارا گرتا ہی جا رہا ہے۔ شکر ہے کہ چڑی بنیان ڈالر برانڈ کے آتے ہیں، اس لئے اپنی جگہ پر ٹھہرے ہیں روپے کے ہوتے تو گر گر کر عزت کا فالودہ بناتے۔ رافیل جنگی جہاز بھی دشمن کے ٹھکانوں پر بم برسانے سے پہلے مودی اینڈ کمپنی پر نشانہ سادھے ہیں۔ اس دوران نئی آفت نے بھارش ورش پر پیلٹ اور اشک آور گولے داغے کہ اقوام متحدہ بشری حقوق ادارے کی نئی سربراہ کی پہلی تقریر میں کشمیر میں زیادتیوں کی برفی اور ظلم کی کلفی پر بھارت کی چٹنی لی اور یہ بھی چلتے چلتے یاد دلایا کہ اہل کشمیر کو حقوق کا وہی باردانہ حوالے کردو

جو دنیا کے دوسرے باشندگان کو خارزارِ حیات میں حاصل ہیں۔ واہ بھئی واہ! بھاجپا سرکار نے ملک کے باقی سبھی کام نپٹا لئے، بس ایک جو حسرت رہ گئی تھی اس کو بھی یوگی مہاراج نے الہ آباد کا نام پریاگ راج رکھ کر نکالی۔ جُگ جُگ جیو سادھو جی! اسی کو کہتے ہیں۔

دُکھ بھرے دن بیتے رے بھیا
سب سکھ آئیو رے
رنگ جیون میں نیا لائیو رے

اب اگر کوئی دل جلا اس پری ورتن کو سب کا ساتھ سب کا وناش سمجھ کر یہ راگ چھیڑے تو ہم کیا کہیں، خیال اپنا اپنا۔

عجب نہیں کہ تکا بھی تیر ہو جائے
دودھ جو پھٹے تو پنیر بن جائے
موالیوں کو نہ دیکھا کرو حقارت سے
نہ جانے کونسا غنڈا کب وزیر بن جائے

Published 22/10/2018

* *

چشمِ نم سے جیو اشکِ غم کو پیو

ہم تو کولگام کا سوگ ہی منا رہے ہیں۔ مانا کہ یہ ضلع ''کولہ گوم'' ہے یعنی ندی نالوں کی آماج گاہ۔ ہم تو اس کے شفاف پانیوں کی تعریف کرتے مگر ہمیں کیا پتہ تھا کہ انہی ندیوں میں تازہ میٹھے پانی کے بدلے انسانی خون رواں ہوگا۔ تیر و تلوار کی جھنکار سنتے ہوئے کسے معلوم تھا دہشت و وحشت کا خون خوار دیو چشم زدن میں سات جانوں کو نگل جائے گا۔ ایسے میں وزیر داخلہ راج ناتھ نے چپکے سے ملک کشمیر کے گلیاروں میں داخل ہو کر یہاں کی سیاسی بھول بھلیوں کا سیر سپاٹا کیا، فراغت ملی تو دربار عالیہ جمایا، یہاں کے سیاست دان آ ملے، صاحبان اقتدار مشرف بہ دیدار ہوئے۔ مالکانِ تیر و سنان نے اپنی داخلی حالت کا گوشوارہ پیش کیا کہ وہ کیسے کیسے اہل کشمیر کی رَگ رَگ میں گھس کر خون نچوڑ لیتے ہیں کہ روز جنازے اُٹھتے ہیں، جگر گوشے کٹے ہوئے پیڑوں کی طرح فرشِ زمین گر جاتے ہیں، کہیں پیلٹ، لاٹھی، بندوق کے بٹوں سے ان کے اندرون و بیرون کا سرمہ بناتے ہیں اور اب تو کولگام میں بم بارود ایسا پھٹا کہ درجن بھر وہیں ڈھیر ہوئے اور الزام ان ہی پر لگا جو اپنی اٹھتی جوانی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہم نے الزام کا تانا بانا کچھ اس طرح بُن لیا تا کہ دنیا مانے کہ جو شیلے نوجوانوں کو اپنی زندگی پیاری نہ تھی، اس لئے جان بوجھ کر آشیانہ بارود میں جا گھسے، جہاں سے بس موت کا فرشتہ پاش پاش کر کے اپنے شکار کو چھوڑے۔ خیر یہ تو صاحبان اختیار و اقتدار کا داخلی معاملہ ہے کہ کس طرح بات کو کیا موڑ دیں، بیان کو کہاں مروڑ دیں، الفاظ کو سکیڑ دیں تا کہ حالات کی داستان من موافق جھنجوڑ دیں۔ بھلے ہی کوئی کان دھرے نہ دھرے مگر کوئی کوئی ستم گر پوچھتا ہے بھئی یہ خاکی پوش کولگام میں میدانِ جنگ کی صفائی کرائے بغیر

نکل گئے، مگر کیوں؟ کس کے آدیش پر بم بارود کا معاینہ ملاحظہ کرنے کے بجائے انہوں نے جیت کا جشن منایا؟ بنگڑے ڈالے؟ لفظوں کے جامے میں کامیابی کا ڈول تاشہ بجائے؟ مبارکبادیاں شاباشیاں بٹوریں؟ وہ اصل کام کیوں نہ کیا جو افسپا کی مہربان دیوی نے اُن کے سپرد کیا ہے کہ جھڑپ کے بعد ملبہ چھان مارنا۔ بھائی لوگو! یہ سوال عام خام کی بے تکی بات ہے، کشمیری لوگ بھلا کس کھیت کی مولی ہیں، اُن کی اناپ شناپ کا جواب سرکارِ لاجواب کیوں دینے لگے؟ انہیں تو صاحبانِ اقتدار و اختیار عام مولی سمجھ کر پراٹھے میں ڈال کر چٹ کر جاتے ہیں، پھر ڈکار بھی نہیں لیتے بلکہ پیٹ پر ہاتھ گھما کر ٹانگیں پسار کر یوں دراز ہو جاتے ہیں کہ دیر تک بادِ شکم خارج کر کے آس پاس کے واتاورن کی آلودگی میں اضافہ کرتے ہیں، یعنی ایک طرف بم بارود، پاواشل، مرچی گیس، جو خدا خدا کر کے ان سے بچا وہ پھر انسانی گیس کی بارش سے کہاں بچے؟ ہو نہ ہو وزیر داخلہ کو یہ ساری داخلی ڈفلی سمجھ آگئی ہو لیکن کیا کریں حالات ہی کچھ ایسے ہیں کہ مداخلت بے جا ممکن نہیں۔ دل جلے کہتے ہیں راجناتھ کیا کریں، انہیں اندر کی بات معلوم ہے کہ داخلی معاملات کے تابع ملکِ کشمیر کی چٹنی بنا کر ہی اگلے الیکشن کی مزیدار ضیافت تیار ہو سکتی ہے اور اس میں اگر ملک کشمیر کے درجنوں کم عمر جوان نمک، مرچ، تیل، مصالحہ جات کے بدلے دیگچی میں انڈیل دئے گئے ہوں تو کوئی گناہ نہیں۔ بقول گبر سنگھ میں کہتا ہوں کوئی گناہ نہیں۔

لت پت لہو سے ہے اسی قاتل کی آستین
امن و اماں کی کرتا ہے اکثر جو گفتگو
پھر سے وطن کی آن پر قربان ہوئے پھول
یارب ہے تیرے ہاتھ میں گلشن کی آبرو
(مانوس)

خیر یہ تو اربابِ داخلہ جات کی بات ہے مگر اپنے ہل والے نیشنلی بھی کوئی بقول اہالیانِ کشمیر چھوٹی ماں کے سوپتر نہیں کہ اتنا خون بہے اور وہ احتجاج نہ کریں۔ فوراً لنگر لنگوٹے کس کر میدان کارزار میں اُتر آئے۔ نیشنلی فوج کے ہیڈ کوارٹر قلعۂ نوائے صبح سے نکل کر کیمپ آفس گپکار

کی طرف مارچ کرڈالا اور گورنر سے لے کر دلی دربار تک کو لفظی بارود سے جھنجھوڑ دیا۔ ''راج کرے گا تاج کرے گا، شیر کرے شیر کرے گا'' والا نعرۂ کرسی پرستانہ بلند کر کے اس قدر زور زور سے جوتے گھسیٹے کہ پکی سڑک سے بھی دُھول اُڑا دی۔ سنا ہے اس مارچ سے تار کول والی دو فرلانگ سیاہ سڑک پر ہل بردار جوتوں کے ایسے گہرے زخم پڑے ہیں کہ دلی کے ایوان اب مرہم کاری کے لئے عالمی ادارۂ صحت سے رجوع کرنے پر غور و فکر کر رہے ہیں۔ نیشنلی فوج کے خاصہ بردار دستے کے کماندان اعلیٰ نے یاد دلایا: خبردار! کشمیری خون کا سودا ہمارے بغیر کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں، یہ کارِ خیر کرنے کے جملہ حقوق ہل بردار پارٹی کے پاس بابائے قوم نے تا قیامت محفوظ رکھے ہوئے ہیں، اپنے الہ وانگن کشمیریوں کا پیارا پیارا خون بہانے کا پٹہ بھی نوے برس تک کے لئے ہمارے پاس محفوظ و سلامت ہے، یقین نہ آئے تو آتش چنار کے شعلوں اور ایکارڈ کے ریکارڈ سے دریافت کرو۔ اسی لئے تو ۲۰۱۰ میں ہم نے ایک سو چالیس کے قریب لاشیں گرا دیں اور (بقول اہل کشمیر سُر بنہِ کاو تہِ وۆتھ نہٕ) کہیں سے کوئی آواز گونجی نہ ہم پر خون بہا کا دعویٰ کیا گیا۔

اپنے قائد ثانی کو معلوم ہے کہ دلی دربار کو، بھاجپا سرکار کو، مودی تیز طرار کو، سنگھ پریوار کو، جیٹلی یار کو وہ کس حد تک اپنی لفظی بغاوت کی اداکاری کر سکتے ہیں، جبھی تو دلی میں انہوں نے بتکرار بھارت ماتا کی جے سے سنگھ کے خشک و سخت دل میں اپنے لئے پیار بھر دیا۔ قائد ثانی یا نیشنل کا ٹویٹر ٹائیگر خود اس مارچ میں شامل نہ ہوئے بلکہ نیشنل کے پرانے حاشیہ بردار، شیر کشمیر کے چہیتے سڑک چھاپ وظیفہ خوار، ہل اور کنول کی یاری کے راز دار دندناتے پھرے۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ اطلاع دی کہ پولیس والوں کو بھی ہدایت ہی نہ تھی بلکہ پیشگی چائے سموسہ کھلایا گیا تھا کہ نیشنل کی پیادہ فوج کو زیادہ دور پیدل جانے کی تکلیف نہ دیں، نہیں تو بیچ سڑک میں تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے کیونکہ کئی برس سے کرسی کے بغیر لاغر و کمزور ہو گئے ہیں۔ ستم گر کہتے ہیں کہ بغیر کرسی کے جینا کتنا دشوار ہوتا ہے اور جسم بھی نرم و نازک گدے کے بغیر کس قدر ناتواں ہو جاتا ہے، یہ کوئی قلم دوات اور ہل والوں سے ہی نہیں نواز شریف اور زرداری سے پوچھے۔ اور کیا پتہ کسی نے نیشنل کے من چلوں کو یہ چبھتا سوال کر ہی ڈالا ہو کہ بھائی لوگو ۲۰۱۸ میں تو احتجاج کرتے ہو بھلا ۲۰۱۰ میں کتنے جلوس نکالے تھے پھر تو ان بے چاروں کی سٹی پٹی گم ہو جائے گی۔

واہمے چینل و اخبار سے لگ جاتے ہیں
اک نظر پڑتے ہی آزار سے لگ جاتے ہیں
سرف ایکسل سے بھی دھونے سے مٹا کرتے نہیں
داغ جو چہرے پہ سرکار سے لگ جاتے ہیں

اسے ہم کیا عنوان دیں کہ اپنے قلم دوات والوں کو بھی کشمیری خون اب بڑا قیمتی بلکہ بیش قیمت لگ رہا ہے۔ جو کبھی دودھ ٹافی لینے گئے اور واپس نہ آئے، وہ بھی اس دور میں پیارے، دلارے، نیارے محسوس ہوتے ہیں۔ چلو اپنا اپنا ٹائم ہے اور ٹائم کے ساتھ کیا کچھ نہیں بدلتا۔ کرسیاں بدلتی ہیں، نام بدلتے ہیں۔ خواب بدلتے ہیں اور خواب دیکھنے والے مرد مومن کی نگاہیں بدلتی ہیں۔ شمال وجنوب کا ملاپ بدلتا ہے یعنی بارش بدلتی ہے اور بدلتی دھوپ ہے۔ واجپائی کی انسانیت اپنا رنگ بدلتی ہے، مودی کی سیاحت روپ بدلتی ہے، یوں اپنے قلم والوں کا الم بدلتا ہے۔ دوات کے ساتھ اوقات بدلتے ہیں۔ اسی لئے تو دودھ ٹافی بھلے ہی چند روپے میں ملتی ہو لیکن لینے والے آج کل بڑے معاوضے کے حقدار دکھتے ہیں۔

میڈم کا شکریہ نہ کریں لوگ کیوں ادا
میڈم کی کوششوں سے یہ دربار بنا ہے
سولہ کا وہ دشمن نارتھ ساؤتھ میں
سَن اٹھرا میں اچانک سردار بنا ہے

اور وہ جو وزارت داخلہ کا قلمدان سنبھالے ہیں، انہیں تو فی کس کشمیری کے خون کی قیمت پانچ لاکھ سمجھ آتی ہے۔ یوں وہ بھی دیکھا دیکھی میں حاتم صاحب کی قبر پر لات مار کر لہو کا بدلہ سکہ رائج الوقت میں ادا کرنے کا اعلان کر گئے۔ انہیں تو معلوم ہے کہ بہتے لہو کی قیمت ملک کشمیر کا دم بھرنے والی سیاسی پارٹیاں بھی سمجھتی ہیں، پھر بانہال پار والوں کے کیا کہنے۔ اپنے ملک کشمیر کے ملک صاحب کو آئے دن پکڑ کر جیل تھانے کی بند ہوا میں ہوا نہیں کھانے دیتے پر اُدھر تو بانہال پار سے بھی ایک ملک صاحب اِدھر وارد ہوئے ہیں۔ وہ تو کبھی ملک کشمیر کے جوانوں کی بات کرتے تھے، پر اب تو ملک صاحب کی بات ہی چھوڑو خود دلی دربار کی گیت سنگیت میں حصہ لینے والے ہل، قلم،

ہتھوڑا برداروں کو بھی چیتاؤنی دے بیٹھے کہ سرحد پار والوں سے ملک کشمیر کی بات کرنے پر زور دینے کا حق آپ لوگوں کو بالکل نہیں، یعنی زیادہ ٹرٹر کیا تو دلی کا وظیفہ بند۔ حقہ پانی بند۔ نان نفقہ بند۔ مطلب یہ کہ کشمیر کی بات کی تو روٹی کپڑا مکان سے ہاتھ دھو لوگے پھر دیکھتے ہیں ننگی نہائے کیا نچوڑے کیا۔ ہو نہ ہو اسی ڈر سے نیشنل والے ٹویٹر ٹائیگر کو جان بچی لاکھوں پائے کے راستے میں اٹانومی کی دیوی نظر آئی کہ اسی کی دوبارہ پوجا شروع کر دی۔ اسی داسی کی آرتی اُتارنے میں لگ گئے، اسی کے اوپر یہ کہہ کر پھول پتیاں نچھاور کر دیں: ہے ہماری سیاسی ضرورت ماتا اٹانومی! اب تو ہل کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے، اسے بچائے رکھو۔ میں تین سو ستر کی مالا تمہارے گلے میں ڈال دوں اور ساتھ میں پینتیس۔ اے کالو بان پیروں تلے سلگا دوں تا کہ زیرو برج سے لے کر گپکار تک ہل برداروں کے نتھنوں پر قیاسی خوشبو کا چھاپہ پڑے۔

بانہال پار والے ملک صاحب بھی دلچسپ ہیں اور باتیں بھی صاف وشفاف سپر رِن سے دُھلی کرتے ہیں۔ مودی سرکار کے یار جانی امبانی کا انشورنس کور کشمیر سے نا نا کر کے واپس لوٹا دیا۔ جبھی تو کہہ ڈالا کہ بات صاف کروں گا تو حریت ہو جاؤں گا۔ ہو نہ ہو اب کی بار ہڑتال کال دینے سے پہلے حریت کے تکون کو مربع ہونا پڑے گا کہ اس میں چوتھا کونا جمع ہونے جا رہا ہے کیونکہ آج نہیں تو کل ملک صاحب کو سچ بولنا ہی پڑے گا۔ آخر ستیہ جو ٹھہرے۔ کچھ عرصے سے گورنر ملک صاحب کہتے رہے ہیں کہ کشمیر معاملے میں دلی دربار سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ کیا پتہ دیر سویر ہمیں نیوتا دیں چلو مل بیٹھیں ستر سالہ مسئلہ نئی غلطیوں کی نئی شروعات سے حل کرنے کی دماغی ورزش کریں اور آغاز بھی یک عدد محبوب ومقبول ہڑتال کال سے ہی کر دیں۔ باقی اللہ مالک!

Published 29/10/2018

* *

نہ رہی بھینس نہ بجی بانسری

کیا کہیں جناب! یہ کشمیر ہے نا بہت پہلودار ہے، زُلفِ خم دار ہے، بے اعتبار و بے قرار ہے۔ یاد ہے وہ بھی وقت تھا جب سیلابِ کشمیر کا ایک اَن دیکھا جلوہ گر ہوا۔ اُس دن سے موسم کا ڈھنڈورچی سونم لوٹس اپنے یہاں اتنا مشہور یا بدنام ہو گیا کہ لوگ شادی بیاہ کے لئے تاریخ مقرر کرنے سے پہلے اُن کی پیش گوئی سن لیتے ہیں۔ کوئی کوئی اُن سے کہتا ہے: بھائی صاحب! واللہ آپ کو بھی رستہ گشتابہ کھلائیں گے بلکہ ایک عدد دوازہ ترامی بھی دفتر بھجوادیں گے جیسے ہم بجلی والوں کو بھیجتے ہیں تا کہ عین موقع پر بجلی بند نہ کردیں، بس ایک کرپا کریں، یہ بتائیں، ذرا غور سے دیکھیں، نقشہ جاتِ افلاک کو ٹٹولیں، سٹیلائٹ چار چشمی عینک سے دیکھیں، فلاں تاریخ کو آسمان کہاں کہاں اَبر آلودہ ہوسکتا ہے؟ بادل کس جانب محو پرواز ہوں گے؟ بدلیوں کا رنگ کالا ہوگا کہ گورا؟ دل والے کدھر ہوں گے؟ جگر کا کوئی ٹھکانہ ہوگا؟ مطلب عام خام ستاروں کی گردش دیکھنے پیر پنڈت کے پاس نہیں جاتے بلکہ سونم جی کو اَبر کرم کی اُچھل کود دیکھنے پرکھنے کی گزارش کرتے ہیں۔

جب اپنے لوگ ماہر موسمیات سے بصد ادب یہ سب اناپ شناپ کہیں تو آشپاز کس شمار و قطار میں رہا؟ ہاں جی، ضافتیں اُسے ہی پکانی ہیں لیکن موسم کے آگے اس کی حیثیت ثانوی ہوئی نا؟ لوگ اُس سے صاف لفظوں میں کہتے ہیں: تمہارے دیگ مصالحے اپنی جگہ مگر درجۂ حرارت کا اُلٹ پھیر، دھوپ چھاؤں کا حال احوال، برف و باراں کی گردش معلوم کرنا زیادہ اہم ہے کہ بھائی صاحب رِستے گشتابے کی عزت کا سوال ہے۔ کوئی بھی مصیبت برداشت کر سکتے ہیں

نہیں کیونکہ ویسے بھی مہنگائی اور بے روزگاری پل پل ہماری جان لے رہی تھی، اس لئے ہم سیناپتی کے اُبھاری ہیں کہ ایک ہی بار ویرتا دکھائی کہ نہ رہی بھینس نہ بجی بانسری۔ اور یہ ڈرون تھوڑی کوئی پیلٹ ہے کہ لگ جانے کے بعد ہسپتالوں کا چکر کاٹیں، جراحتوں کا بار اٹھائیں، مصیبتوں کے دور سے گزریں اور ساتھ ہی پولیس بھی مفت میں آدھمکے کہ چلو بھائی کیس بن گیا۔ بتاؤ تمہیں بھلا پیلٹ کیوں لگا؟ مانا کہ مارا ہم نے تھا لیکن لگا تمہیں ہی کیوں؟ دال میں کیا کیا کالا ہے؟ بتاؤ ورنہ۔ یہ بڑا اہم سوال ہے جس کا جواب خود زخمی کو دینا ہوگا۔ اس لئے تم ہی شکار بھی، حریت پسندوں کا آلۂ کار بھی، بندوق برداروں کا رازدار بھی، جلسے جلوسوں کا سرتال بھی، سنگ بازی کا گروگھنٹال بھی، لہٰذا خود کو بے قصور بے گناہ ثابت کرنا بھی تمہارے ذمہ۔ ڈرون کے بھڑوں والے چھتے پر ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ مملکت خداداد یاد آئی۔ کچھ تو شاید سدھو کی مقبولیت دیکھ کر وزیر داخلہ کو بھی مملکت خداداد یاد آئی اور یہ ایک عدد نسخۂ مشاورت ارسال کردیا: بھائی لوگو! اگر دہشت گردی سے لڑ نہیں پاتے ہماری مدد طلب کرو۔ شاید وزیر داخلہ نے اینٹ کا جواب پیلٹ سے اور پتھر کا جواب گولی سے دینے کے نئے فارمولہ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نسخہ مانا ہے۔ اتنا ہی نہیں وزارت داخلہ کی نئی تحقیق میں سیب کے پیڑ بھی ملک دشمن ہیں، جبھی تو ان کو تہہ وتیغ کردیا جاتا ہے۔ اور تو اور سیبوں کی بھرائی کے لئے جمع ڈبے نذر آتش ہوتے ہیں کہ یہ دہشت گرد سیبوں کی ڈھلائی میں مدد دیتے ہیں، یعنی خود سیب آتنک وادی ہوئے تو سیبوں کے ڈبے بالائی ورکر۔ اور جنرل صاحب نے بالائی ورکروں کی بھی سزا وہی مقرر کر رکھی ہے جو بندوق برداری کی۔ جبھی تو سن سولہ میں ایک سو چالیس کی موت کو دودھ ٹافی خریدنے کا ووچر تسلیم کرلیا۔ ہوسکتا ہے تازہ ترین عسکری بیس ماہ کی ہبہ نثار کو زیر کرنے پر فخر ہو کہ شاید یہی طریقہ مملکت خداداد کو بھی سکھانا چاہتے ہیں، یعنی سنگ اٹھایا ہی تھا کہ سر یاد آیا۔ جنرل نے مملکت کو سیکولر بن جانے کا مفت مشورہ بھی دیا بلکہ چیتاؤنی دے ڈالی کہ دوستی کرنی ہے تو سیکولر بن جاؤ نہیں تو ہم ذمہ دار نہیں۔ لگتا ہے سپہ سالار نے سیکولرازم کا اصلی پاٹ ناگپور سے ہی حاصل کیا ہوگا جبھی تو اپنا علم اور تجربہ سرحد پار پہنچانا چاہتے ہیں۔ سیکولرازم کی تعلیم کوئی سیکھنا چاہے تو مودی یا شاہ پاٹ شالہ میں داخلہ لے اور تین دن تک فوج کو انتظار کروانے کا ہنر سیکھے تا کہ بھگت جن اپنا غصہ اُتار دیں۔ اور غصے کے عالم میں گجرات کانڈ کی طرح

منٹوں میں دو ہزار نہتوں کا قتل کر دیں، رحمِ مادر سے بچے نکال کر مار ڈالیں، آبروریزیاں کریں، املاک نذرِ آتش کر دیں، احسان جعفری اور اخلاق احمد کی درد انگیز کہانیاں خون کی روشنائی سے لکھیں۔ سیکولرازم کا فلسفہ کسی کو گھول کر پینا ہو تو گئو ماتا کے پجاری یوگی آدتیہ ناتھ کی صحبت میں تھوڑا وقت گزارے جبھی تو مردہ مسلم خواتین کی بے حرمتی راس آئے گی۔ گائے کے نام پر بے گناہوں کا گلا کاٹ دیں۔ ناگپوری سیکولرازم کی جڑ تک پہنچنا ہو تو ترشول بردار بجرنگیوں اور سینکوں سے سیکھ لیں کہ کس طرح رام مندر بنانے کے نام پر رام چندر جی کے تیاگ کو بھول جائیں، رام جی کی مانوتا سے آنکھیں پھیر لیں، مسلم و دلت اقلیتوں کو دھمکیاں دیں کہ مان جاؤ نہیں تو جان جاؤ گے۔ گویا سیکولرازم کا اصل سبق وہاں پڑھا جائے جہاں سے ہندوراشٹر کے بلبلے اٹھتے ہیں اور اقلیتوں کو مکین آسمانی بنانے کی تیاریاں ہوں۔

خیر یہ تو سیکولر بھارت ورش کی بات ہوئی جس کے ساتھ اپنے ہل والے الحاق کر کے تیس مار خان بنے تھے۔ یہ اور بات ہے تب سے کئی ہزار تیس مار اپنے ملک کشمیر میں اُچھلے، کو دے۔ کوئی مانے نہ مانے ہم تو پہلے سے کہتے آئے ہیں کہ اپنے ہل والے نیشنلیوں کو اقتدار کی کوئی بھوک نہیں۔ اب تو اپنے ہل والے قائد ثانی نے بھی اس کی تصدیق کر دی کہ ہل والے اقتدار نہیں مانگتے، بس ایک ہی چیز مانگتے ہیں اور وہ ہے اہل کشمیر کے لئے عزت و آبرو کا مقام، ۳۵/اے اور ۳۷۰/ کی حفاظت میں پوری نیشنل فوج برسرِ پیکار ہے، ہاتھ میں تلوار ہے کاندھے پر لٹھ کے انبار ہیں، اور دکھانے کو ہل کا پھل ہے۔ حالانکہ ماضی میں بھی ہل برداروں نے اقتدار کو جھوٹ موٹ کی لات ماردی۔ لال چوک میں من تو شدم تو من شُدی کی لے پر کسی نے زبردستی اقتدار کی مالا پہنائی نہیں تو وہ اس کو لینے کے طرف دار نہیں تھے۔ سنہ ۵۳ میں بلا دستخط پرچی کے عوض کرسی چھنی تو بائیس سال آوارہ گردی کی لیکن اقتدار کو منہ نہ لگایا۔ جیلوں میں رہ کر مرغیاں پالتے رہے مگر کرسی کی تمنا نہیں کی۔ بات تو تب بنی جب وزارتِ عظمیٰ سے گر کر مول تول کر کے وزارتِ اعلیٰ تک آ گئے۔ پھر آگے کچھ نہ بچا تو سبز رومال میں لال کوہستانی نمک کی ڈلی لپیٹ لی۔ وہ بھی یاد کرو کہ ''الہ وانگن'' بن جانے کے بعد ہی کرسی کو گلے لگایا۔ کبھی ڈبل فاروق کا راگ الاپا کبھی راجیو فاروق کا دُم چھلا بنے، اور اگر اقتدار کو منہ لگایا بھی تو خاندان کو ذی وقار اور عوام کو بے بہار بنانے

کی نیت سے۔ وہ کبھی کرسی کے بھوکے نہ تھے بلکہ کرسی خود اُن کی پیاسی تھی۔ سن چھیانوے میں بلک بلک کر روئے کہ سارا ہندوستان ہماری پیٹھ پیچھے کھڑا تھا اور جب زور زبردستی سے اقتدار کے پھول سر مبارک پر نچھاور ہوئے تب مرتا کیا نہ کرتا، کرسی پر براجمان ہونے کا من بنایا، ورنہ حیف ہے اس کرسی پر جس کی چار ٹانگیں اٹونومی کی لکڑی سے نہ ہو ے

حالِ ہل کچھ اس طرح ہے ہمارا
یاد کرسی ہر پل کیا کرتے ہیں
جو نہ آئے کسی دن کرسی کا بلاوا
پرانا ہی یاد کر کے جیا کرتے ہیں

Published 10/12/2018

* * *

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

اپنے افلاطونِ زماں جب ہریسۂ زعفرانی کی دوکان پر علی الصبح بیٹھے بیٹھے اس نعمتِ لحم کا مزہ لیتے ہیں تو منہ سے خوشبو کے ساتھ ساتھ سیاسی بخارات، علمی تجاوزات، عقلی خرافات اور مزے دار تبصرہ جات بھی انڈیل دیتے ہیں۔ پھر اس سب کی ایک ایسی چٹنی تیار ہوتی ہے کہ بڑے بڑے ارسطوئے وقت دَنگ رہ جاتے ہیں کہ ہمیں پہلے ایسا خیال کیوں نہ سوجھا۔ اسی لئے بڑے جگادری کہہ گئے ہیں کہ ملک کشمیر میں سب کچھ سچ نہ بھی ہو مگر افواہیں صدفی صد مبنی برحق ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاید لارنس صاحب کو لکھنا پڑا تھا کہ ملک کشمیر میں من چلے البیلے افواہیں پسند بھی کرتے ہیں اور ان پر اپنا گزارہ بھی چلاتے ہیں۔ خیر بات ہریسے کی چل نکلی اور ان دنوں ہلکی سردی کے ساتھ ہریسے کا موسم بھی آن پڑا ہے، اس لئے بلدیہ کے کندۂ ناتراش فوج در فوج ممبران سے لے کر سیاست کی اونچی دکان اور پھیکے پکوان تک تبصرے کے لپیٹے میں آجاتے ہیں۔ پھر کس میں کتنا نمک مرچ سما جائے، وہ اس کی اپنی قسمت ہے۔ اور نمک مرچ سے کسے کھجلی کا کتنا دورہ پڑ جائے یہ تو وہی جانے جسے لگ کھجالی سے عشق ہو جائے۔ پھر جب مرچی سبز ہو یا سرخ سفوف اسے کرفیو کی بندش نہ پیلٹ کی بوچھاڑ روک سکتی، کیوں کہ کشمیر کے جنگل میں یہ افسپا کی چنگل سے آزاد ہے، شاد ہے، آباد ہے۔ شاید اسی لئے کہیں کہیں اسے وردی پوشوں پر بھی پھینکا جاتا ہے۔ اس چمتکاری ہلچل میں کون ہتھیار لے کر کیسے بھاگا، وہ وردی پوش کے باپ دادا کیا اَن داتا بھی نہیں سمجھ پاتے۔ مرچی پر کسی بھی عدالت میں مقدمہ نہیں کیا جا سکتا کہ عام خام پر لگانے کی پاداش میں مرچ باز پر ہتک عزت کا مقدمہ ٹھوک دو۔ خیر طلسمات ہریسہ زعفرانی سے تازہ ترین تبصرہ ملک

کشمیر میں آنے والے صاحبان بہادر یعنی مکینان راج بھون پر ہے ۔ ہو نہ ہو اپنے ملک کشمیر میں جو بھی گورنر تعینات ہو کے آتا ہے وہ بنیادی طور ہوتا ہے مرکزی پاور ہاؤس کا تگڑا ٹرانسفارمر یا یوں کہیے کہ اس کے آس پاس اقتدار کی تینتیس ہزار وولٹ بجلی رہتی ہے کہ جس نے ہاتھ لگایا وہ زمین سے اُٹھتا نہیں بلکہ اُڑ جاتا ہے۔ ہر گورنر بہادر کے دائیں بائیں آگے پیچھے پردھان منتری کی تھپکی، وزارت وردی و ہتھیار کی گرمی، ناگپورو جن پتھ کی مشترکہ بھبھکی اور ملک کشمیر کے دلی نوازوں کی جی حضوری شامل حال رہتی ہے۔ مرکز کا یہ لاڈلا اشوک چکر مارکہ اصلی دیسی گھی کے پراٹھے کھا کر طاقت ور ہوتا ہے۔ ہندوتو برانڈ کمپلان اور وٹامن کی گولیاں کھا کھا کر جوان ہوتا ہے۔ جبھی تو ملک کشمیر پہنچ کر کارنامے پہ کارنامہ انجام دیتا ہے۔ اب دیکھئے نا اپنے پہلے اور آخری صدر ریاست نے سن ۵۳ء میں بلا دستخط چٹھی کے دَم پر ایک قد آور مگر بے اختیار وزیر اعظم کو حوالات میں ایسے ڈالا کہ بڑے لیڈر کو سال ہا سال جیل کے صحن میں چھوٹی چھوٹی سیاسی مرغیاں پالنے کے سوا کچھ نہ آیا، بائیس سال تک اسی آوارہ گرد پولٹری ٹریڈ پر چلتے چلتے اکارڈ کا ایک خاندانی ڈربہ بنایا، جو خیر سے کرسی کے انڈے دیتا پھرتا ہے۔ پھر ایک اور نرسنگ آرڈرلی بنا ترکمان گیٹ کی گلیاں پھلانگتا، مکینوں کو روندتا ہوا ملکِ کشمیر آیا اور گلہ شاہ کو اس طرح پادشاہ بنایا کہ کرفیو بے چارہ کرفیو نافذ ہوتے ہوتے اتنا تھک گیا کہ لفظ کرفیو ہی اس کے نام نامی کا لاحقہ بنا۔ دوبارہ یہی کاکر خان وارِدِ کشمیر ہوا تو جبری امن کا رقعہ اُس کے ہاتھ سے ایسے کھسکا کہ آج تک مٹھی میں آ ہی نہیں رہا۔ اس نے طیش میں آکر نہ معلوم کتنے بسنت باغ، زکورہ، کھریو میں جلیاں والے باغ کشمیری خون سے سینچ کر واپسی کی راہ لی اور جاتے جاتے پنڈتوں کو گود لے کر کشمیری بھائی چارے میں سیندھ لگائی۔ اب کی بار ہر راز کا کھلا اعلان کرنے والے رائے بہادر ستیہ پال تختِ کشمیر کا بخت پا گئے ہیں۔ یہ ایک دن کڑوا سچ، دوسرے دن تردیدِ سچ تیسرے دن تائیدِ سچ کے عادی لگتے ہیں۔ اللہ خیر کرے، ادھر تو دلی دربار کے کشمیری حاشیہ برداروں کو چیتاوَنی دے ڈالی کہ تم تو بس بھتہ ساز ندر بنے رہو تو ٹھیک، بھلا بقول دانایانِ کشمیر خارش زدہ پاجامے میں تمہارا ٹانگ کاہے کو ڈالنا؟ یہ بھارت ورش اور مملکت خداداد کی بات چیت والی فائل میں تو تمہارا نام باہری کور پر بھی موجود نہیں، پھر کیا ٹر ٹر لگا رکھی ہے۔ اسے کہتے ہیں گھوڑوں کے

ٹاپوں پر نال ٹھوکے جائیں گدھے اپنی ٹانگیں آگے کر بیٹھیں۔

سنا ہے اپنے نیشنلی قائد ثانی اور بانوئے کشمیر اس بات پر ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے کہ بھلا ہم برس ہا برس سے دلی دربار کے فرشی ٹائیلیں اپنی جبینوں سے صاف کر گئے، اپنی وفاؤں کا امتحان کشمیر میں قبروں کی تعداد بڑھا بڑھا کر فسٹ کلاس میں پاس کر چکے، بھارت ماتا کی جے جے کار کرتے رہے، ہمارا گلہ ہے کیا یہی اس کا صلہ ہے کہ راج بھون کا مکین ہمیں اپنے اُس صحن کی گھاس بھی نہ ڈالے جہاں وہ دھوپ سینکتا اور سہ پہر کی چائے بڑے چاؤ سے نوش کرتا ہے۔ ابھی تو رائے بہادر ملک صاحب ملک کشمیر کے اداروں کا معمولی پوسٹ مارٹم کر بیٹھے کہ صاحب یہاں جو تین میں نہ تیرہ میں ہوتا ہے وہی سو کی گنتی پار کرتا ہے۔ ہریسہ اینڈ تبصرہ کمپنی یہ سوچ بچار کر رہی ہے کہ نہ جانے کیوں قلم والے ستار بٹ اور دوات والی قاہرہ خان حیران و پریشان ہیں کہ صاحب بہادر نے سارے کشمیریوں کو چوروں کی فہرست میں ڈال کر چورا چکوں کی مردم شماری اتنی جلدی کیسے کر دی؟ اس پر بے چارے برطرف شدہ قلم بردار ''ٹرجمان''، یعنی پارٹی سپوکس مین کو کیسے سمجھائیں کہ صاحب بہادر نے قلم دانوں اور کنول برداروں پر نشانہ سادھا ہے اہل کشمیر پر نہیں۔ ''ٹرجمان'' نے خالص اپنی صفائی محض اپنی ستھرائی میں چیخا چلایا بھائی لوگو! ہم دودھ کے دُھلے ہیں، قطبین کے باشندے ہیں، شہد کی طرح مٹھاس کے خزینے ہیں۔ ہم سوچو ہے کھانے والی بلی کے حج پر کیا کہیں، ماسوائے یہ کہ صاحب بہادر جی! فہرستِ بدعنوانان میں عام خام کشمیری کو میں نہ لائیں کیونکہ باشندگان ملک کشمیر الگ

زمین کا پشو پکھشی ہیں، اس کے پادشاہ الگ آسمان کے گدھ ہیں، اس زمینی مخلوق پر میک اِن انڈیا آسمانی مخلوق نے کہیں زبردستی، کہیں چالاکی، کہیں مکاری، کہیں سبز باغوں، کہیں پار کے نمک ڈلیوں سے تاراج کیا۔ اتنا ہی نہیں نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر نے اپنے دانت تیز کر کے قلم اور کنول برداروں کو دکھایا کہ عام خام کسی شمار و قطار میں نہ تھا بلکہ یہ اپنے ہی بھائی بند، چاچے بھتیجے کو سرکاری محکموں میں لے کر آتے رہے۔ کیا کھادی اینڈ ویلیج بورڈ کی نوکریاں اور اب بنک کے کاؤنٹر سب قلم کنول برداروں کے نام منتقل نہیں ہوئے؟ ہریسہ اینڈ تبصرہ کمپنی کے لوگ بھی بڑے کھلنڈرے ہیں، منچلے ہیں، دل جلے ہیں۔ فوراً آئیں بائیں شائیں کر کے دو بندروں کی کہانی

میدان میں اُتار دیتے ہیں اور ہم ہیں کہ ہنسی چھوٹنے کے سوا کریں بھی تو کیا؟

ملک صاحب نے ایک اور ستیہ بول کر مودی مہاراج کے دست راست کی ریلاینس کو بھی ۳۷۰ کے خلاف چارسوبیسی کرنے کی پاداش میں کشمیر بدر کردیا، کہا بھائی آج کل تمہارا استارہ گردش میں ہے۔ ادھر رافیل جنگی جہازوں کی خریداری میں تم پچھلے دروازے سے گھس آئے، وہاں بھی چوری کے الزام میں تمہیں دھر دبوچا گیا کہ بات عدالت عظمیٰ تک پہنچی۔ یہاں سانٹھ گانٹھ کر کے جو ساٹھ کروڑ ایڈوانس لئے، وہ واپس کرو، ورنہ۔۔۔ غریب ملازمین کی تنخواہوں سے کٹا پیسہ واپس کر، نہیں تو غریبوں کی آہ لگے گی کہ ابھی تک تیس ہزار کروڑ کا قرضہ تمہارے نام ہے، یہ ساٹھ کروڑ اونٹ کے منہ میں زیرہ کے برابر ہیں، بمہربانی باخذ رسید واپس کردو۔ اپنا ویجی لنس مودی کے یار کی کیا تحقیقات کرے گا؟ سی آئی بی کا حال احوال معلوم ہی ہے۔ جانے اپنے ہریسہ اینڈ تبصرہ کمپنی کو کیوں اعتبار نہیں آتا کہ کچھ بھی نہ ہوگا۔

لو جی! اپنے ملک کشمیر میں ایک نئی فوج ظفر موج بھرتی ہوئی ہے جسے بلدیہ برگیڈ کہیں تو شاید ٹھیک ہی رہے گا۔ خیالی الیکشن کے دوران اِن نئے چہروں سے ملاقات نہ ہو سکی کہ یہ منہ چھپائے ایسے پھرتے تھے مانو کہیں چوری چکاری کا الزام ہو، پولیس نے اشتہاری ملزم قرار دیا ہو، دیکھتے ہی زندہ و پائندہ پیش کرنے پر زرنقد انعام کا اعلان کیا ہو۔ خیر تقریب حلف برداری (صحیح میں مال کی یاری) میں انہیں سامنے آنا ہی پڑا۔ واہ! شامت اعمال سے یا اپنا جلال دکھانے کے لئے اس لشکر جرار نے انگریزی میں ہاتھ تنگ اور جیب خالی ہونے کے باوجود حلف اسی کرم جلی زبان میں اٹھانے کی زحمت گوارا کی۔ پھر کیا تھا، ڈویژنل کمشنر بصیر خان کے کان کھڑے ہوگئے، کیوں نہ ہوتے پہلی بار دیکھا کہ یکا یک اُن سنے انگریزی الفاظ کیسے جنم پاگئے، نت نئے جملے کیسے تراشے گئے، ہجے کے جدید قواعد کیسے بنے لُکنتِ زبان کے کیا کیا نامانوس منظر وجود پا گئے۔ انگریز قوم اپنی زبان کی یہ مفت خدمت دیکھتی تو سینہ کوبی کرتی، ماتھا پیٹتی، جگر تھام کر بلدیہ کے ان چلتے پُرزوں کی بلائیاں لیتی کہ شیکسپیئر ان کی کلاسیکل انگلش کے سامنے مکھی کے برابر بھی نہیں، ورڈس ورتھ مچھر لگتا ہے، ملٹن ادبی فن سے ناآشنا دِکھتا ہے۔ برطانیہ احتجاج کرتا کہ آج تک ان ہیروں کو کیوں پتھر سمجھ کر ہماری نظروں سے اوجھل رکھا گیا؟ ضرور یہ کوئی سازش ہے۔ دلی لاکھ

قسمیں کھاتی کہ یہ ہمارے چہیتے ہیں مگر ولایت ان پر یقین نہ کرتا۔ ان کی زبانی بول چال سن کر اہل زبان قبروں میں کروٹیں لینے پر کیوں نہ مجبور ہو جاتے؟ ان بھونپوؤں نے اُردو کو بھی ایک ایسا پورن جنم دیا کہ میرؔ و غالبؔ سنیں تو قبر پھاڑ کر اور بائیکاٹ چھوڑ کر اپنا ووٹ انہی پر نچھاور کرتے، یہ گنگناتے ہوئے ع

زبانِ یار من ترکی، و من تُرکی نمی دانم

زبان و بیان کی بات چھوڑیئے، اب تو ملک کشمیر کی تعمیر و ترقی کو صاحب بہادر ملک صاحب نے انہی گرو گھنٹالوں کے حوالے کر کے خود شاہی لاؤ لشکر لئے گرم پتھری پدھارے کیوں کہ اب کھنہ بل سے کھادن یار اور سونہ مرگ سے سور سیار تک تین چلّوں کا بلا شرکت غیرے راج ہوگا۔ حالانکہ ملک کشمیر والے اربابِ اقتدار و اختیار کے غائب ہو جانے پر خوش ہیں کہ چلو یہاں کی تنگ سڑکوں کو جھنڈے اور ڈنڈے دار گاڑیوں کے بیچ پسے جانے سے شش ماہی نجات تو ملی۔

ڈوگر دیش کے روح روانو! جامبولوچن کے پاسبانو! با ادب با ملاحظہ ہوشیار، تشریف لا رہے ہیں افراسیابِ دوراں، ستم ہائے غریباں کے سوداگراں، آسیب خورد و کلاں آپ کے یہاں دربار منتقل کر گئے ہیں۔ یہ سلسلہ طولانی سالہا سال سے غریب عوام کی چھاتی پر مونگ دَلنے، ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے، عیش و آرام کے دن گزارنے کے لئے چلتا آرہا ہے۔ اے گرم ہواؤ! قسمت کے دھنی تمام پادشاہ اختیار و اقتدار کی مثلیں، جھنڈے، ڈنڈے، لال بتیاں سمیٹے جہلم چھوڑ کر تمہارے مہمان بنے آئے، خوب آؤ بھگت کرنا، خاطر تواضع کرنا۔ بہت اچھے ڈوگر دیش کی سڑکوں پر رنگ و روغن چڑھ رہا ہے، جن سڑکوں سے ان کا گزر ہوا اُنہیں صابن شیمپو سے نہلایا جا رہا ہے، کھڈوں میں کنکر تارکول بچھ رہا ہے، پلوں کے ریلنگ پر سفید رنگ روغن چڑھ رہا ہے، سڑکوں پر پیڑ پودوں کی گرد جھاڑی جا رہی ہے۔ ہاں، اسی دوران یہاں سرد پتھری میں نرم و نازک کھلتے گلابوں کو پیلٹ اور بُلیٹ سے ڈھول میں بدلنے کا شغل بھی جاری ہے۔ اس بیچ کنول قلم بردار اور ہل بردار بمع یک عدد ہاتھ بڑی حسرت سے اُس حسین و جمیل گھڑی کے خواب بُن رہے ہیں جب اگلے دربارمو میں گرم پتھری اُن کے قدموں کے نیچے بچھی ہو، اُن کا شاہانہ استقبال ہو، سیکرٹریٹ میں مارچ پاسٹ پر وہ سلامی لیں، اُنہی کے آگے پیچھے ہٹو بچو کی راگ گنیاں بجیں مگر فی ا

لحال یہ سیتہ پال کا جلال زمانے کی بول چال ہے۔

غالب ہوا ہے عشق پہ یوں رنگ حکومت
معشوق میں وہ جذبۂ ایثار کیا ہوا
مشکل میں ہاتھ چھوڑ دے خوشیوں میں ساتھ دے
گویا کہ پیار نہ ہوا دربار موو ہوا

(بشیر دادا)

Published 5/11/2018

یہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کب ہوا؟ کیوں ہوا؟

ہم نہیں تو تُسی کتھے؟ دلی دربار ہمارا، راج بھون ہمارا، ستیہ گرہ ہمارا، راج پاٹھ ہمارا۔ وہ بے چارے ماتھا پیٹتے، سینہ کوبی کرتے چیختے چلاتے کہہ رہے تھے کہ ہمارے پاس قلم ہے دوات، ہل ہے، ہاتھ ہے، بھلا تمہارے پاس ہے کیا؟ کنول کا پھول فضا میں لہراتے، کنول لکڑی کو بندوق کی طرح پکڑ کے انہوں نے چھپن انچ چھاتی پھلا کر جواب دیا ہمارے پاس راج بھون کا فیکس ہے، فون ہے، آشیرباد ہے، یہ سب ہوا تو تاج وتخت کسی کے ہاتھ نہیں آنے دیں گے۔ تم بے یار ومددگار، ہماری جے جے کار، تم خلفشار، ہم اتحادی للکار، تم شمار نہ قطار، ہم سنگھ پریوار، تم سے کرسی بیزار، ہم سنگھاسن کے طلب گار رنگ میں بھنگ ڈلا تو رام نے شام کو جلی کٹی سنائی: کیوں بے! مملکتِ خداداد کے پشتینی یار! فرمان شاہی آیا از پار، خود کو جتاتے ہو حکومت کا حق دار، او قومِ سنگھ کے غدار، سن تیرا نہ ہوگا بیڑا پار، لو اسمبلی ہوگئی بے کار۔ میں کہتا ہوں اس سنسار میں کیا کیا ممکن نہیں، جب طاعون پھیلانے کے لئے چوہے پار سے درآمد ہوئے، جب جاسوسی کے لئے وہاں سے کبوتر اُڑے اُڑے آئے، جب کشتیوں میں سوار ممبئی پہنچے بمبار، بم بارود کی بات ہی نہیں، ان کے لئے کیا مشکل حکومت سازی کا سہ نکاتی فارمولہ نہ پہنچے۔ بھاجپا والے کو یندر گپتا ابھی اس زخم کو مندمل نہیں کر پائے ہیں کہ نائب تحصیلداری ملی تھی مگر مودی نے اس کا کوئی مزہ چکھنے ہی نہ دیا، یعنی پار والی سازش کے تحت وہ کرسی نہ رہی، قلندری نہ رہی، وہ بندری بھی نہ رہی جو ادرک کا سواد کیا جانے۔ پھر وہی ہوا کہ جو انگور کھٹے تھے، اُن تک پہنچنے کے لئے بانوئے کشمیر، ہل والی پلٹن اور اپنا ہاتھ جگن ناتھ والی لنگڑی فوج کمر بستہ ہوگئے کہ اب کی بار ہماری کھچڑی سرکار بننے دو، رام بھلی

کرے گا۔ اتنا ہی نہیں ہندوارہ کا طوطا چشم بھی Achievable CM ship ڈھونڈنے نکلا مگر ستیہ تو وہ ہے کہ اندر کا ستیہ راز کسی کو بتائے بغیر اپنے قانون کی لاٹھی مار کر اسمبلی کو ہوا میں اُڑا گیا۔ نہ رہی بانس نہ بجی بانسری۔ اس بیچ ہم سوچتے رہے کہ اپنے اہل سیاست کس مٹی کے مادھو ہیں کہ کل تک جسے دور ہٹنے کی بولی بولتے تھے کیونکہ اس کے اندر سے گجرات مسلم اقلیت کے زندہ جلائے جانے والوں کی بو، گائے کے نام مارنے والوں کی خون کی بو آ رہی تھی، انہی کے ساتھ تخت کو بٹوارہ کرنے نکل پڑے۔ اللہ خیر کرے اس کا کہ سب کو بلا قیمت اپنے گھر میں تیار جوس پلاتا تھا۔ پچھلے کئی دن تک اسی ہوائی قلعے میں رہائش پذیر رہا جہاں سے مل گئی کرسی کا نعرہ لگنا ممکن تھا اور اعلان بھی کرتا رہا کہ اپنا دم خم فقط ۳۵/اے اور ۳۷۰ بچانے کے لئے محفوظ ہے۔ واہ رے! بے چارہ ۳۵/اے بھی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا مگر راج بھون نواسی جسے دن کا کھانا بھی نصیب نہ ہوا کہ عملہ گھر چھٹی منانے گیا تھا۔ اس ایک مذہبی چھٹی سے سب کی اُمید پر سرد سرد ہواؤں نے گرم گرم پانی پھیر دیا کہ سب کچھ چوپٹ ہوا۔

یہ تو نئی تازہ بات ہے لیکن کچھ عرصہ پہلے کی بات اور تھی۔ جب ہل والے قائد ثانی گرجے کہ جب تک ۳۵/اے کے بارے میں دلی دربار واضح تحفظات کا اعلان نہیں کرتا ہم الیکشن کے دروازے پر حاضری نہیں دیں گے یا یوں کہئے کہ ہم پر الیکشن حرام حرام حرام، یعنی الیکشن کی روٹی ناپاک، کرسی شجر ممنوعہ، عیش اور کیش مسترد کیونکہ اپنے لئے دفعہ ۳۷۰ اور ۳۵/اے حلال و متبرک ہیں، یہی اَن داتا ہیں۔ یہ اہل کشمیر کو بے قوف بنانے کے حتمی ہتھیار ہیں بلکہ کرسی کی سندر پری کو ہتھیانے کی اُڑن طشتری بھی یہی ہے۔ قائد ثانی کے گرجتے ہی نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر اور الہ وانگن فرنٹ کے سارے چھوٹے بڑے سالار میدان عمل میں کودے، ہاتھوں میں پشتنی سارنگی کا تُرم تُرم، ڈفلی اور تُمبک ناری کی دَم دَم، آشپازوں کا چونچہ لگی مرچی، سری کاٹنے والی چھری اور کاندھوں پر ہل والا جھنڈا لہرا کر گپکار کی طرف کوچ کیا کہ گورنر ہاؤس کی چوکی پر قبضہ کرنا تھا، تاکہ وہیں سے اعلان جاری کر دیں بلکہ نعرہ مستانہ لگا دیں کہ بھارت سرکار تا عمر یاد رکھے۔

راج بھون ہمارا ہے   تخت ہمیں پیارا ہے
باقی سب بہانہ ہے   دلی دربار نشانہ ہے

ہل والوں کی قسمت کچھ اچھی نہیں تھی کہ ابھی وہ ملک صاحب آف مائسمہ سے دو دو ہاتھ کرتے تھے اور اُسے آئے دن کال کوٹھری میں ڈال کر جیت کا اعلان کرتے تھے کہ لو جی ہم نے ملک کشمیر کو جیت کر دلی دربار کی جھولی میں ڈال دیا۔ نیا ستیہ پال ملک صاحب تو دلی دربار کی مہر سمیت وارد کشمیر ہوا تھا، اس لئے اس کے ساتھ دھکم پیل ممکن نہیں کہ یہ بھی اَلہ وانگن کے جواب میں پیلٹ بُلیٹ چلاتا ہے۔ ہل والوں کی دیکھا دیکھی قلم والوں کی دوات، جو کرسی چھوٹتے ہی سوکھ گئی تھی، میں بھی تھوڑا تھوڑا آب بِابہ ڈیمی بھر آیا اور بلدیہ الیکشن کے بدلے ۳۵ر اے کی ولدیت کا دعویٰ کر دیا۔ سیلف رول کی سیلفی چھوٹ گئی اور ہو نہ ہو وہ سمجھے کہ ہل والوں نے بائیکاٹ کا اعلان کر ساری سیاسی ضیافت پر ہاتھ صاف کر دیا کہ فوراً دستر خوان پر ٹوٹ پڑے اور ۳۷۰ر آگے بڑھو ہم تمہارے ساتھ ہیں کا نعرہ مرد مومنانہ لگایا۔ کشمیر کا نیتا کیسا ہوگا ۳۵ر اے جیسا ہوگا، چیخ کر مودی شاہ پرائیویٹ لمیٹڈ کو للکارا کہ ہم سے تو کرسی بھی چھنی، اب کیا ملک کشمیر میں دو گز زمین بھی چھین لوگے؟

اپنے ہل بردار اور قلم دوات والوں کو کیا علم تھا کہ دلی دربار وہی نسخہ آزمائے گا جو خود اس نے سکھایا پڑھایا تھا۔ بلدیہ کی چھوٹی کرسی جہاں ہاتھ سے گئی کہ دلی دربار نے ایسا پانسہ پلٹا ہل والے قائد ثانی اور اس کے چیلے چانٹوں کو بڑی کرسی بھی دور بھاگتی دکھائی دی، یعنی اب گئی تو کبھی ہاتھ نہ آئے محسوس ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ لڑ مریں گے، پر کرسی نہ چھوڑیں گے۔ بقول شخصے ہم تو عاشق ہیں تیرے برسوں پرانے چاہے تُو مانے یا نہ مانے ؎

یہ سوال و جواب کیا کہنا   ملک عالی جناب کیا کہنا
کیا سکھایا ہے کیا پڑھایا ہے   مردِ مومن جناب کیا کہنا

کسے نہیں معلوم وہ بے چارہ کم زور و نحیف سا ۳۷۰ر الیکشن ٹائم میں ہی کروٹ لیتا تھا کہ اسے ہل والے اُلٹ پلٹ دیتے تھے، ٹانگوں بازوں پر تیل مالش کرتے، کمپلان پلاتے، وٹامن کی گولیاں زبردستی منہ میں ٹھونستے کہ بھائی جان! جج کرو ہماری مٹی پلید ہونے جا رہی ہے، ہماری لولی لنگڑی پارٹی کو انتخابی بیساکھی مہیا کر دو، مگر اب تو ۳۵ر الف کے سامنے گڑگڑانے لگے کہ ہم میں جو دَم خم تھا وہ لشکر برہان اُڑا کر لے گیا، کچھ بچا تو مودی شاہ پرائیویٹ لمیٹڈ ہتھیانے کے درپے ہے۔ رہی

سبھی اُمید اب تم سے ہی ہے، تمہارے دروازے پر دستک دینے آئے ہیں ، بس ہماری سیاسی اُمیدیں تم سے وابستہ ہیں کہ بچ گئے تو غازی مر گئے تو مٹی پلید۔

اپنا ملکِ کشمیر بھی عجب سرزمین ہے۔ تاریخی طور رنگین ہے، علمی طور بھلے ہی ذہین ہے مگر سیاسی طور بہت ہی بے دین ہے۔ اسی لئے جو کل تک یار دوست ہوتے ہیں، وہ اچانک دشمنِ جان ورقیبِ دوران نظر آتے ہیں۔ کل تک جن کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھے ایک ہی تھالی میں کھاتے پیتے تھے، اچانک ایک دوسرے کی تھالی میں چھید کرنے لگتے ہیں اور یادِ ماضی عذاب بن کر انہیں کچوکے لگاتی ہے۔ جبھی تو کل تک قلم دوات کی قسمیں کھانے والے دماغِ بیگ کو لون خاندان کا چشم و چراغ دربارِ کنولستان میں روشن دِکھنے لگا۔ اب تاریخ کا موالی رویتِ ہلال کی طرح آسمان سیاست پر نئے سیاسی سیاروں اور ستاروں کی گنتی کر رہا ہے، تا کہ اعلاناً یہ پیش گوئی کر سکے: بھائی لوگو! اگر ہندوارہ کا چراغ اور بارہمولہ کا ایاغ دونوں مل گئے تو اہلِ کنول کو سرزمینِ کشمیر پر اپنا نیا سیاسی اصطبل کھولنے کا زریں موقع نصیب ہوگا، نئے سیاسی گٹھ بندھن کی بازی گری چلانے کا وہی ٹینڈر حاصل ہوگا۔ یہ ہوا شیخ سے چلتے چلتے اب لون خاندان کے چاچا بھتیجے کی جوڑی کو لگے گی اور قلمدانِ سیاست و حکومت انہیں سونپ کر کشمیر کے لئے ایک اور بکھراؤ اور دلی کے لئے وشواس گھات پر منتج ہونی ہی ہونی ہے۔ رہے اللہ کا نام!

Published 26/11/2018

* * *

زمانہ چلا ہے قیامت کی چال

مانا کہ اپنے ملک کشمیر میں بارُودی دھماکے ہوتے رہتے ہیں، گولیوں کی گن گرج جاری ہے، ساتھ میں پیلٹ کا قہر عروج پر ہے، اشک آور گولوں کا شور ہے اور ٹاس پٹاس فورس کا زور ہے مگر سب سے بڑے اور بھاری دھماکے اپنے گورنر ملک صاحب ستیہ ستیہ بولتے کرتے جا رہے ہیں۔ آخر جب وہ ستیہ پال ملک ہیں تو ستیہ ہی کا پالن کیوں نہ کریں۔ راج بھون کے مغلیہ طرز کے دیوان خاص سے دُور و نزدیک نظر دوڑا کر انہوں نے جو محسوس کیا وہ سچ سچ بول دیا۔ ہو نہ ہو ملکِ کشمیر کے سیاست دان اور بیوروکریٹ اندر ہی اندر صاف گوئی کی اس تکرار سے خفا ہوں کہ ملک صاحب کو ان کے جہانگیری طرز زندگی اور عیش کوشی پر سیدھی نظر پڑی ہے۔ اپنے ملکِ کشمیر میں چونکہ اربابِ اختیار و اقتدار سے سوال پوچھنے کا رواج نہیں اور اگر کسی نے کرنے کی ہمت جتائی بھی تو اس کے لئے ٹاس فورس کی دھنا دھن اور پی ایس اے کی ٹھسا ٹھس موجود ہے، اس لئے سوال پوچھنے والے بس چپ سادھے ہیں، زبانوں پر علی گڑھی تالے چڑھا رکھے ہیں۔ ملک کشمیر میں سال ہا سال سے خاموشی کی آزادی ہے مگر سوال پوچھنے پر افسپائی قدغن ہے لیکن بھارت ورش میں کچھ دنوں سے بھاجپا کے سیاسی شیروں کی دھاڑ بلی جیسی میاؤں میں تبدیل ہو چکی ہے اسی لئے ہم زعفرانی ترشولوں سے پوچھتے ہیں: اتنا سناٹا کیوں ہے بھائی؟ یہ کنول اُگانے والے، چلۂ کلان کا نام موسم بہار سے بدلنے والے دیوانے، ٹی وی اسکرینوں پر کنول کنول کی جپ کرنے والے آج کل قبرستان جیسی خاموشی سے کیوں مزے لے رہے ہیں؟ دل جلے کہتے ہیں کہ کنول برادری کئی ماہ و سال سے سہ طلاق کی رٹ لگائے شور مچا رہی تھی

لیکن اب کی بار مودی یوگی شاہ کمپنی کو یک بار تین ریاستوں میں سہ طلاق ملا کہ بولتی بند ہوگئی۔ ہم تو کہتے کہتے تھک گئے دیوانو مستانو! خالی پیٹ آستھا سے نہیں بھرتا مگر وہ بولتے پتنجلی کھاؤ گئو ماتا کے گُن گاؤ، زعفران کی جے جپ جاؤ۔ ہم بولتے کہ پیٹ میں دو لقمے نہ ہوں تو کیا پتہ کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے؟ وہ بولتے جے سیارام بولو، ہر ہر مہادیو پکار، ایک اینٹ لے کر ایودھیا پہنچ جاؤ تو بھوک مٹ جائے گی، پیاس بجھ جائے گی، نہ اسکول کی ضرورت رہے گی، نہ شفاخانے کی حاجت ہوگی، جہاز کس کام کا بیل گاڑی جو ہاتھ آئے، جہاں گائے ماتا کا گوبر ہو وہاں گیس سیلنڈر شیروں میں جیسا بندر۔ ہم بولتے ہم سے اینٹ بھی نہیں اُٹھاتی جاتی وہ بولتے پھر تو تم پکے دیش دروہی ہو، چھی چھی چھی کشمیر کے پتھر بازوں سے بھی کوئی سبق نہیں لیا ہے؟ تمہاری دیش میں کوئی ضرورت نہیں، پرلوک سدھار جاؤ یا سرحد پار جانے کی تیاری کرو۔

بھائیو اور بہنو! چلو اب کچھ میٹھا ہوجائے کہ اِدھر ہم اسی بحث وتکرار میں یوگی میک ہمالیہ سے سر ٹکرا رہے تھے، اُدھر اپنا ہاتھ جگن ناتھ والا پپو جی مودی جی کو چاروں شانے چت کر گیا۔ راجستھان، چھتیس گڑھ، مدھیہ پردیش سے دھڑا دھڑ سُوچنائیں ملیں کنول کی پتیاں خزاں کو گلے لگا کر لگاتار گر رہی ہیں، اور ہاتھ راتوں رات اپنی کرامات دکھا رہا ہے۔ دل پہ ہاتھ رکھ کر بولئے ایسا کیوں نہ ہوتا؟ کیا کنول کی چکنی چپڑی باتیں، قسمیں وعدے، پندرہ لاکھی بنک اکاؤنٹ، اچھے دن کی سُر تال کہیں سچائی کی کسوٹی پر کھری اُتریں؟ نوٹ بھی ہرے نہ اُترے، سب کا ساتھ سب کا وکاس بھی سرجیکل سٹرائیک جیسا خوابِ پریشاں ثابت ہوا، جملہ بازیاں بھی بازی ہار گئیں، نوٹ بندی کا تماشہ بندروں کی اُچھل کود ثابت ہوا، جی ایس ٹی کی مار کچھ ایسی پڑی کہ کمر دوہرے ہوگئے، بے چارے بیوپاری اب ٹیڑھی کمر اور جھکی گردنوں کا بوجھ اٹھائے اپنی بری قسمت کو کوس رہے ہیں، پندرہ پندرہ لاکھ بنک کھاتوں کے طویل انتظار میں لوگ پرلوک سدھارے۔ اس دوران دیکھنے کو کچھ ملا تو فقط مودی مہاراج کے بدیشی دورے، سودیش میں اُڑن طشتریوں کی آوا جاہی، آدھی سے زیادہ دنیا گھومنے، ملک ہند کے خزانے کو سفر خرچ کا چُونا لگانے کے بعد مہاسیوک کو کس بدیشی ملک نے وکاس دیا، خوشی کے دن دئے، چمتکاری ترقی کا تحفہ دیا؟ قیمتی سوٹوں میں ملبوس ہوکر سیلفیاں لینا، چوراہوں پر قد آدم تصویریں نصب کروانا، آسمان کو چھونے

والے پُتلی مجسمہ، یہی کچھ وکاس ہے بھئی؟ اور یہی سب دیکھ کر لوگ بولیں شاید یہ بھارت ورش کی جنتا سے جھوٹے وعدے کرنے والے فرار ملزم کے پکڑنے کے لئے اشتہار بانٹے گئے ہیں۔

کم بخت کو آتی نہیں تہذیب ذرا بھی
کرتا ہے سرِ شام ڈھینچوں میرے آگے
لا بیچوں گا منسوخ شدہ نوٹوں کی ردی
جو اس نے کیا تھا وہی آیا تیرے آگے

بھارتیہ جنتا ہی نہیں، لگتا ہے بھاجپا سے گئو ماتا بھی ناراض ہے۔ جس کے نام اس نے درجنوں لوگوں کو ہجومی تشدد میں پیٹ پیٹ کر جان سے مارا، کسی پر گائے اسمگلنگ کا بہتان، کسی پر گائے کاٹنے کا الزام، کسی کو گائے خوری کا دوش دے کر نشانۂ عبرت بنایا گیا۔ گائے نے مانوتا کی یہ دُرگت دیکھی تو غصہ آیا، غصہ بھی اتنا ہائی ڈگری کا کہ راجستھان میں گئو رکھشا منتری اوتارام دیواسی الیکشن ہار کر بے یار و مددگار ہو کر رہ گیا۔ مانو گائے نے اپنے نام پر ظلم و بربیت برداشت نہ کیا، اسی لئے منتری کو دولتی یہ کہہ کر ماردی، بچو! میں تو دودھ پلانی والی ماتا ہوں تیری طرح کوئی مارخور آدم خور نہیں۔

آغاز یہ تھا مجھ سے گائے بڑی شاد تھی   انجام دیکھ لو کہ میں سابق وزیر ہوں

خود رام چندر جی بھی کنول برادری سے اُکھڑے اُکھڑے لگتے ہیں کہ یہ لوگ ان سے بھی جھوٹ بولتے رہے۔ رام جی کے نام پر مندر کی تعمیر کا سال ہا سال سے ووٹ کے لئے ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، پھر کھمب کرن کی نیند سو جاتے ہیں اور الیکشن کے وقت انگڑائیاں لے کر رام مندر رام مندر کی مالا جپتے ہیں تاکہ رام جی کے نام پر ووٹ کیا مانگیں سیدھے جی ایس ٹی کاٹ لیں۔ جبھی تو رام جی بھی کنول برادری کی مدد کو اس بار نہ آئے کیونکہ انہیں بھی معلوم تھا کہ رام مندر کی تعمیر بھی یہ مطلبی یار جھوٹ کے اسی پلندے سے جوڑ چکے ہیں جس میں پندرہ پندرہ لاکھ کی بنک پاس بُک رکھی کہ جنتا کے منہ میں بس کچھ میٹھا ہونے کے لئے نقلی کینڈی رکھی ہے۔ رام جی ہی نہیں خود بجرنگ بلی بھی یوگی جیسے کنول برداروں سے خفا خفا ہیں کہ ان کے نام بھی دنگا فساد کا تانا بنا بُنا جبھی تو مسلم اقلیت کے نام چیتاونی جاری کر دی کہ ہم اپنی اوقات پر آ گئے تو حیدر آباد سے تمہیں بھگا دیں گے، اور پھر حیدر آباد، کریم آباد کا نام بھی بدل دیں گے۔ نام بدلی کا نیا کاروبار یوگی نے

پہلے ہی شروع کیا ہوا ہے۔ خود اجیت سنگھ بشت کا نام آدیتہ ناتھ اور مغل سرائے، الہٰ آباد وغیرہ بھی بدل ڈالے۔ کیا پتہ الیکشن ہارنے کے جرم میں وہ بھاجپا نام بھی بدل ڈالے۔ پندرہ لاکھ کے پاس بک کو شونی (زِیرو) میں تبدیل کردے۔ ادھر جنتا نے جو کروٹ لی تو کنول برداروں کا کانگریس مکت خواب بھی ٹوٹ گیا، یوگی کا مسلم مکت بھارت کا سپنا بھی چکنا چور ہوا۔ کیا پتہ خود بھارتی جنتا ناگپوری چڈی مکت بھارت کا ہی فیصلہ سنا دے۔

اک چیز ہے اس شہر لکھنو کا گدھا بھی   ہوشیار بھی احمق بھی پرانا بھی نیا بھی
میں اس علاقے سے آیا جو ہے مردم خیز   یوگی کے گورکھپور سے میں نہیں آیا

کبھی فلمی اکبر بادشاہ نے کہا تھا کہ سلیم تمہاری باتوں سے بغاوت کی بو آرہی ہے۔ مانا کہ کنول برادری مغل راج پر کیچڑ اچھالنے سے نہیں کتراتی مگر مغل دور کی تاریخی تعمیرات کا ہی غیر ملکی مہمانوں کو سیر کراتی ہے کیونکہ اپنے دور کے گئو شالہ اور سوچھ بھارت ابھیان کے لوٹے دکھانے لائق نہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ ڈائیلاگ بھی مغلیہ دور کا ہی چلاتے ہیں کہ یہ کہنے میں شاندار، جاندار اور وزن دار معلوم پڑتا ہے۔ اسی لئے تو کنول بردار ڈاکٹر جیتندر سنگھ نے اعلان کردیا کہ محبوبہ مفتی کے اس بیان سے بغاوت کی بو آتی ہے جس میں انہوں نے اہل پیر پنچال مع وادیٔ چناب کے لئے لداخ جیسی پہاڑی کونسل کی مانگ کی۔ کہاں قلم دوات والے کنول قلم گٹھ جوڑ کے سبب نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے اور کہاں اب کل کے یار طعنہ دیتے ہیں کہ تم لوگ حریت سے بھی زیادہ خطرناک ہو۔ اب تو بے چارے قلم دوات والے اپنی سرزمین پر دو گز کی گزارش کرتے ہیں، البتہ کنول بردار شاید وہاں بھی چھینا جھپٹی کر کے اپنا مندر تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

کہنے والے لوگ کہتے ہیں اپنے ملک کشمیر کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ اسی لئے یہاں انصاف نام کی چیز اصل میں عام خام کو چپ کرانے کا ایک آلہ ہے۔ بشری حقوق تو جھالا ہے کہ اس کی رحمت جگہ جگہ گرتی ہے مگر اپنے ملک کشمیر میں وہم و گمان میں بھی نہیں۔ اپنا ہر سیاست دان دلی دربار کا گوالا ہے۔ ہر وردی پوش جوالا ہے کہ دائیں بائیں آگ ہی آگ اُگلتا پھرتا ہے اور اس کے چلتے اپنے یہاں ووٹ بائیکاٹ کا ٹھمکا بھی چلتا ہے اور الیکشن فارم بھرنے کا جھمکا بھی ہلتا ہے۔ ہڑتال بھی ہوتی ہے لیکن قصائیوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے کیونکہ مانس اپنی اس پتھری

میں پانی، بجلی، سگریٹ، دوائی، وازہ وان کے ساتھ ساتھ لازمی سروس شمار ہوتا ہے۔ ہم تو اس بات پر سوچ بچار ہی کر رہے تھے کہ دس دسمبر کو اس بات کی تصدیق ہوگئی۔ اپنے ملک کشمیر میں کیا کیا نہیں ہوتا دس دسمبر کی یاد مناتے ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ بے نصیب خواتین جنہیں عرف عام میں نیم بیوائیں کہا جاتا ہے، شہر خموشاں کی ایک مغموم پارک میں حسبِ معمول اپنے زیر حراست غائب چہیتوں کا پتہ بے برگ و بار چناروں سے پوچھ رہی تھیں، نزدیک ہی اپنا بشری حقوق ادارہ ڈرگ کنٹرول پر بحثا بحثی کر رہا تھا، یعنی ایک طرف بعد از گرفتاری گمشدہ اہل کشمیر کی بازیابی کے لئے ماتم تھا، دوسری طرف چرس گانجہ کی سپلائی وغیرہ پر فضول مغز ماری ہو رہی تھی۔ عام لوگ بیس ماہ کی ہبہ نثار کی آنکھوں کا رونا رو رہے تھے، اور بشری حقوق ادارے کے خاص لوگ موگیمبو کو خوش کرنے کے لئے افیونِ کوریکس پر بے وقت کی بانسری بجا رہے تھے۔ اُدھر غم زدے انصاف کی دیوی سنگ دلوں کی چوکھٹ پر کھوج رہے تھے، اِدھر ذمہ دارانِ سرکاری جھوٹی وعظ خوانی میں مصروف تھے۔

یہ نوازش مہربانی کتنی ہے سرکار کی
زخم بھی ان کے ہیں مرہم سرکار کی
کرتے ہیں دن رات مانگ انصاف کی
وعظ کی بارش ہوئی ہم پر سرکار کی

Published 17/12/2018

* * *

سیاست کے جنگل میں دَنگل نرالا

لو جی کرو مستی، ڈھول تاشے بھی بجاؤ، اپنے نیشنلی قائد ثانی نے چلہ کلان میں اعلان کردیا کہ اقتدار میں آنے کے بس ایک ماہ میں آٹانومی ریزولیوشن کا چلہ بچہ لے آوں گا۔ شہنشاہِ زمستان نے سنا تو اپنی بتیسی دکھا کر کھلکھلاتے ہنس دیا، بولا نیا کاغذ کیا ضائع کرنا؟ نیا پشتارا کیا جمانا، آن دفتر گاؤ خورد کمپنی جاؤ، وہاں جو پرانی قرارداد گرد آلود بستے میں منتظر فردا ہے، اُسی کی ڈھول جھاڑ کر، گردا صاف کر کے پبلک کے سامنے لاؤ، عزت و آبرو کی ڈٹرجنٹ سے دھوڈالو، ۳۷۰ کا ملمع چڑھاؤ، ۳۵/اے کے گرما گرم پانی میں غوطے دو، صاف شفاف آٹانومی ریزولیشن سامنے آئے گا تو دلی کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی، کشمیر کے کلیجے پر ٹھنڈک پڑے گی۔ ویسے بھی آج کل ہل والی پارٹی واشنگ مشین کا کام کر رہی ہے کہ کل تک جو قلم کنول والے نا قابل سلام کلام تھے، ان کے سارے گناہ فٹا فٹ دُھلے جا رہے ہیں۔ یہ ہوئی نا بات، ہل والوں کی کرامات!!

کیا کریں اپنی تو قسمت ہی ایسی ہے کہ بے چارے فوجی ہوا میں گولیاں چلاتے ہیں لیکن ہمارے منچلے لڑکے سر اور جسم اور اُچھالتے ہیں جبھی تو گولیاں ان کے سروں یا سینوں میں لگتی ہیں۔ نو دہائیوں سے باری باری اور پچھلی تین دہائیوں سے ہم مسلسل کفن ہی پہن رہے ہیں اور اب کی بار سرنو پلوامہ میں سات جمع تین برابر دس کفن دفن کی مٹی ابھی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ادھر زندہ لوگوں نے کفن پہنے۔ ان کا سوال تھا جب کفن ہی پہننے ہیں تو ایک ہی بار ایک ساتھ کیوں نہ پہنیں؟ یہ روز روز کا جھنجھٹ کیوں؟ اس کہانی میں کچھ تو حقیقت تھی اور کچھ فسانہ بھی، کیونکہ کچھ تو

اُن میں کفن بردوش تھے کہ ہتھیار بند وردی پوشوں کے سامنے سینہ تانے کھڑے ہو گئے کہ درجنوں میں مارنے کی ضرورت کا ہے کی، ایک ہی بار ہم پر بندوقوں کے دہانے کھول دو۔ یہ صبح شام کا رونا کیا، قصہ ختم کردو ایک ہی بار، یعنی تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں۔ اب یہ تو سب کو معلوم ہے جو کفن بردوش بن جائے اسے موت کا ڈر کا ہے کا۔ کفن بردوش کو دیکھ کر چند ایک کفن چور بھی ظاہر ہوئے کہ ہمیں بھی گنتی میں ڈال دو۔ بھلا کسے نہیں معلوم یہ تو کرسی کی آڑ میں ۲۰۱۰ء اور ۲۰۱۶ء میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو کفن اپنے ہی لوگوں کو پہنا چکے تھے۔ جب ہم نے اتنے سارے کفن پہنانے کا شکوہ کیا تو ہاتھ ملتے ہوئے کہہ ڈالا کہ ہم کچھ نہیں کر پاتے کہ ہماری کرسی خطرے میں ہے۔ ہم چونکہ ’’الہ کرے گا وانگن کرے گا‘‘ پارٹی ہیں، اس لئے اپنی کرسی داؤ پر نہیں لگا سکتے کیونکہ ہمارے الہ وانگن کرسی کے بغیر خشک ہو جاتے ہیں پھر بھرتہ بن نہیں پاتا۔ اور تو اور الم غلم کرنے والی قلم دوات پارٹی والے سینہ ٹھوک کر بولے تھے کہ انہیں تو کفن پہنانا ضروری ہے، یہ کیا کوئی دودھ ٹافی لینے گئے تھے؟ چلو ان کے اپنے سیاسی کفن کا انتظام تو ہو گیا کیا پتہ سیاسی دفن بھی جلد ہو جائے کہ اب انہیں وہی لوگ دشمن جان لگتے ہیں، جن کے ساتھ کل تک روٹیاں توڑتے تھے بلکہ ایک ہی کٹورے میں سیاسی گشتابے پروستے تھے۔ ناگپوری سنترے اور چینی وڈر (بجبہاڑہ علاقے کے سیبوں والی زمین) کے سیب کا ملاپ کر بیٹھے تھے بلکہ بقول اہل کشمیر اُن کی آنکھوں پر مکھی بھی برداشت نہیں کرتے تھے کہ باجپائی کے گن گاتے، سیکولرازم کے قصیدے پڑھتے، بھارت ماتا کی جے جے کار پر وندے ماترم کا مکھڑا گاتے تا کہ کنول بردار کا اَنترا بھی خوش رہے اور پنجہ مار سیاسی لٹیرے بھی شاطر ہیں۔ اتنا ہی نہیں قلم بردار تو قطبین کے ملاپ کے لئے تازہ اور مضبوط جوڑ کے لئے مرد مومنانہ فیویکول ڈھونڈھ لائے۔ یہ اور بات ہے کہ مرد مومن اور بعد میں بانوئے کشمیر نے جو نیا فتویٰ لکھوایا تھا وہ ناگپوری برادری کو زیادہ راس نہیں آیا اور بیچ منجدھار قلم توڑ ڈالا، علم توڑ ڈالا اور ساتھ میں دوات اُلٹ کر روشنائی بکھیر دی۔ اس کے چلتے جو دو گز زمین بھی تنگ ہوتی گئی تو کفن چور بھی میدان میں اُترے کہ بھائی لوگو! ہم بھی کفن بردوش ہیں مگر اپنے اہل کشمیر جہاں دُم نہ ہو وہاں جھاڑو باندھ کر شہر شہر گلی گلی گھماتے ہیں۔ جبھی تو کفن چوروں کے چرائے کفن کی نشاندہی کردی۔ بھارتی پارلیمان اور جموں سیکرٹریٹ کے باہر گورنر انتظامیہ اور مودی سرکار کو چیتاؤنی

دے ڈالی کہ سدھر جاؤ، اپنی فوج کو قابو میں رکھو یا تو ہمیں ہی کرسی دے دو اور ہم کفن پہنانے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ہم ٹافی دودھ والوں کو بھی نہیں بخشتے۔ تیرہ برس کی انشاء کو بھی نشانہ بنانے کی مہارت رکھتے ہیں۔ بھلا تم کس کھیت کی مولی ہو، ہم تو وہ ہیں کہ اپنے ہی لوگوں کو کفن پہنانے کی دوڑ میں پان سنگھ تومر کو بھی ہرایا تھا۔

اپنی سیاست کا ہے مختصر فسانہ　　اقوال عاشقانہ ، اعمال احمقانہ
کرسی کی دوڑ میں جو وعدے کئے ہم　　نعرے بھی ہمارے بالکل مجرمانہ

اب کی بار مودی سرکار نے اپنے ملک کشمیر کو ڈائرکٹ اپنی تحویل میں لے لیا اور اُسے صدر راج کا نام دیا۔ اس سے پہلے ستیہ وادی ستیہ پال ملک اور کبھی بانوئے کشمیر یا نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر راج کرتے تھے مگر اپنی لل دید نے کیا دانائی کی بات کی تھی کہ ''ہوٚنڈ اَسی تَن یا کٹھ لَل ہیٚند نلہٕ وَٹھ ژلہٕ نہٕ زانہہ''۔ مطلب صاف ہے ہم نے ہر سرکار میں گولی پیلٹ اور ٹاس پٹاس فورس کی لاٹھی کھائی۔ یہ ہوئی دور اندیشی کی بات۔ الہ وانگن پارٹی میں بھی ہمیں عزت و آبرو کا مقام بندوق کے دہانے سے دیا گیا۔ مرد مومن اور بانوئے کشمیر نے بھی ہمارے دودھ ٹافی میں مرچیں ملا دیں۔ ستیہ پال نے بھی درجنوں کے حساب سے کفن پہنوائے اور رام جی کووند کہاں خاموش بیٹھیں گے؟ کسے نہیں معلوم کہ سبھوں کے دور جو شور اور زور چلتا تھا وہ تو وردی پوش کا ہے، یعنی بھلے ہی کرسی کسی کے پاس ہو، اقتدار تو بہر حال وردی پوش کی جیب میں ہے۔

کبھی تو ہم یہ بھی سوچتے تھے کہ شاید گولی پھرن کے پار نہیں جاتی، اس لئے مارنے سے پہلے پھرن اُتارنے کا حکم ملتا۔ مانا کہ گرمیوں کے دوران بھی مسافر گاڑیوں کے شیشے چڑھا کر رکھنے سے اندر بیٹھے لوگ تپش محسوس کرتے مگر کیا کریں وردی پوشوں کا حکم نامہ تھا، پھر ہم سوچتے کہیں ایسا تو نہیں کہ ملک کشمیر تب تک قابو میں رہے گا جب تک شیشے چڑھیں رہیں گے۔ کچھ تو پھرن کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا کہ پھرن سے بازو باہر نکال کر چلتے رہو۔ ہم سوچتے کہ ملک کشمیر پھرن کی وجہ سے ہی قابو سے باہر ہے۔ اپنے لوگ تو سیدھے سادھے ہیں بلکہ اللہ میاں کی گائے سمجھو۔ پھرن کے نام پر ہلہ غلہ تو اتنا مچا دیا کہ پھرن ہماری تہذیبی پہچان ہے اور احتجاج کے طور فیس بک وغیرہ پر پھرن پہنی تصاویر اَپ لوڈ کر دل بھی بہلاتے ہیں اور حکم نامہ جاری کرنے والوں

کو چیتاوَنی بھی دیتے ہیں۔ اب اپنے لوگوں کو کون سمجھائے کہ بھائی یہ پھرن کا معاملہ نہیں بلکہ اس کے اندر کیا ہے، وہ اہم ہے۔ پھرن کے اندر کبھی کانگڑی ہوا کرتی تھی اور کسے نہیں معلوم کہ جب کانگڑی اُچھالی جاتی تھی تو کیسے کیسے ویر بہادر ڈرے ڈرے سہمے سہمے کونوں میں چھپ جاتے۔ اسی لئے تو کسی منچلے نے اعلان کر دیا تھا کہ۔

کونڈل ہے کانگڑی کا قومی نشان ہمارا شلغم کے قتلے کھا کر ہم تو جوان ہوئے ہیں

جب سے اپنے ملک کشمیر میں حالات بدلے اور کانگڑی کے بدلے کلاشنکوف نے تخت سنبھالا تو پھرن کی اہمیت گرمی کے بدلے بم بارود والی بوری میں تبدیل ہوگئی۔ پھر یہی ہوا کہ کلاشنکوف کے چھپا کر گھمانے، نچانے، سجانے کے لئے پھرن کام آیا جبھی تو وردی پوش فرن والوں سے دور رہ کر اُوپر اٹھانے کے لئے کہتے، یعنی اگر کشمیر اپنے قبضے میں رکھنا ہے تو پھرن کا کوئی انتظام کرنا ہے۔ ہو نہ ہو کہیں سے نوے کی دہائی کی کوئی فائل گورنر انتظامیہ کے ہاتھ لگی اور مہلک ترین ہتھیار پھرن کی بابت تفصیل سامنے آئی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ پھرن پر پابندی عائد کر دی۔ ہو نہ ہو پھرن اب حافظ سعید اور اظہر مسعود سے بھی خطرناک دکھنے لگا۔ بھائی لوگو سمجھو پھرن کی بات نہیں پھرن کے اندر کا راز جانو۔

لو جی کر لو گل۔ پتھر اور گولی کی قیمت کا موازنہ ہو گیا۔ بھارت ورش کے سپہ سالار نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ کہاں مودی سرکار اور راہل نامدار ابھی رافیل جنگی جہازوں کی قیمتوں پر لفظی جنگ میں مصروف ہیں اور کہاں جنرل نے پتھر کی قیمت گولی جتنی ہونے کا اعلان کر ڈالا۔ جبھی تو اس نے سنگ باز کو بندوق بردار کے ہم پلہ جتایا۔ ہم تو مخمصے میں ہیں کہ بیرون ممالک سے زرِ کثیر خرچ کر کے گولیاں خریدنے کا کیا تُک ہے؟ اپنے یہاں تو کم قیمت پر ہی پتھر ملتے ہیں، جمع کر لو اور دشمن پر وار کرو۔ ویسے اس دوران سابق سپریم کورٹ جج جسٹس کاٹجو بھی سنگ باز بن گیا۔ اس نے بھی ایک پتھر مارا، جنرل راوت کا جنرل ڈائر سے موازنہ کیا اور یوں وردی پوش سالار کے آتنکی لسٹ میں شامل ہو گیا۔ جج صاحب کا پتھر تو طنز سے بنا ہوا تھا اور اس میں مبارک بادی کے تیر چھپے تھے، جس سے بھلے ہی جسم زخمی نہ ہو پر ضمیر نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے جو گھمنڈ اور فخر کے نیچے گم رہتا ہے۔ جب طاقت اور ہتھیاروں کا گھمنڈ سر چڑھ کر بولے، پھر بھلا ضمیر مردہ پہلے ہوتا ہے اور اس کے مابعد بے گناہوں کے جسموں پر کفن چڑھایا جاتا ہے۔ یہ کفن جب چڑھتا ہے تو خاکی

پوشوں کی یہ ڈیوٹی لگتی ہے کہ کفن کے اوپر الزامات کی ایک پرت بھی پہنا دو۔ پھر خاکی پوش شاہ سے زیادہ وفادار بنے پھرتے ہیں یا بقول اہل کشمیر ''خوجن دوپم پھٹکھے'' کے نشے میں جھولتے ہیں۔ اڑھائی کلومیٹر کے فاصلے کو خطرناک ترین اور قریبی فاصلہ جتا دیتے ہیں کہ سنگ باز اس قدر دلیر بنے پھرتے ہیں۔ اس دوڑ میں اڑھائی مہینے کا نائب تحصیل دار کو بندر گپتا کچھ زیادہ ہی چشم دید گواہ بنا پھرتا ہے۔ اپنی نائب تحصیل داری کھو جانے کے غم اسی کرسی کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے ان لوگوں کو فوجیوں کی بندوقیں چھین کر بھاگتے ہوئے دیکھا جبھی تو وہ کفن کے حقدار بنے اور خاکی پوش دروغ کی تمام حدوں کو پار کر کے خود ہی پشیمان جو ہوتے ہیں تو اضافی پریس نوٹ میں کفن پہنانے پر افسوس جتاتے ہیں۔ کیا پتہ اپنے سیاسی کفن چور اور خاکی وفادار اس سوچ میں ہوں کہ ان کی ''تارَن گری'' (شعبدے بازی) سے وہ گلاب پھر سے کھل اُٹھیں گے۔

اپنے ملک کشمیر میں بچوں کو کفن پہنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں مگر اپنے لوگوں کو ترشول بردار ہاتھ دھو کے پیچھے پڑے ہیں کہ پانچ پانچ بچے پیدا کرو جبھی تو وہ اقلیتوں کو پیچھے چھوڑ دیں گے۔ چلو اچھا ہوا ساڑھے تین کروڑ تو سب کا وکاس میں فٹ پاتھوں پر سوتے ہیں، سب کا ساتھ پانچ کروڑ بنا روٹی کے رات بھر جاگیں گے کہ خالی پیٹ نیند کہاں؟

شوق سے نور نظر لخت جگر پیدا کرو ظالمو تھوڑی سی گندم بھی مگر پیدا کرو
کیا چھچھوندر سے نکالے یہ بھگت جن عقل کے دشمن انہیں بارِ دگر پیدا کرو

Published 24/12/2018

* *

کیا بھیس کروں دیس میں کرسی ذرا بتا

لو جی! سالِ رواں نے جاتے جاتے کمال کر دیا کہ عالی جناب سراغ رساں، افراسیابِ دوراں، جاسوسِ زماں قومی تحقیقاتی ایجنسی نے رازوں کی پوٹلی کھول کر اعلانِ عام فرمایا کہ جس داعش کے خلاف امریکہ لڑ رہا ہے، جھگڑ رہا ہے، اپنی جنگ میں میزائل، بمبار جہاز اور نہ جانے کیا کیا استعمال میں لا رہا ہے، وہ تو کوئی لڑاکو ہے ہی نہیں، بس پھسپھسی ہے۔ ہم نے دس جاں باز پکڑے، ان سے سُتلی بم برآمد ہوئے۔ یہ خطرناک لوگ ٹریکٹر کی دھویں والی نلی اور دیسی کٹے لے کر اہم شخصیات کو نشانہ بنانے نکلے تھے، بڑے شہروں پر حملے کرنے والے تھے۔ دل جلے کہیں انہیں شرم نہیں آئی، پلان اتنا بڑا اور تیاری اتنی چھوٹی جیسے حملہ نہ کرنا ہو بلکہ کھٹمل، جوئیں، پسو کا شکار کرنا ہو۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔ کیا بات ہے ناگپوری تنظیم والے بھلے ہی آدھی چڈی پہنے پھریں مگر ان کے پاس تو اے سیون رائفلیں ہیں، ترشول ہیں، تلواریں ہیں کہ جب یہ سوتنتر سینانی بیچ شہر فل ڈریس مارچ کرتے ہیں یا صبح سویرے اپنے بھگتوں کو ٹریننگ دیتے ہیں تو پورا علاقہ لرز اٹھتا ہے، پرند و چرند سہم جاتے ہیں پھر کسی کی کیا مجال کہ کوتوالی میں بھگتوں کے خلاف رپٹ لکھوائے۔ بھلے جب خاکی پوشوں کی پس پردہ حمایت میسر ہو پھر کوئی آگ میں کیوں نہ ہاتھ ڈالے؟ کھنہ بل سے کھادن یار تک اور سونہ مرگ سے سورسیار تک تو ہم نے سنا تھا کہ ماؤں کے بچے چوری ہو گئے، بھائی بہنوں کا سکھ چین چوری ہو گیا، باپ دادا کا سکون لوٹا گیا، ننھے بچوں کی بینائی چھین لی گئی، اہل علم کی مٹی پلید کی گئی اور تو اور خواتین کے سروں سے چادریں کھینچی گئیں۔ مانا کہ ان کی داڑھی میں تنکا نہیں ہوتا مگر یہ سب کچھ کرنے والے تو ہم سب کو معلوم ہے کون ہیں، بلکہ یہ بھی کس کی ایماء

پر کیا اور کس بچاؤ پردے کے پیچھے کیا گیا اور بچاؤ بھی ایسا کہ چوری کرنے والوں پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اور تو اور حد اں ہوگئی شرافت دی کہ خود چوری ہونے والے پر الزام دھرا گیا کہ وہ تو خود ہی چوری ہونے والی جگہ پر موجود تھا یعنی ادھر نہ ہوتا تو بھلا چوری کیسے ہو جاتی ؟ خیر ہم تو بات نہیں کر سکتے، سوال نہیں اٹھا سکتے، جواب نہیں مانگ سکتے

پولیس والے کسے ٹھہرائیں قاتل کہاں تک جھوٹے افسانے تراشیں
کوئی قاتل نہیں ہوتا کسی کا خود اپنا قتل کرلیتی ہیں لاشیں

ہم تو انسانوں کی چوری پر واویلا کرتے رہے، سینہ پیٹا، شور مچایا مگر یہ کیا، بیچ چلہ کلان بجلی ٹرانسفارمر چوری ہوگیا۔ ویسے بھی یہاں کون سی بجلی مسلسل دستک دینے آتی تھی کہ لڑ مرو عاشقو میں تو وہی ہوں جو باقی جگہوں بلوں کے عوض تشریف لاتی ہوں لیکن اپنے یہاں میں فقط اپنا درشن دینے آتی ہوں تاکہ کوئی مائی کا لال بعد میں جنجال نہ کھڑا کرے کہ تم ہمیں درشن دینے کیوں نہیں آتی ؟ اور یہ کہ مجھ جیسی گم شدہ حسینہ کی زیارت سے لوگ محروم رہ جائیں۔ مانا کہ میری ایک آنکھ کانی ہے کیونکہ سارے لوگ ایک ہی دن ایک ہی وقت میرا درشن نہیں کر سکتے لیکن کون میرے حسن و جمال سے متاثر نہیں! خیر بات یہ ہے کہ اب محلے کا ٹرانسفارمر چوری ہو گیا تو اسے ڈھونڈے کون اور کیسے؟ کیونکہ ان کے جسم کا ڈھیل ڈھال، چہرے کا رنگ، صحت ناساز کا حال ایک جیسا ہوتا ہے پھر بھلا پہچان کیسے ہو؟ اب کیا کریں لوگ تو مانتے نہیں۔ اسی لئے تو مودی سرکار نے آدھار بیچ میدان اُتار دیا تھا کہ کسی بھی ناگرگ کو پہچاننے میں کوئی دِقت نہ ہو۔ مگر یہ پبلک ہے نا سب جانتی ہے، فٹافٹ عدالت عظمیٰ تک پہنچی، چیخ و پکار کی کہ آدھار سے اپنا کیا سروکار؟ یہ صرف پریوار کے نجی معاملات میں دخل اندازی کا کاروبار ہے، یہ جیبیں ٹٹولنے، رسوئی کھنگالنے، پس انداز پر ڈاکہ ڈالنے کا منجدھار ہے۔ ایک آدھار کی کیا بات انہی آہ و فریاد سے مودی کے ہرو کاسی پلان کا زعفرانی غبارہ بے کار رہوا۔ ہمارا تو خیال ہے کہ بھلے ہی مودی سرکار کا سب کا ساتھ سب کا وکاس نہ چل پایا کیونکہ اس کے پاس میڈ اِن انڈیا بلیٹ ٹرین نہیں تھی اور نہ ہی مفرور بنک قرضہ دار لاکھوں کروڑوں کا چونا لگا کر واپس لوٹے مگر بجلی ٹرانسفارمر کا بھی آدھار لازماً ہونا چاہئے جبھی تو کوئی اسے اغواء کرنے کی کوشش کرے تو پہچان کرنے اور بازیافت کرنے میں رنگروٹوں کو دقت

پیش نہ آئے۔ نہیں تو محلے محلے، گاؤں گاؤں، بستی بستی سرقہ ٹرانسفارمر کی لت پڑ جائے گی اور ایسے میں لوگوں کو سردیوں کے دوران بے کاری میں جنگی کام دام مل جائے گا، بیلچے اور کلہاڑیاں ہوا میں لہرائیں گی، کانگڑیاں ہوا میں اُچھل جائیں گی۔

ہوں بھلے بے کار لیکن کار ہونا چاہیے　　سردیوں میں بھی کوئی سرکار ہونا چاہیے
آدمی کا ہو نہ ہو پر مشینوں کا ہو ضرور　　ٹرانسفارمر کا مگر آدھار ہونا چاہیے

یہ ہوئی نا بات! اپنے ملک کشمیر کے سیاسی جنگل میں منگل منانے والے لوگ بڑے دنگل کے لئے تہہ بند باندھے ہیں۔ ادھر ادھر کے داؤ پیچ بھی پریکٹس کر کے میدان میں اُترنے جا رہے ہیں کہ اصل لڑائی کے لئے اب زیادہ وقت نہیں بچا کیونکہ دلی دربار کا الیکشن بگل بجے گا تو اکھاڑہ سجے گا اور اس کے لئے ایک دوسرے کو چاروں شانے پچھاڑنے کی کوشش تو پہلے سے ہی کرنی ہے اور اس سب کے بیچ پہلے دشنام طرازی والا داؤ کھیلنا ہے، جس کی شروعات ہوگئی ہے۔ بھائی بھتیجا واد اور خاندانی راج کو فروغ دینے والے دوسروں کو الزام دینے لگے ہیں، بم بارود کے نام پر بھی لعن طعن کا سرمائی میچ سیاست کے پچ پر شروع ہوگیا ہے۔ المختصر آگے والا بندر پیچھے والے بندر کے طنز کے تیروں سے لہولہان لگتا ہے اور وہ پھر بھر کر خوں خوں کرتا ہے۔ خیر وہ تو ان کے بیچ ہوگا لیکن اپنے سیدھے سادھے عوام کو بھی ٹرخانے کا عمل شروع ہوگیا ہے۔ ہمیں کیا ہم تو خوشی میں شور شرابے میں مصروف ہیں کہ اب تو اپنے ملک کشمیر کے تشخص، ادھر کے ۳۷۰ اور ۳۵۔ اے کو کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اس کی حفاظت کرنے چاروں اطراف دلیر اور جرأت مند سیاسی دارا سنگھ اپنا اپنا لشکر لئے میدان میں آنے لگے ہیں۔ لون ہرے سے ہندوارہ رجمنٹ کی پیدل فوج کوچ کر گئی ہے۔ قمرواری سے انصاری بریگیڈ نے مورچہ سنبھالا ہے۔ گپکار کی گلیوں اور پہاڑی چوٹیوں سے نیشنلی سورما ترانہ گاتے ہوئے للکار اٹھے ہیں اور جب بیروہ سے آئے ہریسہ زعفرانی اور نون چائے پلٹن کے کمپنی کمانڈر ٹویٹر ٹائیگر دستر خوان بچھائے اور پلٹن کو شکم سیر کرائے، تو پوری فوج میں جوش کیوں نہ بھر جائے کہ ہوش سنبھالنا دشوار ہو جائے۔ سنا ہے وہ اپنا چہیتا نعرۂ مستانہ لگا کر اپنی جرأت رندانہ کا مظاہرہ کر بیٹھے گا۔

جس کشمیر کو خون سے سینچا وہ کشمیر ہمارا ہے　　جس کشمیر کا خون بھی چوسا وہ کشمیر ہمارا ہے

اور بیج بہاڑہ سے لے کر پہلگام تک طول وعرض سے اہل قلم دان مشن پر رواں دواں ہیں۔ ایک طرف سلر سے میران شکست وریخت تو دوسری طرف دیوسر سے پیران کچن کیبنٹ گنڈے تعویذ کے ساتھ کھڑے ہیں، مطلب سب یار لوگ اپنے اپنے سپہ سالار کی قیادت میں چل نکلے ہیں، کہتے ہیں ہم ویر بہادر دلی دربار اور بھاجپا سرکار پر چڑھائی کرنے والے ہیں کہ وہی ایک ریاست کے مفادات کو زک پہنچانے کے لئے مصروف ہے، ہم بناسپتی پہلوان ہیں، منقسم دیگ دان ہیں، سیاست میں کنگال مگر سنہرے سپنوں میں دھنوان ہیں، مگر قسم اپنی روٹھی کرسی کی ہم ہر زعفرانی حملے کا خاطر خواہ جواب دیں گے۔ ترشول برداروں کو بھی منہ توڑ اور ناک پھوڑ جنگ میں ہرادیں گے

کنول سے ڈرنے والے امت شاہ نہیں ہم
گٹھ جوڑ میں کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات ہے نہ ہی کوئی افواہ اُڑائی گئی ہے بلکہ خود پارٹی قیادت نے ببانگ دہل اعلان کر دیا ہے کہ کچھ بھی ہو ریاست کی خصوصی پوزیشن کے دفاع کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ کر ہم نکل پڑے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف چڑھائی ناگزیر ہے۔ اتنا ہی نہیں ہماری سبھی لڑکھڑاتی تھرتھراتی فوجیں کیل کانٹے سے لیس ہیں کہ ناکام لوٹنے کا سوال نہیں۔ جبھی تو ۳۷۰ کی ٹوٹی پھوٹی

ہڈیاں اور ۳۵۔ اے کالرزتا کانپتا شریر رہ رہ کے فریاد کر رہا ہے کہ بھائی لوگو! اب میری شکل دکھانے لائق نہیں کہ ہم میں روح ہی باقی ہے، ہمارا جسم تو جسم ہڈیوں کا بھی آپ لوگ بھوسہ بنا چکے ہو۔ اپنے سیاسی غوطہ خور کب ان کی سننے یا ماننے والے کہ انہیں ایسی ہی ڈبکیوں، تیرا کیوں، رنگ بدلیوں اور جفاؤں سے سیپ حاصل ہونے کی اُمید ہوتی ہے۔ غرض اپنے ملکِ کشمیر میں دفاع پُرشوں کی فوج میدان میں آگئی ہے اور ادھر بھارت ورش میں وکاس پُرش نام کا لڑکا سب کا ساتھ کا جھنڈا اُٹھائے گلی گلی گھوماتا تھا، مندر مندر کو چومتا تھا۔ لڑکا اس لئے کہ اس نے اپنے وقت میں دھیان دیا ہوتا تو وکاس آج کل گھوڑی چڑھ رہا ہوتا اور یہ شخص بھی لڑکا ہی نہیں رہتا بالغ ہو اہوتا۔ ایسے میں سب کا وکاس تو ہو نہ سکا تو سوالات کا جواب دینے سے ہی گھبرایا۔ اس کے بدلے مندر کا پجاری بننے کا ڈھونگ رچایا اور اب مندر کا گھنٹا ہی بجا رہا ہے، اس اُمید کے ساتھ کہ ووٹر

گھنٹے کی آواز سن کر بھجن گائیں گے اور وکاس کی آرتی نہیں اُتاریں گے نہ ہی پندرہ پندرہ لاکھ کی پاس بُک مانگیں گے۔

خیر دفاع پُرش اور وکاس پُرش تو الگ بھارت ورش کے بڑے پردیش میں تو دنگا پُرش موجود ہے جس کے منہ دنگے کی آگ اُگلتی ہے اور ہر بات سے دنگا کروانے کی ہوا نکلتی ہے، جس کے ہر بھاشن سے فسادیوں کے راشن کا انتظام ہوتا ہے، جس کے ہر شبد سے دنگا پرشنسک حوصلہ افزائی پا کر لاچاروں کو روند ڈالتے ہیں کہ انہیں کسی بھی سزا کا کوئی ڈر نہیں کہ دنگا پُرش ان کی حفاظت کے لئے الرٹ ہے۔ یوں اس کی دنگا سینا روز کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈھ کر اقلیتوں کو زیر تو کرتی ہے مگر تازہ بہ تازہ صاحبانِ اختیار یعنی وردی پوشوں پر بھی ٹوٹ پڑی کہ بلند شہر کی بلندی اتنی پستی میں چلی گئی کہ کوئی نام لیوا نہیں۔ دنگا پُرش کہنے کو تو بجرنگ بلی کا بھکت ہے کہ وہ اسی کے نام سے مخالفین اور اقلیتوں کو ڈراتا دباتا ہے۔ اس بیچ بجرنگ بلی کی ذات برادری کی نشاندہی کرنے نہ جانے کتنے لوگ اپنی ذہانت دکھانے لگے، اپنی عقل لڑانے لگے۔ کسی نے دلت تو کسی نے مسلمان جتایا۔ ہنومان کو رمضان، رحمان اور نہ جانے کتنوں سے ملایا۔ ہو نہ ہو چیتن شرما میانداد کے لاسٹ بال چھکے کو یاد کر کے بجرنگ بلی کو لیگ اسپنر جتائے۔ کون جانے چدمبرم اور جیٹلی بجرنگ بلی کو جی ایس ٹی حلیف یا مخالف جتائے؟ کیا پتہ خود مودی بجرنگ بلی کو چائے سروس کمپنی کا ممبر بنوا لے؟ بجرنگ بلی سے جی نہ بھرا تو نوئیڈا پارک کا رُخ کیا۔ ہفتے میں ایک دن مسلم اقلیت کی نماز ادائیگی کھٹکی، کمپنی والوں کو چیتاؤنی دے ڈالی کہ دنگا پُرش کے راج میں سب کچھ ہوگا پر رام راجیہ نہیں ہوگا۔

Published 31/12/2018

* *

ہم سے بھول ہوگئی ہم کا معافی دے دو

چلو جی اہل کشمیر ڈھول نگارے بجاؤ، تمبک ناری کی تھاپ پر ناچو، دھمال ڈال دو، روف ونہ وُن بھی گاؤ کہ اپنے ملک کشمیر میں ہماری مانگ کے بغیر ہی لوگ عالی شان کرسی چھوڑ کر ہمارے بچاؤ میں میدان میں آدھمکے ہیں، اور خون کے ایک ایک قطرے کا حساب مانگنے کاغذ قلم ہی نہیں بڑے بہی کھاتے ہاتھ میں لئے گلی گلی گھومنے نکلے ہیں، یعنی ظالمو! جواب دو خون کا حساب دو۔ چونکہ اپنے ملک کشمیر کی سیاست بھی عجب راج نیتی کے کفن میں لپٹی ہے، اس لئے ان کے ساتھ ہی مل کر خون کا حساب مانگنے کا پروگرام ہے جو سالہا سال سے یہی مشق جاری رکھے ہیں۔ اس لئے اب کوئی خون خرابہ نہیں ہوگا کہ فیصلہ کرنے والے نے یہی فیصلہ کرنے کے لئے ڈیلی ویجری کو لات ماری، قیمتی کرسی کی ٹانگیں توڑ دیں کہ بس ایک ہی مشن ہے خون خرابہ روکنا ہے اور نہ رُکا تو اس کے خلاف کاغذی احتجاج کرنا ہے

میرے ہاتھوں میں اب جذبۂ آزادی کا جھنڈا ہے
سیاست میرا کوچہ ہے الیکشن میرا ڈنڈا ہے
چلو مانا کہ کرسی تھی بڑی ہی رعب دار اپنی
مگر اب عالی شان صوفے پر بیٹھ کر دکھاؤں گا
میں اب لیڈر بنوں گا قوم کو رستہ دکھاؤں گا
بہت دن بن گیا الو اب اوروں کو بناؤں گا

یہ اور بات ہے کہ کسی کو سرکاری زمین سے مٹی اٹھانے پر روکیں گے نہیں کیونکہ وہ ووٹر

نکلا تو بھلا کہاں کامیاب بنائے گا لیکن اہل کشمیر کی خاطر براہ راست وردی پوشوں سے پنگا لیں گے، ان کا گریبان پکڑ کر کہیں گے یہ تو اپنا بھائی ہے، اسکے ساتھ کیسی لڑائی ہے۔ معاملہ سیاسی ہے ترپن ہو یا ستاسی ہے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھیں گے کہ یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔ مُکا لہرا کر سوال کریں گے کہ کتنے چھرے مار کر پیلیٹ زخم جسموں میں لگوائے تھے؟ مطلب صاف اب کسی کو گھر سے کھینچ کر نہیں ماریں گے اور کسی کو کراس فائرنگ زمرے میں نہیں لائیں گے بلکہ کسی گروپ کو بھی انکاؤنٹر سائٹ کے دیو کے منہ میں بھی نہیں پھینکا جائے گا اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ ''یُس مودسُہ مودسر کاری''۔ پھر دیکھتے ہیں یہ وردی پوش کھینچا تانی میں کپڑے پھاڑ دیں یا بال نوچیں کیونکہ آخر تو احتجاج ان کے ہی خلاف ہوتا ہے اور وہ مزے سے کافی پیتے رہتے ہیں اور ان کے در یندر پیچ میدان پکڑتے ہیں، جکڑتے ہیں، رگڑتے ہیں، اور اکثر اوقات چھوٹے سے قفس میں دھکیلتے ہیں۔ پھر شام گئے اس حالت میں چھوڑ دیتے ہیں کہ گھر جاؤ تو پہچاننے سے انکار ہوتا ہے۔ دروازے پر ہی یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا جاتا ہے کہ مالک مکان گھر میں نہیں۔ کچھ تو اس قسم کے احتجاج اپنا انجنیئر بھی کرتا رہتا ہے جبھی تو اپنے ساتھ ہاتھ سے ہاتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلنے کی فرمائش کی کہ بھائی میرے خوب گزرے گی جو مل کے پٹے دیوانے دو۔ نہیں تو سول سروس چھوڑنے کی کیا تک؟ اِدھر سے خون خرابہ روکنے کے لئے نوکری گئی اُدھر خون خرابے کا پچھلا حساب چکتا کرنے کے لئے معافی کا بھاری وزن پلڑے میں ڈال دیا۔ اب سوچتے ہیں کہ پلڑا کس جانب بھاری ہے ہل یا قلم دان؟

یعنی اس فلم میں کہانی ہے، ڈرامہ ہے، ایموشن ہے، ایکشن ہے۔ مطلب یہ کہانی مار کٹائی سے بھرپور ہے اور اس ایکشن میں یقین آئے نہ آئے ڈیڑھ سو سے زیادہ جانیں گئیں، پھر نہ جانے کتنی آنکھیں چلی گئیں۔ اسی لئے ٹافی سے لے کر معافی تک ایک لمبی کہانی ہے جو کوئی دو سال پر محیط ہے اور برسوں بعد اختتام یوں ہوا کہ یہ اہل قلم دان آج کل بکھرے جیسے لگتے ہیں۔ مطلب اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی اِدھر گرا کوئی اُدھر گرا۔ کہاں مرد مومن کا خواب اور کہاں بانوئے کشمیر کی تعبیر؟؟؟ کہاں قطبین کا ملاپ، کہاں دل جگر کے ٹوٹے ٹوٹے اور ناگپوری ڈرامہ بازوں کے طعنے کہ اس وقت کہاں تھی وہ محبت جو آج کل دکھا رہے ہو؟ اور حد تو یہ ہے کہ جو

کل تک مشن موڑ میں جتلاتے تھے کہ ان کی پارٹی سیاست نہیں ایک تحریک ہے، وہی آج ایک دن بیان بازی میں مفتیوں کے خلاف ہی فتویٰ صادر کرتے ہیں اور دوسرے دن کہیں اور پناہ لیتے ہیں۔ کچھ ہل والوں کی چھتری کے نیچے کچھ پیپلز کے بغیر دندان شیر کی کھال کے اندر اور اس پریشانی میں بانوئے کشمیر نے پینترا بدلا۔ عشرہ پہلے جیسی دوڑ دھوپ شروع کی، جنہیں رُلایا اُن کے آنسو پونچھنے پہنچی، جنہیں کل تک دودھ ٹافی کے خریدار کہہ کر بدن میں اتنے چھید کروائے کہ وہ بے چارے کنفیوژ ہیں کہ ٹافی کہاں سے لیں اور دودھ کہاں سے پی لیں۔ جاں بحق افراد کے گھر جاکر تعزیت کی شاید یہ جان کر کہ مارا بھی ہم نے، دُکھ بھی مابدولت نے پہنچائے، اب زخم بھی ہم سہلائیں تو ہوسکتا ہے پھر سے کچھ کچھ سانس لے پائیں۔ جیسے مردہ جسم نہیں کوئی سیاسی پارٹی ہوئی جو لمحہ بہ لمحہ سانس لیتی اور کھوتی ہے، یعنی جس کی ایک دن موت ہوتی ہے تو دوسرے دن اقتدار کے وینٹی لیٹر پر پھر دل دھک دھک کرتا ہے۔ اپنے سیاست دان بھی نہ جانے کس مٹی کے مادھو ہیں کہ چہرہ جب چاہا بدل دیا، زبان بدلی، سخن بدلا اور اس تھوبڑے میں آنکھیں خودکار یعنی کمپیوٹر لگی آٹو میٹک ہوتی ہیں کہ اشارہ کیا تو آنسو بہے، وآرڈر دیا تو چلہ کلانی ٹھنڈی آہیں بھریں۔ جبھی تو بانوئے کشمیر ملی ٹنٹ کی مظلوم بہن سے ہمدردی جتانے مداخلت بے جا کے ساتھ اس کے گھر اندر آ دھمکی اور ستیہ پال کو دھمکی دے ڈالی کہ ہم یہ بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے کیونکہ بھاجپا منڈلی نے ہماری اس قدر کی بے عزتی خراب کر ڈالی ہے کہ ہم اور لینے کی پوزیشن میں نہیں، ناگپوری سیاست نے ہمارے گھڑے اپنے قطبینی مہربانیوں سے اس قدر بھر ڈالے کہ اور پرسو تو کناروں سے چھلک جائے گی۔ فقط راج بھون مکین کو ہی یہ بے ضرر دھمکی نہیں دی بلکہ اپنے کل تک کے ساتھیوں کے بارے میں نیا فتویٰ جاری کر دیا کہ وہ تو کچرا تھا، صاف ہوگیا۔ ارے واہ! یہ قطبینی سیاست دان بھی کس قسم کی سونگھنے کی اعلیٰ قوت رکھتے ہیں کہ جب اپنے شاگردوں کو پاس بٹھایا، کھلایا پلایا، پڑھایا لکھایا تب تو یہ کرم فرما بڑے خوشبودار تھے، اُن کے ساتھ اقتداری واز وان چٹ کرنے میں بڑا اسواد تھا، اب جو یہ قطبینی یونیورسٹی سے ڈگری لے کر نکلے تو انہیں بدبودار کہہ کر دُھتکارا، طعنہ دیا انہوں نے اندر کا پورا ماحول گندہ کر دیا تھا۔ لوگ پوچھتے ہیں کیا کل تک کے شب شالیمار ساتھی آج میونسپلٹی کی ڈرین ہیں۔ اب مسئلہ اہل کشمیر کا ہے کہ اپنے سرینگر والے کچرے کی صفائی سے ابھی

جھوج ہی رہے تھے کیونکہ فارین میئر اور نیرو مودی جیسے ڈپٹی میئر کے بیچ چھینا جھپٹی میں گلی گلی کوچہ کوچہ عفونت و کچرا ابھر گیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اہل کشمیر کہاں کہاں کا کچرا صاف کریں، گلی کوچوں کا یا بازارِ سیاست کا؟؟؟

اور تو اور بانوئے کشمیر نے اپیل کر ڈالی کہ چلو بیٹا لوگو! معاف کر دو اور ہماری منڈلی میں شامل ہو جاؤ۔ پھر ہم ماضی کی طرح ساتھ مل کر گائیں گے، بجائیں گے، دھوم مچائیں گے اور گنگنائیں گے ’’ییلہ آؤ مفتی تیلہ ژ جی سختی‘‘ اسی نغمے پر تھرک تھرک ناچیں گے اور ہل والوں کو چیتاؤنی دیں گے کہ چلو سیاسی تیر آزما کر دیکھیں کون کتنے قطبینی پانی میں ہے۔ مگر وہ نوجوان ہیں کہاں جن کو توپ کی رسد بنائیں؟

وہ تو قبروں میں ہیں یا ہسپتالوں میں سلب شدہ بینائی کا علاج کروا رہے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ انشاء اور ہبہ جیسی بینائی کھوئی چھوٹی کلیاں پھبتی کسیں: مس دو قطبی! ہم سے معافی کیا مانگنی ہم تو ووٹر بھی نہیں۔ بھلا معافی مانگ کر اپنا وقت کیوں ضائع کرنا؟

ہل والا قائد ثانی اپنے قد سے تو ایک میٹر لمبا ہی نکلا۔ اس نے نیا سیاسی تیر مار ڈالا کہ میں ہل کے ساتھ رام مندر کی اینٹ لے کر فیض آباد جاؤں گا تا کہ سند رہے کہ ہل والے بھی رام بھکت ہیں اور وہ بابر کی مسجد کو مسماری کو اہمیت دیتے ہیں۔ جبھی تو ترشول بردار ہل والا جھنڈا اُٹھائے نئی فوج میں شامل ہوں گے اور نوائے صبح سے گپکار تک مارچ کریں گے۔

آج دلی سے الیکشن کی خبر آئی ہے
قطبیانِ سیاست میں صف آرائی ہے
ممبری فلم ہے اور قوم تماشائی ہے
فلم اچھا ہے اداکار ہیں اونچے لیڈر

ہم تو سوچ رہے تھے کہ مسئلہ کشمیر کبھی مسافر بسوں کے شیشوں کے اندر بند تھا جبھی تو وردی پوش فورس اہل کار یہ شیشے چڑھانے نہیں دیتے تھے۔ پھر لگا کہ مسئلہ کشمیر کا حل پھرن کے اندر بند ہے کہ افسران نے اس پہناوے پر پابندی لگا رکھی ہے، مگر اب تو وزیر داخلہ نے نیا انکشاف کر دیا کہ بھائی لوگو! یہ تو حریت کے دروازے کے دوسری طرف بند تھا۔ ہم بات چیت کے لئے

تیار تھے پر حریت نے دروازہ بند کردیا۔ یہ کہہ کر وزیر داخلہ نے ایک اہم راز سے پردہ ہٹایا۔ اپنے ملک کشمیر میں تو دروازے کھڑکیاں وردی پوشوں کی ایک لات سے کھلتے ہیں، اور ساتھ میں ٹی وی، فرج اور نہ جانے کیا کیا دھڑام سے گر کر ٹوٹ جاتے ہیں مگر لگتا ہے حریت کا دروازہ بڑا مضبوط ہے کہ پوری فوج اسے گرا نہیں سکتی۔ ہو کیوں نہیں آخر مسئلہ کشمیر کا حل جو اس کمین گاہ کے اندر چھپا بیٹھا ہے۔ جو دروازہ ایک لو لیٹر سے کھل سکتا تھا کہ آجاؤ بات چیت میں گھل مل جائیں، کیا پتہ وزیر داخلہ نے پتہ کروایا ہو کہ یہ دروازہ مملکت خداداد سے بن کر آیا ہے اور اس میں حافظ مارکہ لکڑی اور مسعود مارکہ کیل لگے ہیں کہ بھارت کے سیاسی بلوان اور حکومتی پہلوان بھی اسے کھول نہیں پائے اور بقول وزیر داخلہ حریت کا دروازہ کھلتا تو سونے کی چڑیا کب کی باہر آئی ہوتی اور چوں چوں کر کے اپنے سنہری پر پھیلائے اہل برِصغیر کو امن کا پیغام اور ترقی کا انعام دے گئی ہوتی۔ جھوٹ سراسر جھوٹ، بالکل بہتان، سو فی صد بکواس، سر نہ پیر، صرف سیاسی ہیر پھیر۔ کیا حریت ع کو دوبار دروازے تڑوا کر دربار نہ بلایا؟ اپنا درشن دیا، اُن کا دیدار کیا، حاصل صفر! قسم اپنے چلہ کلاں کی دربار نے ع اور گ کی تقسیم بھی کرائی مگر پھر ع کو خالی ہاتھ لوٹایا، گ کو گولی گالی سے دبایا مگر گ ہے کہ شاہ فیصل اسی کی پناہوں میں آتا مگر بائیکاٹ کی بوٹی اس کی تکلیف کم کرنے سے قاصر ہے۔ دل جلے کہتے ہیں کہ حریتی دروازہ بند نہیں، دربار کی عقل پر تالا لگا ہے۔ ارے بھئی! جب کھڑکی سے گھس کر جبہ و دستار والے افغان طالبان سے امن بات چیت کرنا حلال ہے، کشمیر میں یہ حرام کیوں؟ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کشمیر کا خون ووٹ پرچی کی حنابندی ہے۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو ہم زعفرانیوں کو حریت دروازہ کھولنے سے زیادہ شہریت بل، سہ طلاق، بابری مسجد کی فکر کھا رہی ہے، ہمیں ووٹ کے لئے اَپرواسی ہندوؤں کو دیش میں بسانے کا غم مار رہا ہے، ہمیں مسلم ہندوستانیوں کی شہریت چھین لینے کی فکر نیندیں اُڑا رہی ہے۔ ہم بھلا مملکت خداداد کے تیز رفتار گیند باز عمران خان کے ہاتھ کرتار پور پھاٹک کھل جانے پر خوش کیوں ہوں؟ یہ دروازہ پریوار توڑتا تو ہم ووٹ کا اُپھار پاتے۔ ہم بھی کہتے ہیں سب دروازے کھلنے چاہئیں مگر جنگ کے، فساد کے، موت کے تباہی کے، اس کے برعکس اگر امن کے، محبت کے، خوش حالی کے، بھائی چارے کے، نیک ہمسائیگی کے دروازے کھل گئے تو ووٹوں کا نان نفقہ ہمیں ملے گا تو کہاں سے ملے؟

Published 14/01/2019

اُلّو کی گھنی دُم

مانا کہ ابھی الیکشن کی گرما گرم ہوائیں دلی دربار کی انتخابی دھوئیں والی اخراج نلی سے نکل کر بانہال درے کو پار کرنے نہیں پہنچیں تاکہ بندوں کو تولنے سے گریز کر کے گنا جائے اور جمہوریت نام کی سون پری کے چہرے مہرے پر رنگین غازے کی لیپا پوتی ہو پر اپنے سیاسی مداری نئے جمورے لے کر میدان عمل میں اُتر کر نت نئے کرتب دکھانے میں مشغول لگتے ہیں۔ ڈگڈگی بجا کر اچھل کود میں جمورے کافی مست دکھ رہے ہیں۔ پہلا کرتب تو یہ کہ ہر مداری کے مدار میں نئے جمورے ناچ نغمہ کرنے پہنچے ہیں بلکہ ایک دوسرے سے سبقت لینے میں تگ و دو کرنے لگے ہیں۔ اپلم چپلم چاپلوسی کا کھیل بھی عروج پر ہے، زندہ باد مردہ باد کا شور شرابہ جاری ہے، کہیں ہریسہ زعفرانی کا دستر خوان بچھا ہے کہ ہر الیکشن کا راستہ بھرے پرے پیٹ سے ہی ہو کر گزرتا ہے اور سارے سیاسی مداری اور ان کے چیلے جموروں کی مالا پہنی تصاویر کے ساتھ ایڈیٹ بکس پر براجمان دکھتے ہیں کیونکہ اگر شام کی خبروں میں جمورے نہ دِکھیں تو وہ فوراً دوسرے مداری کے مدار میں پرویش کرتے ہیں اور پہلا مداری بے چارہ اپنی قسمت کو ہی روتا رہتا ہے۔ شام کی خبروں میں دکھ جانے کے سبب کاغذی پھولوں کی قیمتیں بڑھی ہیں مانا کہ الیکشن کے اختتام پر یہ گندی نالیوں میں دکھتی ہیں لیکن ان ہی پھولوں سے سیاسی جموروں کے لئے مالائیں تیار ہوتی ہیں اور کئی جمورے تو اس قدر چالاک کہ دو دو تین تین سیاسی مداریوں کے حلقے میں نظر آتے ہیں۔ ایک مدار میں گھوم کر ہریسہ کھایا، دوسرے میں ناچ کر رستہ گوشتابہ سے پیٹ بھرا تو کہیں کیک بسکٹ کی مٹھاس چکھ لی۔ ان کی سوچ خوب ہے کہ کیا پتہ کون مداری دلچسپ تماشہ دکھا کر لوگوں کا من موہ

لے اور وہ اسی مداری کے اوپر پھول پتیوں، مٹھائی، شیرینی کی بارش کر دیں تو کل کو اپنے حصے کا کیک کیلا کھانے میں آسانی پیدا ہو۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیں۔

کوٹ اور پتلون جب پہنی تو مسٹر بن گیا
جب کوئی تقریر کی جلسے میں لیڈر بن گیا

اور مداریوں کو بھی معلوم ہے کہ اپنے اہل کشمیر تو اللہ میاں کی گائے ہیں۔ سیدھے سادھے، ہر کسی مداری کا کھیل دیکھنے جاتے ہیں۔ کچھ کا کھیل پسند کرتے ہیں، دوسروں کا بھلے اچھا نہ بھی لگے پھر بھی یہ کہہ کر دیکھنے جاتے ہیں کہ اب بے کار گھر بیٹھنے سے کیا فائدہ چلو اسے بھی خوش کر دیں۔ اور پھر جموروں کے ناچ نغمے کی رنگینی میں پھنس کر ان کے ہی گیت گاتے ہیں۔ ہو نہ ہو اسی وجہ سے کہیں موسیقار تو کہیں گلوکار، کہیں قلم کار تو کہیں ساہوکار میدان سیاست میں آدھمکے، البتہ سیاسی مداری خود سب سے بڑے کلاکار ہیں اسلئے ان کے لئے کسی پارٹی میں کوئی پوسٹ خالی نہیں۔ اپنے اہل کشمیر کسے نہیں معلوم کبھی تو من شدی میں اَشدھ ہو گئے۔ پھر کوہستانی نمک چکھ کر سبز رومال کے دلگیر ہوئے۔ اندرونی خود مختاری اور ۳۷۰ کی زلف کے اسیر ہو گئے۔ گولی نہیں بولی کے فتویٰ میں بولی کہنے والے ہکلا گئے اور گولیاں چلتی رہیں۔ کچھ نہ بنا تو سیلف رول کے ساتھ سیلفی لیتے ہوئے لدرنالے میں اُچک کر گرے کیونکہ ناگپوری بھگوا رنگ آنکھوں پر گرا تو کچھ دکھائی نہ دیا اور بھگوا رنگ کے ساتھ پیلٹ کا بے شمار تھیلا گرتا ہی چلا گیا جبھی تو ہبہ اور انشاء بھی دہشت گردوں کی فہرست میں ننھی رنگروٹ بنا دی گئیں یہ اور بات یہ ننھی جانیں قطبین کے ملاپ کے سبب دہشت زدہ رہ گئیں۔

نئے الیکشن میں بھلے مداری پرانے بھی ہیں اور نئے بھی، مگر دونوں نئے کھیل تماشے کے ساتھ کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ نیشنل والے قائد ثانی اپنے مدار کے اندر کئی جموروں کو چمبک کی طرح کھینچنے میں باقی لوگوں پر سبقت لئے ہیں۔ اب کی بار وہ Truth and Reconciliation (ٹی آر سی) نامی نیا کھیل دکھانے والے ہیں۔ اس کھیل کی بابت قائد ثانی نے نیلسن منڈیلا کی زبانی سنا تو اس کے کان کھڑے ہو گئے کہ ہم بھی اپنے لوگوں کو نیا کھیل دکھا کر ان کی آنکھیں چندھیا دیں گے، پھر وہ ادھ کھلی آنکھوں سے ہل کا پھل قبول کر لیں گے۔ اگر چہ اپنے اہل کشمیر

اسے ٹرتھ (Truth) کے بدلے ''ترتھ'' (دل بہلانے والا سفید جھوٹ) کہتے ہیں کیونکہ اس قسم کے کئی ترتھ قائد ثانی کئی بار کہہ گئے ہیں۔ ان میں آٹونامی ریزولیشن، اسٹیٹ سبجیکٹ قانون جیسے منہ میں پانی لانے والے چاکلیٹ اب چونکہ باسی ہو گئے ہیں، اس لئے تازہ بہ تازہ، مٹھاس سے بھرپور، چاشنی سے لبریز ''ترتھ کمیشن'' نئے دلکش ریپر میں بندھا بازار میں اُتارا ہے۔ شاید اسی لئے سنگیت کی لے کے ساتھ وحید بھائی گاؤں گاؤں، قریہ قریہ گھومتے پھریں ؎

یہ دو دیوانے دل کے، لے کے پھل ہل کے
کمیشن والے ترتھ کے، آٹونامی پرتھ کے
انکوئری تماشے کے، سیاسی بتاشے کے
چلے ہیں چلے ہیں چلے ہیں گپکار

اور سنگیت کی مدھر لے پر تھرکتے اپنے مدار کے اندر جو نئے جمورے لے کر ہل والے بلیوں اُچھل رہے ہیں اور اس اُچھل کود میں ان کی نظر سنہ سولہ تک ہی جاتی ہے جس میں قلم کنول برادری نے نوجوانوں کو کافی پھول سنگھائے اور خود ہل والے نیشنلیوں کا سنہ دس کا ریکارڈ توڑا۔

اس بیچ پیپُل کے بغیر پیپلز کانفرنس کے سیاسی مداری بھی روز نئے جموروں کی ٹولیاں ایڈیٹ بکس پر دکھا کر اور CM shipAchievable کی ڈفلی بجا کر اہل کشمیر کی گردن پر سواری کا سامان پیدا تو کرتے ہیں۔ ساتھ میں ناگوری چڈی داروں کو باور کراتے ہیں کہ اگر کوئی ملک کشمیر میں ان کے لئے میدان جنگ سے جیت کر لائے گا تو وہ ہندوارہ بریگیڈ ہی ہے جس نے انصاری سلطنت جیسے کئی چھوٹے راجواڑے اپنے ساتھ الحاق کروائے ہیں اور ناگوری چڈی دار بھی خوش کہ بھلے ہی باقی ہندوستان ہاتھ سے نکلے پر ایک ودھان ایک پردھان اور ایک مشران کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا ؎

لیڈروں کی دھوم ہے اور فالوور کوئی نہیں
سب تو جنرل ہیں یہاں آخر سپاہی کون ہے

ابھی تو ہم سیاسی مداریوں کے نئے کھیل اور نئے جموروں کی اچھل کود میں ہی محو تھے کہ راج بھون مکین نے نیا اعلان جاری کر دیا کہ اپنے یہاں کوئی آل آوٹ آپریشن نہیں۔ ہم تو ان سے بالکل

متفق ہیں کیونکہ ہم نے آل آؤٹ فقط کرکٹ میں سنا ہے۔ فلاں ٹیم دو سو پر آل آؤٹ ہو گئی، فلاں ٹیم کو آخری کھلاڑی نے آل آؤٹ ہونے سے بچایا۔ خود سوچو جب آل آؤٹ گیند اور بلے بازی میں ہے تو بھلا سرنو پلوامہ میں سات کیسے مرے۔ حبہ اور انشاء جیسوں کی آنکھیں کیسے زخمی ہو گئیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ کوئی سرفراز یا وِراٹ گیند بلے سے بیگناہوں کو مار نہیں سکتا، اس لئے اس بات کی تحقیقات ضروری ہے کہ جب فوجی آل آؤٹ ہے ہی نہیں، جب کرکٹ آل آؤٹ سے مارے نہیں جاتے پھر بھلا یہ درجنوں لوگ کیسے زندگی سے ہی آل آؤٹ ہو کر ہزاروں لوگوں کو جنازہ پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اپنے اہل کشمیر کو سیاسی مداریوں کی بات اور کشمیری تحقیقات پر ایک جیسا بھروسہ ہے اور راج بھون مکین نے تو ملک کشمیر کے بچوں کی بچگانہ حرکتوں پر بھی ستیہ کہنے کی کوشش کی۔ یہ جو بچے ہیں انہیں کھلونے چاہیئں جو یہاں ملتے نہیں اس لئے بندوق اٹھاتے ہیں اور کھیل کھیل میں وردی پوشوں کو للکارتے ہیں۔ وہ جب ہتھیار ڈالنے کی بات کرتے ہیں تو یہ بچے انجانے میں اپنے کھلونوں سے آگ اگلتے ہیں۔ خیر یہ تو بچوں کے کھلونوں کی بات تھی پر بقول رائے بہادر گورنر صاحب مسلہ کشمیر تین سے تیس برس والوں کے لئے ہے۔ جبھی تو ہم سوچتے تھے کہ نوجوانوں پر ہی راست گولیاں کیوں چلتی ہیں اور نو عمر بچیوں پر پیلٹ کیوں چلتا ہے ۔ بھلا جب اعلیٰ منتظم نے نشاندہی کر دی ہے کہ اصل دشمن کون ہے پھر اس پر گل بوٹوں کی نہیں پیلٹ کی ہی بارش ہو گی مگر وہ جو کبھی وزیر داخلہ نے حریت کے دروازے پر سوال اٹھایا تھا کہ اگر وہ دروازہ بند نہیں کرتے تو ہمارے ساتھ وارتالابھ شروع ہوا ہوتا بلکہ نہ جانے ہم کتنی دور تک ہاتھ میں ہاتھ ملائے چلتے اور ملک کشمیر کا فیصلہ کر دیتے۔ لگتا ہے وائسرائے کشمیر ملک صاحب ستیہ پال نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا کہ وہ کھل جا سم سم کا ورد کرتے حریت کا دروازہ کھول کر ہی دم لیں گے۔ جبھی تو حیدر پورہ، نگین اور مائسمہ میں دروازوں پر ٹک ٹک کی آواز سے اہل حریت کے کان کھڑے ہو گئے، یہ سوچ کر کہ کال کوٹھڑی میں پرویش کرنے کا وقت آ گیا کیونکہ سالہا سال سے یہ عادت سی بن گئی ہے۔ پر دروازوں پر ستیہ پرش نے مخاطب کرتے ان سے کہا کہ وہ ظلم و جبر کی داستان انہیں براہ راست سنائیں۔ جانے یہ ناانصافی کی باتیں اپنے حاکموں کو سنانی کیوں پڑتی ہیں؟ اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ اَن پڑھ ہیں جبھی تو اخباروں میں چھپی داستان جبر کی انہیں خبر نہیں ہوتی۔

نہ ہی ریڈیو، ٹی وی پر نشریات کے لئے ان کے پاس وقت ہے۔ اپنے یہاں تو ہر گلی ہر کوچے، ہر شہر ہر قصبے، ہر کھیت ہر کھلیان میں ظلم و جبر کی داستانیں رقم ہیں البتہ دیکھنے کے لئے شفیق آنکھیں چاہیں، سننے کے لئے قوت سماعت ہو، پھر بھلا حریت کی زبانی سننے کی کوئی ضرورت کہاں؟

مانا کہ یوگی راج میں گئو ماتا خونِ مسلم سے کہیں زیادہ قیمتی ہے اور بے چاری گائے اس خبر سے بے خبر کہ اس کے نام پر کنول بردار سیاسی مداری جموروں کی نئے بیل بھینس میدان میں اُتار رہے ہیں، دودھ دئے جا رہی ہے۔ یوگی پردیش کے نوئڈا علاقے میں کسانوں نے پچاس گایوں کو اسکول میں بند کر دیا، اس لئے نہیں کہ یوگی راج میں گائیں بھی ناگپوری سبق حاصل کرنا چاہتی ہیں بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ یہ گائیں بے چارے غریب کسانوں کے کھیتوں میں بے خوف داخل ہو کر فصل چٹ کر جاتی ہیں۔ کسان تو پہلے ہی مودی راج میں پریشان ہیں، اب یوگی راج کی گایوں کو کہاں تک برداشت کرتے۔ اسکول میں اس لئے شاید بند کیا ہو کہ پڑھائی کے ڈر سے دودھ زیادہ دیں اور فصل کھانے نہ دوڑیں۔ یا ہو نہ ہو یوگی راج کے جموروں کی عقل پر پڑا پردہ ہٹانے کے لئے بے بس کسانوں نے نیا طریقہ ڈھونڈھ نکالا کیونکہ ان کے جادوئی کارناموں سے تو شیطان بھی پناہ مانگے۔

وہ سمجھتا تھا کہ یہ بھی اشرف المخلوق ہے
آدمی کو دیکھ کر شیطان آدھا رہ گیا

Published 21/01/2019

* *

سیاست کی لاری میں کیا کیا سواری

حالانکہ اپنے ملک کشمیر میں جب بھی بحث ہوتی ہے وہ نائی کی دوکان یا برلب نالہ مار کسی دوکان کے تھڑے پر چھڑتی ہے پر آج کل چونکہ چلہ کلان اپنی انگ کھیل کر پویلین پدھارے ہیں، اس لئے چلہ خورد اور چلہ بچہ اپنا اپنا کمال دکھانے کے لئے بے تاب و بے قرار ہیں۔ اس کڑکتی سردی میں بحث مباحثے کے لئے سب سے اچھی جگہ ہریسۂ زعفرانی کی دوکان ہے۔ البتہ آج کل بڑی دلچسپ بحث چھڑی ہے جس کے لئے ہریسہ کی دوکان نہیں بلکہ سیاسی پھیکا پکوان ضروری ہے۔ یہ ایجادات اور پیداوار کا مباحثہ ہے اور اس میں اہل سیاست سرگرم ہیں، یعنی تحقیق جاری ہے کہ فلاں چیز کو کس نے ایجاد کیا اور فلاں چیز کس کی پیداوار ہے۔ ہو نہ ہو ان ایجادات کے پس منظر میں کہیں اعلیٰ سائینسی انعام (ممکنہ طور عالمی نجل خواری کا نوبل پرائز) پانے کی کوشش ہو۔ اور پیداوار بھی یہ کہ زمین میں کیا بویا اور کیا پایا؟ چونکہ اہل سیاست اس غلاظت کے شکار دکھتے ہیں، اس لئے بوئیں گولیاں اور کاٹی گردنیں ہی دِکھتی ہیں۔ چلو جی یہ معاملہ صاف ہو گیا کہ اخوان اور ٹاسک فورس فاروق عبداللہ کی ایجادات ہیں اور یہ بیان اخوانِ دوران، پاسبان ہندوستان، قلم تراش شادی پور، آہ و فغان بنڈ پور المعروف ککہ پرے کے فرزندار جمند اور کانگریس پارٹی کے دستِ راست امتیاز پرے نے داغ کر نیشنل کے ہل والے جھنڈے کو سیدھا نشانہ بنایا اور اس کے پھل میں شگاف ڈالی دی۔ ادھر ہل بردار بھی مفتیان بیج بہاڑہ اور پیرانِ اجس کی زمینوں پر ہل جوت کر اعلان کر گئے کہ ککہ پرے جیسی پیداوار ہماری ہل جوت کا نتیجہ نہیں بلکہ مفتیان و پیران کے ایک تعویذ کا نتیجہ ہے، یعنی ''دیُس کر گونگل سُہ کر کراوٗ''۔ انہوں نے بھی گولیاں

بوئیں اور گردنیں کاٹیں۔ یہ اور بات ہے کہ اہل سیاست نے جو کچھ بوسیدہ بویا مگر اہل کشمیر کی چار سُو گردنیں ہی کٹتی جا رہی ہیں۔ جبھی تو اہل سیاست ایک دوسرے کے وقت میں کٹی گردنوں کا حساب جوڑتے ہیں اپنا بہی کھاتہ کسی کو دکھاتے نہیں۔

ہل والے ٹویٹر ٹائیگر کو اب یہ بھی دِکھنے لگا کہ راج بھون کے ذریعے ریاست کا نقشہ بدلنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ واہ رے الیکشن دور کا مایا جال سب کو بے حال کر دیتا ہے! سیٹوں کے مال کی فکر لگ جاتی ہے، اپنے لوگوں کے حال کی پریشانی کھاتی ہے۔ اپنے علاقوں کے زوال پر رونا آتا ہے۔ جبھی تو وہ نقشہ یاد آ گیا جو اپنے ہل والے نیشنلی برسہا برس سے بدلتے رہے ہیں اور اسی نقشے کے بدلاؤ میں من تو شدم، بائیس سال آوارہ گردی، سبز رومال اور لال نمک کا ملاپ، اور نہ جانے کیا کیا رنگ بھر ڈالے کہ سارے رنگ بس اپنے ہی گپکار کو راس آئیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اپنے دادا جان کی میراث پبلک سیفٹی ایکٹ کو اُکھاڑ پھینکنے کا اعلان کر دیا۔ ارے بھائی پی ایس اے پر تو آپ کے خاندان کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، بھلا یہ بات کہہ کر ناخلف ہونے کا اشارہ کیا دینا؟

گزری سیاست کاری میں تمام عمر
آدھی شباب میں کہیں آدھی عذاب میں

ہم بھی کیا عجب لوگ ہیں کہ اب کی بار مودی سرکار نے اچھے دنوں کا وعدہ کیا اور ہم انہیں بھارت ورش کے کونے کھدروں میں ڈھونڈتے پھرے کہ نہ جانے مودی شاہ اینڈ کمپنی نے یا بابا رام دیو نے کہیں چھپا کے رکھ دیا ہے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہمیں کہیں گئو ماتا کے پجاری ملے یا گئو متر پیتے بھکاری۔ لیکن پونے پانچ سال تک کہیں بھی اچھے دن نظر نہ آئے۔ اس پر ہم نے کبھی مودی سرکار پر طعنہ کسا کبھی کنول برادری پہ طنز کیا کہ ایک طرف سرجیکل اسٹرایک کا شور ہے، دوسری طرف رام مندر کا زور ہے، یعنی کہیں چھکا تو کہیں فور ہے مگر اچھے دن سبھی جگہوں پر آوٹ آف ڈور ہیں۔ بھائی یہ اچھے دن کس جگہ جا چھپے ہیں کہ کسی کو نظر نہیں آ رہے ہم اسی اس گورکھ دھندے کو سمجھنے کی کوشش میں تھے کہ اب اپنے راج بھون مکین نے ستیہ پال کر جیتیہ بات بازار میں کہہ ڈالی، یہ مسئلہ حل کر دیا کہ اچھے دن تو ملک کشمیر میں چوری چھپے کہیں اور کہیں دن دھاڑے گھس آئے ہیں۔ یقین نہ آئے تو فٹ بال جیت دیکھو اور یوم جمہور کی جھانکی دیکھو۔ مطلب صاف ہے فٹ

بال جیت اور جھانکی انعام کی چٹنی بنا کر اچھے دن میں بدل ڈالی، یعنی اچھے دن دوسرے روپ دھارن کر کے گھس آئے تا کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے کیونکہ اچھے دن چوری ہونے کا بھی تو خطرہ رہتا ہے۔ اپنے یہاں تو بینائی چور، موئے چور، سینہ زور ہو کر گھوم رہے ہیں پھر بھلا اچھے دن چور کسی سے کیا ڈریں؟؟؟

کسی زمانے میں سات سمندر پار سے لوگ آ کر وائسرائے ہند کہلاتے تھے مگر اپنے ستیہ مے وجیتے سات پہاڑ پار کر کے جو وائسرائے کشمیر بن کر وارد ہوئے، کچھ تو گوروں کی ہی مانند سرکار چلاتے ہیں اور وہ جو بندوں کو گن کر اور قطبین کے ملاپ کے بعد جو سرکار بنی تھی، اس کے لئے ہوئے فیصلے بیک جنبش قلم رد کرتے جاتے ہیں تو بانوئے کشمیر تڑپ اٹھتی ہیں کہ ہماری کرسی کیا گئی ہمارے فیصلوں کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں، یعنی ہمارے قلم کو تو بس ناڑا ڈالنے کے کام ہی لایا جاتا ہے اور تو اور ہماری دوات میں روشنائی نہیں رہی کیونکہ ہمارے وقت میں ہی آنکھوں میں بینائی نہ رہی۔ اب انہیں کون سمجھائے کہ جب سیاسی منڈلی میں اہل قلمدان کی کوئی کنڈلی ہی نہ رہی، اب جب کہ کوئی ہمارے ستاروں کی گردش پر دھیان بھی نہیں دیتا تو بھلا راہو کیتو کو پوچھے تو پوچھے کون؟ اسی لئے تو ان کے ممبران قانون سازیہ کو بھی جمہوری تماشے کا لطف لینے پہلی صف میں جگہ نہیں ملتی بلکہ بقول اہل کشمیر انہیں انتیس کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ایک سو انتیس کے درمیان میں بھی خود کو ایڈجسٹ نہیں کر پائے۔ منہ چھپائے، گردن جھکائے، ہولے سے، دھیرے سے گھر کی راہ لی کہ کوئی پہچان نہ پائے۔ خود کلامی میں اس بات کا رونا رویا کہ اہل کشمیر کیا خوب کہتے ہیں کہ دم ہے تو نمسکار ہے اور یہ دم آج کل خود ستیہ ملک کے پاس ہے، خم ان کے مشیران خاص کو راس ہے، اور وردی پوشوں کے پاس دم، خم، بم سب کچھ ہے، بلکہ وہ تو ہر کسی کی کمر خم کر دیتے ہیں اور بم کو نیلا پیلا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اب تو سنا ہے کہ ان کے پاس کیمیائی بم بھی ہے جبھی تو وہ لاشوں کو بلا امتیاز کچھ اس طرح جلا دیتے ہیں کہ پہچان تک مشکل ہوتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ یہ سب کچھ ڈسپلن والے ضابط اخلاق کی پابندی کرنے والے فوجی کرتے ہیں۔ اب بھلا یہ کون پوچھے کہ یہ کس قانون میں درج ہے کیونکہ ان کے گرد افسپا کا حصار ہے، طاقت کا خمار ہے، مودی و ملک کی سرکار ہے، صحافت کا مچھلی بازار ہے۔ پھر بھلا اس

شور شرابے میں کون طوطی کی آواز سنے گا؟ اس پر حد یہ کہ ستیہ ملک کو پھر بھی ملک کشمیر جہانگیر کے زمانے کی جنت بن جانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ کیا پتہ اس نے ملک کشمیر کو جہانگیری سے والی جنت میں تبدیل کرنے کا ٹینڈر بھی نکلوایا ہو۔ جہانگیر جو خاندان مغل سے تعلق رکھتا تھا اور جس کے خاندان سے کنول برداروں کا خدا واسطے کا بیر ہے، کیونکہ انہوں نے تعمیر و ترقی کی جب کہ انہیں گئوشالے بنانے تھے، تاج محل بنایا جسے دیکھنے اہل دنیا سفر کرتے ہیں اور بھارت ورش کی عزت بڑھتی ہے لیکن کنول والوں کو تو من بھاتا فقط گئو مُتر سوجھتا ہے کیونکہ اسی کے سبب ان کے کینسر کا علاج ہوتا ہے۔ اور ستیہ ملک کی اس جنت میں ایک خاتون کو ذلیل کر کے ہسپتال سے باہر کیا جاتا ہے کہ وہ بیچ سڑک بچہ جنے مگر وہ بچہ ٹھٹھرتی سردی کا کہاں مقابلہ کر پاتا کہ دنیا کی روشنی دیکھنے سے پہلے ہی آنکھیں موندھ لیں۔ نوزائد بچہ ہی کیوں؟ اس جنت میں تین سو کلومیٹر سڑک پر ہزاروں بوڑھے بچے، مرد خواتین، لڑکے لڑکیاں سات روز تک بے یار و مددگار کھلے آسمان تلے بھوکے پیاسے سردی سے تڑپتے رہیں اور ستیہ ملک کی انتظامیہ بس پریس نوٹوں کی جگالی کرتی رہی۔ یہ بھی اسی جنت کا ایک حصہ ہے کہ سینکڑوں درماندہ مسافر جامبولوچن کے بس اسٹینڈ پر بھکاریوں کی طرح پڑے رہیں اور کوئی انہیں دیکھنے نہ آئے بلکہ چھوٹے ملازم دلاسہ دے کر چلے جائیں۔ اسی جنت میں وائسرائے ستیہ بات یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ اپنے یہاں بڑے دفتر میں فائل ہلنے میں چار مہینے لگتے ہیں۔ ہم نے سنا تھا کہ Put up at Jammu ,Put up at Srinagar میں چھ چھ مہینے ہیں اور اسی جنت کی بلدیہ میں یہ نعرہ حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے کہ جس میونسپلٹی کو خون سے سینچا وہ بلدیہ ہمارا ہے۔ ''تم مجھے خون دو میں تمہیں میئر کی کرسی دوں گا'' کی چھینا جھپٹی میں فارن پڑھا میئر اور نیرو مودی کے شاگرد کے بیچ میں گھمسان ہوتا ہے کہ ہسپتال کا بھی رُخ کرنا پڑتا ہے جبھی تو ہم سوچے تھے کہ بلدیہ کے حاکمان کو ہسپتالوں کی فکر کیوں کھائے جاتی ہے۔

واہ بی میونسپلٹی جان کیا کہنا تیرا
اپنی خود داری کو کھو کر تجھ پہ جو شیدا ہوا
جس کا جی چاہے لڑ کے لے لے ممبری
آنکھ کیا، سر تیرا اور تو میری پر فدا ہوا

ہسپتال ہی کیوں گنتن ترِدِوَس بھی جبھی تو فارین میسٔر نے پہلی بار ترنگا ایسا لہرایا کہ کنول بردار مادھو کو رام رام کہنا پڑا کہ پہلی بار بلدیہ کے آنگن میں جھنڈا بھی لہرایا گیا اور ڈنڈا بھی۔ حالانکہ ماضی میں یہاں جھاڑو، پھاوڑے ہی چلے تھے اور اسی جنت میں بانوئے کشمیر کو وہ گوجر طبقہ یاد آتا ہے، اُن پر ہو رہے ظلم کے سبب کچوکے لگتے ہیں۔ ان کی بے دخلی پر تڑپ اٹھتی ہے جن کے مکان بلڈوز کرنے میں قلمدان و کنول سرکار آگے آگے تھی، جن کی طرف سے مکان گرانے کی کاروائی کے دوران ایک شخص کو گولی بھی ماردی گئی مگر قلم دان والوں کے اس وقت ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ کرسی کے باہر کا زمانہ اور ہے اور کرسی کے دورانیے میں حالات مختلف ہوتے ہیں۔

اور بانوئے کشمیر کا قلم دان ملک کشمیر کی تاریخ لکھنے میں ہی مشغول نہیں بلکہ اس قلم نے سرحد بھی پار کر ڈالی جبھی تو مملکت خداداد میں پہلی ہندو خاتون سمن کماری کے بحثیت جج تقرری پر اس نے سراہنا کی۔ ہو نہ ہو بانوئے کشمیر اب قلم دان کے لئے کمزور مستقبل دیکھتی ہے اس لئے کچھ ووٹ مملکت سے جوڑ کر گولی اور بولی کا تبادلہ کچھ ٹھیک ٹھاک کر پائے تا کہ مرد مومن کا خواب مکمل ہو

Published 04/02/2019

* * *

لُوٹ کی یاں چھُوٹ دیکھو

ہم نے تو سنا تھا سر منڈواتے ہی اولے پڑے مگر ڈوگر دیش میں سر منڈوانا تو دور کی بات سر دھونے کی جگہ نہیں تھی کیونکہ ہوٹل والا رات بھر میں ہی کرایہ دوگنا کر گیا تھا۔ اسے معلوم پڑا تھا کہ ملک کشمیر اور بھارت ورش کے درمیان اٹُوٹ انگوں کو جوڑنے والی سرنگ بند ہے۔ اٹُوٹ کا رشتہ جگہ جگہ ٹوٹ کر جو آ گرا تو چلنے پھرنے پر پابندی ایسی کہ باپ بسی کے اس پار بیٹا اس پار، شوہر چٹان کی آڑ میں بیوی دراز قد پیڑ کی چھاؤں میں۔ واویلا اس قدر کہ جان بچی لاکھوں پائے۔ پورا راستہ ہی جگہ جگہ اکھڑ گیا ہے پھر بے چارہ اَبھن اَنگ کا اتیا چار سہنے والا کشمیری جائے تو جائے کہاں؟ ادھر وردی پوش کہ رُکنے کی اجازت نہیں دیتے ادھر گرتے پتھر کہ ٹکنے کی اجازت نہیں۔ وہی ہوا کہ نہ بھاگنے کا راستہ نہ پاؤں ٹھہرانے کا۔ مطلب نہ جائے ماندن نہ جائے رفتن۔ اسی لئے تو پانی پانی ہوئی تھی پتیلے میں جو دال، وہ بھی کباب رِستہ کے بھاؤ بکنے لگی اور جب چائے ریچارج پچاس روپے تک پہنچا تو اہل کشمیر کو آٹے دال کا بھاؤ ہی نہ معلوم ہوا کہ وہ ان دوکانوں کی طرف قدم بھی نہ بڑھا سکے۔ بھاؤ کیا پوچھتے، دوکانداروں کی مونچھوں پر تاؤ ہی دور بھگانے کے لئے کافی تھا۔ ایسے میں جن کی جیبیں خالی ہوگئی تھیں وہ تو احتجاج کرنے پر مجبور ہو ہی گئے لیکن سر منڈواتے جو اولے گرتے ہیں ادھر تو سر اٹھاتے ہی پتھر گرنے لگے۔ دیش دروہ کا الزام پرانا ہے، لگ گیا تو چپک گیا۔ وردی پوش نے سنگ بازوں کی پشت پناہی پر آ کر بھوکے پیاسے درماندگان پر ہی پرچہ کاٹا۔ کہاں اپنے یہاں سنگ بازوں کو آتنکی مانتے ہیں پھر پیلٹ نام کی گن چلتی ہے، بینائی چھنتی ہے اور کہاں ادھر پولیس کی حفاظت ملتی ہے، یعنی ٹنل تو ایک ہی ہے۔ لیکن ایک سرے

پر ڈنڈے برستے ہیں اور دوسرے سرے روشنی ہی روشنی ہے۔ معاملہ جامبولوچن کی سرزمین کا ہی نہیں جہاں کبھی شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پانی پیتے تھے، اپنے ملک کشمیر کا بھی ایسا ہی ہے۔ ادھر چائے کا کپ ۵۰ کو چھو گیا، ادھر ساگ ۸۰ پار کر گیا۔ میٹ مرغ تو اس قدر گرم ہو گئے کہ نام لو تو زبان جلا دیں۔ جسے ۱۰۰ میں لیتے تھے، وہ ۷۰ ڈگری اوپر چڑھ بیٹھا اور جو ۴۲۵ میں بکتا تھا، اس کا درجہ حرارت ۵۵۰ چھو گیا۔ پھر مرغوں نے ککڑوں کوں کر کے مذاق اُڑایا، خوب طنز کیا کہ اب ہماری قدر جانو قیمت مانو، یعنی بھلے موسمی درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے آ کر کانگڑی کے کوئلے کو گرما گرم کرنے لگا، وہاں اشیائے خوردنی کا درجہ حرارت اس قدر بڑھ گیا کہ لینے والا تیز تیز بھاگ کر اپنے آپ کو گرم کرنے لگا۔ اور اپنے ڈل اور ولر کا اسٹین گن جیسا ندرو بھی کہاں خاموش بیٹھتا، اس کا درجہ حرارت بھی اتنا بڑھ گیا کہ ہاتھ لگاؤ تو جل جائے گا۔ اپنے اہل کشمیر دوکان کی تھڑوں پر تبصرہ کرتے رہے کہ بھائی یہ ساگ اور اس کا کمال! ٹنل کے اس پار ہوتے بھی ایسا چھپا بیٹھا جیسے پٹرول پمپ سے تیل، جیسے دوکان سے اشیائے ضروریہ، جیسے کمپاؤڈر سے ادویات، جیسے ہوائی جہاز سے ٹکٹ، جیسے سورج سے دھوپ، جیسے دل سے جذبات، جیسے عقل سے احساسات اور پھر اگر کچھ وافر ہوا تو زبان سے مغلظات!!

مرغیاں کوفتے مچھلی سب نایاب
کیسے دیکھے گا کوئی سہانے خواب
میٹ چکن کے بل پر جئے اہل کشمیر
اس کے بغیر ہے یہاں زندگی سراب

سنا ہے اس بیچ وائسرائے کشمیر نے ہفتہ دس دن گزرنے کے بعد اہل کشمیر کا دُکھ جھیلا کہ اُٹوٹ انگ کے تار جب کمزور پڑ گئے تو ملک کشمیر میں دوائی، سبزی، اشیائے خوردن کی کمی ہے اور اگر کچھ ہے بھی تو بہت مہنگائی کے جن کو کھلی چھوٹ ہے۔ اس بیچ جو افسران کو ہدایت دی تو وہ فلائنگ اسکارڈ ترتیب دے۔ اپنے افسران اور اہل کار جوتے پہن کر، تسمے باندھ کر میدان عمل میں آئے کہ باقی وقت انہیں نیند کی گولیاں کافی مقدار میں دی جاتی ہیں تا کہ پولر بیر کی مانند سوئے رہیں۔ فلائنگ اسکارڈ چونکہ فلائی کرتا ہے، اس لئے قیمتیں دیکھ پرکھ کر بھاگ نہیں جاتا ہے بلکہ اُڑ جاتا ہے کہ یہ

اڑنے والا اسکارڈ ہوتا ہے۔ صاف موسم میں یہ اُڑتا اسکارڈ اچھی طرح اُڑان بھرتا ہے، پھر کہیں نظر نہیں آتا کیونکہ یوں غائب ہوتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور پھر جب تک نیا طوفان کھڑا نہیں ہوتا، اپنے اسکارڈ بھی دفتروں کے کونوں کھدروں میں ایسے چپ چاپ بیٹھ جاتے ہیں کہ کسی کو ناپ تول محکمہ کا ایڈریس نہیں ملتا۔ مانو نہ مانو نہیں اپنی پولیس کا ٹاس فورس بھی ڈھونڈ نہیں پاتا۔ ان کو جگانے کے لئے کوئی طوفان درکار ہوتا ہے اور انہیں کمروں سے باہر لانے میں کم سے کم ایک عدد گورنر کی ضرورت پڑتی ہے۔

اپنے ملک کشمیر میں خبر گرم ہے کہ این سی، پی ڈی پی لوگ سرکاری بنگلے، کوٹھیاں، رہائشی مکانات قبضے میں رکھتے ہیں لیکن کرایہ ادا نہیں کرتے۔ ہمیں تو ایسی خبر دینے والوں کی عقل پر ماتم کرنے کو دل کرتا ہے۔ بھائی یہ دونوں بلکہ باقی سیاست کار بھی تو اقتدار کی کرسی پر کبھی بیٹھے تھے اور اپنے یہاں تو صاحبانِ اختیار کو سات خون معاف ہیں کیونکہ ان کے پاس وردی ہے، پی ایس اے ہے، افسپا ہے پھر بھلا صاحبان اقتدار کو جانے کیا کیا معاف ہوگا؟؟؟ ان کا فون بل معاف، انکم ٹیکس معاف، گاڑی کا کرایہ معاف یعنی اتنا کچھ معاف۔ لگتا ہے کہ بے چارے گھر گھر دردر سوالی بن کر یہ چیزیں لیتے ہیں جبھی تو معاف ہی معاف ہیں۔ اب بے چاروں کی کرسیاں گئیں اور جس کی کرسی گئی، اس کی ساتھ میں عقل بھی جاتی ہے، صحت بھی جاتی ہے، چہرے کی چمک جاتی ہے، ٹانگوں کی طاقت جاتی ہے، دل کی دھڑکن سست ہوتی ہے، بلڈ پریشر کم ہوتا ہے۔ ان مر یضانہ حالات میں کرایہ ادا کرنے کی مانگ تو پکا ظلم ہے۔ بھائی جن کے پاس کرسی نہیں، تنخواہ نہیں، بنک بیلنس نہیں، بھلا کرایہ دیں تو کس بٹوے سے؟ کس کی جیب سے، کسے لوٹ کر؟

اپنے بے قلمدان والیٔ بانوئے کشمیر کو کبھی چاہنے والے باجی پکارتے تھے۔ پھر یہ شریر بچے ٹافی آنٹی کہنے لگے کیونکہ دودھ ٹافی والے بچے اس کی نظر میں تھے کہ یہ جو ہم سے اجازت ہی نہیں پیسہ لے کر بازار جانے والے تھے، بھلا دائیں بائیں کیوں چلے گئے۔ اور پھر واپس یا تو لوٹے ہی نہیں یا بینائی کھو بیٹھے اور گھر کا راستہ دکھائی نہیں دیا۔ راستہ ٹٹول کر چلے تو وردی پوشوں نے ہل والوں کے گفٹ پیک مطلب پی ایس اے کے ساتھ جوڑ کر کورٹ بلوال یا کھٹوعہ پہنچایا، مگر وہ تو کرسی والے ٹائم کا معاملہ تھا اور کرسی تو پیسہ ہے طاقت ہے جو سکھاتی ہے، نئی راہیں دکھاتی ہے

اور چہرہ چمکاتی ہے۔ اب تو کرسی ہی نہیں رہی، پھر خیالات کے بخارات اُبھرتے ہیں۔ من میں نئے سوالات جنم لیتے ہیں کہ بے کار مباش کچھ کیا کر۔ کچھ نہیں تو کمزوروں کی فکر کیا کر۔ یا پھر مخالفین کے سر ہی تڑوایا کر۔ اب تو حال ایسا ہے کہ پارٹی کے بھی ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی ادھر گرا کوئی ادھر گرا۔ اس لئے سنا ہے لگے ہاتھوں مسلمانانِ ہند یاد آئے کہ بے چارے محفوظ نہیں، یعنی جب ہم کہتے تھے تو الزام لگتا تھا کہ تم سیکولر نہیں۔ ہو نہ ہو مسلمانان ہند کو پارٹی کے ہزار ٹکڑے جوڑنے کے کام پر لانے کا منصوبہ ہو۔ یہ اہل سیاست کس مٹی کے مادھو بنے ہوتے ہیں؟ اپنے مادھو کو قائم رکھنے کے لئے کس وقت کس فیوی کال کی ضرورت پڑے، کوئی ان سے سیکھے۔ اب تو یہ بات بھی سمجھنے لگی ہے کہ ملکِ کشمیر میں مذہبی تعصب کی بنیادوں پر اہل اسلام کو ہول سیل میں بے چارہ آوارہ بادل بنایا جا رہا ہے۔ یہ ہوئی نا بات قطبین کا ملاپ کرنے اس لئے دوڑے تھے کہ مسلم برادری کو کنول کے گفٹ سے لفٹ کرایا جائے۔ اب اس دوران کنول برادری اور زیادہ لفٹ ہو گئی، اس میں بھلا قلمدان والوں کا کیا دوش؟ اتنا ہی نہیں قلمدان والے ایم پی کو مرحومین کا جسد خاکی بھی یاد آیا اور فوراً دلی دربار کو پریم پتر بھیجا کہ ہم مرحومین کو یاد کرتے ہیں، ان کی یاد میں آنسو بہاتے ہیں، انہیں یاد کر کے اپنے قلمدان سے پریس نوٹ تحریر کرتے ہیں، انہیں عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں کیونکہ تہاڑ جیل کے احاطے میں ان کی باقیات زیب نہیں دیتیں۔ دلی دربار کا فیصلہ تو ہم سب کو معلوم ہے کہ ۱۹۸۴ء اور ۲۰۰۹ء سے برابر مطالبہ ٹھکراتے رہے ہیں۔ اب اہل قلمدان کوئی بندہ سیدھا سادھا نہیں کہ ناگپوری سیاست سمجھ نہ آئے مگر اہل کشمیر کو چونکہ سب لوگ اللہ میاں کی گائے سمجھ کر ٹرخاتے ہیں۔ ایم پی نے سوچا چلو ہم بھی اپنا داؤ کھیلتے ہیں، کیا پتہ تُرپ کا ایکا لگ ہی جائے اور پارٹی کی پھسلتی دوات کہیں رُک جائے تو ہم مفتیان بیج بہاڑہ کے ہاتھوں نیا فتویٰ لکھنے کے قابل ہوں۔ جانے انجانے کہیں قلم دان کی بات چلے گی۔

اس کے بغیر لیڈری اپنی تھی نا تمام
مسلم سماج کے لئے چیخنا پڑا ہمیں

ادھر اپنے سیاسی مکے بازوں کو نیا باؤٹ کھیلنے کا موقع میسر ہوا کہ وائسرائے کشمیر نے نیا آرڈر نکالا اور صوبہ کشمیر پر تلوار چلا کر اس کے دو حصے کر دئے۔ اس حصہ بٹائی میں بقول اہل کشمیر

کالا بیل حصے میں، چتکبرا بزرگی کے لحاظ میں اور سرخ والے پر اگر سر پٹھول بھی ہو، اسے نہیں جانے دیں گے۔ اس کہاوت کے مطابق سارے بیل لیہہ کو سونپے گئے۔ بے چارے کرگل والوں کے منہ میں انصاف کرنے کے وعدہ والی اس قدر مٹھائی ٹھونس دی کہ شوگر بیماری کا خطرہ اُمنڈ آیا۔ اپنے حصے کے حق میں کرگل والے احتجاج پر اُتر آئے اور ادھر ہل والے اور اہل قلمدان میدان میں کودے کہ ’’کرگل والو آگے بڑھو ہم تمہارے ساتھ ہیں‘‘۔ اتنا ہی نہیں پیر پنچال اور چناب والے بھی اپنا حق ڈھونڈنے جو نکل پڑے تو اہل سیاست آگے آگے نمودار ہوئے۔ ہم تو کھلکھلا اٹھے کہ بھائی لوگو! جب ان کی اس قدر فکر لاحق تھی تب کیوں نہیں دیا جب اقتدار کی سون پری ہاتھ میں تھی مگر سیاست کے ڈھول جب بجتے ہوں، اس شور میں ہماری کیا بساط؟

بس جان گیا میں یہی پہچان تیری ہے
تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

ہم کبھی کبھار سوچتے ہیں کہ یہ موبائل انٹرنیٹ ضرور کوئی من چلا یا دل جلا سرکاری ملازم ہوگا جبھی تو اس کو آئے دن معطل کیا جاتا ہے۔ دفتر وقت پر نہیں پہنچتا ہوگا تو افسر نے حاضری رجسٹر منگوائی، غیر حاضر ہونے کا نشان لگایا اور معطلی کے احکامات صادر کردئے۔ کبھی تو ضلعی کمشنر بھی ریڈیو ٹی وی پر اپنا نام سنانے کے لئے دفتر جا کر غیر حاضرین کو معطل کردیتے ہیں۔ اب تو ہم نے یہ بے سُرا نغمہ اتنی بار سنا کہ موبائل انٹرنٹ فلاں علاقے یا ضلع میں معطل کیا گیا کہ یقین ہوتا ہے کہ یہ ہر جگہ کام چور ملازم ہی ہے جبھی تو آئے دن اس کو معطل کیا جاتا ہے۔

Published 18/02/2019

⁂

اِدھر راگ ٹھمری اُدھر تان سینی

لوگ کہتے ہیں کشمیر مثلِ باغ جناں ہے، مناظر قدرت کا دشت و بیاباں ہے، طائرانِ خوش نوا کا آشیاں ہے، ڈل اور ولر کا پاسباں ہے۔ دل جلے کہتے ہیں نہیں نہیں نہیں، یہ جھوٹ ہے، سراسر سفید جھوٹ۔ کشمیر زمینِ بے آئین ہے، قفسِ آہن ہے، یہاں کے پنچھی بے بال و پر ہیں، آدم زاد ناشاد و بے آرام ہیں، بے تقصیر ہوں یا باتقصیر یہاں سب کے سب پا بہ زنجیر ہیں۔ اوپر قدرت نامہربان ہوئی تو پسیاں گرا کے سری نگر جموں شاہراہ ویران و سنسنان کرے، نیچے مہاراج ستیہ پال غصہ ہوئے تو جموں سری نگر شاہراہ بند کروا کے کشمیر بے جان کر دیں، اخبارات کو اشتہارات بند کروا کے قلم کے کمزور سپاہیوں کا نفقہ و نان تک چھین لیں، کیونکہ حاکم اعلیٰ سے کوئی پرسش نہیں، کوئی سوال جواب نہیں، کوئی عرض و معروض نہیں ؎

جنت تمہیں مبارک اے دیس کے جوانو
جہنم ہماری قسمت جہلم کے پاسبانو
ہم کو نہ دو اجازت شاہراہ پہ گر چلیں گے
چاہیں جہاں بھی جاؤ آزاد تم مہانو

خیر سورگیہ گبر سنگھ نے کب کا کہہ کے رکھا ہے کہ جو ڈر گیا سمجھو مر گیا۔ لو جی فوجی موج مناؤ! تمہاری حفاظت کا انتظام ہو گیا۔ اب دو دن قومی شاہراہ پر سول ٹریفک پر پابندی لگ گئی ہے۔ اپنے ملک کشمیر میں ایک تاریخی واقعہ گزرا ہے کہ کشمیر سے پولیس والوں کی ایک ٹکڑی کو جموں روانہ ہونا تھا۔ ٹکڑی کے ایک ذمہ دار نے وزیر اعظم سے مودبانہ انداز میں پوچھا: جناب! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ ہم تو تیار ہیں پر ہماری حفاظت کا کیا انتظام رہے گا؟ یعنی اب کی بار مودی سرکار نے وردی پوشوں کی حفاظت کا بیڑا اُٹھایا حالانکہ خود وردی پوش ہی سبھوں کی حفاظت

کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ مطلب صاف ہے کہ چوکیدار ڈر گیا اور بقول گبر سنگھ جو ڈر گیا سمجھو مر گیا۔ وہ تو کبھی پوچھتے تھے البرٹ پنٹو کو غصہ کیوں آتا ہے، البتہ ہم کہتے ہیں مودی مہاراج کو غصہ کیوں آتا ہے؟ پوچھنے کا مطلب صاف ہے کہ بھائیو اور بہنو بھارت ورش کے چوکیدار کو غصہ کیوں آتا ہے اور غصے میں وہ آر پار ایک ہی سانس میں دس چیتاؤنیاں دے ڈالتے ہیں کہ چوکیدار بیدار بھی ہے اور ہوشیار بھی۔ گڑبڑ کرو گے تو گھر میں گھس کر ماروں گا۔ اسی بیچ چوکیدار نے اپنی اُڑن طشتریاں بھی سرحد پار کرا دیں لیکن ہوا یہ کہ مملکت خداداد والوں نے طیارہ بردار ہی نیچے اُتار دیا کہ بھائی چائے والے نے بھیجا ہے لیکن اپنے یہاں کی لاہوری چائے کچھ زیادہ ہی کڑک ہوتی ہے، ایک کپ پی کر جاؤ۔ پی کر جاؤ گے تو سمجھ پاؤ گے کہ آر کی چائے تیز ہے یا پار کی۔ یعنی ایف۔۱۶ چائے سے ذائقہ بدلتا ہے کہ مگ سے مزہ آتا ہے۔ مانا کہ یہ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں، بھلا عمران اور مودی کے جھنجٹ میں ہم کیوں پھنسیں کہ غریب کشمیری کو باہر نکلنے کا راستہ بھی نہ ملے گا۔ یقین نہ آئے تو جان لو اہل کشمیر تو ستر سال سے اس جنجال میں ایسے پھنسے ہیں کہ دمال یا وبال سے کچھ بھی حاصل نہیں۔ خیر اس بات کا ہمیں خوب ملال ہے کہ ہم تو غصے میں چوکیدار کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ بھی دیکھتے رہے اور انتظار بھی کیا کہ گھر میں کب گھسیں گے اور ماریں گے۔ ارے بھائی ہم تو بس دیکھتے رہے اور مودی بھگت بھونڈسی ہریانہ میں واقعی گھر میں گھس گئے اور اس قدر مارا پیٹا کہ اندر والے لہولہان ہو گئے۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ ڈنڈے سریاں لے کر حملہ کر ڈالا کہ بس تین چار پر بیسوں ٹوٹ پڑے اور گھر میں گھس کر ایسا مارا کہ سرجیکل اسٹرائک بھی شرما جائے۔

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کانپور ہے
زخموں سے جسمِ بے گنہی چُور چُور ہے

اور پھر مودی سینا نے نیا کمال دکھایا کہ تھانے میں انہی لوگوں کے خلاف ایف آئی آر لگا ڈالی جو شدید زخمی ہوئے تھے۔ وجہ یہ کہ انہوں نے اقدام قتل کیا تھا۔ واہ کیا بات ہے، ادھر تو شدید زخمی ہونے والے ہی قتل کرتے ہیں۔ پرچی تو داخل ہونی ہی تھی کہ انہیں مار ڈالنے کے لئے بھگت جنوں نے اتنی کوشش کی۔ دوستوں خیر خواہوں کو اکٹھا کیا۔ ڈنڈے جمع کیے۔ سریاں ساتھ لائیں۔

پھر دیر تک مار پیٹ ایسی کی کہ گمان ہوتا تھا مکئی کوٹ رہے ہیں اور یہ لوگ اس قدر سخت جان کہ مرے ہی نہیں۔ مرجاتے تو اور بات تھی کہ حسب دستور کنول بردار خوشی مناتے۔ مارنے والوں کو کسی جگہ سرکاری محکموں میں نوکری دلواتے یا کہیں نہ کہیں الیکشن لڑواتے۔ گھر میں گھس کر مارنے والوں کا مستقبل تباہ کردیا۔ انہوں نے اس قدر محنت کی لیکن یہ لوگ تو مرے ہی نہیں۔ بھلا ایف آئی آر نہ بنے تو اور کیا۔ پھر ہمیں اور بھی کچھ راز کھلا کہ واقعی مودی مہاراج گھر میں گھس کر مارنے کا شوق بھی رکھتے ہیں اور تجربہ بھی۔ جبھی تو بڈگام میں گرنے والا ہیلی کاپٹر چھ لوگوں سمیت جو مار گرایا تو اپنا ہی میزائل داغ کر ایسا چمتکار کر ڈالا کہ باتونی عیار بھی آنکھیں بند کر کے شرما جائے۔ بالاکوٹ کے نام پر بڑا چرچا کیا، مگر بڈگام کا نام بھی نہ لیا کیونکہ یہ تو سرجیکل اسٹرائیک تھی لیکن گھر میں گھس کر نہیں، گھر کے چراغ سے ہی گھر کو آگ لگانے والی بات تھی۔

ادھر مودی جی کے دست راست امت شاہ کو بھی غصہ آیا۔ گھر میں ہی گھس کر مارگ درشی منڈلی کے استاد محترم کو باہر کا مارگ دکھایا۔ گاندھی نگر کے ان کے سیاسی پشتینی گھر سے ایسے بے دخل کردیا کہ کسی عدالت میں شنوائی نہ ہوئی۔ وہ تو اس عمر میں آنسو بھی نہ بہا سکے کہ آنکھیں خشک ہو چکی ہیں، پھر بھی بہاتے تو اپنے ہی لوگ نجانے کیا کیا نام دیتے۔ اسی لئے تو بقول کسے اس روز شام کو ہی یمراج کا فون آیا کیوں نیتا جی اب بھی کوئی بہانہ بچا کہ چلیں؟ لوگ کہتے ہیں وہ جو سن بیانوے میں رَتھ کی سواری کی، بابری مسجد کی مسماری کی، اگلے الیکشن کی اُمیدواری کی، ممبئی کے گردونواح میں خون سے ماتھوں پر تلک دھاری کی، دو ہزار بے گناہوں کی آخری تیاری کی اس کا کچھ تو قرضہ چکانا ہے۔

فقط اپنے مودی مہاراج کو غصہ نہیں آتا، اپنے ہل والے نیشنلیوں کو بھی بہت غصہ آتا ہے، جبھی تو قائد ثانی ایک طرف اور ٹویٹر ٹائیگر دوسری طرف غصے سے جل بھن رہے ہیں۔ قائد ثانی غصے میں سن سینتالیس میں چلے جاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ الحاق مشروط ہے جو مہاراجہ نے ۳ شرائط پر عمل میں لایا، بھاجپا آرالیس اچھل کود کرنے لگے ہیں اور یہ کہ مودی سرکار ناکام رہی تو پاکستان کا دوار کھول دیا۔ غصے میں سن ترپن تک کا شور، سن چوہتر کا زور، سن پچھتر سے تراسی کا دور، بھول جاتے ہیں۔ الہ کرے گا وانگن کرے گا کا نعرۂ دیوانہ بھی پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔

’’پی بس خوش کر‘‘ والا نغمہ منافقانہ بھی سائڈ میں رکھ دیتے ہیں۔ این ڈی اے سے یارانہ بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اپنے ٹویٹر ٹائیگر بھی کم نہیں کہ غصے میں دلی دربار کو، ناگپوری آہنکار کو، جموں والے کنول بردار کو، دھمکی دیتے ہیں کہ ۳۷۰ر کو چھیڑا تو ہم تو نہیں چھوڑیں گے کہ اس کے ساتھ چھیڑ خوانی ہم نے ماضی میں بھی کر ڈالی، اب بھی کریں گے کیونکہ اس کے ساتھ کھیل کھیل میں مذاق مذاق کرنے کے تمام حقوق ہل برداروں نے بعوض اقتدار پٹے پہ حاصل کر لئے ہیں اور اس نسبت ملک کشمیر ہمیں وراثت میں دیا گیا ہے۔ اور تو اور ٹویٹر ٹائیگر کا نیا تماشہ دیکھ کر مودی مہاراج اور غصہ ہو گئے کہ ملک کشمیر والے ایک اور صدر اور ایک اور وزیر اعظم مانگتے ہیں۔ کسے نہیں معلوم یہ مانگ اہل کشمیر کے نام پر الیکشن کے وقت ہل بردار کرتے ہی رہتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ خود مختاری اندرون کی وہ قرارداد اس قدر ردی کی ٹوکری میں چلی گئی کہ اسے سوچھ بھارت ابھیان بھی ڈھونڈ نہ پایا۔ ساتھ میں اگر کبھی یہ مانگ پوری بھی ہوئی تو قائد ثانی صاحب صدر اور ٹویٹر ٹائیگر وزیر اعظم ہوں گے، یعنی ملک کشمیر کا بٹوارا باپ بیٹے کے درمیان ہی ہوگا۔ شجرہ خسرہ انہی کے نام جاری ہوگا، ایک شیخِ کشمیر بنے گا دوسرا خالدِ کشمیر۔ پھر وہ مودی مہاراج سے کہیں گے چلو دیکھتے ہیں کس کی ماں سونا تو لے کس کی ماں چاندی۔ پہلے ہی تو قائد ثانی نے مودی اینڈ کمپنی کو طعنہ دیا ہے کہ مرکز نے وعدے نہیں نبھائے۔ اپنے قائد ثانی تو ہرگز جھوٹ نہیں بولتے بلکہ کرسی پر ہاتھ رکھ کر جو کچھ بولتے ہیں سچ ہی بولتے ہیں، سچ کے سوا سوال ہی نہیں کچھ بولیں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات ہے ہی نہیں کہ کبھی دلی دربار نے ملک کشمیر میں ریفرنڈم کا وعدہ کیا تھا، پر پورا نہیں کیا۔ پاور پروجیکٹ واپسی کا وعدہ کیا تو توڑ دیا۔ اس کے مقابلے میں خود قائد ثانی نے وعدے کئے تو برابر نبھائے۔ کہا کہ الیکشن کے وقت ۳۷۰ر کی ٹھمری گاؤں گا تو برابر۔ باقی وقت میں مورے رام کا بھجن سجاؤں گا تو برابر۔ چناوی سبھاؤں میں اندرونی خود مختاری کا راگ الاپوں گا تو برابر۔ اتنا ہی نہیں اپنے فرزند کو بھی وصیت کر ڈالی کہ جو چیزیں دادا جان نے کرسی کے عوض بیچ ڈالی تھیں، ان پر دوبارہ حق جتاؤ تو کم از کم کرسی واپسی کا چانس بنا رہے گا۔

ایک لیڈر نے یہ کہا مجھ سے
آج ہم پی کے بے حساب آئے

ایک دفعہ بیٹھنے دو کرسی پر
اس کے بعد آئے جو عذاب آئے

اوراس بیچ کرکٹ کھلاڑی بھی غصے کے سبب گھمبیر نہ رہ سکا۔ ٹویٹر ٹائیگر کو ٹویٹر کے ذریعے ہی چیتاؤنی دے ڈالی کہ جو مائی کا لال جاہ وجلال میں الگ وزیر اعظم مانگتا ہے، وہ مملکت خداداد کے لئے رخت سفر باندھ لے۔ دوچار جوڑے کپڑے نہیں بلکہ پوری پوٹلی لے کر چلے کہ ایک وِدھان، ایک پردھان، ایک نشان والے شور میں نیشنلی کمزور کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

غصہ آور سیاست کے درمیان مودی شاہ کے تاؤ اور ہل والوں کی دیکھا دیکھی قلم دان والوں کی دودھ ٹافی آنٹی بھی پیچھے نہ رہی۔ بس اُسے بھی غصہ آگیا اور اس قدر بھر گئی کہ بانگ دہل اعلان کرڈالا کہ دفعہ ۳۷۰ رہٹایا گیا تو مرکز اور ریاست کے بیچ رشتہ ختم۔ مطلب کبھی جو قطبین کا ملاپ کرڈالا تھا وہ کاغذ بھی ردی کی نذر کردئے، یعنی ۳۷۰ ہٹ جانے کی صورت میں فتویٰ جاری ہوگا کہ معاملہ عالمی پنچایت میں دوبارہ پہنچے گا، پھر تو دلی دربار کی خیر نہیں۔ بھلا اپنا دامن کیسے بچاپائیں گے جب اہل قلم دان کی وکیلانا بحث بھی ہوگی۔

عذاب آگیا اس پر انتخاب سے پہلے
دکھا دی تعبیر اس خواب سے پہلے

اس بیچ دوسو ادیب اور ایک سو فلم سازوں کو بھی غصہ آتا ہے تو وہ اپیل کرتے ہیں کہ خدا رانفرت کی سیاست کو ووٹ نہ دو۔ اس کے سبب مودی شاہ پرائیویٹ لمیٹڈ کو جوابی غصہ سر چڑھ کے بولتا ہے کہ انہیں معلوم ہے یہ خاموش لیکن پر اثر سرجیکل اسٹرائیک ان ہی کے خلاف ہے کیونکہ شجرہائے نفرتی سیاست کے پھل تو وہی کھارہے ہیں۔

البتہ غصے کے اس موسم میں اپنا پنجہ مار پارٹی کا پپو پاس ہوگیا۔ واہ جی واہ! اس کے دل میں اہل کشمیر کے لئے پیار ہی پیار اُمڈ آیا، اتنا اُمڈا آیا کہ الیکشن مینی فیسٹو کے مہاساگر میں مشکل سے سمایا۔ اب تو اہل کشمیر خوشی سے ناچیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ افسپا پر نظر ثانی ہوگی، یعنی کوئی بے گناہ شبیر بٹ لیکچرر یا رضوان پنڈت پرنسپل وردی پوشوں کے ہاتھوں نہیں مارا جائے گا۔ تین رُکنی سفارت کار ملک کشمیر کے دورے پر آئیں گے اور وہی پرانی موٹی کتاب ترتیب دیں گے جو سابق

مذاکرات کاروں نے بنائی تھی۔ پھر اہل کشمیر کے منہ میں ایک اور نبات کی ڈلی چوسنے کو رکھی جائے گی۔ ساتھ میں ملک کشمیر کی خصوصی پوزیشن کے ساتھ کوئی کھلواڑ نہیں ہوگا۔ ویسے اس کی ضرورت بھی کیا ہے کیونکہ وہ کام تو پپو کے گریٹ گرینڈ پا اور دادی اماں نے بہت پہلے کر رکھا ہے ؎

تن آسانی نہیں جاتی ریا کاری نہیں جاتی
میاں برسوں میں یہ صدیوں کی بیماری نہیں جاتی

Published 8/4/2019

جنگ ہوا ایسی کہ دَنگ رہ جائیں ہم

چلبلی فلمی حسینہ نے تو بڑے جسمانی نخرے دکھاتے کہا تھا جگر ما بڑی آگ ہے اور اس جگری آگ سے وہ بیڑی جلانے کا کام کرتی تھی۔ اپنے مودی مہاراج نے کہا میرے دل میں بھی وہی آگ ہے جو آپ کے تن بدن میں لگی ہے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ یہ آگ سیکورٹی اہل کاروں کی موت کے سبب لگی ہے۔ ہو نہ ہو آگ زبردست ہو اور اندر ہی اندر جھلسا رہی ہو، جبھی تو اس کا اظہار کرنے الیکشن جلسے میں آئے۔ کیا پتہ الیکشن جلسے میں اندر کی آگ بجھنے کا چانس زیادہ کارگر ہو یا یوں کہیے کہ اپنے اندر کی آگ اپنے لئے ووٹ مانگ کر جلائی گئی ہو۔ شاید اس لئے کہ چلو سپاہی تو مارے گئے اس افسوس ناک واقعے کے بطن سے ایک آدھ الیکشن کی جیت ہی بٹور لیں۔ اسی لئے تو بیڑی کے بدلے اپنے اندر کی آگ سے مودی جی وہ میزائل جلا کر اُڑانے کی کوشش میں ہیں جس سے وہ مملکتِ خداداد کو چٹکیوں میں ہوش ٹھکانے اور سبق سکھانے والے ہیں۔ اس بات پر تو بھگت جن اس قدر اُوتاولے ہیں کہ لگتا ہے کہیں مودی برانڈ میزائل کے بدلے خود نہ اُڑان بھر لیں۔ بھگت جن اس قدر اُچھل رہے ہیں لگتا ہے جوش میں آ کر ہوش کھو کر سرحد کے اوپر فلمی چھلانگ مار کر پاسپورٹ ویزا کے بغیر مملکت خداداد میں کود جائیں اور سرجیکل اسٹرائیک کر کے فلمی ہیرو کی طرح بغیر خراش واپس لوٹیں۔ یہ ہوئی نا سیاست دانوں والی چال ڈھال کہ بھگت جن مودی سرکار کے راستے میں دل اور جگر نچھاور کر دیں۔ واہ مودی جی واہ! پچاس اہل کاروں کا بلیدان، اُن کے اہل خانہ غم والم کے آتش فشاں، ان کے چہیتے آنسوؤں کا بحرِ بیکراں، غم وغصے کے آتش فشاں، بھلا کیوں نہ ہوں، اپنوں کے چلے جانے کا صدمہ تو اپنے ہی جانتے ہیں۔ اس لئے

رو رو کر نڈھال ہو رہے ہیں۔ چیخ چیخ کر جانے والوں کو یاد کر رہے ہیں، تڑپ تڑپ کر ان کی مرتیو کا سوگ منا رہے ہیں مگر سیاست کا پروانہ مودی جی اس آگ کو خود الیکشن مدعے میں بدل کر اوروں کو بلیدانی رتھ پر سیاست نہ کرنے کا مفت مشورہ دے رہے ہیں۔ شاید اس لئے کہ اس پر جذباتی سیاست کھیلنے کے جملہ حقوق مودی شاہ پرائیویٹ لمیٹڈ کے پاس محفوظ ہیں۔ جبھی تو اس پرائیویٹ کمپنی کے شریک کارامت شاہ نے آسام میں بانگ دہل اعلان کر دیا کہ آسام کو کشمیر نہیں بننے دیں گے۔ مطلب ہم نے اپنی سیاست کے طفیل کشمیر کو جہاں جنت سے جہنم میں تبدیل کر دیا کہ روز آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، ایسا آسام کو نہیں بنائیں گے، کیونکہ الیکشن جیتنے میں جتنا خون بہانے کی ضرورت ہے وہ کوٹا ہم کشمیر سے ہی پورا کر لیں گے۔ وہ جو مودی مہاراج نے جادو کی جھپی اور پیار کی پپی کی بات کی تھی، وہ ترشول برداروں کی ٹھپی میں بدل دی۔ مطلب مودی شاہ کمپنی کے پاس رام مندر اور خون خرابہ والے دو آپشن موجود تھے کہ استعمال کر کے الیکشن کو جیت میں بدل دیں، لیکن قسمت نے لیتہ پورہ پلوامہ کا واقعہ مہیا کر دیا تو اس سے فائدہ کوئی سیاسی نابالغ ہی نہ اُٹھائے۔ کسے نہیں معلوم کہ الیکشن کی آمد آمد ہے ؎

سرحدوں پر تناؤ ہے کیا　　پتہ کرو چناؤ ہے کیا
بھگت جن چیختے ہیں بہت　　ناگپور سے دباؤ ہے کیا
چڈی والوں کا آرڈر ہے　　ہندو مسلم لڑاؤ ہے کیا

اس بیچ بھارت ورش جہاں میزائل وغیرہ کی بات سننا چاہتے تھے، وہ لال ٹماٹر کی خبریں سننے پر مجبور ہو گئے یعنی کہاں سب سے بڑا ر پبلک، پھر بنانا ر پبلک سے نیچے اُتر کر ٹماٹر پبلک کی کہانی سننے کو ملی۔ جب تک جیش کے خلاف کارروائی نہ ہو، مملکت خداداد کو لال ٹماٹر نہیں ملیں گے۔ مطلب ہم بھارت پاک جنگ نمبر پانچ سے متعلق سوچ کر ہی ڈر جاتے تھے، وہ جنگ ٹماٹر تک سمٹ گئی۔ کیا پتہ ترشول، آکاش، براہموس وغیرہ جو سوچتے تھے، وہ بدل گئے تو بوفورس توپوں کے اندر لال ٹماٹر ڈال کر اُڑا دیں گئے۔ کیا پتہ جلد ہی لال ٹماٹروں کی بارش سے جیش وغیرہ کے ہیڈ کوارٹر نیچے دب جائیں۔ پھر میجر آریہ سوال پوچھے گا کہ اہل کشمیر کے گال تو سرخ ہیں ہی لیکن جیش لشکر والوں کے سارے بدن لال کیسے ہو گئے؟ میجر صاحب جواب صاف ہے کہ لال رنگ بھارت

وَرش سے ہی الاٹ ہوا ہے۔

بدلا لینا ہے ہم کو داغو میزائل مارٹر کو
پاکستان بنے گا ریگستان ترسے گا لال ٹماٹر کو

اصل میں الیکشن ایک بڑی مہلک بیماری کا نام ہے جہاں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے، یوں تو یہ بیماری عام ہے لیکن برصغیر میں زیادہ ہی خطرناک تصور کی جاتی ہے۔ اگرچہ بھارت وَرش میں یہ بیماری ۱۹۵۲ سے معرض وجود میں آئی لیکن پہلے پہل یہ بیماری اس قدر جان لیوا نہ تھی بلکہ ہلکا سا اثر کرتی تھی اور متاثرہ افراد مزیدار انداز میں گھر گھر گھومتے، دوستی کا ہاتھ بڑھاتے، سلام دعا سے کام چلا کر اپنا علاج کروانے میں کامیاب ہوتے۔ تاہم کچھ برسوں سے اس بیماری کا علاج بہت مشکل ہوگیا ہے۔ اس بیماری کے آثار چناؤ کی تاریخ نزدیک آتے آتے واضح ہوجاتے ہیں۔ یہ بیماری عام طور پر سیاسی مشٹنڈوں کو لپیٹ میں لیتی ہے لیکن خاص طور پر سیاست دانوں پر حملہ کرتی ہے اور اس میں خطرناک دورے پانچ سال بعد کچھ زیادہ ہی مہلک معلوم پڑتے ہیں۔ اس بیماری کے سبب منہ اور زبان پر واضح علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ منہ آدھا کڑوا آدھا میٹھا اور زبان دراز ہوجاتی ہے۔ زبان سے بیان بازی کے ایسے شعلے نکل آتے ہیں کہ مخالفین پر بم بارود کی بارش محسوس ہوتی ہے۔ اس مہلک بیماری کا کوئی کارگر علاج آج تک اہل علم و دانش و ماہر طبیب ڈھونڈھ نہ پائے، البتہ اقتدار کی کرسی پر براجمان ہونے سے حد درجہ افاقہ ہوتا ہے اور فقط اسی علاج و معالجہ کو آج تک کارگر مانا گیا ہے۔ اس بیماری کے دوران بیمار شخص اپنے دائیں بائیں سبھی ان چیزوں پر چڑھ بیٹھتا ہے جن کے سبب اُسے یہ لگے کہ اقتدار کی کرسی تک پہنچنا مشکل ہوگا۔ اس دوران ممکنہ مخالفین کے تئیں اس قدر شاکی نظر آتا ہے کہ اس کی کمزوریوں کی تحقیق میں جی جان لگا دیتا ہے اور اس کا کچا چٹھا بیچ بازار کھول دیتا ہے۔ غیبت کو چھوڑ سچ جھوٹ عوام کے سامنے لے آتا ہے کیونکہ کرسی کے بغیر یہی دوسرا علاج ہے اور اسی علاج کے سبب کچھ حد تک افاقہ محسوس ہوتا ہے۔ ووٹروں کو مختلف زمروں میں اس بیماری کا شکار شخص، بانٹ دیتا ہے اور ایک دوسرے کے درمیان لڑانے کی سعی کرتا رہتا ہے جس کے سبب بھی بیماری میں تھوڑی بہت آسانی محسوس ہوتی ہے اور اگر نفرت کی دیوار ذرا مضبوط بن گئی تو قوتِ مدافعت بڑھ جاتی ہے اور واضح فرق دکھتا

ہے۔ نفرت کی دیوار کے اپنی طرف رہنے والے عوام کو اس بیماری کے دوران متاثرہ شخص پر آوَ بھگت اور کھانے پینے کا انتظام کرنے میں ذاتی دلچسپی لینے کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ اس مہمان نوازی میں شراب و شباب کا انتظام، روپے پیسے کی ریل پیل جاری رکھنے میں قرض لینے سے بھی نہیں گھبراتا کیونکہ بیماری کا حتمی علاج یعنی اقتدار کی کرسی تک پہنچنے میں یہی راہ آسان دکھتی ہے۔ یہ تو الیکشن کی ہی دین ہے کہ لیتہ پورہ حملہ ہوا تو اُٹوٹ انگ کے رہے سہے تار ہی ٹوٹ گئے۔ ادھر تار ٹوٹے ادھر جموں میں تار و نار ایسے جڑ گئے کہ جگہ جگہ آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے جیسے تینتیس ہزار وولٹ کی ترسیلی لائن میں شاٹ سرکٹ کے سبب آگ نمودار ہو۔ اس زعفرانی آگ کی لپیٹ میں کشمیری تو کشمیری وطن کی نمبر پلیٹ والی گاڑیاں آ گئیں، اردو نیم پلیٹ والی دوکانیں نشانہ بن گئیں۔ اس پر بجرنگ بھائیوں کا دل نہ بھرا تو چینینی ٹنل سے چتلی قبر تک، دریا گنج سے ڈیرہ دون تک میجر آریہ کی آنکھ میں کھٹکتے سرخ گال والے شکنجے میں پھنس گئے۔ کہیں سرخ گالوں پر چاقو چلے، کہیں کارگو پتلونوں پر قینچی۔ نتیجہ یہ کہ ملک کشمیر ہمارا ہے، اس پر فرقہ پرستوں کی دو دھاری آری چلی۔ حد یہ کہ بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ نعرہ لگانے والے ظلم کے پیادے تشدد زادے کنول چوڑیاں پہنے، ساڑھیاں زیبِ تن کئے اپنی مردانگی کا خود مذاق اُڑاتے رہے اور یہ جو کشمیر کی بیٹیاں نڈر دلیر بچیاں ہیں نا، انہی کا قافیۂ حیات تنگ کرنے کالج ہوسٹل آ کر راون کو بھی شرمندہ کیا، مگر داد دیجئے ان دلیر و نڈر بیٹیوں کی، وہ بھی مشٹنڈوں کے حصار میں مردانہ وار مقابلہ کر کے بزدل و باؤل حملوں سے خود کو بچاتی رہیں۔ اور ہم بھی کبھی وہم و گمان کی وادیوں میں گم ہوتے تھے کہ آخر آگرہ کا پاگل خانہ مشہور اور اتنا بڑا کیوں ہے۔ اب کی بار وہاں جو ہوٹل والوں نے بورڈ چسپاں کر دئے کہ کتوں کو اندر آنے کی اجازت ہے پر کشمیریوں کو نہیں، تو گتھی آپ سے آپ سلجھ گئی کہ مالکانِ ہوٹل جب انسان نما سگ ہوں تو باہر کے سگانِ شہر کو دعوتِ شیراز کیوں نہ دیں۔ بات صاف ہے جس ہم جنس کو اجازت ملی وہ اندر داخل، جس غیر جنس پر ممانعت وہ باہر۔ اب سمجھے آگرے کا پاگل خانہ تاج سے زیادہ مشہور کیوں ہے؟ واہ بھگت جن واہ! فرقہ پرست جنگجوؤں کی صف میں ایک گورنر بہادر بھی شامل ہوا۔ امرناتھ یاترا پر دو سال روک لگاؤ، کشمیری مصنوعات مت خریدو۔ بے چارہ یہ نہیں جانتا کہ اَدھ ننگے یاتری مفت کا لنگر کھاتے ہیں۔ اپنے علاقے کی بے کرایہ بسوں میں

آدھمکتے ہیں۔ اگر کچھ ملک کشمیر کو کچھ دیتے ہیں تو آلودگی میں اضافہ، کثافت میں بڑھوتری اور ساتھ میں یہاں کے کوتوالوں منشیوں کو یاترا ڈیوٹی کے نام پر چھ ماہ دردِ سر دیتے ہیں۔ ابھی تک تو ہوا نہیں کہ پشیمان ہوکر اپنے بیان کو بدل دے لیکن اس بیچ مرکزی وزیر پیوش گوئل نے توڑ مروڑ شروع کردی۔ منسٹر صاحب کو کشمیری طلباء و طالبات پر کوئی حملے دکھائی نہ دیئے اور کشمیری شال فروشوں دوکانداروں کی مار پیٹ بھی دِکھی نہیں۔ اب کوئی کیا کہے، اس حساب سے تو لیتہ پورہ والا حملہ ہوا ہی نہیں بلکہ یہ آن لائن پروپیگنڈا کا فان درفان کہلائے تو ہرج ہی کیا؟ بھگت جن تو اب اور زیادہ ٹی وی اسکرین اور سوشل میڈیا پر اُچھلم کودم کریں گے کہ اب انہیں کوئی بھی سرحد پر جاکر لڑنے کے لئے نہیں کہے گا۔ چڈی والی ناگپوری ٹولی کو اب تین دن میں سوتنتر سینانی ترتیب دینے کی ضرورت بھی نہیں رہی کیونکہ ایک لڑاکو نیوز چینل پر اعلان ہوا ہے کہ چمبل کا شیر ڈاکو ملکھان سنگھ اپنے سات سو ساتھیوں کی مدد سے پاکستان سے بدلہ لے گا اور خیالی سرجیکل اسٹرائیک کرکے باہوش باجوش واپس لوٹے گا، جیسے پار کے خانوں نے اپنے جوہری خوان اور تیر کمان تا حیات روزے پر رکھے ہیں۔ خیال اپنا اپنا!

دیکھ اتنا نہ بے تکلف ہو
کچھ ذرا احتیاط کر بھائی
چھوڑ قصہ ڈروَن حملوں کا
دال قیمے کی بات کر بھائی

Published 25/2/2019

* * *

گولوں کی عید ہوگئی توپوں کی دیوالی

سرحدوں پر کچھ کچھ تناؤ کم ہوگیا، ہم نے شکرادا کیا کہ چلو خطرہ ٹل گیا۔ دروغ برگردن دانائے دہروزیرکِ کشمیر جس نے کانا پھوسی کی کہ شکریہ سعودی شہزادے کا ادا کر بھائی، اسی نے مملکتِ عیش سے ہی مودی وعمران کو دھمکی دے ڈالی: مابدولت نے آر پار کئی بلین ڈالر کا کیش جھولی میں ڈالا، وہ کیا یونہی پھونک ڈالنا ہے؟ پیسے واپس کرو، مطلب مال شو کرو، یا امن بحال کرو۔

لو جی یارو موج مناؤ۔ محکمہ افواہ بازی کو سرکار نے اپنی تحویل میں لے لیا یا یوں سمجھ لیجئے کہ افواہ سازی نیشنلائز ہوگئی۔ ہم نے کبھی سنا تھا کہ بنک نیشنلائز ہوگئے، نجی ادارے نیشنلائز ہوگئے مگر اب کی بار مودی ملک سرکار میں یہ نیا موڑ آیا بلکہ بے جوڑ آیا اور اس کے سبب ایسے سیاسی توڑ مروڑ بھاگم دوڑ سننے اور دیکھنے کو ملیں گے کہ آگے دوڑ پیچھے چھوڑ والے کھیل کا دلوں سے میل ہوگا۔ اب لوگوں کو ہریسے کی دیگ کے گرد یا حجام و نانوائی دوکان کے تھڑے پر افواہ گوندھنے یا من گھڑت خبریں سینکنے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ سرکار یہ کام اب محکمہ رسدات کے گھاٹ، صحت عامہ کی ایمبیولنس، پولیس سرشتے کے خفیہ ٹیلی پیغامات کی وساطت سے خود ہی انجام دے گی۔ چونکہ بقول گورے بابا لارنس اہل کشمیر افواہ بازی طبعاً پسند کرتے ہیں بلکہ اسی پر جیتے ہیں، ہم نے خاص طور پر افواہ بازی کے معاملے میں سرکاری ترجمانوں کو ''ترجمان'' (سفید جھوٹ بولنے والا) نہیں بتایا اور ان کی دی ہوئی ہدایات پر فوری عمل شروع کردیا۔ مانا کہ جنگ کوئی پکنک نہیں اور اسے منانے کے لئے رستہ گوشتابہ یا پورے وازہ وان کی دیگ لے کر کسی صحت افزاء مقام کی طرف قدم رنجہ ہوا جائے، پھر بوفورس توپ کے دہانے میں گولوں کی جگہ گوشتابے والا گولہ بھر کر دشمنِ جان پر فائر کیا جائے کہ اس کی لذت و خوشبو سے ہی شترو سینا مدہوش ہو جائے اور یک لخت

انہیں اسی عالم میں فان درفان کر دیا جائے۔ ہم نے باضابطہ جنگ کا حدود اربعہ معلوم کیا۔ صحافت کے مچھلی بازار میں ٹی وی اسکرین پر چلنے والی ویڈیو گیموں کو اصل بمباری مان کر یہ نتیجہ نکالا کہ آگے کیا کیا ہونے والا ہے۔ اشیائے خورد و نوش کی کمی، ادویات کا قحط، اوپر سے برسنے والے فضائی گولوں کی بوچھاڑ اور اس سب سے بچاؤ کے لئے زیر زمین تہہ خانے کی ایجاد وغیرہ وغیرہ کا ناپ تول۔ اس درد کو دل میں دبائے ہم نے بھی دیکھا دیکھی میں اپنی ننھی سی جان کی مدافعت پر اپنی جیب کی قربانی شروع کر دیا اور وہ بغیر بسم اللہ پڑھے۔ مجھ جیسے دیوانے دو کانوں پر چاول، نمک، تیل، تمباکو، گوشت، انڈوں پر ایسے ٹوٹ پڑے جیسے ترشول بردار بیف کا بہانہ کر کے محمد اخلاق، پہلو خان وغیرہ پر جان لیوا دھاوا بول گئے تھے، یا جیسے ہل والے نیشنلی الیکشنی ایام میں مرحومہ اندرونی خودمختاری پر خوب دل کھول کر ماتم و بین کرتے ہیں۔ اپنے یہاں چاول، نمک، تیل کا مکسچر تہری کہلاتا ہے اور ہم اہل کشمیر اس کے زبردست شیدائی واقع ہوئے ہیں کہ خوشی غم دونوں صورتوں میں اس کے لقمے اندر انڈیل لیتے ہیں۔ غریبوں میں تقسیم کر کے دعائیں وصولتے ہیں اور آستانوں پر بانٹ کر جن و بلا بھگانے کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ جنگ بھی چونکہ سب سے بڑی بلا ہے، اس لئے دورانِ جنگ فاقوں کی نوبت نہ آئے، خالی پیٹ کی جنگ سے بچنے کا بھی پیشگی اہتمام کرتے ہیں۔ اسی لئے اُدھر فروغِ افواہ بازی کے سرکاری وبھاگ سے خبر اُڑی: ہوشیار خبردار ہم پیٹ کے علمبردار، مودی کے وفادار، عمران کے طرف دار خلقِ خدا کو اطلاع دیتے ہیں کہ اپنے گھر میں کھان پان کا اتنا ذخیرہ کرو کہ ہمالیہ بھی شرما جائے، سات پیڑھیاں کھائیں ختم نہ ہو، جنگ سے پورا عالم بھنگ ہو مگر ہمارا ذخیرہ ہر رنگ میں دبنگ ہو۔ ہم نے کہا جو کہنا تھا، بعد میں کوئی عذر لنگ نہ ہو۔ یہ اذنِ عام سننا تھا کہ اہل کشمیر عید جیسی خریداری کرنے جوق در جوق فوج در فوج قطار اندر قطار نکلے۔ مانا کہ عید جیسی خوشی نہیں تھی کیونکہ بازاروں میں بچا کھچا ہی تو گھر لے آنا تھا لیکن عید جیسا رَش بازاروں میں لگ گیا کہ کوئی کوئی خالی جیب غریب غش کھا گیا۔ خواتین سروں پر چاول کے تھیلے، بچے ہاتھوں میں دال چنے کے لفافے، بچیاں تیل کے کنستر لئے، جوان گیس سلنڈر لئے مارچ پاسٹ میں مشغول ہوئے۔ اسی چھینا جھپٹی میں بے کس عوام ایک دوسرے سے ٹکرائے لیکن کسی سے جھگڑا مول لینے کا وقت نہیں تھا بس جنگی حالات سے نبرد

آزما ہونے کا امتحان تھا۔ چپس اور دودھ ٹافی بھول کر جنگی صورت حال سے نپٹنے کے لئے رواں دواں تھے۔ ہمیں یکایک نہ جانے کیوں ”رائے شمأری برٕن ڈَبَس اُلوٕبَس مبارک (رائے شماری کی مانگ کو ڈبے میں دفن کر لی، بابائے آلو کو مبارک ہو) والے دن یاد آئے جب اہل کشمیر آلو اور پیاز کے تھیلے سونے چاندی کے بھاؤ خرید کر گھر لاتے رہے۔ سبزیاں تو عنقا تھیں اس لئے ”گنڈ آلو“ سے ہی کام نکالنے میں جٹ گئے۔ ہو نہ ہو یہ ”گنڈ آلو“ مصیبت کا ساتھی تکلیف بھگانے کا نسخہ ہے۔ پیاز تب ساتھ دیتا ہے جب کوشش کے باوجود آنسو نہ بہیں لیکن ورق ورق پیاز چھیلتے یہ کام بھی ہو ہی جاتا ہے اور آلو بے چارہ تو ہر دور کا ساتھی ہے۔ خیر نہ جانے اس تیل کے اندر کیا کرامت ہے کہ امریکہ ہمیشہ اس کی تلاش میں نکلتا ہے کبھی عربوں کے تلوے چاٹتا ہے، کبھی ان پر جنگیں بڑے پیار سے تھوپ دیتا ہے۔ افواہِ سرکاری سنتے ہی یہی میڈان امریکہ جنِ اپنے ہر پیر و جوان پر مسلط ہوا، سب چار پہیوں اور دو پہیوں کے لئے قیامت تک کی بھوک مٹانے پٹرول و ڈیزل کی کھوج میں لشکر در لشکر نکل پڑے۔ جس حضرت کے پاس ابھی گاڑی میں تیل برابر موجود تھا وہ بھی گاڑی لے کر نکلا اور جس کے پاس بہت کم بچا تھا، وہ اس ڈر سے کہ کیا پتہ مزید تیل زندگی بھر ملے ہی نہ جائے، پیدل یا سائیکل پر خالی کنستر لئے سات سمندر تک پار کرنے کا عزم لئے نکل پڑا، اور گھر والوں کو یہ وصیت تک سنائی، بے وفا دنیا کے جفا کارو! اپنی رہی سہی اُمید حیات حصولِ تیل کی جنگ میں چاہے ختم ہو جائے مگر خالی ہاتھ نہ لوٹوں گا، اور اگر الیکشن بعد بھی نہ لوٹ آیا تو سمجھنا چہارم چہلم برسی منانا فرض ہوا ہے۔ جہاں یہ حال ہو وہاں آناً فاناً تیل پمپوں کے قریب اتنی لمبی لائنیں کھڑی نہ ہوں تو کیا ہوگا؟۔ خیر بازاروں میں اتنا سارا رش اکٹھا دیکھ کر سرکار خود ہی گھبرا گئی اور سوچنے لگی، ہے ہے ہے! ہمیں تو اندازہ ہی نہ تھا کہ اپنی پرجا راجہ بھوج کے گنگو تیلی پر اس قدر بھروسہ کرتی ہے کہ اُس نے فرمان جاری کیا، اِس نے مان لیا۔ جنگ کا بگل ابھی بجا بھی نہیں کہ رعایا سرکار کی کن سوئی کو ہی پکا سچ مان کر میدان میں لنگر لنگوٹے کسے کود پڑی۔ خلقت سونہ مرگ سے سورسیار تک اور کھنہ بل سے کھادن یار تک دوکانوں کے شٹروں کے ساتھ جونک کی مانند چپک گئی۔ پھر ہونا کیا تھا، دوکاندار بھی، سبزی فروش، پنساری بھی جونک ہی کی طرح جینے کے عادی ہیں، موقع ہاتھ آیا تو گاہکوں کا خون اس قدر چوسنے لگے کہ گھر کا ایک فرد دوکان سے چمٹ

گیا اور دوسرا مزید خون بھروانے اے ٹی ایم پہنچ گیا۔ جتنا ہو سکے روپیہ پیسہ کھینچ لو، داشتے کہ بکار آید۔ اس صورت حال سے گھبرا کر خود سرکاری ہرکارے نمودار ہوئے، اعلان کیا: بھائی لوگو! جو ہم نے کل کہا تھا، وہ سب آزمائشی جھوٹ تھا، آج سچ سنو، غم و فکر کی کوئی ضرورت نہیں، سب ٹھیک ٹھاک ہے، اپنا سٹاک بھی بہت ہے۔ لوگ ہرکاروں کی دَل بدلی پر اپنی ہنسی نہ روک پائے، حیرانگی میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ بھائی! ہم نے پہلی بار سرکار کی زبان پر بھروسہ کیا تھا تو کیا یہ بھی جھوٹ ہی نکلا؟ دَھت تیری کی! سرکار خود ہی افواہ پھیلاتی ہے، اس پر بھروسہ نہ کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ واہ ملک سرکار واہ۔ واہ وائسرائے کشمیر واہ!!

سونی ہوئی ہے شہر کی سڑکیں تمام تر — ایسا کمال کر دیا افواہ نے حضور
سارا ذخیرہ ہو گیا پٹرول کا ختم — اس میں چال تو رہبر کی ہے ضرور

جیسے ملک کشمیر کی افواہیں کافی نہیں تھیں کہ بھارت کے صحافتی مچھلی بازار میں لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ کسی نے بیٹھے بیٹھے مگ جہاز پر قبضہ جما لیا، کوئی بوفورس توپ پر سوار ہو گیا، کسی نے ٹینک کے دہانے کو چوما، کوئی مشین گن ہاتھ میں لئے جھوما، کوئی باتوں باتوں بلکہ لاتوں لاتوں ہر فوجی تنصیب میں گھوما۔ اس شور شرابے میں مملکتِ خداداد میں امن کو ایک موقع دینے کی مانگ پر ایسے جھپٹے کہ جنگ تو لڑنی ہی پڑی۔ بھلا جنگ نہ ہوئی تو ہماری ٹی آر پی کیسے بڑھے گی؟ ٹی آر پی نہ بڑھی تو اشتہارات کی بھرمار کیسے ہوگی؟ اشتہارات نہ ملے تو ہمارے خزانے کون بھرے گا؟ سرحد کے آس پاس بھلے ہی عام شہری یا فوجی مر جائیں لیکن اہم چیز تو ہمارا خزانہ ہے، جو بھرتے ہی رہنا چاہیے۔ ٹی وی والوں کو خزانے چاہئے، سیاست دانوں کو الیکشن میں جیت کے بہانے چاہئیں۔ مطلب اس گنگا میں سبھوں کو نہانے کے لئے چند پل سہانے چاہئیں۔ باقی جائے بھاڑ میں، اس لئے تو ٹی آر پی اور الیکشن جیت کے لئے جنگ کا آغاز کرنا ہی پڑا۔ جٹ طیارے سرحد پار گئے، دو چار درختوں پر بہادرانہ بمباری کر کے واپس لوٹے۔ صحافتی مچھلی بازار کے چند زبان دراز اینکرس کو وہیں چھوڑا۔ وہ ملبے کے اندر پتے نما لاشیں ڈھونڈ کر گننے لگے۔ خود سرکار کو گنتی کا پتہ نہیں چلا لیکن اینکرس نے تو خوردبین لگا کر گن لیا تھا، کاغذ قلم نکال کر تفصیل درج کی۔ عینی گواہوں نے پانچ کا ہندسہ سنایا لیکن اینکرس چونکہ گن کر آئے تھے، اس لئے تین سو کے آس پاس

رُک گئے۔ پھر ہمیں پتہ چلا گورے بابا لارنس نے جو اہل کشمیر کو افواہ بازی کے شیدائی کہا تھا، انہیں اینکر اینڈ کمپنی نے مقابلے میں ہرادیا۔ چلو یہ مشورہ بھی اچھا ہے کہ فوج ایک نئی رجمنٹ تیار کرلے جس کو اینکرس رجمنٹ نام دے۔ اس میں ان دلیر نڈر اینکرس کو جگہ دے، جو جوش میں آکر ٹی وی اسٹیڈیو سے ہی ایسے میزائل داغ دیتے ہیں کہ دشمن کے علاقے میں گھسنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ جہازوں اور انہیں چلانے والوں کو کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ جتنا چاہے دشمن ملک کا علاقہ ہتھیا لیتے ہیں۔ قبضہ کر کے پڑوسی بدل دیتے ہیں۔ زمینی فوج کی پیش قدمی کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ یہ رجمنٹ ٹی وی اسٹیڈیو سے ہی جنگ جیت جاتے ہیں۔ خیر جنگ کی بات چلی ہے تو چھوٹی جنگ پھر ہو ہی گئی کیونکہ دوسرے دن مملکت خداداد والے گزشتہ رات کی ہزیمت کا بدلہ لینے اُڑن طشتریاں لے کر پہنچے۔ بقول اہل کشمیر کس کی ماں سونا اور کس کی ماں چاندی تولے گی، اس کی نمائش خوب ہوئی۔ مانا کہ بم باری کو دہشت گردی کے خلاف جنگ سے تعبیر کیا گیا لیکن کون نہیں جانتا کہ اس بارودی توپ میں الیکشن کی آگ بھر دی گئی تھی؟ اور الیکشن کے ٹائم میں فیس بک وغیرہ پر دونوں طرف کے شیدائی یعنی بھگت جن اور انٹرنیٹ فدائی اپنے اپنے میزائل چلاتے رہے ہیں۔ ''ہم نے تین سو مارے'' کے جواب میں کسی کی ایک تو لاش دکھاؤ والا فقرہ فضا میں گونجا۔ طنز و مزاح کے بے ترتیب تیر چلے۔ مودی جو ٹھان لیتا ہے تو پھر اپنے آپ کی بھی نہیں سنتا، جیسے پٹھان نئی دلہن لانے اور جارحیت کا جواب دینے میں کبھی دیر نہیں کرتا۔ گرفتار شدہ پائلٹ کے نیچے لکھا کہ کل تم چائے پئے بنا چلے گئے، ہم تو مہمان نواز ہیں، اس لئے آج چائے پی کر ضرور جانا۔ اس بیچ بڑی مشکل سے کسی حد تک سرحد پر امن لوٹ آیا۔ بھارتی پائلٹ واپس کیا گیا۔ سنا ہے اگر بھارت بھاری رہا تو مودی اپنا چھپن انچ سینہ دکھائے گا اور پاکستان بھاری پڑا تو مودی یہی کہے گا کہ میرا کیا ہے، فقیر آدمی ہوں، جھولا اٹھا کر نکل جاؤں گا۔ اور فقیری بھی ایسی کہ صفائی کرمچاریوں کے پیر دھولیں۔ وہ کرمچاری مانے نہ مانیں لیکن مودی جی زبردستی پکڑ کر پیر صاف کریں گے۔ ارے بھائی! الیکشن آنے والا ہے کیا، اب ووٹ بھی نہیں جیتنے دو گے۔ اس کے بعد تو ہم کہاں تم کہاں؟ میرا اُڑتا جہاز بھی نہ دیکھ پاؤ گے۔

سیاست نے بیڑہ غرق کیا   اپنے کچھ اور بھی مشغلے تھے

تیرے قول و قرار سے پہلے   اپنے کچھ اور بھی غلغلے تھے

اسی لئے تو جنگ جو جاری ہے تو مملکت خداداد کے شہر شہر گاؤں گاؤں سے نفرت کا اظہار کرنا ضروری بن جاتا ہے کیونکہ نفرت کے تندور میں سیاسی روٹیاں سینکنے کا چلن برس ہا برس سے جاری ہے۔ بھکت جن بھلے ہی بیف برآمد کرنے کا ٹھیکہ اپنے پاس رکھیں کہ اس سے گاندھی مارکہ روپیہ حاصل ہوتا ہے لیکن ایک طرف گاندھی سے نفرت بھی کرنی ہے اور بیف کے نام پر اقلیتوں کو نشانہ بھی بنانا ہے۔ ادھر بھی تو بیکری کا مزہ خوب لینا ہے لیکن مملکت کے شہر کا نام برداشت نہیں کرنا ہے۔ پھر بس یلغار کر ڈالی کہ کراچی بیکری نام کرن کر دو کیونکہ کنول بردار آجکل نام بدلنے سے ہی اپنی انا کی تسکین کر پاتے ہیں!!

Published 4/3/2019

* *

مالکِ دستار میرا چور چوکیدار ہے

اپنے ملک کشمیر کے پولیس والے شش و پنج میں ہیں کہ یہ کشمیری جوان کس قدر جوشیلے اور پھرتیلے ہیں کہ پولیس حراست میں مارے جانے کے بعد بھی بھاگ جاتے ہیں، جبھی تو رضوان پنڈت نے جو دم توڑنے کے بعد بھاگنے کی کوشش کی، ٹاس پٹاس فورس نے اس پر گولی نہیں چلائی، کہتے ہیں وہ بلیٹ پیلٹ چلانے سے گریز کرتے ہیں اور برابر ۲۰۱۰ سے ایسا کرتے آئے ہیں۔ خیر ہم تو یہ سوچ کر خوش تھے کہ پولیس کا سربراہ کچھ بولے گا تو سچ ہی بولے گا اور اس کی کہانی پر بھروسہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس لئے ہم نے یہ بات گانٹھ باندھ لی تھی کہ لوگوں کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ڈی جی صاحب نے کہہ دیا کہ سیکورٹی صورت حال بہتر ہے تو بہتر ہے، کیونکہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب جناب ڈی جی پی نے اس بات کا یقین بھی دلایا تھا، لیکن ہوا یہ کہ چناؤ کے شور و غوغا میں پرنسپل رضوان پنڈت کو ٹاس پٹاس فورس نے اپنی تحویل میں جاں بحق کر دیا کہ ساتھ میں ہم پر واضح کر دیا کہ اونتی پورہ کا جواں سال اُستاد مر گیا۔ تب جا کر ہمارے بھیجے میں بات اتری کہ ڈی جی پی کی لکشمن ریکھا کا اطلاق وردی پوشوں پر نہیں ہوتا۔ مطلب کسی کو یہ شک نہ رہے کہ ٹاس پٹاس فورس والوں نے مارا، بھلا وہ کوئی ایسی غلطی کرنے والوں میں سے ہیں کیا؟ ہاں اگر وہ تفتیش کے نام پر ہلکے سے ڈنڈے ایک آدھ بار مارتے ہیں، تھوڑا بہت بجلی کا کرنٹ پاس کرتے ہیں، تھوڑا سا اُلٹا لٹکاتے ہیں، مرغا بناتے ہیں، کچھ دیر پنڈلیوں پر رولر چلاتے ہیں، تو اس کے سبب پورے جسم کا مساج ہوتا ہے اور مفت میں تھکاوٹ بھی دور ہوتی ہے۔ اب اگر تھکاوٹ دور کرنے کے بعد رضوان پنڈت کی میت گھر پہنچی تو بھلا اس میں ان کا کیا قصور؟ اور قصوروار ڈھونڈنے کے لئے ہی تو انکوائری بٹھائی گئی تاکہ وردی پوشوں کو نیکٹائی پوش اس جرم

سے آزاد کرنے کا سرٹیفیکیٹ فراہم کردیں۔

نکلو گے تو ہر موڑ پر مل جائیں گی لاشیں
ڈھونڈو گے تو اس شہر میں قاتل نہ ملے گا

ہم کچھ نہیں کہہ سکتے حالانکہ ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں، بلکہ ہاتھ میں قلم بھی دبائے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ قلم دوات پر جملہ حقوق کسی اور نے چرائے ہیں اور وہ اسی کے دم پر ہماری ہی چھاتی پر مونگ دِلتے ہیں اور اگر ہم آہ کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام۔ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا، کیونکہ انہیں اپنا قصور کسی اور سر تھوپنے کا من موہنا ہنر آتا ہے۔ اس لئے کہ اپنے دور میں مارے ہوئے افراد کو وہ اس طرح چھپاتے ہیں کہ انسان نہ ہوں بس آنکڑے ہوں، جنہیں گنتی شمار میں رکھا تو رکھا۔ اس پر ہل والے بھی پیچھے نہیں اپنے دور کے ذبح شدہ لوگوں کو وہ بقولِ اہل کشمیر اُنتیس کے ساتھ ڈال کرتن تنانن کردیتے ہیں۔ مطلب اپنا دامن سپر رِن یا سرف سے دھو ڈالتے ہیں تاکہ کہیں کوئی داغ نہ رہ جائے اور کوئی تھرتھراتی اُنگلی بھی ان کی طرف نہ اٹھائے۔ اُن کی دھلائی صابن پاوڈر فیس بک اور ٹویٹر فراہم کرتا ہے۔ بھارتیہ سپہ سالار نے پہلے ہی فرمان جاری کیا ہے کہ کاٹتے چلو مارتے چلو، سُرکشا بل پیچھے ہو رام تو بھلی کرے گا۔ کسی قتل، کسی خون ناحق کا، کسی عزت ریزی کا، کسی مارا ماری کا چرچا ہو بھی جائے تو بس اخباری سرخی ایک دو دن اسے سجاتی ہے، رجھاتی ہے، اور پھر بھلاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو وہ ساری سرخیاں یاد کریئے جن کو بھلانے کا ریکارڈ بھی ہم توڑ دیا۔ یہاں بزبانِ سرکار بنامِ خلقِ خدا تحقیقات کے اعلان در اعلان ہوئے مگر کھودا پہاڑ نکلی چوہیا، اسی چوہیا نے ان تحقیقاتی رپورٹوں کو مزے سے اپنی غذا بنایا۔ جناب عالی! ملک کشمیر میں اتنے Probes کے اعلانات ہوئے جتنی یہاں معلوم و نا معلوم قبریں ہیں۔ ہم کبھی کبھی مغالطے میں آتے ہیں کہ ہم ملک کشمیر کے باشندے ہیں یا پروبستان کی خلقت۔ کول کمیشن بھی سجایا گیا، سنوارا گیا اور اب اس کی سفارشات منظر عام پر نہیں لانے دیتے اور ہم ہیں کہ نعرہ مستانہ لگا کر اپنا من موجی بناتے ہیں لیکن کیا کریں ادھر سے ٹو جی، تھری جی، فور جی بلکہ پارلے جی پر بھی پابندی لگ جاتی ہے۔ یوں ہماری زبان بند، سوچیں زیر قفل ہوں، حرکات و سکنات پر قدغن ہو اور زبان سے سلطانیٔ مودی کے زمانہ پر عش عش کرنا پڑتا ہے۔

ٹوٹے ہیں مجھ پہ قہر بھی میں نے پیا ہے زہر بھی
میری زبانِ تلخ کا اتنا بھی اب بُرا نہ مان

لو جی بھائی لوگو! عیش کرو بلکہ موج مناؤ اور خوشی سے جھومو، ناچو، گاؤ، ونہ وُن، روف پر تھرک تھرک جاؤ۔ جنہیں ونہ ون نہیں آتا وہ ڈی جے والے بابو کی مغربی دھن پر ناچے۔ بھارت ورش میں بیماری کی مانند پھیلے چوکیداری کے موسم میں اپنے ملک کشمیر میں چوکیداری کا انفیکشن ہو گیا ہے۔ اس انفیکشن کے چلتے ساری سیاسی پارٹیاں اُچھل کود میں لگ گئی ہیں کہ سیاسی بیماری کی اہم نشانیوں میں ''راج کرے گا تاج کرے گا، آگے بڑھو ہم تمہارے ساتھ ہیں، اب کی بار اپنی سرکار'' جیسا شور مچانا بھی شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہی وعدے دہرانا بھی لازم ہے جو ماضی میں کرنے کے بعد بھول جانا کارگر دوائی کے طور بھی استعمال ہوتا آیا ہے۔ اسی لئے ہم نے خصوصی پوزیشن، ۳۷۰ اور ۳۵/الف کو ایک مضبوط سیف میں محفوظ رکھ دیا اور اس کے گرداگرد چوکیداروں نے اپنی اپنی چونگی چوکی قائم کی ہے تاکہ کہیں سے کوئی ناگپوری ڈاکو یہاں ڈاکہ ڈالنے نہ آئے۔ عمر چوکیدار، فاروق چوکیدار، سجاد چوکیدار، محبوبہ چوکیدار اور اب فیصل چوکیدار چاق و چوبند کھڑے ہیں کہ کوئی اس کی چونگی کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائے۔ کسی نے اندرونی خودمختاری کی توپ، کسی نے سیلف رول کا نیزہ، کسی نے تبدیلی کا باجہ، کسی نے خاندانی راج کے خاتمے کی ڈگڈگی ہاتھ میں لی ہوئی ہے۔ ایک صاحب نے Achievable Nationhood کا فائٹر جہاز مونچھوں والے ابھی نندن کی طرح سنبھالا ہے، کسی نے بدلی ہوا کی سوکھی گھاس جمع کر رکھی ہے۔ اس ذاتی دنگل کے اکھاڑے میں شامل پتلی کمر والے اور ترچھی نظر رکھنے والے پہلوانوں کو ایک دوسرے سے ملنا چاہئے تھا لیکن ملک کشمیر کا چونکہ باوا آدم نرالا ہے، اسلئے یہ کہَن رأ وٕمژ گاو (گیارہ افراد کے بیچ گائے کا گم ہونا) کے مصداق اپنے اپنے کوچے میں دربدر پھر رہے ہیں۔ نہ چوکیداری ساتھ دیتی ہے نہ مشترکہ گائے دکھائی پڑتی ہے۔ وہ جو مرشد کاملؒ نے سأری سمٕ توٚ اَکس رَزِ لمٕی تو (سارے مل کر ایک ہی رسی کھینچو) کا پیغام دیا تھا، وہ خلفشار کے ان مریدوں کے پلے کہاں پڑنے والا؟ بقول دانایان کشمیر لالچی انسان تو سوکھی ندی میں بھی ڈوب جاتا ہے۔

ادھر مفتیان بیج بہاڑہ نے ایک نیا فتویٰ جاری کر دیا ہے۔ ابھی ہم مرد مومن کے خواب

کی تعبیر ہی ڈھونڈھ رہے تھے کہ سارے اہل قلمدان مجاہدین بلکہ حقیقی مجاہدین قرار پائے۔ وہ ایک مرد مومن جس نے قطبین کا ملاپ کیا اور پھر ایسا جوڑ بنایا کہ فیویکول جوڑ شرمندہ ہوا کیونکہ قطبین کا جوڑ اصل میں ناگپوری نٹ بولٹ والا تھا کہ کب ٹائٹ کرنا اور کب ڈھیلا چھوڑنا، وہ ہدایت تو دلی دربار سے ہی آتی رہی۔ جبھی تو ابھی سر نہیں منڈوایا کہ اولے گرے۔ اور ہولے ہولے نہیں بلکہ ایک دم گرے جب مودی نے خیالی چھپن انچ کا سینہ اور بھاری ڈولے دکھائے۔ ملک کشمیر کی ہی سرزمین پر ملک کشمیر کے حل پر ایسی سرزنش کی کہ مرد مومن کا خوب چکنا چور ہوا۔ مرد مومن نے تو نیم خوابیدہ آنکھوں سے کانچ کے ٹکڑے سمیٹ کر اپنے محل خانے میں محفوظ رکھے کہ ان کے ہی سبب کرسی اپنی جگہ قائم تھی۔ مرد مومن نے کرسی کا رُخ اپنی جانب ہمیشہ کے لئے موڑنا چاہا مگر وائے کم نصیبی گٹھ بندھن نے جغرافیہ میں تبدیلی لائی، یعنی قطبین کا ملاپ سرکار کے فلاپ پر منتج ہوا۔ کنول کی آبیاری کرتے کرتے قلمدان کی سیاہی خشک ہوگئی۔

حقیقت کیا چھپائی ہم سے اس کی سیاست نے
جسے خیر خواہ سمجھ بیٹھے تھے وہ دشمنِ جان نکلا

ادھر ہل والے نیشنلیوں اور اہل قلم دان کے بیچ ملک کشمیر کی حصہ داری کے موضوع پر ٹھن گئی ہے، جبھی تو دودھ ٹافی آنٹی نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ جموں کشمیر ولداخ ہل والوں کی ذاتی جاگیر نہیں کیونکہ اگر ہے تو وہ فوراً ملکیت کے تصدیق شدہ کاغذات پیش کرے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ملک کشمیر کی ساری زمینیں ہل والوں کی ہیں جبھی تو اس پر ہل جوتنے کے سارے حقوق انہیں دئے گئے ہیں اور قلم دان تفویض کرنے کے سبب تمام اسکول کالج، دانش گاہیں اور دفاتر مفتیان بیج بہاڑہ کی ذاتی ملکیت قرار پائے ہیں۔ اس لئے ہم ببانگ دہل اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ دونوں خاندانوں کے نام ملک کشمیر تقسیم قرار پایا ہے۔ کوئی اعتراض اُٹھائے گا تو اپنے سروسامان کا خود ذمہ دار ہوگا۔ اس بیچ نیشنلی قائد ثانی نے اپنے فرزند کی بے روزگاری کا رونا رویا، بھلا کیوں نہیں، بیٹے کی روزی روٹی کا سوال بھی تو ہے۔ تین سال پہلے جو سی ایم کی کرسی چھنی، بڑی مشکل سے ایک اسمبلی حلقہ ہاتھ آیا جس کے سبب گھر کچن چلتا رہا، نہیں تو صبح شام کھانا نہیں ملتا اور اب کی بار اگر کچھ تنخواہ کا انتظام نہ ہوا تو دال چاول بھی نصیب نہیں ہوگا۔ بچوں کی فیس تک ادا نہ ہوگی، ڈاکٹر کے پاس جانا

مشکل ہوگا کہ دوائی کے لئے پیسے سے جیب خالی ہوگی۔ اس لئے ہمارے غریب خاندان پر رحم کھاؤ، ترس کھاؤ۔ آپ کا آشیرواد حاصل ہوتو مفلس عمر سی ایم بنے گا اور میں نادار ممبر لوک سبھا پر گزارہ کرلوں گا۔ مطلب بے روزگار بیٹے کو کچھ کام دو ڈیلی ویجر ہی سہی اور مجھے بھی بے کار نہ چھوڑو۔

چوکیداری موسم میں سب لوگ چوکیدار بنے پھرتے ہیں۔ مودی چوکیدار، امت شاہ چوکیدار، راجناتھ چوکیدار، مطلب اپنے یہاں وزراء کا قحط تو پڑ ہی گیا مگر چوکیداروں کی بھرمار ہوگئی اور چوکیدار بھی ایسے کہ ان کے اوپر زیڈ پلس سیکورٹی لوگ چوکیداری کرتے ہیں، یہ واچ مین کی طرح محل کے باہر نہیں بلکہ نصیبوں والے چور چوکیدار کی طرح محل کے اندر مفت کے کیش پر عیش کرتے ہیں۔ سنا ہے کہ بے چارے نیپالی چوکیداروں کی نوکریوں وغیرہ کے بھی لالے پڑ گئے ہیں کہ ان کی سستی نوکریوں پر بادشاہ لوگ قابض ہوگئے۔ ایک طرف نوجوانوں کی جاب پر ڈاکہ ڈالا، دوسری طرف شاحب جی کہنے والے بہادر اور تھاپا بے چارے کام سے گئے۔ چوکیدار شاحب (صاحب) کو ایک طرف بھارتی معیشت کی فکر ہے، اس لئے بنکوں اور معاشی خزانوں کی رکھوالی چوکیداری کرتے رہتے ہیں۔ چلو مانا کبھی نیند سوار ہوئی تو نیرو مودی و جے مالیا وغیرہ ہزاروں کروڑ پر ہاتھ صاف کر کے وشال دیش سے خوش حال دیش رفو چکر ہوگئے، یا یہ کہ کبھی جان بوجھ کر نکلنے دیا کہ چلو تم بھی کیا یاد کرو گے کہ میرے جیسے چور چوکیدار سے واسطہ پڑا۔ اتنا ہی نہیں اپنا چوکیدار اب اردو زبان پر بھی چوکیداری کرنے نکلا ہے۔ جبھی تو مودی سرکار شاہ رُخ خان، سلمان خان اور کترینہ کیف جیسے لوگوں سے ویلن اردو کی ہیروئین جیسی پروموشن کروائے گی۔ واہ مودی جی واہ! کترینہ تو انگریزی ماحول میں پلی بڑھی ہے، بڑی مشکل سے اردو ہندی ڈائیلاگ بول پاتی ہے۔ چلتے چلتے ہم نے کترینہ سے اردو میں بات چیت کی۔ سنئے اور سر دُھنئے

ہم: سنا ہے آپ اردو کی پروموشن کرنے والی ہیں؟

کترینہ: یس یس، ہم کو ارڈو کا پروموشن جاب ملا ہے

ہم: میڈم جی! آپ کو اردو زبان کیسی لگتی ہے؟

کیٹرینہ: یہ سب کانٹینیٹ sub continent کی ہی نہیں پورے ورلڈ میں سپیک ہوتی ہے۔ اس کے چاہنے والے ہر ٹرف پھیلے ہیں۔ یہ بہت سویٹ لنگویج ہے۔

Published 25/3/2019

کرسیوں کی بھیک دے دو جھوٹ کی خیرات لو

یہ ہوئی نا بات! نیوزی لینڈ کی جوان سال وزیر اعظم نے عالمی لیڈروں کے برعکس بیانات سے نہیں بلکہ عملی کاروائی کر کے سبھی کو سبق سکھایا۔ اب فرقہ پرستی کا ہوا کھڑا کرنے والے لیڈروں کو شرم آئے نہ آئے پر خاتون عزت مآب نے انہیں بیچ چوراہے ننگا کر دیا۔ وہ جو مسلم آبادی پر شکنجہ کس کے الزام ان ہی پر دھرتے ہیں کہ دہشت گردی کو ہوا دیتے ہیں ان کو زور کا جھٹکا ذرا زور سے ہی دیا۔ ہمدردی کا باضابطہ مظاہرہ ایک طرف اور اذان کی تشہیر دوسری طرف، پیغام محبت اسطرح سامنے لایا کہ فرقہ پرست لیڈروں کو پانی پانی ہونا پڑا۔ یعنی دنیا کو امن پسند اور امن مخالف حصوں میں بانٹ دیا اور کسے نہیں معلوم عالمی برادری امن ہی پسند کرتی ہے۔

میرا پیغام سیاست ہے جہاں تک پہنچے
اور انجام محبت ہے وہاں تک پہنچے

اور دنیا کے دوسرے سرے پر یعنی بھارت میں مشن شکتی کا پرچار ہو گیا۔ مودی جی ہیں کہ زمین اور فضا کی جنگ سے جی نہیں بھرا تو خلا میں دوڑ لگا دی۔ جو ٹیکنالوجی ۲۰۱۱ء میں متعارف ہو گئی تھی، اس پر رنگ روغن کر کے بھگوا رنگ چڑھا کر اپنی ملکیت جتانے ٹی وی اسکرین پر چڑھ بیٹھے کہ بھگت جنو! اب ہم چوکیدار نہیں خلا مار بن گئے ہیں۔ اب پڑوسی ہوشیار ہو جائیں کہ ہم دور مار بن گئے ہیں۔ بھلے عوام کے لئے سرکار کچھ کرے نہ کرے پر ہم راکٹ سوار ہو گئے ہیں اور اس سب کے عوض ایک بار پھر مودی سرکار کی دہائی ہے۔ پرانے وعدوں پر موٹی سی رضائی ہے، نئے وعدوں کی صفائی ہے۔ آر پار کی لڑائی ہے۔ میدان جنگ میں نہ سہی پر ٹی وی اسٹیڈیو کی کمائی ہے۔

امن اور جنگ کے درمیان بٹوارے کی خبروں کے بیچ اپنے ہل برداروں اور قلم دانیوں کے بیچ جو ٹھن گئی کہ ملک کشمیر کے بیچ کا بٹوارا اُن کے درمیان کیسے ہو؟ کیونکہ دونوں اس پر یہ کہہ کر حق جتاتے ہیں کہ اگر کسی نے یہاں بھلا کیا تو ہم ہیں ہمارے سوا کوئی نہیں۔ الیکشن کے موسم میں ایک دوسرے پر زیادہ بڑے الزامی میزائل پھینکتے ہیں اور بیان بازی کا بارُود بڑی مقدار میں خرچ کرتے ہیں۔ جی پی آر ایس سے لیس ایسے بم ٹھیک نشانے پر مارتے ہیں کہ ان سے بچ نکلنا محال ہے۔ اس منظر نامے میں ہل اور قلم دان والوں کا اندرون بیرون ننگا ہو جاتا ہے اور عوام وہ سب جان جاتے ہیں جو ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔ اسے کہتے ہیں بیچ بازار دھو دینا۔ اپنی تعریف میں بھی کوئی چھوٹے میزائل نہیں داغتے بلکہ ملک کشمیر کو جنت نما بنانے میں جو مضحکہ خیز کردار ادا کیا وہ بھی واضح کر دیتے ہیں۔ مثلاً دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے دور میں جو جو کیا اس کی تفصیل یہ ہے۔ خالی خولی بھلا نہیں کیا بلکہ شہر شہر سڑکوں پر سونے کی پرت چڑھا دی۔ گاؤں گاؤں دودھ کی ایسی نہریں بہا دیں کہ بے چارہ فرہاد بھی شرما گیا۔ بستی بستی نلوں سے شہد ٹپکتا ہے۔ جبھی تو اہل کشمیر موٹے تازے فربہ دِکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وردی پوشوں کی موجودگی کے سبب وہ بیربل کی بھیڑ کی مانند ڈھانچوں میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اہل سیاست البتہ ایک دوسرے کو کوستے رہتے ہیں۔ ایک کا الزام ہے کہ دلی دربار کی الماریوں سے اُٹھا کر پوٹا، ژھوٹا (کوٹنے والا)، لوٹا (رشوت خوری)، کوٹا (خاندانی راج) جیسی بلائیں وارِدِ کشمیر کی گئیں اور دوسری طرف چند مصیبتیں یہاں پر ہی تیار کی گئیں، یعنی پی ایس اے وغیرہ میڈ اِن کشمیر ہیں اور یہ باضابطہ شیر مارکہ ہیں اور اس کی تجدید کاری کے تمام حقوق بحق قائد ثانی محفوظ ہیں۔ ادھر ہل بردار خود قلم دانیوں پر الزام دھرتے ہیں کہ خود یہ پارٹی میڈ اِن دلی ہے اور اس کو دُلت (اے ایس دُلت) مارکہ تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے از راہ انصاف اور امن و امان کی خاطر یک طرفہ فیصلہ سنا دیا کیونکہ کسے نہیں معلوم یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔ ڈر تھا کہ کہیں دونوں طرف سے سرجیکل اسٹرائیک تک نوبت نہ پہنچے اور کیا پتہ سرجیکل موسم میں ایک ہل کا پھل دوسرے کے پیٹ میں گھسیڑ دے اور دوسرا قلم کو تلوار بنا کر مار کاٹ پر اتر آئے۔ اس لئے یہ حل نکالا تھا کہ چلو ہل کا زمانہ اگرچہ ختم ہو کر ٹریکٹر تک بات پہنچی پھر بھی ساری زمین نیشنلیوں کے قبضے میں دیں کہ وہ ہل جوتتے رہیں۔ ہمیں

بھی معلوم ہے کہ ان کے ہل کا پھل درحقیقت ہمیشہ ہی یہاں کی زمین کے بدلے اہل کشمیر کے سینے پر چلایا گیا جبھی تو یہاں کا ہر سینہ زخمی ہے، دل اُداس ہے، جگر پارہ پارہ ہے۔ ساتھ میں سارے اسکول کالج دفتر وغیرہ میں اگرچہ اب قلم دوات استعمال نہیں ہوتا کیونکہ زمانہ کمپیوٹر کا ہے پھر بھی ماما بھانجی پارٹی کے ہی سپرد کردیں۔ چونکہ مفتیان بیج بہاڑا کے پاس سیاسی فتویٰ جاری کرنے کا اختیار ہی نہیں، جملہ حقوق بحق دلی محفوظ ہیں، اس لئے وہ مردِ مومن اور مجاہدین کا قبالہ بھی اپنے نام کر پاتے ہیں۔ ادھر ہل والے کہاں پیچھے رہتے، انہوں نے بھی اپنے کارکنوں کو مجاہدین جتانے کے لئے ان کی گردن چھری کے نیچے کرڈالی۔ بے چارے کارکن جائیں تو کہاں جائیں؟ پارٹی کا ڈسپلن عزیز ہے قربانی کے لئے گردن آگے کرہی دیتے ہیں۔

کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے
تختے پہ رکھی سری گردن سنبھال کے

مطلب نام کرن کی اس نئی جنگ میں نیشنلی مجاہدین میدان میں اترے ہیں۔ ہل والوں نے فاروق مجاہد، اکبر مجاہد، حسنین مجاہد کو لڑ مرو عاشقو کہہ کر مجاہدانہ جنگ پر آمادہ کردیا۔ پر قلم دانی کہاں پیچھے رہتے۔ انہوں نے بھی قیوم مجاہد، محبوبہ مجاہدہ اور آغا مجاہد کو دیوانہ وار مقابلے پر مجبور کردیا۔ مانا کہ ہندوارا بریگیڈ اور لنگیٹ رجمنٹ بھی کمر کس کے میدان میں ہیں اور سنا ہے کہ سیاسی کاسو CASO کے سبب اکبر مجاہد کو گھیرے میں لیا گیا ہے کیونکہ اس نے سبز رومال میں کوہستانی نمک کے تماشے کو یاد کرکے پاکستان زندہ باد کا نعرہ اکبری بلند کردیا جس کے سبب کنول بردار کپوارہ سے کرنال تک جھنجھنا اُٹھے اور اکبر مجاہد کو مسعود اظہر کے پاس بھیجنے کے لئے راہداری کھولنے کی بات کی، کیونکہ مملکت خداداد کی بات کرنا دیش دروہ میں شامل ہے۔ ادھر جو قلم دانی مجاہد میدان میں پدھارے تو لون کے اکبری نعرے کے جواب میں اپنا نعرہ مجاہدانہ لگایا کہ ہم جماعت اسلامی اور کے ایل ایف کو عدالتی انصاف کے حصول کے لئے بڑے قانونی سورما مہیا رکھیں گے۔ ایسے سورما کہ ۳۵۔ الف کی شنوائی کے وقت لحاف اوڑھے یہ کہہ کر سو گئے کہ بھائی لوگو! عدالتی زبان ہماری یادداشت سے بالکل خارج ہوگئی ہے، لیکن اب کی بار دلی دربار کو پیش عدالت لاکر کان پکڑی کروائیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ قلم دانی مردمومن اور دوسرے مجاہدین کی اٹھک بیٹھک پر مودی شاہ اینڈ کمپنی کی نظر عنایت مرکوز تھی۔ اور اس پارٹی بین Ban کو ہٹوانے کے لئے ہم اپنا فتویٰ

جاری کر دیں گے، اگر اب کی بار اپنی سرکار بن جائے تو۔ اس لئے اتنی سی گزارش ہے کہ اپنے ووٹ کو ہماری جھولی میں ہی ڈالنے کا اعلان کر دیں۔ اس بیچ ممتا دیدی کی ملک کشمیر میں بات چیت سے مسئلہ حل کرنے کے اعلان کا بونس بھی دودھ ٹافی آنٹی اپنے کھاتے ڈالنے کے لئے جھپٹ پڑی۔ دیدی میں ہوں جو ملک کشمیر میں تیرے لئے تِلہ پھرن اور وازہ وان کا انتظام کرے گی۔ بس تم پہنچ جاؤ ہم بیٹھ کر مسئلہ کشمیر کو سیلفی سیلفی لے کر حل کر دیں گے۔

کیا ہی کنڈل مار کر بیٹھا ہے جوڑا سانپ کا
پھن سے چھوٹا زہر ہے روز تھوڑا سانپ کا

اس سب تماشے کے بیچ ہل والے قائد ثانی کو ملک بچانے کی فکر کھانے لگی۔ کیا بات ہے۔ کبھی ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہے تھے کہ سارا ہندوستان ان کے پیچھے کھڑا تھا جبھی تو انہوں نے کرسی قبول کی تھی۔ ہندوستان پیچھے کھڑا تھا تو مملکت خداداد پر بم بارود برسانے کی وکالت کر ڈالی بلکہ کشمیر کو بھی گولی مارنے کا ذمہ لیا تھا۔ اب کی بار ملک بچانے کا نیا نسخہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ ملک تو تب ہی بچے گا اگر ہل والے الیکشن جیتیں گے، نہیں تو مودی شاہ پرائیویٹ لمیٹڈ اس کی نہاری بنا کر حلق سے نیچے اتاریں گے۔

میں چاہتا ہوں لوک سبھا میں پہنچ جاؤں
وعدوں سے سوئی ہوئی قوم کو جگاؤں

یہ جو راہداری کی بات چلی تو ہمیں یاد آیا کہ مملکت خداداد والوں نے شاردا پیٹھ راہداری کھولنے کا عندیہ دیا ہے۔ مانا کہ اس کی مانگ پہلے سے تھی پر اب کی بار مودی پرچار کے شہ سوار یہ دستار بھی مودی شاہ اینڈ کمپنی کے سر ہی باندھنا چاہتے ہیں جبھی تو کچھ بھکت جن چار قدم آگے ہی بڑھ جاتے ہیں کہ شاردا پیٹھ کی راہداری اپنے ملک کشمیر کا ہی حصہ ہے، اس لئے خان بہادر عمران نے کوئی احسان نہیں کیا۔ اور کچھ تو یہ سوچتے ہیں کہ سرجیکل اسٹرائیک کے خوف سے شاید یہ راستہ بھی کھلے۔ بھارت ورش کے مودی مہاراج تو سرجیکل اسٹرائیک کی دھمکی خوب دیتے ہیں۔ ادھر بالا کوٹ، ادھر جماعت اسلامی اور جے کے ایل ایف کو سرجیکل والا بھاگڑ بھلا دکھایا، ادھر چینیوں نے تیس ہزار نقشے برباد کر دئے جن میں اروناچل پردیش بھارت کا حصہ دکھایا گیا تھا۔ اس بارے میں

مودی اینڈ کمپنی بات چیت کو ہی اصل راستہ بتاتے ہیں۔ کیا پتہ چینی چھوٹی ٹانگوں سے دور تک اندر پرویش کر دیں اور پھر انہیں نکالنا تو کیا ڈھونڈنا بھی ناممکن ہو جائے کہ کسی گری راج سنگھ کی دھوتی میں چھپ جائیں یا ایڈوانی کی مونچھوں میں ہی پناہ لیں، کیونکہ گری راج کی دھوتی جے این یو والے کنہیا کمار نے ڈھیلی کر دی اور خود ایڈوانی کی مونچھیں مودی شاہ اینڈ کمپنی نے اس قدر نیچے گرادیں کہ چھتنار بنا دیں۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ خبر دی کہ گری راج مودی شاہ کے پاؤں پڑ کر التجا کر رہا ہے کہ مجھ ناچیز کو بھلے ہی سرحد پار بھیجو پر بیگو سرائے نہ بھیجو یہ لڑکا کنہیا کمار بڑا ظالم ہے۔

بھگت جن مسلم اقلیت کو مملکت خداداد کا ٹکٹ دینا چاہتے ہیں۔ اسی لئے ہریانہ کیا کرناٹک کیا چن چن کے مسلم افراد کی مار پیٹ جاری ہے اور بھگت جن کو کوئی سوال نہیں پوچھتا کیونکہ سوال پوچھنے کا حق کنول برادری نے کب کا اپنے کھاتے میں ڈالا ہے، مگر بھارت ورش کی وزیر خارجہ کو پاکستان کی دو ہندو لڑکیوں کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ حالانکہ ادھر تو حالات بدلے ہیں ہوا بدلی ہے کہ خبر آتے ہی وزیر اعظم نے فوری کارروائی کروائی۔ مشکوک افراد بشمول نکاح خوان گرفتار ہو گئے۔ اب کوئی کیسے پوچھے کہ میڈم دوربین سے نہیں خوردبین سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ سرحد کے اس پار بھی لوگ عتاب کا شکار ہیں کچھ ان کی بھی خبر لیں۔

* *

واہ مودی جی آہ مودی جی !!

بھائیو اور بہنو! میں آپ کے سامنے آج آیا ہوں تا کہ کچھ دیر وارتالاب کر سکوں۔ ویسے تو میں پچھلے پانچ سال سے من کی بات ریڈیو پر کہہ کر آپ کو سناتا رہا ہوں۔ مانا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ کبھی بھی جن کی بات ثابت نہیں ہو سکی، اس لئے مجھے سامنے آنا پڑا۔ میں نے تو ان پانچ برسوں میں پتر کاروں کو بھی انٹرویو کے لئے تڑپایا پرنتو ان کو انٹرویو دیا جنہوں نے مجھے آرمب میں ہی پرشن پتر حوالے کئے تھے۔ کیا کریں میں اب بھی نہ آتا لیکن چناؤ ہے۔ اور کسے نہیں معلوم چناؤ ہے تو تناؤ ہے۔ تناؤ ملک میں ہی نہیں بلکہ ہمارے دماغ میں بھی ہے کہ کہیں آپ لوگوں کو میرا بھاشن نہ بھائے، مجھے ووٹ نہ دے کر فقیر بنائیں گے کہ جھولا اُٹھا کر بھاگنا ہوگا، مگر جاؤں تو جاؤں کہاں۔ میں نے پانچ سال پہلے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں سب کا ساتھ سب کا وکاس رائج کر دوں گا۔ میں نے وہ کام کر دیا۔ یقین نہ آئے تو میرے پریہ مترامت شاہ کے سپتر جے شاہ کو دیکھئے کہ پچاس ہزار سے شروع کی گئی کمپنی اسی کروڑ تک پہنچ گئی۔ اڈانی گروپ اور امبانی گروپ نے دن رات اس قدر وکاس کیا کہ وہ دن دوگنی رات چوگنی والا محاورہ بالکل بچہ دِکھ رہا ہے کیونکہ اڈانی کو ٹھیکے میں ائر پورٹ ملے اور فرانس سے خریدے گئے جنگی جہازوں کی کھیپ ابھی ہوائی سینا کو تو نہیں ملی لیکن چھوٹے امبانی کو تیس ہزار کروڑ کی دولت نصیب ہوئی۔ اور تو اور جموں و کشمیر سرکار نے بھی امبانی گروپ کو ہیلتھ انشورنس کا عطیہ گفٹ میں دے دیا۔ میں نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ جس قدر دولت بیرونی بنکوں میں کالا دھن جمع کی گیا ہے وہ میں واپس لے کر آ کر آؤں گا اور جب یہ پیسہ واپس ملک میں لایا جائے تو ہر ایک ناگرک کے بنک کھاتے میں پندرہ پندرہ لاکھ روپے جمع ہوں گے۔ آپ کیا سوچتے ہیں میں جو ہر مہینے کسی نہ کسی بدیشی ملک کے دورے پر

جاتا، فقط گھومنے گھامنے اور عیش کرنے جاتا تھا۔ میں نے ہر ملک میں بڑی بڑی صندوقیں تیار کروائی ہیں تا کہ ان ممالک میں چھپی بھارتی دھن دولت کو واپس ملک لانے میں آسانی ہو۔ آپ یقین رکھیں کہ وہ دولت بہت جلد آپ کے بنک کھاتوں میں جمع ہو گی۔ اسی لئے میں نے عام لوگوں کے جن دھن کھاتے کھلوانے میں بلٹ ٹرین جیسی تیزی لائی تا کہ کوئی بھی اس دولت سے محروم نہ رہ جائے۔ ہاں، اس بیچ جب میں ملک سے باہر تھا تو بعض لوگ میری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر مزید دولت اٹھا کر ملک سے نکل گئے۔ اپنی غیر موجودگی کے دوران میں نے راج ناتھ اور جیٹلی جیسے لوگوں کو ملک پر نظر رکھنے کے لئے کہا تھا لیکن مودی نام سے وہ لوگ گھبرا گئے اور یہ سوچ کر کہ نیرو جیسے لوگ مودی قبیلے کے ہی ہیں وہ تھوڑا سست پڑ گئے اور دولت کی مزید چوری ہو گئی۔ لیکن نیرو مودی، وجے مالیا، مکل چوکسی للت مودی وغیرہ جو دولت لے کر مفرور ہوئے ہیں وہ بھی صندوقوں میں بھر کر واپس آئے گی اور مزید پیسہ آپ کے اکاونٹ میں جمع ہو گا۔ آرمب دور میں ہی میں نے نوٹ بندی کا اعلان کر دیا اور ملک کی مہیلاؤں نے جو پیسہ پتی دیوؤں کے پیٹھ پیچھے جمع کر رکھا تھا، وہ سامنے آ گیا۔ مطلب صاف ہے کہ ہم نے مہیلاؤں کے چھپے کھاتوں پر سرجیکل اسٹرائک کر کے ان کا کالا دھن سامنے لایا۔

ارے دلکش اس چائے والے کو تو سمجھاؤ
غریبوں کی کمائی کو بھی کالا دھن سمجھتا ہے

یہ نہ سمجھیں کہ اس سے عام لوگوں کو تکالیف اٹھانی پڑیں بلکہ خاص لوگوں کو بہت فائدہ ہوا۔ ان میں بھاجپا سے وابستہ لوگ اور خاص کرامت شاہ شامل ہیں۔ ان بنکوں میں ہزار ہا کروڑ جمع ہو گئے جن کا تعلق امت شاہ سے ہے۔ چلو آپ کو قطاروں میں رہ کر مصیبت سے دوچار ہونا پڑا لیکن کسی کو تو فائدہ ہوا اور وہ آپ کی اپنی پارٹی بھارتیہ جنتا پارٹی ہے۔ تھوڑی سی تکلیف سے آپ لوگ نہیں گھبرائے کہ فوجی لوگ تو اتنی تکالیف اُٹھا کر سرحدوں پر نگرانی کرتے ہیں۔ ودیشی ممالک کے دوروں پر میں نے بچپن کی اس دوستی کو پھر سے زندہ کر دیا جو میری امریکی صدر اوباما سے تھی۔ ہم بچپن میں ایک ساتھ گلی ڈنڈا کھیلتے، میوہ دار پیڑوں پر چوریاں کرتے، اس لئے تو اور تاڑی جیسے الفاظ استعمال کرتے۔ مانا کہ یہ شبد انگریزی اور ہندی میں نہیں پھر بھی کیا ہوا۔ اصل بات یہ ہے

کہ نہ مجھے اس کی کوئی بات سمجھ آتی اور نہ ہی اسے میری کوئی بات ہضم ہوتی لیکن اتنے بڑے اور طاقت ور آدمی سے دوستی بجائے خود اہم ہے کہ نہرو کبھی بھی قائم نہ کر سکے۔

جب چناؤ والا تناؤ مزید بڑھ گیا تو ہم نے سوچا چلو ہمسایہ ملک کے ساتھ تھوڑا کبڈی کھیل کھیلتے ہیں تا کہ کچھ کچھ تناؤ کم ہو جائے۔ کیا کریں وہاں تو وہ پٹھان بیٹھا ہے، ہم نے ایک دن بالاکوٹ میں اپنے جہاز بھیجے تا کہ جیش لوگوں کی خبر گیری کر سکیں لیکن اس نے دوسرے ہی دن قرضہ اُتار دیا اور ہماری صحت و عافیت پوچھنے آئے۔ ہمارا اصل مقصد لاہوری چائے اور بھارتی چائے میں فرق سمجھنا تھا، پھر یہ ہوا کہ سید حسن اور ہمارا ابھی نندن گلے ملنے لگے تو لاہوری چائے پلانے کے لئے انہوں نے ابھی نندن کو نیچے اتار دیا لیکن وہاں جو چائے کا دور زیادہ کھینچ گیا تو مجھے تشویش ہوئی کیونکہ چائے پینے میں کتنا وقت لگتا ہے وہ بھلا مجھ سے بہتر کون جانے۔ اس لئے میں نے فوراً دھمکی دے ڈالی کہ ابھی نندن کا میٹھی میٹھی چائے کے ساتھ اتنا ابھی نندن نہ کیا جائے کہ وہ شترو ہمسایہ کی شہریت ہی اختیار کر لے اور پھر وہیں کسی کوٹھری میں پڑا رہے۔ اس دھمکی کا اثر یہ ہوا کہ پٹھان نے اپنے پارلیمان میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ ہم ابھی نندن کو چھوڑ رہے ہیں۔ یہ مت سمجھنا کہ پٹھان کی عزت اس سے بڑھ گئی بلکہ ہماری دادا گیری کا رعب بیٹھ گیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ برِّ صغیر میں کافی سمے سے نیوکلیر ہتھیاروں کی بات چل رہی ہے۔ کانگریسیوں نے چھوٹے نیوکلیر بم کا ٹیسٹ کیا تھا لیکن باجپائی سرکار نے کافی بڑے نیوکلیر دھماکے کو آزمایا۔ کسے نہیں معلوم کہ کانگریسی دھماکے سے پار والے نہیں ڈرتے تھے لیکن ہمارے دھماکے سے سب خوف زدہ ہیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ہمارے نیوکلیر دیوالی کے پٹاخے نہیں کہ ہم آتش بازی سے کام لیں۔ مانا کہ پٹھان کے یہاں بھی نیوکلیر ہے لیکن وہ انہیں شب برات کو خوشی منانے کے سوا کہیں استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ مودی ہے تو سب کچھ ممکن ہے۔ ابھی دھمکی کی بات چل رہی تھی، ہاں اب کئی سال سے وہاں شہریت لئے کوٹھری میں قید کلبھوشن یادیو کا مسئلہ ہے۔ اس بات کو ہم عالمی عدالت میں لے کر گئے ہیں لیکن دھمکی والے الفاظ مجھے نہیں سجھاتے تا کہ میں اسے بھی واپس بلوا سکوں۔ آپ یقین رکھیں چناؤ کا تناؤ کم ہوتے ہوتے میں شبد کوش سے صحیح دھمکی والے الفاظ ڈھونڈ نکالوں گا اور پٹھان کے یہاں سے اسے بھی واپس لاؤں گا۔

چناؤ کے تناؤ میں ہم نے ایک بہادر عورت جو سادھوی پرگیہ ہے کو بھوپال سے چناؤ لڑنے کا ٹکٹ دلوایا۔ اس بہادر عورت نے مالیگاؤں اور دوسری جگہوں پر بلاسٹ کر کے سینکڑوں مسلمانوں کو قتل کرایا۔ یوں اس نے گجرات فسادات کی ایک طرف یاد تازہ کر دی۔

دوسری طرف ہمارے نقش وقدم پر چل کر ہماری پیروکار بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ثابت کر دیا کہ وہ ہماری اچھی اور قابل کاری کرتا ہے۔ اس لئے وہ چناؤ ٹکٹ کی حق دار بن پائی۔ اتنا ہی نہیں وہ گائے ماتا کی اس قدر پرشنسک ہے کہ اس نے تسلیم کیا کہ گائے کو پیچھے سے آگے تک رب کرو بلڈ پریشر ٹھیک رہے گا۔ اس نے گائے کے پیشاب سے بریسٹ کینسر کا اپنا علاج خود ہی کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے شراپ دے کر ایک بہادر پولیس افسر ہیمنت کرکرے کو سروناش کر ڈالا۔ وہ تو اچھا ہی ہوا نہیں تو وہ سارا ہندو دہشت گردی گروپ ننگا کر دیتا، کیا پتہ وہ مودی شاہ اینڈ کمپنی تک بھی قانون کا لمبا ہاتھ پہنچا دیتا۔ ہم تو ابھی تک اجمل قصاب کی دل ہی دل میں تعریف کر رہے تھے کہ کرکرے صاحب کا خون اسی کے اوپر ڈال دیتے تھے لیکن اب پتہ چلا کہ سادھوی میڈم کا کمال تھا۔ اس لئے ہم اب واہ مودی واہ کے بدلے واہ سادھوی واہ کا جاپ کرتے ہیں! ہاں اب مسئلہ یہ اٹھایا جا رہا ہے کہ گائے دیسی ہو یا بدیسی۔ بدیسی گائے لانے کا انتظام بھی میں خود کر سکتا ہوں آخر ملکوں ملکوں میرا دورہ کس بات کے لئے ہے۔ دیسی لائیں تو گائے بریگیڈ مار ڈالے گا لیکن اس مار پیٹ میں تو وہی لوگ شکار ہوں گے جن کے لئے سادھوی پرگیہ سنگھ کو شاباشی کے طور الیکشن ٹکٹ دیا گیا۔ ابھی تو میں سوچ رہا ہوں کہ تہاڑ جیل کے اس سپرنڈنٹ کو بھی ٹکٹ دلاؤں جس نے مسلم قیدی کے شانے پر گرم ہتھیار سے اوم گودا۔ اس طرح پکا ہندو شردھالو ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ واقعی کوئی ہندو دہشت گرد نہیں ہو سکتا جس کا پرچار میں برابر ۲۰۰۲ء سے کرتا آیا ہوں۔ اس کی تازہ مثال یہ بھی ہے کہ گجرات فسادات میں امن پسند میرے حامیوں کے ہاتھوں بلقیس بانو نامی خاتون کی اجتماعی عصمت دری اور خاندان کے چودہ افراد کو قتل کئے جانے کے بعد اسے سپریم کورٹ نے پچاس لاکھ معاوضہ، مکان اور سرکاری نوکری کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ اسے سب کا ساتھ سب کا وکاس کہتے ہیں۔

اتنا ہی نہیں ہم نے دو کروڑ نوکریاں سالانہ پیدا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں کسی

پریم جی یونیورسٹی نے اعلان کیا ہے کہ نوٹ بندی اور جی ایس ٹی کے سبب پچاس لاکھ نوکریاں ختم ہو گئیں۔ اس قسم کی افواہیں پھیلانے والے دیش دروہی ہیں اور ان کے لئے پڑوسی ملک کا ویزا تیار کروانا ہی بہتر ہوگا۔ ایک اور افواہ ہے کہ جیٹ ائر ویز بند ہونے سے بیس ہزار نوکریاں چلی گئیں اور بی ایس این ایل سے چوپن ہزار افراد کو برخاست کیا جائے گا۔ بھائی لوگو! مودی ہے تو ممکن ہے اور ساتھ میں پڑوسی ملک کا ویزا ٹکٹ بھی تیار ہے۔

وہ خزانوں کو ردی سمجھ کر بیچ ڈالے گا
وہ چندن کو اگربتی سمجھ کر بیچ ڈالے گا
اور حکومت ہم نے دے دی چائے والے کو
وہ بھارت کو چائے پتی سمجھ کر بیچ ڈالے گا

یقین نہ آئے تو اپنے ملک کے کسانوں سے ہی پوچھ لیں جو آئے دن خودکشی کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں قرض دار روز روز تقاضہ کرنے آتے ہیں۔ بھلا سہن بھی کتنا کریں؟؟؟ ایسی زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے لیکن اس کے لئے کانگریس اور نہرو ذمہ دار ہیں جنہوں نے سردار پٹیل کو وزیر اعظم نہیں بننے دیا۔ مانا کہ پہلا الیکشن ہونے سے پہلے ہی سردار پٹیل سورگباش ہو گیا تھا لیکن اگر نہرو نے اس مہاپرش کو یہ راز بتایا ہوتا کہ وہی وزیر اعظم بننے والا ہے تو وہ مزید کچھ سال ضرور زندہ رہتا۔ پٹیل کا آہنی مجسمہ بنانے پر ہم کوئی تین ہزار کروڑ صرف کروائے جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ خود کسانوں کے مسیحا کا کس قدر ہم آدر کرتے ہیں۔ ادھر بنگال میں جیسا کہ امت شاہ نے کہا اردو زبان مسلط کی جا رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بھلے ہی وشال دیش کے جنتا کو روٹی نصیب نہ ہو لیکن اردو زبان کو وہ کبھی برداشت نہیں کرتے۔ مانا کہ عام لوگوں کو اُردو کی شستگی سے بہت پیار ہے لیکن اسے خاص فرقے کے ساتھ جوڑنے کا کام ہم جیسے دیش بھگت دمادم کر رہے ہیں تاکہ ہماری سیاسی روٹی گرما گرم رہے۔ اس کے ساتھ ہمارے ایک مہارتھی نے سچ کہا کہ مسلمانوں کے ویناش کے لئے مودی کو ووٹ دو۔ مسلم میاں بھی ہمارے ہی بکرے ہیں لیکن ووٹ کے معاملے میں آپ اشارہ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔ مسلم خواتین کے لئے ہم نے طلاق ثلاثہ پر روک لگوادی تاکہ مسلم خواتین کے لئے نام کی عزت بنی رہے۔ اب یشودا بین ایک بار طلاق لفظ سننے سے پہلے گھر چھوڑ گئی تو بھلا ہم کیا کریں؟ اب کرِپا کیجئے پھر ایک بار مجھے ہی ووٹ دینا، زور سے بولو واہ مودی جی آہ!!

Published 29/4/2019

دربار تیرے پیار میں کشمیر نو بہار ہے

یہ تو ہوئی سولہ آنے گل ۔ اسے ہی تو اہل کشمیر محاوراتی زبان میں کہتے ہیں ”لُکہٕ ہنز موجے پوترٕ دَگ پیٖیے‘ (کسی اور کی ماں اولاد سے محروم ہو جائے) ۔ جبھی تو نیشنل والے قائد ثانی گاؤں گاؤں گھومتے ہیں اور اپنے لئے ہی نہیں اپنی پارٹی امیدواروں کے لئے ووٹ کا نذرانہ مانگتے ہیں کہ بھائی لوگو! ابھی میں بالکل بے روزگار ہوں اور ساتھ میں فرزند ارجمند جسے عام لوگ ٹویٹر ٹائیگر کے نام سے جانتے ہیں، کیونکہ وہ ملک کشمیر کے تمام مسائل کا حل اپنے ہل سے نہیں بلکہ ٹویٹر کی چڑیا پھر سے اڑا کر نکال لیتا ہے ۔ مودی مہاراج کی نکتہ چینی ہو یا بانوئے کشمیر کے دودھ ٹافی کا حساب مانگنا ہو فوراً ٹویٹر پر ایسے جاتے ہیں جیسے بزرگ خواتین کھڑکی سے سر نکال کر کوسا کرتی تھیں ۔ وہ ٹویٹر ٹائیگر بھی کچھ کماتا کھاتا نہیں کہ اسمبلی ممبری کا پنشن وائسرائے کشمیر نے بند کر دیا ہے ۔ اس لئے وہ روز مودی کو کبھی کوستا ہے کبھی چیتاوَنی دیتا ہے کہ تم نکمے نکلے کہاں کے چھپن انچ والے ہو؟ ؟ ؟ تمہیں تو بندوق برداروں اور حریت کاروں نے دوسری طرف پچھاڑ دیا ۔ وہ جو انہوں نے اعلان کیا کہ ووٹنگ کا بائیکاٹ ہو تو سب سے پہلے مودی شاہ ملک پرائیویٹ لیمٹیڈ نے اسمبلی الیکشن سے ہاتھ کھینچ لیا ۔ اب تو کہتے ہیں ہو نہ ہو نومبر میں ہوگا تو قائد ثانی کو فکر لگ گئی کہ اتنی دیر تک یہ بے روزگار بیٹا کیا کھائے گا، کیا جوڑے گا ۔ مطلب ننگی نہائے کیا اور نچوڑے کیا؟ اس سب کے بیچ جہاں قائد ثانی اپنے اور فرزند کے لئے اقتدار کی سون پری کے خواب دیکھ رہا ہے، وہیں یاسین ملک جیسے جیالوں کی جیل یاترا ہی نہیں بلکہ بقول اس کے شہادت کو گلے لگانے پر تعریفیں کر رہا ہے ۔ ارے واہ! اپنوں کے لئے عیش و عشرت اور دوسروں کے لئے جیل اور

موت۔ بھائی صاحب یہ تو بتائیے جب یاسین ملک کا یہ قدم قابل تعریف ہے تو ہل والے اپنوں کو بھی اسی راہ پر کیوں نہیں لگاتے؟

ہم چونکہ عام آدمی ہیں، اس لئے ہم کبھی کم اور کبھی زیادہ سوچتے ہیں۔ ہمارے پاس دو وقت کی روٹی ہو تو بس مطمئن ہو کر سوچتے ہیں۔ اس لئے آج کل ہم مودی شاہ پرائیویٹ لیمٹیڈ سے وابستہ سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر کے بارے میں سوچتے ہیں کہ کس طرح مودی شاہ آتنک واد سے لڑتے ہیں۔ جو دوسروں کے ہیں ان سے لڑنا مرنا عاشقوں والا معاملہ ہے لیکن سادھوی جیسے اپنوں کو پارلیمان کا ٹکٹ دے کر مشغول رکھتے ہیں تاکہ وہ کہیں اور مالیگاؤں نہ بنا دے۔ یہ بھلے سرجیکل اسٹرائک نہیں لیکن اسٹریٹجی تو ہے۔ جب کسی کو کام میں مشغول رکھا جائے تو بھلا اُسے بُرے بُرے خیالات کیسے آسکتے ہیں؟ واہ مودی جی واہ! اور ہم تو سوچتے ہیں کیونکہ سوچنا ہی ہمارا کام ہے کہ اگر سادھوی نے شراپ دے کر ہیمنت کرکرے کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا، تو بھلا مسعود اظہر کو شراپ کیوں نہیں؟ ایسا ہوتا تو بالاکوٹ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ابھی نندن گرفتار نہ ہوتا۔ مگ جہاز پاکستان ہوائی فورس کا شکار نہ ہوتا۔ کیا پتہ سادھوی کے شراپ سے ہی اب مسعود اظہر پر چین کی طرف سے حمایت ختم ہوگئی۔ اس بیچ ایک اور خبر آئی کہ یتی کے پاوں نشان بھارتی سرحد کے اندر برف پر پائے گئے۔ فوج نے تصدیق کر کے فوٹو بھیجے۔ پاؤں بڑے اور لمبے لگتے ہیں۔ کون جانے کل کو کوئی ترشول بردار یہ بھی الزام لگائے کہ سرحد پار والوں نے آتنک پھیلانے کی نئی چال سوچی ہے اور اب کی بار مودی سرکار میں دیوہیکل یتی کو اس پار اندر دھکیل دیا۔

ترشول برداروں نے اب نئی جنگ برقعے کے خلاف شروع کر دی کیونکہ ان کے مہاراج نے غریبی کے خلاف نوٹ بندی کا میزائل داغا تو غریبی ختم۔ کمزور بزنس پر جی ایس ٹی والا بارود پھینکا تو اس کے پرخچے اڑ گئے۔ آتنک واد پر سادھوی پرگیہ بمبار جٹ سے حملہ کر دیا تو چھاپہ مار زمین بوس۔ کچھ بچا تھا تو فرقہ واریت اور مذہبی منافرت کے تیر چلا کر سماج میں اپنا ایجنڈا جاری و ساری کر دیا۔ اب تو بس برقعہ ہی بچ گیا جس کے سبب الیکشن جیت پر نظر دوڑائی لیکن کوئی یہ نہ سمجھے فقط برقعہ ہی نشانے پر ہے بلکہ مودی مہاراج کا فوجی حریف بھی دشمن جان بن بیٹھا۔ کہاں اس نے بی ایس ایف میں نوکری کے دوران دال میں پانی اور کھانے میں کنکر کی الزام

تراشی کی جس کے سبب مودی سرکار پر چاروں اور کنکر ہی برسائے گئے کہ فوجیوں کے نام پر ووٹ مانگنے والے فوجیوں کی خبر نہیں رکھتے۔ یہ بھی کہ فوجی دال میں پانی کی بہتات کے چلتے بھاجپا سرکار پانی پانی ہوگئی تھی۔ اب جو اس سابق نیم فوجی اہلکار نے مقابلہ کرنے کی چیتاؤنی دی تو سائیکل والا ہاتھی میں مدد کرنے پہنچا۔ پھر سابق نیم فوجی نے دو دو ہاتھ کرنے مودی مہاراج کی رن بھومی وارانسی میں پرچہ بھر ڈالا تو الیکشن سرشتے نے نون میں نکتہ نکال کر پوری دال کالی کر دی۔

وہ فروری والی کہانی بھی دلچسپ ہے کہ مودی مہاراج کے چیلوں نے اعلان کر دیا تھا کہ ہم نے سرحد پار لوگوں کی ناک زمین پر رگڑوادی۔ اب جو پار گئے تھے وہ تو خاموش رہے مگر ترشول بردار فوراً ایسے بھڑکے، لگتا تھا ابھی ترشول ہوا میں لہر کر پار والے قلعے فتح کر کے آئے ہیں۔ ہونہ ہو لاشیں بھی گن کر آئے ہیں اور جو مارے گئے ان کے آدھار کارڈوں کی فوٹو کاپیاں بھی ساتھ لائے ہیں۔ ادھر جو اسی روز فوجی ہیلی کاپٹر گر گیا تو اب پتہ چلا کہ دوستانہ میزائل کا نشانہ بن گیا۔ کسی نے اس اڑن طشتری کی خبر گیری نہ کی کہ اس کے سبب ووٹ پڑنے کا امکان نہ تھا۔ اب تو بے چارے گرینڈ کلان بڈگام کے سیدھے سادھے دیہاتی پریشان ہیں اور چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ بھائی لوگو! ہم پر چوری کا الزام مت لگاؤ، ہم نے ہیلی کاپٹر کا بلیک بکس نہیں چرایا۔ جن بے چاروں کو بلیک بکس نام کی کوئی چیز کی واقفیت بھی نہیں، ان پر الزام بے وفائی ہے، وہ تو قسمیں کھا کر کہہ رہے ہیں کہ جو بھی تھا وردی پوش لے گئے مگر کوئی ان کی سنتا کہاں ہے؟ کیونکہ افسپا میں کہنے سننے پر پابندی ہے اور کوئی شور مچائے تو اس کے لئے ٹاس فورس موجود ہے۔

پورا کر لو بجٹ کا خسارا   لہو پی لو غریبوں کا سارا
اے مطلب کے زندہ نشانو   سارے فنڈز تمہارے لئے ہیں

Published 6/5/2019

* * *

کہیں مخمصے ہیں کہیں قہقہے

یہ تو وہی بات ہوئی کہ روؤں میں دل کو یا جگر کو پیٹوں میں کہ اپنے ملک کشمیر میں پھول جیسی ننھی بیٹیاں بھی محفوظ نہیں۔ کسی کے ہاتھوں اٹھارہ ماہ کی ہبہ نثار جیسی دہشت گرد شکار بنی۔ کہیں آٹھ سال کی آصفہ ہتھے چڑھے اور اب تین سالہ ایمن پر حملہ ہوا۔ ان ننھے پھولوں کو تو بس زبانی جمع خرچی اور کاغذی میزائل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بھلا ہو کیوں نہ یہ ننھی کلیاں تو ووٹر ہیں نہیں پھر ان کی فکر کا ہے کو۔ ووٹر ہوتیں تو کل کو جتا دیتیں۔ اسمبلی پارلیمنٹ بھیج دیتیں۔ سیاست کے وارے نیارے کر دیتیں اور وہ جو سخت قانون کی باتیں کرتے پھر رہے ہیں اب انہیں کون بتائے کہ سیاست کار صاحب یہ تو آپ کا کام تھا، وقت پر کیا کیوں نہیں؟ سمجھ نہیں آتا جب اپنے ہی بیگانے ہوئے تو کس پر بھروسہ کیا جائے؟

ابھی ابھی الیکشن ہوا تو اپنے سیاست کار نماز دعا میں مصروف ہیں کہ اے کارساز دو جہاں ہمارا دلی والا جہاں کسی طرح سنوار دے کیونکہ اس کے طفیل اگلے پانچ سال خوشی خوشی گزر جائیں گے۔ اپنے ملک کشمیر کے سیاست دان چپ سادھے ہیں۔ کسی کو ۳۷۰ کی یاد نہیں آتی کسی کو ۳۵-الف نہیں ستاتا۔ کوئی خصوصی کشمیر پوزیشن کے غم میں ڈنر نہیں کھاتا اور نہ ہی الحاق کے تانے بانے کھول کر نئے سرے سے بنتا ہے۔ اب تو ہل والے قائد ثانی کی پریشانی دور ہوگئی کہ لوگوں نے ووٹ دے ڈالے اس لئے وہ ۳۷۰ کے نام پر گرجنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ خود نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر بھی ٹویٹ کی چڑیوں کو خصوصی پوزیشن کے پنکھ سے گدگدی نہیں کرتے۔ وہ دودھ ٹافی کا حساب بھی نہیں لگتا اور تو اور بانوئے کشمیر بھی الحاق کے نام پر مودی شاہ

اینڈ کمپنی کو کوئی چیتاونی نہیں دیتی، کیونکہ خطرہ ہے کہیں کنول کے پھول ۲۳ مئی کو پھر کھلیں تو آگے انہی کے ساتھ قوم کے غم میں ڈنر کھانا ہے۔ ادھر پنجہ مار پارٹی کے میر آف ڈورو بھی خاموش ہو گئے ہیں کہ گھوم گھام کر تھک گئے، گلہ بھی بیٹھ گیا۔ اس لئے افسپا کی منسوخی کے نام پر نئے جگاڑ تراش لینے کی کوئی آوشکتا نہیں۔ مطلب اب کی بار ملک کشمیر میں سیاسی طور سانپ سونگھ گیا ہے۔ دو مہینے تک الیکشن سیاست کرتے کرتے تھکے ہارے لوگ ہائی وے ٹیکس کی وصولی کو لے کر ہی اب ایک آدھ لفظی گھوڑا دوڑاتے ہیں۔ انہیں بھی سکون ملتا ہے کہ قوم کا غم برابر کھائے جا رہا ہے اور عام خام لوگوں کو بھی پتہ چلتا ہے کہ صاحب لوگوں کی سانس ابھی چل رہی ہے۔

گیا وقت ووٹنگ کا کوئی اب آمادہ جنگ نہیں ہوگا
سیاست کار وعدوں سے کوئی اب تنگ نہیں ہو گا
گزر جائیں گے کچھ دن رہیں ووٹر سکون سے بھی
کوئی شاعر بھی اب پھر قافیے سے تنگ نہیں ہوگا

یہ تو بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں۔ ہماری کوئی کہاں سنتا ہے اور ہم جیسوں کو کوئی کہاں پوچھتا ہے کہ بھائی تمہاری رائے کیا ہے، کیا سوچ ہے، خیال کیا ہے۔ کوئی اخبار والا بھی ہم سے سوال نہیں کرتا، کوئی سیاست کار بھی ہماری مانگ نہیں پوچھتا، بلکہ گلی کا صفائی والا بھی نہیں کیونکہ وہ بھی سوچھ بھارت ابھیان کے بانی نریندر مودی کا نام لے کر جھاڑو چلاتا ہے۔ مانا کہ بڑے بڑے لوگ بڑے بنکوں میں جھاڑو پھیر کر نکل گئے لیکن گلی میں بے چارہ عام آدمی جے جے مودی کہہ کر سوچھ سوچھ کرتا ہے، ہر ہر مودی کہہ کر کشمیری بوچھ بوچھ (بھوک بھوک) کہتا ہے۔ کیونکہ عام آدمی کیلئے پندرہ لاکھ کی آس ہی ٹوٹ گئی اور چھوٹے موٹے کاروبار کا گھڑا ابھی نوٹ بندی و جی ایس ٹی کے ہتھوڑے نے پھوڑ ڈالا۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں تو بڑے اخبار اور میگزین کرتے ہیں۔ وہ جو عالمی چوکیدار کے ملک میں ٹائم نامی میگزین چھپتا ہے، اس نے بھی بڑے بھارتی چوکیدار کی بات کی۔ چوکیدار کی تصویر تھوڑا توڑ مروڑ کر سرورق پر چھاپ دی اور اسے نام بھی بڑا دیا۔ لوگ کہتے ہیں بڑے میگزین نے اس طرح چوکیدار کا نام بدنام نہیں کیا کہ وہ نمبر ایک پھوٹ ڈالنے والا ہے۔ ہمیں تو اس قدر علم نہیں کہ کسی کو کیا نام دیں اور کس طرح بڑا بنا دیں ہم تو ابھی ۲۰۰۲ء کے

گجرات کا چکر لگاتے پھرتے ہیں۔ یہ جو پھوٹ ڈالنے کا الزام ہے ہم کبھی سویکار نہیں کر سکتے۔ بھائی جب گودھرا میں ٹرین کی بوگی جلی تو لاشیں تو ریاستی دار الحکومت پہنچانی ضروری تھیں، جبھی تو پورے گجرات میں جذبات بھڑکے اور پھر تین دن پولیس کو حرکت سے باز رکھا گیا اور تو اور فوج کے لئے گاڑیوں کا انتظام نہ کیا گیا تاکہ بے چارے بھگت جن تھوڑا بہت غصہ اُتار دیں۔ پھر انہوں نے ایسا غصہ اُتارا کہ رحمِ مادر سے بچہ کھینچ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، بلقیس بانو کے چودہ افراد خانہ قتل کر کے اس کی اجتماعی آبروریزی کی، احسان جعفری کے گھر پر دعویٰ بول کر درجنوں افراد کو زندہ جلا ڈالا۔ مقصد ان کا گھر جلانا نہیں تھا البتہ اپنا غصہ نذرِ آتش کرنا تھا، کر لیا۔ زندہ تو زندہ، مردوں کی بھی خوب خبر لی۔ شاعر ولی دکنی کے مزار کو تہہ بالا کر کے وہاں سڑک بنوالی اور راتوں رات تار کول بچھانے کا کام مکمل کر لیا۔ بھلا سڑک بنانی تھی تو گجرات ماڈل کے حساب سے جلدی جلدی بنوالی، اپنی طرح نہیں کہ مہینوں لگ جاتے ہیں یعنی ایسا کہ دونوں فرقوں کے بیچ پھوٹ سو فیصد پڑ جائے۔ اب اپنے چوکیدار مودی جو کچھ کرتے ہیں مکمل کرتے ہیں جبھی تو گجرات میں پھوٹ کا عمل مکمل ہو گیا۔ اور اسی پھوٹ کا نتیجہ ہے احمد آباد سے نکل کر دلی تک پہنچے۔ ٹائم میگزین نے تو بس پھوٹ دیکھی، بھائی جھوٹ بھی کوئی چیز ہوتی ہے اور اس جھوٹ میں ان کے ساجھے دار بھی بہت ہیں۔ ایک تو آنکھ مارنے والا یوگی ہے کہ پتنجلی کے نام پر ہر بار آنکھ مارتا ہے۔ مودی کے پندرہ لاکھ والے وعدے پر بھی آنکھ ماری تھی۔ اب پوچھو تو کہتا ہے کہ ہم نے تو مذاق میں بات کہی تھی آپ تو سیریس ہو گئے بلکہ بالاکوٹ حملے کے وقت بھی تین سو جیش اہل کاروں کی ہلاکت پر بھی آنکھ ماری تھی، آپ تو واقعی آدھار کارڈ ڈھونڈنے نکلے۔ بھلا ایسا کہیں ہوتا ہے کہ اپنی ہی سرکار سے ثبوت مانگیں۔ اب جو بالاکوٹ کی بات چلی تو سنا ہے، چوکیدار مودی نے تعلیم کی نئی سندیں پیش کر دیں۔ کبھی میٹرک نہیں کیا پر اب ایم اے کی سند مخالفین کے منہ پر ماردی اور وہ رہ رہ کر پوچھتے رہے بھائی! ایم اے کیا تو بی اے بھی کر لیتے، لیکن سنا ہے راڈار سائینس میں جو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سامنے آئی تو سب ہکا بکا رہ گئے اور سیاسی مخالفین سمیت سب لوگ اس ادارے کا پتہ ڈھونڈنے نکلے ہیں جہاں سے اس قدر اعلیٰ تعلیم پائی گئی۔ ویسے یہ مملکت خداداد والے بھی مٹی کے مادھو ہیں کہ ان کے راڈار بادلوں کے درمیان دشمن کے جہاز نہیں دیکھ پاتے اور حد ہوئی کہ یہ

بات پڑوسی ملک کے وزیر اعظم کو معلوم ہے۔ اسے کہتے ہیں کہ عالم و فاضل کو کسی اسکول کالج یونیورسٹی میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جبھی تو ایم اے کی ڈگری لیتے ہوئے گھر میں ہی راڈار سائنس کا اس قدر علم حاصل کرنا معمولی بات نہیں۔ اس بیچ ہم اس مخمصے میں ہیں کہ اگر بارش یا بادلوں کے بیچ بھارت ورش پر ہوائی حملہ ہوا تو دفاع کیسے ہو کیونکہ ہم تو عام لوگ ہیں اور مسلسل سوچنا ہمارا کام ہے اور اس سوچ و بچار میں یہ بات سوجھی کہ اگر بھارت ورش کے جہاز اُلٹی سمت Reverse چلتے ہوئے حملہ کرتے تو مملکت والوں کو یہ لگتا کہ جہاز آ نہیں جا رہے ہیں۔

اور تو اور ڈیجیٹل ہونے سے پہلے ڈیجیٹل کیمرہ حاصل کرنا کوئی ان سے سیکھے، یعنی سرکار میں آتے ہی ڈیجیٹل انڈیا کا مشن کوئی معمولی بات نہیں بلکہ پکا گیان پر آدارِتھ تھا۔ پھر ای میل کا تجربہ بھی سات سال پہلے ہی حاصل کرنا، اسے کہتے ہیں وژنری Visionary ہونا۔ واہ مودی جی واہ! اسی لئے تو بھگت جن کہتے ہیں مودی ہے تو ممکن ہے۔ بھلے ہی فیمیل Female والا معاملہ ناکام رہا لیکن ای میل Email میں کامیابی کانگریس سرکار سے پہلے دکھائی۔ کون جانے سیب کے باغ کی چوکیداری کرتے ہوئے کشش ثقل کا تجربہ بھی ان کے ہی ہاتھوں ہوا۔ سیب گرنے والا تھا تو نیوٹن کو مشورہ دیا ادھر سے گزرو۔ پھر جو سیب گرنے کا عمل دیکھ کر نیوٹن نے چوکیدار کے ہاتھ پاؤں چومے۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ بھی اطلاع دی کہ ہوائی جہاز کا ترسیلی نظام ریڈیو ویو پر نہیں بلکہ مودی ویو پر چلتا ہے اور چونکہ ۲۰۱۹ء الیکشن میں کوئی مودی ویو نہیں تو فضائی صنعت زوال پذیر ہے۔ اس ویو کے نہ ہوتے جیٹ ایرویز کا پٹہ ہی بیٹھ گیا۔ بیس ہزار ملازم کام سے گئے۔ کوئی خریدنے کو بھی تیار نہیں۔ مانو ہوائی کمپنی نہ ہوئی چائے پکوڑے ہوئے۔ پھر بھی تو چائے پکوڑے کو مودی سرکار میں جاب کا اسٹیٹس مل گیا پر جیٹ بے چارہ اُڑان ہی نہیں بھر پاتا۔

مجھے تو نیند بھی اچھی نہیں لگتی حقیقت میں
دکھائیں خواب جو جھوٹے میں ان نیندوں سے ڈرتا ہوں

چوکیدار نے تو نہ کھاؤں گا نہ کھانے دوں گا کا نعرہ بلند کیا تھا مگر بڑے لوگوں کی بڑی باتیں، چھل کر کے نکل گئے اور ادھر اپنے چھوٹے چھوٹے بھگت کھلانے پر زور دے رہے ہیں۔ لیہہ میں صحافیوں

کو کھلایا اور پھر اس لنچ کی قیمت بھی ہاتھ میں تھمانے کی کوشش کی۔ کہنے کو لنچ کا بل تھا لیکن اصل میں ضمیر کا سودا تھا، مگر انہیں کیا معلوم کہ اُلٹی آفت گلے پڑے گی۔ شکایت ہوئی ایف آئی آر ہوئی اور اب تو جھوٹ پر جھوٹ سے سچ کے اوپر لیپا پوتی کی کوشش میں ہیں۔

لوگ تو پتہ نہیں کہاں کہاں سے کہانیاں ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور بے چارے بھگت جنوں کو پریشانی میں ڈال دیتے ہیں۔ بڑی مشکل سے دہشت گردی میں مبینہ ملزم سادھوی پرگیہ کو خرابیٔ صحت کے نام پر ضمانت دلوا کر الیکشن اُمیدوار بنا دیا تا کہ سماجی پھوٹ کا منافع کھینچ کر الیکشن کامیابی وصول ہو۔ ادھر سے فلمساز و اداکار کمل ہاسن نے نیا محاذ کھولا۔ ہندو دہشت گردی کی شروعات کا بھانڈا کچھ اس طرح پھوڑا کہ بھگت جن کرچیاں تلاش کر رہے ہیں۔ بھکت جنوں کے فکری گرُو گوڈسے کو آزاد ہندوستان کا پہلا ہندو دہشت گرد تسلیم کیا۔ اب تو بھگت جنوں کو وہ الفاظ نہیں مل رہے ہیں کہ کمل ہاسن کو مملکت خداداد کا ویزا دلوا دیں یا گوڈسے کے گلے میں مالائیں پہنیں۔

ادھر اس بیچ بڑا تنازعہ کھڑا کر دیا دشمنانِ جان نے کہ رمضان اگر اردو میں مستعمل ہے تو عربی رمدھان جیسا تلفظ کیوں اور پھر رمضان میں منچلوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور روزے داروں کی پیاس بجھانے کیلئے اس بار بھارت میں روح افزاء شربت بھی میسر نہیں۔ مملکت خداداد والوں نے تو بھیجنے کی پیش کش کر دی پر کیا کریں، ادھر کی پلا نہیں سکتے کیونکہ کیا پتہ بادلوں کی اوٹ میں وہ کیا کچھ بوتلوں میں بھر دیں۔

یہی تشویش ہے شب و روز بنگلے میں
روح افزا پھر کبھی سنوارے مقدر میرا

Published 20/5/2019

* * *

جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزان نہ پوچھ

ہم تو عام لوگ ہیں، خام جنتا ہے بلکہ بدنام پبلک ہے جو سب جانتی ہے، پہچانتی زیادہ اور مانتی کم ہے۔ تاڑتی بہت ہے کیونکہ نظر قیامت کی رکھتے ہیں، خبر اندر کی رکھتے ہیں، اور خبر جو باہر پھیلانی ہو اس پر پہلے ذاتی سینسر لگاتے ہیں، دیکھتے ہیں پرکھتے ہیں۔ پہلے ہم نائی کی دوکان پر، دوکانوں کے تھڑوں پر یا ہریسے کی دیگ کے گرد تشریف رکھکر باتیں سنتے تھے، خبریں سناتے اور بناتے تھے۔ اب فیس بک کے حوالے یہ سب کام کر دیا اور آناً فاناً سونمرگ سے سور سیار، کھنہ بل سے کھادن یار بلکہ بانہال سے راجدھانی پاس تک خبر ارسال کرتے ہیں۔ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ سرحدوں پر بڑا تناؤ ہے، جنگ سی جاری ہے۔ ہم تو جنگ کی خبر بھی فیس بک سے سناتے اور سنتے ہیں۔ اب مرغی اور انڈے کی بات، سیاسی فنڈے کی روداد، سنڈے کے کوفتے، منڈے کے پیاز کے چھلکے سب فیس بک پر میسر رکھتے ہیں کہ بھائی لوگو سنو اور سر دھنو! ہم نے ماضی میں عمہ میر کی کہانی سنائی اب مجید پڈر کی بات بتاتے ہیں۔ اور جب سناتے ہیں تو چٹخارے لیکر سناتے ہیں، نمک مرچ ملا کر بتاتے ہیں، مصالحے دار بنا کر جتاتے ہیں، خوب تل کر کھلاتے ہیں، اور اس قدر سجاتے ہیں کہ شاہی دسترخوان کا گمان ہوتا ہے۔ ہم کسی کو کچھ بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ جو جنتا ہے سب جانتی ہے۔ یہی وجہ ہے ہم دو بندروں کی کہانی سناتے رہتے ہیں جو ایک دوسرے کے آگے محوِ سفر تھے، جبھی تو پچھلے بندر نے آواز دی کہ تمہارا پچھلا حصہ لال ہے۔ اگلا بندر بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا کہ واپس جواب دیا بھائی خود پر بھی نظر ڈالو۔ یہ تو ایسے ہی کوئی بات چلی در اصل ہم اسمبلی کی روداد یاد کرنے لگے کہ ہل والے ٹویٹر ٹائیگر نے اب کی بار ٹویٹر چڑیا نہیں اڑائی

بلکہ سامنے ہی بات کہہ ڈالی اور کنول برداروں کو شیطان کے مترادف قرار دیا جس نے اہل قلم و نا اہل دوات کو اپنے قبضے میں جکڑ رکھا ہے، پوری طرح اپنے قفس میں قید کیا ہوا ہے بلکہ اس کی سانسوں پر اپنی پکڑ، جکڑ، دھکڑ کس لی ہے۔ اتنا ہی نہیں اس نے بانوئے کشمیر کو جہنم کی آگ کا خوف دلایا کہ اس میں جل جاؤ گی۔ بانوئے کشمیر نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں کہ ملک کشمیر کو جنت بنانے کے عوض جہنم میں سینکڑوں بار جلنے کا من بنایا۔ باضابطہ اعلان کر دیا۔

یہ سیاست نہیں آسان کچھ ایسا سمجھ لو
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

وہ تو مفتی ہیں اپنی پسند کا سیاسی فتویٰ جاری کرنا کوئی ان سے سیکھے۔ یہ جنت جہنم کا کھیل تو ہل بردار اور قلم بردار کب سے کھیل رہے ہیں اور اس چھینا جھپٹی میں اگر کوئی جل بھن رہا ہے تو وہ اہل کشمیر ہیں۔ جب ہل بردار آگے چلتے ہیں تو قلم بردار پیچھے سے آواز لگاتے ہیں کہ افسپا ہٹاؤ اور فوج کو واپس بارکوں میں بھیج دو، بینر اٹھاتے ہیں کہ طفیل متو، زاہد فاروق وغیرہ کے قاتلوں کو سزا دو، اور جب قلم بردار آگے چلتے ہیں تو ہل برداروں کو جہنم کی آگ کی تپش محسوس ہوتی ہے تو چیخ پڑتے ہیں کہ کالا قانون ہٹاؤ، اس کو سزا دو، اس کی سرزنش کرو۔

اور ہم ہیں کہ سوچتے ہیں بھلا بانوئے کشمیر کس جنت کی بات کرتی ہے جس میں وہ اہل کشمیر کے لئے جہنم میں بھی کود جائے اسی لئے تو ہم سوچتے رہتے ہیں۔

کیا لطف اُنجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

کئی لوگ تو پر تول رہے تھے کہ چلو سرکاری سیاسی نوکری مل ہی جائے گی۔ دفتری کلرکی حاصل نہ ہوئی چلو سیاسی کرسی ہی جھپٹ لیں گے۔ وہ تو چھوٹے سیاستدان ہیں اور بڑے سیاست دانوں کے دلوں میں جوتوں سمیت اترنے کی سعی کر رہے تھے لیکن ان کی اُمیدوں پر گرم گرم بلکہ کھولتا ہوا پانی پھر گیا۔ کیونکہ پنچ سرپنچ چننے کی جو باری آئی تو اہل سیاست میں ٹھن گئی کہ حالات موزون ہیں یا نہیں۔ وہ تو ارباب اقتدار ہیں انہیں اندھا دھند فائرنگ میں جان بحق ہونے والوں کی کیا پریشانی، مگر خود انہیں جو باہر نکل کر گھومنا ہے تو پسینے چھوٹے کہ ملک کشمیر کا جو بھی حال بنے خود ان کا اپنا مستقبل سنورنا چاہیئے۔ اس لئے ہل، ہتھوڑے، قلم برداروں کو ڈرا ڈرا سہما سہما پایا لیکن کنول

بردار تو ناراض ناراض دکھتے ہیں کہ وہ اپنے پنچ سرپنچ چن لیں تو ان کے کنول کی آبیاری ہو۔ ادھر ہل والے قائد ثانی کو بھی حالات پنچایت الیکشن کے لئے موزون نہیں دکھتے بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ ملک کشمیر کی عمومی صورت حال بگڑی ہوئی ہے۔ شاید اس لئے بھی خود اس کے اپنے حالات سرینگر بڈگام پارلیمانی نشست سے خوب سنور گئے۔ مانا کہ اس دوران کئی اللہ کو پیارے ہوئے، کئی زخمی ہوئے اور بچارا رفوگر فاروق ڈار شاہی فوجداروں کے بکتر بند گاڑی کی ناک پر ہاتھ پیر بندھا بزبان حال بتا رہا تھا کشمیر پا بہ زنجیر ہے، غم والم کی تصویر ہے، افسپا کی جاگیر ہے، بے گناہ بے تقصیر ہے، خون آلودہ خواب کی تعبیر ہے، اُلٹی ہر تدبیر ہے، لکیر کا فقیر ہے، اغیار کا اسیر ہے، قلم کے ہاتھوں دلگیر ہے، کنول کے زیر شمشیر ہے، ظلم کی تشہیر ہے، ستم کی تعمیر ہے، کہیں آسیہ نیلوفر کہیں آصفہ کی تصویر ہے، نہ اپنی تحریر نہ اپنی تقریر ہے۔ اس کہانی پر سیاست کا تڑکہ بھی دیکھئے کیا لگا، جس ویر بہادر کوتوال گگوئی نے فاروق کو گاؤں گاؤں گھمایا، خلقِ خدا کو ڈرایا، زمین و آسمان کو رُلایا، انسانی حقوق کو شرمایا۔ اس کی دیش بھگتی، بہادری، حاضر دماغی شہرت بامِ عروج پر پہنچی اور فاروق کے حصے میں آئی ایک تلخ کہانی، ایک مایوسی، ایک بے بسی۔ خیر جان کی اَمان پاؤں تو ویر بہادروں سے عرض ہے: سلطنتِ افسپا کے خداؤ! بیروہ کے فاروق ڈار کو تم دن میں تارے دکھاؤ یا گنوپورہ شوپیان کے پانچ جوانوں کو کچا چباؤ مرضی تمہاری، جو چاہے تم کر بیٹھو، سیلف ڈیفنس کی ڈھال بھی سیلف رُول کی چال بھی تمہارے قدموں پر نچھاور، تم بب کی ابابیلیں ہو سارا جہاں تمہارا، قانون تمہارا، تالیاں شاباشیاں، ترقیاں تمغے، ترقیاں سب تمہاری چشم براہ۔ ہاں! یاد آیا اپنے بشری حقوق کے بلا دندان بے دُم ادارے نے فاروق کے حق میں معاوضہ منظور کرنے کی ہلکی سی سفارش کی تو اس پر سرکارِ قلم دوات نے کہا معاف کیجئے۔ اس بچاری سرکار کے اپنے ہاتھ پاؤں کرسی کے رَسے سے دلی دربار نے اس سختی کے ساتھ بندھے ہیں کہ اس کی زبان گنگ، کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہیں۔ ویسے بھی یہاں تھوڑی ہی سرکار کی چلتی ہے جو فاروق کی لاٹری لگ جائے، یہاں تو افسپا کی خدائیت میں کار سرکار بحقِ وردی پوشاں محفوظ ہے، انہی کا راج تاج ہے، انہی کا بینڈ باجا ہے۔

فوجی اپنا شیرا ہے
باقی ہیرا پھیرا ہے

کشمیری ایرا غیرا ہے   وہ تو نتھو خیرا ہے

یہ فوجی اتنا بڑا شیرا ہے کہ اس کے دفاع میں کنول بردار میدان میں اتر آتے ہیں کہ ان کے خلاف ایف آئی آر بھی مرتب نہ کرو۔ ارے واہ جیسے ماضی کے کئی ایف آئی آر میں وردی پوشوں کو سزا ہوئی، جیسے ان سے پوچھ تاچھ ہوئی، جیسے کسی نے ان کا بال بانکا کر دیا، جیسے ان کی زندگی میں ارتعاش پیدا کیا گیا، جیسے ان کا حقہ پانی بند ہوا، جیسے ان کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ پھر بھلا نرمل کا من کیوں کومل ہو گیا کہ مخلوط سرکار اپنی جگہ لیکن فوجی اپنی جگہ، بلکہ اپنی اونچی منڈیر پر!

کہیں کنول بردار کی دوستی فوجی سے زیادہ مضبوط نہ ہو جائے بانوئے کشمیر بھی افسپا کی حمایت میں فوجی بھائیوں کا پروگرام لیکر میدان اسمبلی میں دوڑ پڑی کہ آپ تو قلم دوات برداروں کے بھی شیر ہو۔ بھلے ہی کتنے اہل کشمیر آپ کے ہاتھوں ڈھیر ہوں لیکن آپ ہی تو سوا سیر ہو۔

ادھر ملک کشمیر میں کنول بردار فوجی شیروں کی طرف سے عام لوگوں کے ساتھ لڑ رہے ہیں، جھگڑ رہے ہیں البتہ سینہ تان کر ان کی مدد کے لئے سرحد اور حد متارکہ پر نہیں جاتے کیونکہ وہاں سے گولی کا خطرہ ہے، جان پر بنی ہے اور ادھر مسلم خواتین کے معاملے میں طلاق ثلاثہ پر گلی گلی میں شور مچائے پھر رہے ہیں۔ مانا کہ خود بھاجپا لیڈران کی بیویوں کی کوئی فکر نہیں لیکن سہ طلاق خوب ستا رہا ہے۔ مگر یہ عام جنتا بھی کوئی اتنی بے حس نہیں کہ راجستھان میں الور کیا، اجمیر کیا، مندل گڈھ میں بھی ووٹروں نے کنول برادری کو سہ طلاق دے ہی دیا۔ اور وہ جو بھاجپا امیدوار نے کہا تھا کہ مسلمان کانگریس کو اور ہندو بھاجپا کو ووٹ دیں، ۶۰ فی صد ووٹ کانگریس کو ملے۔ ہندو اکثریت مسلم روپ دھار کر کنول بردار کو لکڑی ہاتھ میں تھما گئی جو خشک ہے اور جس میں کوئی خوشبو نہیں۔

فنڈ کٹ کی یہ سرکار   نہیں چلے گی اب کی بار
مذہبی عناد کے ساہوکار   نہیں چلیں گے اب کی بار

ویسے تو ہمیں واشنگ مشین میں گھولا ہوا یا پلاسٹک سے تیار شدہ دودھ پلایا جاتا ہے لیکن آر ایس ایس پرچارک شنکر لال کو شکایت ہے اور اس کا کہنا ہے کہ بھینس اور جرسی گائے کا دودھ پینے سے کرائم بڑھتا ہے۔ ان کا دودھ پینا بند کرو تو کرائم ختم ہو گا۔ مطلب صاف ہے کہ عام جنتا تو

پلاسٹک دودھ پیتی ہے مگر سنگھ پریوار کے لوگ بھینس و جرسی دودھ پیتے ہیں جبھی تو اخلاق، پہلو، جنید، روہت وغیرہ کے خلاف کرائم کر بیٹھتے ہیں۔ یہ تو پرچارک کی بات ہے لیکن پردھان سیوک کا کہنا ہے کہ اسکل انڈیا Skill India رائج کر دوں گا۔ میک ان انڈیا Make in India کے لئے دنیا بھر کا دورہ کرتا ہوں۔ کون جانے کرائم انڈیا یا دودھ انڈیا کے لئے بھی سنگھ پریوار کے پاس منصوبے ہوں جو وہ مسلم اور دلتوں کو دبانے کے لئے کئی سال سے اپنا رہے ہیں۔ ہو نہ ہو اگلے الیکشن کے آس پاس جمپ ان انڈیا Jump in India یا ڈانس ان انڈیا Dance in India کا ماڈرن طریقہ سامنے لایا جائے۔ ملک ملک گھومنے سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ لوگوں کو نوکریاں نہ دلا سکے تو مشورہ دیا کہ کہیں پکوڑے بیچ کر کمائی کرو یہ بھی تو کمانے کا ذریعہ ہے۔ مطلب سوچ چائے پکوڑے سے اوپر نہ اٹھ پائی اور کون جانے پکوڑا یوجنا سرکار کا نیا منصوبہ ہے۔ اب تو الیکشن کے لئے رام مندر ہی بچا ہے جس کے قریب جمپ ان انڈیا کی اچھل کود ہوگی، ڈانس ان انڈیا والا ننگی کا ناچ ہوگا، چائے پکوڑے کے ساتھ زوردار ہون ہوگا۔ کہ رام جی بھلی کرو تیرے ہی سہارے یہ کرسی بچ سکتی ہے۔

دو ہی راستے تھے کرسی ہتھیانے کے　　خون مسلم کی ارزانی اور دَلت کی جوانی
رام مندر کی تعمیر سے لیں گے اب یہ کام　　ہمیں تو ہر حال میں بس کرسی ہے سجانی

* *

یہ سیاست کا فسانہ بھی بدل جائے گا

سنا بھی ہے دیکھا بھی کہ ابھی پورے بھارت ورش میں الیکشن نتائج کا بھوت سوار ہے۔ کہیں جیت کا جنون سوار ہے کہ جیتنے والوں نے کمزوروں بے گناہوں کا خون بہانے کا دوار کھلا رکھا ہے۔ کہیں ہار کے بخار کا سروں پر اس قدر پر ہار کا بخار ہے کہ لوگ استعفوں کے کاغذ ہاتھوں میں لئے گھوم رہے ہیں اور یہ سارا کھیل مزیدار اس بات سے بنتا ہے کہ کوئی استعفیٰ لینے کے لئے تیار نہیں۔ جس کسی کی طرف بھی استعفیٰ بڑھایا جائے، اُسے محسوس ہوتا ہے کوئی زاکا یا نیپا وائرس ہے کہ ہاتھ لگاؤ تو کہیں کا نہ رکھ چھوڑے گا۔ بڑی مشکل سے پارٹی دفاتر میں سیکورٹی گارڈز بچے ہیں جو استعفیٰ نام کا کاغذ لیتے تو ہیں مگر ان کا کیا کرنا ہے، جانتے نہیں۔ اگر انہیں یہ معلوم ہو کہ یہ استعفیٰ ہے تو وہ خوشی خوشی اپنی بیویوں کو فون لگا دیں کہ میڈم اب تمہاری دادا گیری نہیں چلے گی کیونکہ ہماری پرموشن ہوگئی ہے اور یہ کہ بڑے سے بڑا عہدیدار اپنا تیاگ پتر ہمارے ہاتھ ہی سونپتا ہے۔ پنجہ مار پارٹی کے پپو نے بھی استعفیٰ دیا لیکن کوئی بھی لینے کو تیار نہیں کہ سب حیران و پریشان ہیں بھلا اس کاغذ کے ٹکڑے کا کیا حشر کر دیں، کیونکہ جن کی امید تھی کہ وہ یہ استعفیٰ قبول اور منظور کریں گے وہ تو خود بھی تیاگ پتر پیش کرنے کی لائن میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس ڈرامائی صورت حال کے پیش نظر پپو نے اپنی پارٹی میں بڑے لوگوں پر غصہ اُتارا کہ یہ سب پارٹی کے بدلے اپنے بچوں کی فکر کرتے ہیں، جس کے سبب پارٹی ہار گئی۔ اس لئے ایسے لوگوں کو پارٹی بدر کرنا چاہیئے۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ کہانی سنائی کہ ہار کے بعد رات بھر پپو سو نہ پائے، صبح اُٹھے تو بال بکھرے، چہرہ اُترا ہوا تھا۔ راہ داری میں پہنچتے ہی چیخ اٹھے

کہ اس کو پارٹی سے نکال دو، اسی کی وجہ سے ہم الیکشن ہار گئے۔ نوکر دوڑا دوڑا چلا آیا اور پپو کو سنبھال لیا۔ سر یہاں کوئی نہیں، یہ تو قد آدم آئینے میں آپ ہی کی تصویر نظر آتی ہے۔ ادھر بوا بھتیجا پارٹی بھی الیکشن نتائج کی آندھی کے سامنے ڈھیر ہوگئی۔ اگر تم نے سائیکل تیز چلائی ہوتی تو کنول کا پھول اس قدر نہیں کھلتا۔ نہیں تمہارا تو ہاتھی اتنا بھاری بھر کم ہے کہ دھیرے دھیرے چلا جبھی تو سب جگہ نہیں پہنچ پایا۔ اور تو اور ہاتھی کی لید ہی اس قدر زیادہ تھی کہ کنول پھولوں کے لئے کھاد کا کام کر گئی۔ مطلب ہم جنہیں سکھانے چلے تھے، انہیں اُگانے کا کام کر گئے۔ ہم نے تو سوچا تھا کہ ہاتھی کنول پھولوں کو چٹ ہی کر جائے گا لیکن یہ ہاتھی تو پلاسٹک کا نکلا کہ چالیس پینتالیس ڈگری تاپمان برداشت نہ کر پایا اور ایسا پگھل گیا کہ اب ردی والا ہی اسے اپنے ٹوکرے میں بھر کر لے جائے گا۔

ادھر اپنے ملک کشمیر میں بھی ہارنے والوں پر وار ہوا ہے۔ ایک طرف کنول برداری کا ترشول تیز ہوگیا، دوسری طرف ہل والے نیشنلی بھی ہل کا پھل تیز کر گئے۔ اپنے ہل والے قائد ثانی جب نعرہ لگاتے ہیں تو نعرہ مستانہ لگتا ہے اور ان کے نعروں سے ادھر ادھر، آر پار چنگاریاں پھوٹتی ہیں بلکہ وسپھوٹ ہوتے ہیں۔ اور جب اعلان کرتے ہیں تو دھماکے کی صورت کرتے ہیں بلکہ جب وہ سیدھی سادھی بات ہی کرتے ہیں تو بتنگڑ بناتے ہیں، یعنی رائی کا پہاڑ بنانا نہیں پہاڑ کو رائی میں تبدیل کرنا کوئی ان سے سیکھے۔ وہ اس وقت جب کرسی سے بے دخل ہوں، سرکاری دفتر سے الگ ہوں یعنی اگر انہیں کوئی کام کرنے کو نہ ہو تو نئی نئی ترکیبیں وجود میں لانے سے وہ نہیں ڈرتے، بلکہ اپنے منہ کو حاملہ عورت کا روپ دھارن کراتے ہیں کہ اس رنگ روپ کا بچہ جننا ہوگا۔ پھر عالمی فورموں میں بھارت کی نمائندگی کا سوال ہو، مملکت خداداد پر جوہری بم گرانے کی چیخ و پکار ہو یا اب بندوق برداروں کو مجاہد تسلیم کروانے والا معاملہ ہو، اور آج کل جو آزادی نواز عتاب کا شکار ہیں ان کی محبت اُنگ اُنگ میں جاگ اُٹھی ہے۔ مطلب عجب پریم کی غضب کہانی تحریر کرنا کوئی عالی جناب قائد ثانی سے سیکھے۔ ایسی پریم کہانیوں کے وہ خود ہی لکھاری، گیت کار، سنگیت کار بلکہ نرماتا نردیشک بھی اکیلے ہوتے ہیں۔ وہ جو میر آف دھرنہ پپو کو سنبھال رہا تھا، خود کی دست گیری سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور کہنے والے تو کہہ دیتے ہیں بلکہ تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر

رکھتے ہیں۔ کہنے سے ڈرتے نہیں کہ پنجہ مار پارٹی دلی، یوپی، راجستھان وغیرہ کے ساتھ لداخ والی سیٹ اَنکل چھپن والا کو تحفتاً پیش کرنے کے لئے مبارک بادی کی حق دار ہے۔ ادھر قلمدان والے ایک طرف دودھ ٹافی کا حساب نہ رکھ پائے، دوسری طرف کوئی نیا فتویٰ کام نہ آیا۔

ابھی ہمیں بچپن کی وہ کہانی یاد آتی ہے جس میں اکبر بادشاہ کے دانا وزیر بیربل کا تذکرہ ہے۔ کہانی یہ ہے کہ مغل اعظم اکبر کو بیربل کی عقل مندی کا ٹیسٹ لینے کی سوجھی تو ایک نر بھیڑ بیربل کے حوالے یہ کہہ کے کر دیا کہ اس کا وزن بھی نہیں بڑھنا چاہیے اور نہ ہی یہ بھوک کے سبب مرجانا چاہیے۔ بیربل نے اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرکے اس بھیڑ کے لئے ٹھیک ٹھاک خورد ونوش کا انتظام کروایا لیکن ہر شام وہ ایک خونخوار جانور بھیڑ کے پاس لے جاتا۔ یہ جانور اس بھیڑ پر حملہ کرنے کو دوڑتا لیکن سپاہی اسے ایسا کرنے سے روکتے۔ البتہ بھیڑ پر خوف کے مارے یہ اثر ہوتا کہ اس کا زائد وزن زائل ہو جاتا۔ یوں وقت مقررہ پر بیربل کامیاب ہوگیا۔ کچھ اپنے ملک کشمیر کے سیاست کاروں پر دلی دربار نے ایسا ہی جادو چلا دیا کہ وہ کھاتے پیتے تو سب ٹھیک ہیں لیکن بیربل کی بھیڑ کی مانند اپنا اضافی وزن ہار جاتے ہیں۔ الیکشن ڈیٹ کے نام پر انہیں اچھی تازہ گھاس کھلائی جا رہی ہے لیکن وقت مقرر نہ کرنے کا خونخوار جانوران کی چربی پگھلا دیتا ہے۔ وہ تو ابھی کوئی ایک سال سے تنخواہوں سے محروم ہیں۔ اقامت گاہیں ان سے چھن گئی ہیں۔ دوسرے سرکاری مدوں سے خرچہ جات نے منہ موڑ لیا ہے۔ مطلب راشن پانی اب گھر سے انتظام کرنا پڑتا ہے۔ گاڑی کا تیل کیا، ہانڈی کا سیل کیا، بجلی کا بل کیا، دوائی کا بل کیا، بچوں کی فیس کیا، درد کی ٹیس کیا، ساری چیزیں اب گھریلو خزانے پر دیمک بنی بیٹھی ہیں، کیونکہ عید دیوالی پر جو چاہنے والے کیک مٹھائی لے کر مبارک بادی دینے آتے وہ بھی اب فون پر ہی ہیلو ہائے کرکے کنی کتراتے ہیں۔ اس بنا پر سیاست کار مودی شاہ ایک طرف، الیکشن کمیشن دوسری طرف کے اوپر لگاتار منتیں اور ہموار وار کرتے رہتے ہیں کہ بھائی لوگو کچھ تو جرأت سے کام لو اور اپنے ملک کشمیر میں بھی بندوں کو گننے کا عمل شروع کردو تاکہ جمہورا یہاں بھی ناچے بھلے ہی وہ دلی دربار کی ڈگڈگی پر ہی ناچے، کیونکہ وہ جب ناچے گا تو مزیدار تماشہ ہوگا اور اس تال پر ہم اہل سیاست بھی دو چار ٹھمکے لگائیں گے۔ لوگ بھی جھوم جھوم کر گائیں گے، ہماری پارٹی کا جھنڈا سر پر صافہ باندھیں گے،

ہماری پارٹی کا نشان دکھا دکھا کر روٹی کپڑا اور مکان کا بیان دیں گے۔ تب پتہ چلے گا کہ روٹی کپڑا اور مکان تو بس ہماری قسمت میں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ گاڑی بھی بونس میں ملے گی اور بے چارے عام خام لوگوں کو وہی ناچ گانے کے فرصت کے چند لمحات میسر ہوں گے جس کے دم پر وہ اگلے پانچ چھ سال تک بھوکے گُن گائیں گے۔

رات دن ان کی ریا کاری کے بنتے ہیں اصول
ان کا دعویٰ ہے غلط ان کی عبادت ہے فضول
رہزنوں سے مت ڈرو تم پارساؤں سے بچو
لیڈرانِ قوم کی ظالم اداؤں سے ڈرو

Published 10/6/2019

غلط سوچو غلط بولو غلط کرنے کا فن سیکھو

ہر فن مولا نوجوت سنگھ سدھو غضب کا آدمی ہے، مودی بھگتوں کو کھری سنا ڈالی۔ ارے بھائی! پیٹ خالی ہیں یوگا کروایا جارہا ہے، جیب خالی ہیں کھاتے کھلوائے جارہے ہیں، کھانے کو کچھ نہیں سوچالے بنوائے جارہے ہیں، گاؤں میں بجلی نہیں ڈیجیٹل انڈیا بنایا جارہا ہے، سبھی کمپنیاں دودیشی ہیں میک اِن انڈیا بنایا جارہا ہے، جو فلک بوس بُت بنایا سردار پٹیل کا وہ چین سے لائے، رافل جہاز فرانس سے لائے، بُلٹ ٹرین جاپان سے لائے، تو بھارت واسیوں سے کیا کروایو گے؟ پکوڑے تلواؤ گے؟ یہ سوال ہے، لیکن اس شہر خموشاں میں نوجوت سنگھ کا جواب دے گا کون؟ خیر آگے بڑھتے ہیں۔

ووٹ مانگنے، خریدنے، چھین لینے کا زمانہ ہے۔ تم مجھے ووٹ دو میں تمہیں شاہراہ دوں گا، یہ آج کا نیا سیاسی منتر ہے۔ وہ جو نیتا جی سبھاش چندر بوس نے بھارتی شہریوں سے کہا تھا کہ خون کے بدلے میں آزادی دلاؤں گا، کچھ ایسا ہی ملتا جلتا نعرہ لئے اپنے یہاں کے سیاسی مچھندر مقدر کا سکندر بننے کے لئے ووٹ ووٹ ووٹ کی مالا جپ رہے ہیں۔ اب تو سلطانیٔ جمہور کا آیا ہے زمانہ اور بے لگام گھوڑوں کی طرح بکتے ہیں اپنے خالق میڈ نمائندگان، کیونکہ جب بھی جمورے ناچتے ہیں تو بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اپنے ملک کشمیر میں الیکشن کے موسم میں جہاں سیاسی کرمچاریوں کو واویلا کرنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تھا تاکہ وہ رائے دہندگان کو مگرمچھی آنسوؤں سے اپنے مٹھی میں کرلیں، وہیں ان کے نام لاٹری نکل آئی اور وہ بھی لاٹری کا ٹکٹ خریدے بغیر۔ یہ تو ۳۷۰/اور ۳۵/الف سے کام چلاتے تھے مگر کب تک ۳۷۰/کے چیتھڑے بیچ

کھاتے۔ اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں پر ملتے۔ پھر ۳۵؍الف کی بھی یخنی بنا ڈالی اور بڑے شوق سے کئی برس سے چٹخارے لے کر اس کا مزے اُڑا رہے ہیں۔ اسی کے نام کی مالا جپتے ہیں، اسی کی آرتی اُتارتے ہیں، اسی کے ماتھے پر سیندور ڈالتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ستر برس سے الیکشن کے وقت اسے تابوت سے نکال کر نیا دلہن والا جوڑا پہنا کر سجاتے ہیں اور شہر شہر گاؤں گاؤں اس کی ڈوولی گھماتے ہیں یا یوں کہیے اسی نام کا کشکول ہاتھ میں لئے دے داتا کے نام تجھ کو اللہ رکھے کا وِرد کرتے ہیں، اسی کی تعریف میں بھجن گاتے پھرتے ہیں۔ اگر ہل والوں نے اس کے اوپر اندرونی خودمختاری کا ملمع چڑھایا تو قلم دان والوں نے سیلف رول کی سیلفی کھینچی اور تو اور ہندوارہ بریگیڈ نے قابلِ حصول قومیت AChievable Nationhood کا مصالحہ ڈال دیا کہ مزیدار اور جٹ پٹا لگے۔ اس بیچ اپنے وائسرائے کشمیر نے شاہراہِ بے زباں پر پہرے بٹھائے تو قائد ثانی، ٹویٹر ٹائیگر، بانوئے کشمیر، فوراً مدعے کو بازوں سے پکڑ کر ٹانگوں سے جکڑ کر میدان میں کود پڑے۔ پھر اس کی خوب آرائش کر ڈالی۔ اپنی پہچان کے نشانات سے مزین کر دیا تاکہ سب اسے ان کی ہی پرائیویٹ پراپرٹی ہی سمجھ لیں، جیسے یہ ان کی پشتینی جائیداد ہو اور اس کے تمام مالکانہ حقوق پر انہی کا قبضہ قبالہ ہے کہ شجرہ خسرہ بشمول ریونیو جمع بندی کاغذات ان کے نام اجراء ہوئے ہیں۔ شاہراہ نمبر ۴۴؍ کو شاہراہ الیکشن سمجھ کر معاملے کو آنکھوں پر بٹھا کر، دل جگر میں سجا کر، ڈولی کے کہاروں کی طرح کندھوں پر اُٹھائے چل نکلے۔ وائسرائے کشمیر کے ساتھ ساتھ سارے دلی دربار کو بڑے پیار سے للکارا کہ یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔ خود اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہم ہیں تو کوئی مودی کا لال شاہراہِ بے زباں پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے تم مجھے ووٹ دو میں تمہیں شاہراہ دوں گا۔ اتنا ہی نہیں اب کی بار اپنے صاف ستھرے کپڑوں کا کوئی پاس بھی نہ کیا بلکہ رشید ملنگ کی طرح بیچ سڑک بیٹھ گئے۔ پاؤں پسار کر لیٹ گئے۔ گرد وغبار سے اگرچہ اَٹ گئے مگر زمین پر ایسے ڈَٹ گئے جیسے واقعی اہل کشمیر کا درد دل میں اتنا سمائے ہیں کہ دل ان کا درد کا گودامِ دردستان بن کر رہ گیا۔

لو ہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کرو گے
ہرے زخم سل دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

اپنا ملک کشمیر تو مانا غریب ہے پر اپنے سیاسی مچھندر عجیب و غریب ہی نہیں بلکہ رنگے سیار ہیں کہ ان کے سائے سری نگر تا دلی اس قدر پھیلے ہیں پتہ نہیں چلتا کیا دکھا رہے ہیں اور کیا چھپا رہے ہیں۔ آج کل ہل والے، قلم دان والے اور ہندوترشولی بریگیڈ ایک دوسرے پر ایسے وار کرتے ہیں مانو دھڑا دھڑ سرجیکل اسٹرائیک میں جٹ گئے ہیں اور اس دوران ایک دوسرے پر ایک جیسے بم بارود کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ الزام ہے کہ کنول برادری کو ملک کشمیر میں وسیع جگہ دینے میں تیرا ہاتھ ہے۔ یا یہ کہ کنول پھول کھلانے کے لئے زمین دوسرے نے مہیا کی۔ کسی نے کھاد پانی ڈالا اور کسی تیسرے نے شاخ تراشی کی تا کہ کنول پھول کھلانے میں آسانی پیدا ہو اور یہ تناور درخت بن بیٹھے۔ ادھر جو الیکشن کا موسم آیا تو سب کچھ بدل گیا۔ جو کل تک قطبینی یار تھے آج دشمن دِکھنے لگے۔ وہ جو منسٹری کی ایک ہی تھالی میں کھاتے پروستے تھے۔ اور اس کے بیچ گجرات کے ہزاروں بے گناہوں کا خون نہ جھنجوڑتا تھا، نہ کچوکے لگاتا تھا، وہ اب طعن و تشنیع کے فرینڈلی میچ میں چلاّتے ہیں: ترشولیو! تم لوگ خون مسلم سے ہاتھ رَنگتے ہو۔ آئے دن کارِ کرتاؤں کے ہاتھوں گائے اور دیش دروہ کے نام پر مارتے کاٹتے ہو۔ مطلب صاف چناؤ ہے تو تناؤ ہے، ووٹ ہے تو کھوٹ ہے۔ اُمیدواری ہے تو ساہوکاری ہے۔ اسی لئے لوک سبھا میں استھان ہے تو یادِ مسلمان ہے اور وہ بھی جو قطبین کو ملا کر فیویکول کا جوڑ بنائے تھے۔ ملک کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت کے نام پر کنول بردار کے قصیدے پڑھتے تھے۔ جواب میں بھلے ہی مودی سرکار کی دُھتکار تھی، کنول برداروں کی للکار تھی، ناگپور کی تکرار تھی، ترشول برداروں کی نگاہِ خوں بار تھی مگر اس سب کے بیچ دوستی پارم پار تھی کہ اقتدار کا لالچ سوار تھا۔ اور وہ جو بڑے بھائی سے مل کر وزارت کی ٹوٹی پھوٹی کرسی حاصل کر گئے تھے، اس لئے سب کچھ جائز تھا۔ آر ایس ایس کے لئے ملک کشمیر کی زمین ہموار تھی یعنی چڈی چھوٹی نہیں بلکہ پوری ایزار تھی۔ خیر الیکشن کے موسم میں آج کل سب کنول برداروں کی ہر پالیسی پر دکھاوے کی تھوتھو کرتے ہیں کہ قائد ثانی کو بھاجپا ایک آنکھ نہیں بھاتی، ٹویٹر ٹائیگر کو کنول جاتی رُلاتی ہے، دودھ ٹافی والوں کو مودی کی یاد ٹینٹوا دباتی ہے اور سیب نشان زدوں کو کنول والی اسکیب حملہ کرتی ہے۔

غریب کی تھالی میں پلاؤ آگیا ہے   لگتا ہے شہر میں چناؤ آگیا ہے

اس بیچ اپنے ملک کشمیر کی شاہراہ بڑی خبریں بنا رہی ہے۔ یوں سمجھو خبروں کی اڑن طشتریاں اُڑاتی ہے بلکہ خبروں کی جنم داتا بن رہی ہے۔ وہ جو پھاٹک مجسٹریٹ چوراہے پر کھڑے چلنے پھرنے پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور یہ کہ ان کی اجازت کے بغیر پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ البتہ خود وردی والا چاہے تو وہ ہر کسی کو مار سکتا ہے، پیٹ سکتا ہے۔ یوں تو پھاٹک مجسٹریٹ اپنے دفتروں میں کاغذ کے بغیر کسی چیز پر دستخط نہیں کرتے اور کریں بھی، تو سنا ہے پہلے محنتانہ وصولتے ہیں۔ تاہم شاہراہ پر سوچھ بھارت ابھیان کندھوں پر سجائے گھومتے ہیں۔ جبھی تو ہاتھ پر ہی ٹھپہ لگا کر عبور و مرور کی اجازت لکھ دیتے ہیں تا کہ کاغذ ضائع نہ ہو اور پرچیاں ہوا میں اُڑ کر سوچھ ابھیان کو ناکام نہ کر دیں۔ کیا پتہ وہ غیر کشمیری وردی پوش اُن کا ٹھپہ مانتے بھی ہیں یا یہ کہ اپنے کھڑک سنگھ کی مہر والا ٹھپہ مانگتے ہیں، کیونکہ کھڑک سنگھ کے کھڑکنے سے کھڑکتی ہیں کھڑکیاں۔ کھڑکیوں کے کھڑکنے سے کھڑکتا ہے کھڑک سنگھ۔

منزل کی جستجو میں کیوں پھر رہا ہے راہی
ٹھپہ لگا کے جانی گھر میں ہی بیٹھ جانا

کون جانے مملکت خداداد کے اپنے کپتان صاحب کو جلد ہی چوکیدار گروپ میں داخلہ ملے کہ بھگت جنوں کی طرح وہ بھی اب کی بار دوبارہ مودی سرکار کے حق میں ہیں۔ بقول ان کے مودی سرکار کے ساتھ بات چیت کا چانس زیادہ بنتا ہے اور یوں مسئلہ کشمیر حل کرنے کی جانب تیز گامی ہو سکتی ہے۔ اب کپتان صاحب کو تو تیز گیندیں پھینکنے کا جوانی کے دنوں سے سودا سر پر سوار ہے، اس لئے ادھر بھی سرپٹ دوڑ کے حامی ہیں یعنی یہ بات اب صاف ہو گئی کہ مملکت خداداد کی اسکرٹ سردس کا ہاتھ بھارت کے سارے معاملات میں فعال ہے۔ وہ جو بھارت والے کہتے تھے کہ اِدھر پٹاخہ پھوٹا تو آئی ایس آئی نے کروایا، اُدھر بھونچال آیا تو آئی ایس آئی مار کہ نکلا، سیلاب کے پانی میں اور ملیریا میں بھی آئی ایس آئی کا آکسیجن و ہائیڈروجن شامل تھا، کبھی کبوتر سراغ رسانی کرتے کبھی چوہے اندر آ کر طاعون پھیلاتے تو آئی ایس آئی سے ڈائریکٹ رابطہ تھا۔ اب کی بار بے نام سی ناموٹی وی چینل کا کوئی مالک نہیں۔ دروغ بر گردن کپل سبل کہ ناموچینل چلانے کا پیسہ بھی سرحد پار سے ہی آتا ہے جو مودی لہر بمعنی قہر چلانے کا کام کرتی ہے تا کہ مودی پھر الیکشن جیتے اور رفتہ رفتہ

بھارت مزید تنزل کی طرف بڑھے۔ ارے واہ! یہ تو ہوئی آئی ایس آئی کی سازش۔ اب ہم سمجھے کہ خود مودی مہاراج بھی آئی ایس آئی کا ایجنٹ نکلے جبھی تو عمران خان چور چوکیدار کو دوبارہ چانس دلوانا چاہتے ہیں۔ کون جانے جن حریت رہنماؤں کو بھکت جن پاکستانی ایجنٹ کہتے تھے، وہ دلی میں مودی مہاراج سے کوئی خفیہ میٹنگ کے لئے گرفتار ہو گئے ہیں۔ اسی لئے شاید کھانسی سے جھانسی فتح کرنے نکلے اروند کیجر وال بھی مودی کو پاکستان کے ساتھ خفیہ منصوبہ رَچنے کا الزام لگاتے ہیں۔ ایسے میں پنجہ مار پارٹی والوں کی بھی لاٹری نکل آئی کہ کنول بردار انہیں پاکستان اور حریت نواز مانتے تھے۔ اب تو کنول بردار ہی پاک نواز ثابت ہو گئے کیونکہ

پاکستان میں مچا ہے شور   نریندر مودی ایک بار اور

کوئی یقین کرے نہ کرے پر اپنے سینئر مفتی آف بیج بہاڑہ سارا غیبی علم رکھتے تھے۔ رکھتے کیوں نہیں، بقول لائق فائق بیٹی وہ جو مرد مومن ٹھہرے۔ پھر ہوا یہ کہ ادھر کپتان صاحب نے زبان کھولی ادھر قلم دان والی بانوئے کشمیر کے نام ایک اور لاٹری نکل آئی۔ کپتان کا بیان آتے ہی اسے والدمحترم یعنی مرد مومن یاد آیا کہ دنیا کی ہر سنہری چیز کا تعلق انہی کی ذات شریف سے ہے۔ برصغیر میں امن کیسے قائم ہوگا، وہ انہیں ہی پتہ تھا۔ عالمی جنگ کس بنا پر لڑی جائے گی، انہیں اس کی خبر مل گئی تھی۔ زوروں کی بارش اور تیز دھوپ کب کب پھیلے گی انہوں نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ ہو نہ ہو شاہراہِ بے زباں کے بند کروانے کی پیش بینی انہوں نے ہی بہت پہلے کی تھی، اسی لئے وہ شاہراہِ اوڑی کھلوانے کا چمتکار دلی دربار سے کروا گئے۔

سمجھ آنے لگی اقبالؔ کے مصرعوں کی تفسیریں   نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

Published 15/4/2019

* * *

مجرموں کے دید کی ہے کوتوالی منتظر

بچپن سے ہم سنتے آئے تھے لیکن کبھی دیکھا نہیں تھا، پر اب تو سبھوں کو پتہ چل ہی گیا کہ قانون کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں۔ اتنے لمبے کہ پٹھان کوٹ سے دراز ہوکر رسانہ کٹھوعہ میں مجرموں کی گردن دبوچ لیں۔ جبھی تو عدالت نے فیصلہ ہی نہیں سنایا بلکہ انصاف بھی کیا۔ اور وہ جو قانون کی راہ میں رکاوٹ بنے کھڑے ہوگئے تھے یہاں تک کہ ترنگا بھی لہرا کر اس کا بھی دُراپیوگ کیا تھا اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور ہمیں تو بچوں کا وہ گیت یاد آیا کہ اب تو جیل میں جانا پڑے گا، جیل کی روٹی کھانی پڑے گی جب ملزمین کو تاعمر قید اور کئی ایک کو پانچ پانچ سال جیل کی سزا سنائی گئی۔

یہ عداوت کا فسانہ بھی بدل جائے گا
وقت کے ساتھ زمانہ بھی بدل جائے گا

کسی اور دنیا کے باسیوں کی بات چلی تو بھارتی فضائیہ کا وہ اے این ۳۲ طیارہ یاد آیا جو کوئی دس دن پہلے شمال مشرق میں اُڑ کر لاپتہ ہوگیا۔ فضائیہ کے لوگ تو ڈھونڈتے رہے پر سراغ نہ ملا، البتہ بھارت ورش کے خبر رسان ادارے بڑے ہی جیالے اور متوالے ہیں کہ کہیں نہ کہیں سے سراغ لے کر پہنچ ہی جاتے ہیں۔ حملے کے بارے میں کہیں سے مصدقہ خبر ملے نہ ملے لیکن اپنے لوگ ٹی وی اسٹیڈیو میں بیٹھ کر ہی تاریں ہلا دیتے ہیں، اندرونی خبریں ملاتے ہیں، سیکورٹی ایجنسیوں کو سلا دیتے ہیں کہ بھائی لوگو تم آرام فرماؤ ہم جانیں تو کام جانیں۔ ادھر طیارہ سیکورٹی ایجنسیوں کو ملا نہیں ادھر ٹی وی والوں نے کسی اور دنیا یعنی Alien کا راز فاش کر دیا کہ وہی اس جہاز کو اغواء

کر کے لے گئے ہیں۔ المختصر ISRO کے سائینس دانوں کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی کیونکہ ٹی وی والے اب خلا کی خبریں از خود لے کر آتے ہیں پھر بھلا ہزاروں لاکھوں کروڑ خرچ کرنے کی ضرورت ہی کیا۔ یہ ہوا نا طاقتور اور قابل بھروسہ میڈیا۔ اس قابل بھروسہ میڈیا کے کیا کہنے کہ ملک کشمیر میں خوشگوار موسم اور باقی ملک میں تیز گرمی کا بھانڈا بھی پھوڑ دیا۔ اس کا فنڈا بھی بیچ بازار کھول دیا۔ وہ جو موسمی ماہرین مغربی ہواؤں کے سبب کشمیر میں بارشوں کی بات کرتے ہیں، اسے بھی مملکت خداداد کی سرحد سے جوڑ دیا کہ وہی تو مغربی سرحد ہے جہاں سے ملک کشمیر کے لئے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔ یوں وہاں سے آتنک واد ہی نہیں آتا بلکہ خوشگوار موسم بھی درآمد ہوتا ہے۔ اسی لئے تو ٹی وی اسکرین پر سیکورٹی افسر چیختے ہیں کہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔ ایک تو کشمیری سرخ گال رکھتے ہیں پھر مملکت کی ہواؤں کے سبب موسم کا لطف لیتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ جھلس رہے ہیں۔

بھارت ورش کے میڈیا پر خود بعض جرنلسٹ بھی لعن طعن کرتے رہتے ہیں لیکن اب کی بار مودی سرکار کے راج بھون کشمیر کے مکین بھی برس پڑے۔ خیر ہم تو کب سے کہتے آئے ہیں کہ ٹی وی اسکرین پر شیطان بولتا ہے لیکن وائسرائے سمیت لوگ نہیں مانتے تھے۔ اب تو خود وائسرائے کشمیر بھی بولتے ہیں لیکن کوئی مانتا نہیں اور اگر کوئی مانتا بھی ہے تو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے چھوڑ دیتے ہیں اور میڈیا کے وارے نیارے کہ اپنا ایجنڈا چلا رہا ہے۔ ایک واقعے کو آدھار بنا کر پورے علاقے کی شبیہ خراب کر دیتے ہیں لیکن جس واقعے کو اگنور کرنا چاہے تو کر لے بھلا سوال پوچھنے والا ہے ہی کون؟

اس بیچ خبر تو مزیدار اور خوشبودار آئی۔ مزہ اور خوشبو تو مصالحہ جات کی ہے کیونکہ یہ خبر دسترخوان سے اٹھ کر آئی ہے، اسی لئے ناک میں گھستے ہی معدے تک سارے انگ اُچھل پڑے۔ اپنے وائسرائے کشمیر دھمکی موڈ سے ہٹ کر دعوت موڈ میں آ گئے ہیں اور اعلان کر دیا کہ ملک کشمیر کے نوجوانو ادھر میں نے دسترخوان بچھا لیا، جوق در جوق آ جاؤ اور دعوت عام میں شرکت کر کے پیٹ کی آگ بجھاؤ۔ اسے کشمیری کہتے ہیں ”بتہٕ گردَن شاند دِنۍ۔“ دسترخوان پر چونکہ ضیافتیں سجی ہیں اور وہ بھی کشمیری وازہ وان کی تو بھلا خوشبو کیوں نہ پھیلے؟ مطلب وہ جو راج بھون کے عقب میں دھواں اُٹھ رہا ہے وہ کشمیری آشپازوں نے آگ جلائی ہوگی تا کہ بڑی چھوٹی دیگوں

میں رستہ گوشتابہ پکایا جا سکے اور دوسری طرف دھنا دھن ٹھک ٹھک ہو رہا ہے وہ تو گوشت کوٹنے کا سلسلہ جاری ہے اسی سے تو گوشت کی ضیافتیں مزہ دیتی ہیں اور پھر مصالحوں سے خوشبو بکھر جاتی ہے اور راج بھون کے اطراف یہ گانا بج رہا ہے۔

آجا میں تو مٹا ہوں تیری چاہ میں   تجھ کو پکارے میرا پیار

یہ سن کر تو ہم ان افواہ بازوں پر بپھر گئے جو الزام پہ الزام دیتے ہیں کہ جو دھنا دھن ہم سن رہے ہیں، وہ اصل میں عام خام لوگوں کو مختلف جگہوں سے گرفتار کر کے ٹارچر کی آواز ہوتی ہے اور جو آگ دھواں اُٹھ رہا ہے وہ اصل میں رضوان پنڈت جیسے بے گناہ قیدیوں کے اَنگ جلانے سے اُٹھ جاتی ہے۔ اچھی بھلی عوام دوست وائسرائے انتظامیہ پر الزام تراشی اچھا پربھاؤ نہیں ڈالتی۔ عوام دوست نہ ہوتی تو بھلا ستر ہزار شکایتوں کو کیسے رفع دفع کرتے؟ جبھی تو راج بھون کا فون، وٹس اَپ عام جنتا کے لئے کھلا رہتا ہے تا کہ وہ براہ راست اصل مکین سے بات چیت کر سکیں، حال چال پوچھیں، کچھ اپنی کہیں کچھ اُدھر کی سنیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ جب کوئی سیاست دان اپنا دُکھڑا سنانے لگے، سرکار بنانے کا قدم اٹھائے تو بے چاری فیکس مشین ناکارہ رہے۔ کیا پتہ اب کی بار گورنر سرکار میں فیکس مشین بدل دی گئی ہو۔ پہلے تو مودی مہاراج بنا دعوت کے مملکت خداداد پہنچے کہ سابق وزیر اعظم کی پوتی کی شادی میں شرکت کریں اور تو اور جنم دن کی مبارک باد دینے بھی بنا پروگرام آدھمکے لیکن اب کی بار تو اپنی تاج پوشی کی رسم میں جہاں اوروں کو بلایا، وہیں کپتان صاحب کو دعوت نہیں دی کہ کپتان تو باؤنسر مارنے کا پرانا عاشق ہے۔ اسے کہتے ہیں۔

جو پیار کیا تو پیار کیا   جو نفرت کی تو نفرت کی

بھلے ہی بِھکشک جانے کے لئے سفر لمبا ہو، وقت کا زیاں ہو لیکن مملکتِ خداداد کے اوپر سے ہوائی سفر نہیں کریں گے کہ کیا پتہ وہ جو پکڑ پکڑ کر بند کئے گئے کہیں کسی کھیت کھلیان میں ہی گھوم رہے ہوں۔ چلو بے چارے بھگت جن کسی بات پر خوشی تو منائیں بلکہ ناچیں گائیں۔

امن و سلامتی کی روش ہے میرا شعار   دنیا کو یہ پیام دئے جا رہا ہوں میں
بھارت نے پائلٹ ابھی نندن کی شکل میں   جو کچھ دیا مجھے وہ لوٹا رہا ہوں میں

Published 17/6/2019

نوائے صبح میں صدائے چھہتر مکرر مکرر

افسوس صد افسوس! اُدھر نیوزی لینڈ کے المیے نے خون کے آنسو رُلایا، اِدھر الیکشن دھمال دنیا جہاں بھلا رہا ہے۔ خیر آج کلہل والے قائد ثانی خوشی سے جھوم رہے ہیں بلکہ اپنی ہی مستی میں گھوم رہے ہیں اور کیا پتہ گرینڈ مستی میں اپنے آپ کو ہی چوم رہے ہیں کیونکہ ان دنوں نوائے صبح کے دروازے پر عید دیوالی جیسا سماں ہے۔ کوئی کیک، کوئی باقر خانی، کوئی حقہ تمباکو، کوئی ہریسہ زعفرانی لئے دربارِ شیخاں میں حاضر ہو رہا ہے کہ ہریسہ کھاتے ہوئے باقر خانی کے ساتھ نمکین چائے اور ساتھ میں حقہ سنبھالے گڈ گڈ کی آواز کے ساتھ سیاست کوٹنے میں جو مزہ ہے وہ اور کہاں ۔ سیاست بھی ایسی کہ فرقہ پرست بھاجپا کو ملک کشمیر میں ٹکنے نہیں دیں گے اور سن سینتالیس کی وہ چوبی بندوقیں کندھوں پر لٹکائے لاؤ لشکر کے ساتھ دفعہ ۳۷۰ اور ۳۵۔ الف کے گرد ایسا مضبوط حصار بنا دیں گے تا کہ کوئی ناگپوری سرجیکل اسٹرائک نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس بات پر تبصرہ نگار دشمنِ کشمیر کہلائے گا کہ ہل والوں کا سن اٹھانوے کا دلی سرکار کے ساتھ یارانہ یاد دلائے جس کے سبب ٹویٹر ٹائگر کی منسٹری چلتی رہی۔ ان حالات کے بیچ اگر ساتھ ہی آنے والے انتخابات میں کھلی آنکھوں سے ممکنہ جیت کا خواب بھی دیکھا جائے تو سونے پہ سہاگہ۔ ظاہر ہے ان سپنوں کے بیچ چہرے پر چمک اور ہونٹوں پر مسکان آ ہی جاتی ہے۔ اسی لئے تو بیوروکریٹ کیا ٹیکنوکریٹ کیا، جوڈیشل کیا آفیشل کیا، انجینیر کیا ٹھیکیدار کیا، ڈاکٹر کیا مریض کیا، دندان ساز کیا طبلہ نواز کیا، غریب کیا ادیب کیا، سیدھا کو توال کیا الٹا چور کیا، سب گپکار سے لے کر نوائے صبح تک اپنی قسمت سنوارنے کی تگ ودَو میں مصروف ہیں کہ کسی صورت گردش ایام میں ان کے ستارے کسی غلط مدار میں پرویش نہ کر پائیں۔ ان کا خیال تھا کہ قائد ثانی اور ٹویٹر ٹائیگر نے کہہ دیا کہ اب کی بار ہل والی

سرکار اپنے بہومت پر قائم ہوگی کیونکہ ملی جلی کھچڑی سرکار سے ان کا نظام ہاضمہ برباد ہوگیا ہے۔ ایسے میں ہل والا جھنڈا اونچا ہوگا تو وہ بھی اس کے گرد چکر لگا کر اپنے رشتہ داروں ہمسایوں کو گن چکر بنا دیں گے۔ جبھی تو جان پہچان والے ان کے دروازے پر وردی پوش ہٹو ہٹو ریجمنٹ سے داخلے کی اجازت مانگیں گے۔ ادھر اہل قلمدان بھی دوسروں کے ناراض حلقہ صدور اور سرپنچ چشم بددور کو اپنی پارٹی میں شامل کر کے مالائیں پہنا کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ چلو ہم بھی کسی کھاتے میں ہیں اور اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ہم سے لوگ دور ہوکر برآمد نہیں ہوتے بلکہ درآمد بھی ہو رہے ہیں۔ خود ہندوارہ بریگیڈ بھی اپنی بھرتی میں مشغول ہے کہ ہماری فوجی طاقت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور جب ہم یلغار کریں گے تو خاندانی راج کے بل پر جینے والوں کے چھکے چھوٹیں گے۔ کسے نہیں معلوم پارٹیوں میں آیا رام گیا رام والی ریت پرانی ہے۔ الغرض سب اپنا سینہ پھلا رہے ہیں کہ دھیرے دھیرے بھلے ہی مودی مہاراج کے چھپن تک نہ پہنچے لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ بس ان کے سامنے بچپن ہی دُکھ جائے۔

اپنے نیشنل والے ٹویٹر ٹائیگر سے لیکر سورسیار والے حکیم آف کھاگ آجکل بڑے زورو شور سے اسمبلی انتخابات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ایسا تو نہیں انتخاب کے نام سے قلمدان والی دودھ ٹافی آنٹی دور دور ہے بلکہ اس نے تو جماعت اسلامی کی نمائندگی کو اپنے دوپٹے میں باندھ کر ووٹنگ مشین کی آرتی اتارنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ ناگپوری فرمان ہے کہ جماعت والے آتنکی جوانوں کی اعانت کرتے ہیں اسلئے ان پر پانچ سالہ پابندی ضروری ہے۔ یعنی مبینہ طور اعانت کرنے والے مجرم ہیں البتہ براہ راست شستر پوجا کوئی جرم نہیں۔ گلی گلی سڑک سڑک شہر شہر ہاتھوں میں تلواریں لئے، کندھوں پر بندوق سنبھالے چڈی پہنے جوانوں کی ٹولیاں گھما کر امن پسند آبادیوں کو خوفزدہ کرنے کے جملہ حقوق بحق ناگپور محفوظ ہیں اسلئے انہیں کوئی ہندو دہشت گرد نہیں پکار سکتا۔ کوئی ایسا کہنے کی جرات کرے تو دیش دروہی جتلا کر ملک بدر کیا جائے گا۔ اس بیچ ہل والوں کو بھی جماعت کیڈر کے لئے دلوں میں پیار امنڈ آیا ہے بلکہ سب جماعتی آشیرواد کے حصول کے لئے سر پھٹول میں مشغول ہیں۔ اور تو اور وہ جو ینگ مولوی آف نگین کو بھی مرکزی ادارے کا نوٹس ملا تو اس میں بھی سیلف گول میں وہ سب جٹ گئے ہیں جو کل تک کیس بنوانے

میں پیش پیش تھے۔ واہ رے سیاست واہ! اپنے اہل کشمیر مانا کہ اللہ میاں کی گائے ہیں پر تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں یا یوں کہیے کہ آنکھوں سے دلوں کا ڈیجیٹل ایکسرے نکال لیتے ہیں۔ سنا ہے ان ایکسرے فوٹوؤں میں ان کے دلوں میں فقط کرسی کرسی اور وردی پوش بندوق بردار دائیں بائیں گھومتے نظر آتے ہیں۔ دروغ بر گردن سپن شناس خواب ریڈر کہ جس نے یہ تعبیر نکالی کہ سابق ممبران سیاست کی بیگمات اس بات پر سب سے زیادہ پریشان ہیں کہ چناؤ جلدی سے ہوں۔ سنا ہے اتنے اوتاولے ممبر نہیں جتنی ان کے عزیز و اقارب ہیں کہ اقتدار کے مزے وہ زیادہ لوٹتے ہیں۔ پر جس کا ڈر تھا بیدردی وہی بات ہوگئی۔ مودی شاہ پرائیویٹ لمیٹڈ نے اپنا کمال دکھایا اور سرجیکل اسٹرائک کے موسم میں ایک سٹرائک ملک کشمیر کی اسمبلی پر بھی کر ڈالی۔ الیکشن افسران نامی بم گرائے اور خود ممبران کی حفاظت کا چوں چوں مربہ والا بارود چھڑک دیا کہ اس دھویں میں کچھ نظر ہی نہ آیا۔ چھپن انچ کی چھاتی سے بھلے پار والے ڈریں نہ ڈریں پر نرواچن بھون میں بھونچال آ ہی گیا اور اپنے چیف الیکشن کمشنر نے چیپ بن کر وہی کر دیا جو حکم حاکم تھا۔ یہ کنول بردار جب تک مطمئن نہ ہوں کہ اگلی سرکار ان کی دم چھلا ہوگی اس وقت تک وہ کسی بھی صورت جمہوریت کی سون پری کو ملک کشمیر وارد نہیں ہونے دینگے۔ ظاہر ہے ایسے میں اپنے سیاسی یومیہ مزدوروں کو ہر صبح کنول کی آبیاری کے لئے ایک ایک گھڑا پانی تو لینا ہی پڑے گا۔ اب ہمیں یہ سمجھ نہیں آتا کہ مانا ہل والے، قلمدان والے یا ہندوارہ بریگیڈ ہی جیت لے تو بھلا دلی دربار کو کیا فرق پڑتا ہے۔ اُسے کون آنکھیں دکھا سکتا ہے۔ کسے نہیں معلوم جب دلی دربار کو زکام ہوتا ہے تو ملک کشمیر کی ہوائیں ڈری ڈری سہمی سہمی چلتی ہیں کہ کہیں دلی دربار کا مزاج اور نہ بگڑ جائے۔

اک طرز سیاست سو وہ ان کو مبارک
ہر روز کی خجالت سو وہ ان کو مبارک
بدلے یہ بیانات ہر روز ہر گھڑی
اور بے پناہ ذلالت وہ ان کو مبارک

سب نے سنا کہ لیتہ پورہ پلوامہ حملے کے بعد کنول بردار سرکار کی واردات ہوگئی۔ ماڈرن اُڑن طشتریوں کی رات ہوگئی۔ الزام تراشی کی شروعات ہوگئی۔ مذاق مذاق میں بلکہ طنز و مذاح کے دور

میں کسی کی جیت تو کسی کی مات ہوگئی۔ دو پڑوسیوں کے مابین مغلظات ہوگئی۔ آسمانی گولوں کی برسات ہوگئی۔ اس بیچ مدارس میں جو تعطیلات ہوگئیں تو اپنے پڑھاکو اساتذہ اور لڑاکو شاگردوں کی بھی مزے دار اور حسین شب برات ہوگئی۔ صاحبان اقتدار کے یہاں سیٹوں کی گنتی کی شروعات ہوگئی ۔ یعنی گھر میں گھس کر مارنے کی چیتاؤنی سیٹوں کی لسٹ تک سمٹ گئی جبھی تو کسی نے تین سو کا جوا کھیلا کوئی اپنی ریاست میں بائیس کا آنکڑہ لیکر چراغ جلا رہا ہے۔ اور پھر یوں ہوا کہ جیت ہار کے معنی بدل گئے۔ بلکہ اترتی ہوئی شلوار کو دستار بنا کر ناچنے لگے۔ خوب ناچ نغمہ کیا۔ جو اپنے ہتھیار اور طاقت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا، پھر قید ہوا تھا اسے بہادر جتا کر بہت اونچا چڑھایا۔ مطلب اپنے دیوالیے پن کو اپنی عزت و دولت جتا کر پیش کیا کہ دنیا دھنگ رہ گئی۔ بھائی جو کل آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکے تھے بلکہ بعد میں ادھر ادھر بھٹکے تھے۔ پھر کہیں جھٹکے سے قابو میں آ گئے تھے۔ دو دن وہاں گزارنے کے بعد خدا خدا کر کے واپس وطن پہنچے وہ بھی سوچ سوچ کر پریشان تھے۔ جو ہم نے نہیں کیا تھا وہی باتیں ہوا کے دوش پر شہر شہر گاؤں گاؤں پہنچائی گئیں۔ لوگ تو بیچارے قبول ہے قبول ہے کر کے مان گئے پر ابھینندن سوچتے رہے کہ ایسے تو بھائی ہو انہیں۔ یہ ہمارے نام کے ساتھ کیا کچھ جوڑا گیا۔

بس پھر کیا تھا دستار پہننے پر جھگڑا بڑھ گیا۔ کنول بردار فوجی بنے۔ بھگت جن مارشل بنے۔ پنجہ مار پارٹی کے لوگ بھی میدان میں اُترے کہیں ہم پیچھے نہ رہ جائیں۔ بم باری کا حساب دو۔ مودی شاہ جواب دو۔ کتنے لوگ مارے گئے۔ کتنے پیڑ بے چارے گئے۔ کتنے کوے پرلوک سدھارے۔ کیا کھویا کیا پایا۔ جہاں گئے وہاں سے کیا ثبوت لایا۔ صفر سے تین سو کے آنکڑے ہوا میں اڑائے۔ پریشانی کے عالم میں بلڈنگوں کی چھتوں میں تین چار سوراخ دکھائے۔ واہ کیا بات ہے۔ ایک ہزار کلو کا بم بس سوراخ کر گیا۔ ہو نہ ہو بم گر کر دروازے پر ٹک ٹک کرتا کھڑا ہوا، کہ بھائی! ہوشیار خبردار پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ نکل جاؤ روشن دانوں سے بھاگ جاؤ نہیں تو میں ذمہ دار نہیں۔ پھر پتہ چلا یہ بم نیوز چینلوں کے مقابلے کم گو اور کم شور مچانے والے تھے۔ نہایت خاموشی سے اندر گئے، پھٹے، تین سو آتنک وادی مارے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ دھماکے کرنے کے لئے صحافت کا مچھلی بازار بھی ہے، مودی سرکار بھی ہے، امت شاہ کا کاروبار بھی

ہے، بھکت جن بیکار بھی ہیں۔

ابھی تو آتنک کی بازی چل ہی رہی تھی کہ اس کو لے کر خوب ڈھنڈورا پیٹا گیا یعنی آتنک کا نام نہاد سوچھ ابھیان بقول شخصے جاری وساری تھا کہ منسٹر صاحب نے اپنا ابھیان چھیڑا۔ اعلان کردیا کہ سڑک کے دائیں بائیں جو لکھا رہتا ہے یہاں پیشاب کرنا منع ہے یا یہ کہ دیکھو گدھا پیشاب کر رہا ہے اسکو کنول برادری اپنے حساب سے پورا کرنا چاہتی ہے۔ منسٹر صاحب نے ملک کا پیشاب جمع کرنے کی سائینس متعارف کرادای کہ اس کے توسط یوریا کھاد کی درآمد ضرورت نہیں ہوگی۔ مطلب کھاد کی کھاد، پیداوار میں بڑھوتری اور زرمبادلہ کی بچت۔ واہ مودی جی واہ! کنول بردار نت نئے کھیل کھیلتے ہیں اور ان کھیلوں میں کہیں کہیں چوٹ بھی لگنے کا خطرہ رہتا ہے۔ دروغ برگردن راوی جس نے یہ سنایا کہ بھلے ہی فوجی اہلکاروں کو وقت پر بلٹ پروف جیکٹ نہ ملیں، ہوائی بیڑے میں رفال لڑاکا جہاز نہ شامل ہوں پر کنول پارٹی نے اپنے کارکرتاؤں کو سر بچانے کے لئے ہیلمٹ مہیا کردئے ہیں۔ معاملہ ہی کچھ ایسا ہے کہ بھاجپا اہلکاروں کو ایک دوسرے سے خطرہ ہے۔ یہاں تو بڑا لیڈر یعنی ایم پی چھوٹے لیڈر ایم ایل اے پر جوتا لے کر دوڑتا ہے۔ گلا پکڑ کر پٹائی کرتا ہے۔ سب کے سامنے دھنائی کرتا ہے۔ سر بچانے کو ہیلمٹ تو ضروری ہے۔ بھلے اولے گریں نہ گریں پر چپل جوتے تو پڑتے ہی ہیں۔ کیا کریں کنول برادری ہے ہی ایسی کہ جوتے چپل اور سر کے بغیر سب کچھ غائب ہوتا ہے۔ ان کو سن چودہ کے وعدے یاد دلاؤ تو سب غائب کہتے ہیں۔ پندرہ پندرہ لاکھ کا پیسہ ٹرانسفر پوچھو تو غائب ہے۔ کروڑوں نوکریاں غائب ہیں۔ اور حد تو یہ کہ جنگی جہازوں کے کاغذ مانگو تو غائب ہیں۔ مطلب اچھے دنوں کی دہائی غائب ہے۔ بنکوں کی صفائی غائب ہے۔ مسلم اقلیتوں کی رہائی غائب ہے۔ البتہ بھکت جنوں کی شدت پسندی غائب نہیں۔ کہاں سرف ایکسل سے کپڑے دھونے کا کام ہوتا بلکہ سفید اور چمکدار ہوتا اور کہاں ہولی کے رنگوں کے بیچ سرف کا اشتہار بھی دیش دروہی قرار پایا۔ بھگت جن سرف پاوڈر کو لو جہاد کے زمرے میں لاکھڑا کیا تب ہمیں پتہ چلا سرف سے صرف بھگت جنوں کے مسلم کش فساد والے خونین داغ دھلتے ہیں۔ کچھ اور دھویا تو دیش سے غداری کا اعلان ہوگا۔ کیونکہ مودی ہے تو گودی ہے!!

Published 18/3/2019

ہم نے دیکھا اِک کھیل رستے میں

اور پھر اچانک بیس ماہ کی ہبہ نثار اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک ہاتھ میں کلاشنکوف، کاندھے پر پیکا گن، دوسرے ہاتھ میں گرنیڈ، سکورٹی حصار میں کھلبلی مچی کہ اس ننھی بندوقچی کو کیسے زیر کیا جائے، مگر ہبہ کے جسم سے ایسے تیز میزائل نکل رہے تھے کہ قابو میں لانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ تب ہمیں یاد آیا وہ جو سابق فوجی افسر نے صحافت کے مچھلی بازار میں ٹی وی پر سوال اٹھایا تھا کہ ملک کشمیر کے مکینوں کے گال سرخ کیوں ہیں؟؟؟ یہ کوئی مذاق والی بات نہیں بلکہ بڑی سنجیدہ خلش تھی جو اُسے کچوکے لگائے تھی۔ وہ گبر سنگھ کی طرح سوچتا ہے کہ یہ کشمیر کے بچے کون سی چکی کا آٹا کھاتے ہیں، کون سی ورائٹی سیب کھاتے ہیں کہ جنگ جاری ہے پر ان کے چہرے چمکتے دمکتے ہیں۔ بم بارُود اور اشک آور دھوئیں سے ان کے چہرے کا رنگ اُترتا کیوں نہیں؟؟؟ بس بیس ماہ کی ہبہ نثار کو جو دیکھا تو وردی پوش اُبل پڑا کہ بھلا اس کے گال سرخ اور چمک دار کیوں ہیں؟ سوال خود سے پوچھا اور جواب خود ہی ڈھونڈ نکالا، پیلٹ گن تھامی، لبلبی دبائی، چھرے چھوٹے تو سیدھے سرخ سرخ گالوں والے معصوم چہرے پر لگے۔ اور پھر کیا تھا،، دنیا جہاں کی سب سے چھوٹی شدت پسند نشانہ بنی۔ ہبہ کی آنکھ زخمی ہوئی، حملہ آور افسپائیوں کے دل میں ٹی وی اور بازار دونوں جگہ ٹھنڈک پڑی کہ چھوٹی عمر کے بڑے جنگجو کو زیر کر لیا۔ خوشی سے اُچھل پڑے کہ کیسے قابو کیا ننھے چھاپہ ماروں کو، یہ کوئی ہم سے سیکھے۔

اپنے ملک کشمیر میں کشت و خون جاری تھا مگر اس کے بیچ ہل والا اپنی زمین جوتنے نکلا۔ ہل کا پھل استعمال کر کے قلم دوات کے ذریعے نئی تاریخ لکھنے لگا۔ انہیں تو مزہ اس میں آتا ہے کہ

ببانگِ دہل اعلان کر دیتے ہیں کہ بھائی لوگو! فکر ناٹ، ہم جو کر رہے ہیں وہ بس تمہارے بچاؤ کے لئے ہے، یعنی قوم کے غم میں کھاتے ہیں ڈنر اقتدار کی چٹنی کے ساتھ ؎

آؤ مل کر کھاتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں
گیت خوشی کے گاتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں
جب وقت پڑا تو بھاگیں گے لندن پیرس اپنا ہے
مل کر بھوک مٹاتے ہیں آؤ مل کر کھاتے ہیں

ہم کو معلوم ہے کہ ۳۵/اے اور ۳۷۰/ر کے بغیر آپ لوگ ایک دن بھی سانس نہیں لے پاتے، اس لئے ہم اس کی رکھشا کرنے میدان میں کود گئے۔ ہم تو خنجروں سے لیس ہیں، بدن آہنی پیرہن میں بچاؤ کے لئے ڈھکا ہے، تمہاری یہ جنگ ہم آخر تک لڑیں گے، کسی کی کیا مجال جو ہمارے مقابلے میں آجائے۔ اب کی بار ہم نے مشترکہ ڈانواں ڈول فوج بنا ڈالی، جس میں ہل کے جنرل، ہاتھ کے کمانڈر، قلم کے سپاہی سب ساتھ ساتھ ہیں اور ہم ۳۵/اے کا دفاع کر کے لوٹ آئیں گے، البتہ بس اس کے لئے ہمیں کرسی کی توپ، اقتدار کا بارُود اور عیش و آرام کی دونالی ساتھ چاہئے۔ پھر دیکھنا کون مائی کا لعل ہم سے دو دو ہاتھ کر پائے، چٹ بھی ہماری ہوگی اور پٹ بھی۔ اس سب کھیل کود کے بیچ اپنے بچارے قلم دوات والے جو کرسی کھونے کے غم سے نڈھال سرد خانوں میں ٹھٹھرتے رہے، اچانک اقتدار کی نیلم پری کی ممکنہ بازیابی کی اُمید میں اچھلے کودے کہ بے حرکت تن بدن میں ہلکی سی حرارت پیدا ہوئی۔ گرمی کے ساتھ ہی ان مراد ان مومن کو اہل کشمیر یاد آئے، اُن کی بے وفا بجلی یاد آئی، اُن کے دشمنِ جان مسائل یاد آئے، فوراً سڑکوں کا رُخ کیا، گورنر انتظامیہ کی ہلکے سے چٹکی لی۔ وزارت نہ دینے کا ملال تو تھا ہی، غصے کا جلال بھی نعروں میں سمو دیا۔ لگے ہاتھوں ذرا سا سُر اونچا کر کے یوگی کو بھی للکارا کہ علی بجرنگ بلی پر بلا عذر معافی مانگ لے، نہیں تو سیدھے لکھنو آ کر دواتیں اُلٹ کر اپنی روشنائی تیرے پوسٹر کی خبر لے گی۔ یہ بھلا اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟

الغرض تینوں جو ماضی میں اس کشت و خون کا فائدہ بھی اٹھا گئے تھے، بلکہ اسی خون میں اُنگلیاں ڈبو کر اپنے ماتھے پر لمبا موٹا ٹیکہ لگا گئے تھے کہ یہی دلی دربار کی خوشنودی حاصل کرنے کا

پاسپورٹ، ویزہ، اجازت نامہ ہے۔ خیر گھوڑوں کے نال لگ رہے تھے تو اپنے ہندوارہ والا چشم و چراغ لندن سے آیا میرا دوست کی صورت آ دھمکا، بولا: ملک صاحب فلک کی سیر کرو، پلیز ہمارے لئے ایک آدھ کرسی کا انتظام کردو۔ اپنے ملک صاحب زبردست سیانے ہیں، کسی کا فون اُسی وقت اٹھاتے ہیں جب خود انہیں ضرورت ہو اور فیکس اسی وقت چلاتے ہیں جب اپنی بات کسی کو کہنی ہو۔ شاید سوچتے ہوں کہ اپنے ملک کشمیر کی بجلی تو شمالی گرڈ میں چلی جاتی ہے، فیکس پر بجلی کا خرچہ کرنے کا کیا فائدہ؟ راج بھون کی بھول بھلیوں میں فیکس مشین کو پیچھے کرتے اپنے سیاسی دُریندر کچھ ایسے کھو گئے کہ ملک صاحب کی بو تک نہ سونگھ پائے اور ان کا پتہ تب چلا جب وہ بول پڑے: اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، دیش واسیو! تمہاری سسکتی مرتی اسمبلی کا دیہانت ہو گیا ہے، اس کے اَنتم سنسکار کی تیاری کا آرڈر دے دیا گیا، بچاری پیاری پیاری اسمبلی کی مزاج پرسی کے لئے اب آنے کا کشٹ نہیں کرنا، اب اس کی استھیاں بہانا ہی باقی رہ گیا جس کے لئے جہلم کی ساکت لہریں حاضر ہیں۔ پھر کیا تھا، سنتے ہی ہل نے کہا چل ہٹ، دوات اپنی اوقات کا ایجنڈا آف الائنس یاد کرنے لگا، ہاتھ مودی کو مات دینے کی سوغات جمع کرنے گیا۔ اب بھلا مری ہوئی اسمبلی کو پوچھنے سیاست دان تھوڑی آتے ہیں، اس لئے پھر وہی ہوا کہ سورگیہ اسمبلی کی تعریف میں دو بول پڑھنے تھے، وہ تو سب بولے پر اپنے ملک صاحب چونکہ ستیہ ہیں۔ اس لئے کچھ کھلم کھلا ستیہ بولنے لگے۔

کسی فلمی نغمہ نگار نے کب کا کہا تھا کہ ''ہم بولے گا تو بولو گے کہ بولتا ہے'' پر کیا کریں۔ چلو جو ہوا سو ہوا، اپنے ہندوارہ اور امیرا کدل والے لمبی ہانکنے والوں کی بولتی تو بند ہو گئی، مگر راج بھون کے مکین چپ نہیں بیٹھنے والے۔ روز کوئی نہ کوئی نیا تماشا کھڑا کر ہی دیتے ہیں۔ کہاں وہ راج بھون کا سابق تاج کہ چپ سادھ کر بات کے لئے پرجا کو ترساتے تھے اور کہاں ملک صاحب کہ زبان پر ایسا ملکہ رکھتے ہیں کہ سن سن کر بس مزہ آئے۔ اب تو دلی دربار کو بھی بیچ میدان اُتار دیا کہ اُن کی سنتا تو سجاد لون وزیر اعلیٰ ہوتا یعنی Achievable CM ship کا لڈو کھانے تیار تھا مگر ملک صاحب نے انکار کی مکھی کہیں سے لاکر اُسے ناقابل استعمال بنا دیا۔ ایسے میں جہاں ہندوارہ کے چراغ کی بتی ٹمٹما کر رکھ دی، وہیں دلی دربار کا بھی چیر ہرن کر دیا کہ ملک

کشمیر میں پہلے سے کہتے آئے ہیں کہ دلی دربار کے زُکام کے بغیر اپنے یہاں نزلے کی بیماری بھی نہیں پھیلتی، یعنی یہاں جب اربابِ اقتدار چھینکتے ہیں اصل میں دلی والی رینٹ ہی بہتی ہے۔ مطلب الیکشن کا تماشا بھلے ہی روز ہمارے آگے ہوتا ہے مگر اصل گنتی دلی والے کرتے ہیں کہ کسے کتنے آنکڑوں پر بٹھانا ہے۔ جبھی تو قلم، ہل، ہاتھ کی گنتی کا شمار کچھ بھی ہو گننے کی باری اب کی بار ہندوارا کی تھی۔ اس گنتی کی بات جو بیچ بازار میں پھوٹی تو لوگ ناراض ہو گئے کہ جب ہمارے پاس تین بھی تھے تیرہ بھی پھر ہمیں کیوں کسی گنتی میں شمار نہیں کیا گیا۔ اور اس ڈرامے کے بیچ ملک صاحب نے ستیہ کا اپنا ڈائیلاگ انڈیل ہی دیا کہ ہمیں تو نوکری جانے کا خطرہ نہیں پر یہاں سے چلتا کیا جائے گا اور پھر یہ ناٹک شاید کسی اور اسٹیج پر کھیلنا پڑے۔

اپنے ملک صاحب چونکہ ستیہ پال ہیں اس لئے ایک دن ستیہ مئے وجیتے کہہ کے ساری باتیں سچ کہہ دیتے ہیں پھر دوسرے دن راج بھون والے اپنی انگریزی زبان پر ملکہ ہونے کا ثبوت پیش کرکے اس کی وضاحت کردیتے ہیں۔ کبھی بڑھیا بے نظیر جے کے بنک کا کچا چھٹا بیچ بازار بکھیر دیا کہ ملک کشمیر کے سیاست دانوں کی ذاتی جاگیر ہے۔ اپنے حمام میں بیٹھ کر لسٹ ترتیب دیتے ہیں یا بدل دیتے ہیں۔ دوسرے دن اپنی باتیں بتانے سب لوگ ایسے امنڈ پڑے مانو بنک کے سستے شیر مفت میں مل رہے ہوں۔ اب کی بار تو ملک صاحب نے بڑھیا بنک کی نظر کے ساتھ ساتھ وستر ہی اُتار دئے۔ معاشی خود مختاری پر سرکاری قبضہ جما کر اسے اسی لائن میں کھڑا کردیا جہاں بیمار، نحیف، کمزور، لاٹھی کے سہارے چلنے والے پبلک سیکٹر یونٹ چل رہے ہیں۔ ان بے چاروں کے دئے ٹمٹما رہے ہیں کہ تنخواہ بجٹ کا تھوڑا بہت تیل سرکار کی طرف سے بھیک میں ملتا ہے جبھی تو ان کی لو دھپ دھپ اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے۔ بھلا ایسا بڑھیا بے نظیر بنک اس لائن میں کیوں کھڑا ہو۔

مانا کہ اپنے ملک کشمیر میں اندھیرا قائم ہے بلکہ ''اندھیرا قائم رہے'' بڑا دلکش نعرہ مانا جاتا ہے کہ اسے بجلی والے اور صاحبان اقتدار بڑے شوق سے بلند کرتے ہیں، کیوں نہ کریں اُن کی روشنی تو اسی نعرے کے سبب چلتی ہے، مگر اپنے واتاورن میں ایک اسکیم روشنی نام سے تھی جو بھلے ہی پورے ملک کشمیر میں اندھیرا پھیلانے کے کام آئی، پر اپنے پٹواری سے لے کر منسٹر تک، اور افسر

سے لے کر چپراسی تک ہر ایک کے گھر میں اُجالا کر گئی۔ کرتی کیوں نہ، بھلا اتنی ساری سرکاری زمین جو اونے پونے داموں آناً فاناً ان کی تحویل میں چلی گئی یعنی جن کے پاس قبر کے لئے دو گز زمین نہیں تھی، بلکہ مانگے کے شمشان گھاٹ پر جن کی چتا جلنی تھی، وہ بھی راتوں رات بڑے زمین دار یعنی سائیں اور وڈیرے بن گئے اور ملک صاحب کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہتے ہیں۔ اب کی بار روشنی اسکیم پر آوَ دیکھا نہ تاوَ اندھیرا قائم کر دیا یعنی کتنے ممکنہ سائیں وڑیرے چراغ ہاتھ میں لئے پھرنے لگے کہ کہیں سے کوئی سرا ہاتھ آ جائے تو دستار سمیٹ کر سر پر سجا لیں۔

ابھی تک پگڑیوں میں ہے شکوہ تاج سلطانی
ابھی تک جہاں میں ہے رشوتوں کی حکمرانی

ایک بات پر ہم حیران ہیں کہ بھارت ورش کا سپہ سالار ڈرون کے استعمال کے لئے لوگوں کی اجازت کیوں مانگتا ہے؟ یار لوگو! جب اُس کی جھولی میں افسپا کا سنسار بھی ہے، لشکریوں کا اُپہار بھی ہے، سنگھی پتر کار بھی ہے، صحافت کا مچھلی بازار بھی ہے، سرجیکل اسٹرائیک کی دستار بھی ہے، گورنر ملک جیسا چمتکار بھی ہے، تو وہ کیوں اپنی غریب ولاچار جنتا کے سامنے سپہ سالار نہیں بلکہ جواب کا طلب گار بنتا پھر رہا ہے؟ جیو میری جان!

Published 3/12/2018

* * *

جیسے عاشق کا جنازہ جیسے مجنوں کی برات

دو سال سے برِ صغیر میں سرجیکل اسٹرائیکوں کا موسم چل رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سرجیکل اسٹرائیکوں کا پھل اچانک پک گیا ہے اور رات دن یہ پھل اپنے پیڑوں سے گر رہا ہے۔ حکمران بھی اسٹرائیک کر رہے ہیں سیاستدان بھی، ترکھان بھی اور کسان بھی، شہر باش بھی اور نگہبان بھی، آشپازان بھی اور قصابان بھی، غازیاں بھی اور شہیدان بھی، ہندوستان بھی اور پاکستان بھی۔ اخباری بیان میں، مزیدار وازہ وان میں، اونچی دوکان پر پھیکے پکوان پر، قبرستان پر شمشان پر، مکان پر زمان پر، زمین پر آسمان پر یعنی سارے لین دین پر سرجیکل اسٹرائک ہو رہی ہے۔ کبھی سرحد پر کبھی سرحد کے پار سرجیکل اسٹرائک سے تو ہم واقف تھے لیکن سرجیکل اسٹرائک کے نئے نئے نشانے سے ہم دم بخود ہیں۔ اب تو کھیل کے میدان کو بھی سرجیکل اسٹرائیک کے تاروں سے جوڑا گیا۔ کبھی جس کھیل میں چوکوں چھکوں کی بات کرتے تھے وہاں بھی اب سرجیکل اسٹرائیک ہی ہوتی ہے۔ ویسے تو سرجیکل اسٹرائیک میں کتنے مرے کتنے مارے کا ہندسہ چلتا تھا کہ یہ فوجی لوگ انجام دیتے لیکن اب کی بار دوبارہ مودی سرکار کے وزیر داخلہ نے سرجیکل اسٹرائیک کی پرِبھاشا بدل دی۔ کہیں امت شاہ نے اپنی پادشاہی دکھا کر پنجہ مار پارٹی پر سرجیکل اسٹرائیک کر دی تو کہیں بنگالی دیدی کو بھی اس کا نشانہ بنا دیا۔ پر ادھر جو وراٹ کوہلی اینڈ کمپنی نے بولنگ بیٹنگ میں کمال دکھا کر سرفراز اینڈ پارٹی کے ہوش اڑا دیا تو امت شاہ نے اسے بھی سرجیکل اسٹرائیک نام دیا۔ توبہ توبہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میدان کرکٹ میں بھی کتنے مرے مارے کی فہرست دکھانی پڑے۔ اور کہیں بلے سے چھکا نہ اڑے بلکہ کسی کا سر ہی اُڑ جائے۔ پھر وکٹ کی نوک تو تیز ہی ہوتی ہے

کہیں بھی گھس سکتی ہے۔ اور بھاگتے بھاگتے ایمپائیر اپنی جان بچانے کے لئے حملہ آور پر گیند پھینک دے تو پھر اسکور بورڈ اور دلچسپ ہوگا۔ دو کے سر پر بیٹ لگنے سے وہ ہٹ آؤٹ ہو گئے، ایک وکٹ کی نوک پیٹ کی باونڈری پار کر گئی۔ اور ریڈیو ٹی وی کمینٹری کچھ اس طرح ہو گی۔

سرجیکل اسٹرائیک کے نتیجے میں اپنے بچاؤ کے لئے چار کھلاڑی بھاگ رہے ہیں جب کہ دو مخالف بلے باز ان کے ساتھ آگے پیچھے دائیں بائیں ڈاگ فائٹ میں مصروف ہیں۔ آف سائیڈ باونڈری پر وکٹ امریکی میزائل کی مانند لہراتی ہوئی کھلاڑی کی کھوپڑی میں لگنے ہی والی تھی کہ روسی ڈیفنس سسٹم کے سبب وہ وکٹ میزائل راستے میں گرا دی گئی۔ تیز گیند باز کے ہاتھوں سے نکلی گیند ڈرون کی طرح ہوا میں اڑ رہی تھی کہ بلے باز کے سر پر لگ کر اسے چت کر گئی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جہاں امت شاہ کے بھگتوں نے اس جیت کو سرجیکل اسٹرائیک کہنے پر اپنے گرو کی واہ واہ کی انہیں تو ایسا لگا کہ پاکستانی کھلاڑیوں کے قبضے میں انگلستان کا کھیل میدان تھا پر ہم نے کرکٹ میچ میں انہیں ہرا کر میدان مارا نہیں بلکہ جیت ہی لیا۔ کیا پتہ جلد ہی وہ اس میدان کو امت شاہ کرکٹ گراؤنڈ نام دیں کیونکہ نام کرن میں بھگت جن سب سے آگے ہیں۔ البتہ مملکت خداداد والے سارے کھیل کو مذاق میں لے کر دلچسپ بنا گئے۔ کسی کو بھارتی کھلاڑی ایتھلیٹ محسوس ہوئے لیکن اپنے کھلاڑی بس دو پلیٹ وارث نہاری، پھیکی لسی اور بے نظیر کلفا کھا کر مست اور سست محسوس ہوئے۔ اور تو اور بھارتی رن ریٹ اور ڈالر کا ریٹ ان کے بس کا نہ رہا کہ دونوں کو سنبھالنا ان کے بس کی بات نہیں۔ اسی لئے تو پاکستانی کپتان سرفراز کو گھر واپسی کا مشورہ دینے والوں کو اس نے کہہ دیا کہ میں اکیلے گھر نہیں جاؤں گا بلکہ کچھ اور لوگوں کو ساتھ آنا پڑے گا۔ بھلا ان حالات میں گھر واپسی کوئی عام بات نہیں کہ اس میں جان پر جو بنی ہے۔ کیا پتہ کرکٹ فین غصے میں آ کر ہوائی اڈے ہی پہنچ جائیں اور تو اور سرکار براہ راست میاں والی سینٹرل جیل ہی پہنچا دیں۔

اس طرح طاری کرکٹ کا جنوں لڑکوں پہ ہے
اب کرکٹ کا مزہ پچ پر نہیں سڑکوں پہ ہے

سرجیکل اسٹرائیک صرف کھیل میدان میں نہیں ہوئی۔ بھارتی پارلیمان میں بھی

ہوئی۔ ہل والے نیشنلیوں نے تو پہلے الیکشن کے دوران پنجہ مار پارٹی اور دودھ ٹافی آنٹی پر وار کیا اور انہیں دس فیصد ووٹنگ سے بھی ہرا دیا۔

ہاتھ قلمدان سے ایسے روٹھی لیڈری
جیسے عاشق کا جنازہ جیسے مجنون کی برات

اور پھر جا کر نیشنل ٹیم نے حلف برداری کے دوران کشمیری زبان کا استعمال کر کے یہ میزائل چلایا کہ اہل کشمیر ہوشیار خبردار ہل والے ہیں تیار۔ باقی لوگ ہوں گے فرار اور اپنی نیا ہو گی پار۔ وہ جو ملک کشمیر کی کرسی روٹھ کر گئی تھی ٹنل پار وہ پھر سے آئے گی اپنے دوار۔ اور اب کی بار ہم دوار رکھیں گے بالکل کھلے جبھی تو ہم نے دل بھی زبان بھی رکھے ہیں بالکل نثار۔ مطلب نثار تیری گلیوں پر اے ملک کاشمر۔ اب ہم پھر سے سونمرگ سے سور سیار اور لال چوک سے گپکار آر پار ہو جائیں گے۔

ابھی تو اسمبلی الیکشن کا بگل بجا بھی نہیں کہ ہل والے قائد ثانی نے مجاہدین سے ناطہ جوڑنے کی کوشش کی اور ببانگ دہل اعلان کر دیا کہ بندوق بردار، کفن بردوش سمیت، ہمارے بچے ہیں اور وہ آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ کہاں وہ ان پر ایک نہیں بیسیوں الزامات لگاتے بلکہ بہتانات سر پر تھوپتے۔ پھر اتنا ہی نہیں کرسی پر بیٹھنے سے پہلے یہ ہوائی اُڑا دی کہ اس ممکنہ کرسی کا سارا شریہہ ''چھین کے لیں گے'' نعرہ مستانہ لگانے والوں، ٹھنا ٹھن برسانے والوں اور مملکت خداداد کے بسکینوں کو جائے گا جنہوں نے اگر ہم پر احسان کیا اور ہمیں عیش کوشی کی کرسی تک پہنچنے سے نہیں روکا تو ان کی بلائیں لیں گے۔

ہو جا الیکشن میں کھڑا　　بن جا سیاسی رہنما
نعرہ لگانا سیکھ لے　　الو بنانا سیکھ لے

ادھر ایک اور سرجیکل اسٹرائیک شاہ فیصل نے کر ڈالی کہ مست ملنگ ہر فن مولا رشید انجینئر اور مست قلندر جاوید میر کو ایک ہی اسٹیج پر کھڑا کر کے اعلان کروایا کہ اب کی بار کوئی نیشنل سرکار نہیں بلکہ قلندرانہ سرکار بنے گی۔ ہم تو کچھ کہہ نہیں سکتے کہ مست قلندر لوگوں کی قلندرانہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ کسے نہیں معلوم کہ مجذوب باتیں کچھ کرتے ہیں اور ان کا مطلب کچھ اور ہوتا

ہے۔ کیا پتہ قلمدان بردار آنٹی ضرور یہ گانا گاتی ہے

کوئی جب تمہارا ہردے توڑ دے
کوئی جب تمہیں تڑپتا ہوا چھوڑ دے
تب تم میرے پاس آنا پرئے

ادھر اپنے وائسرائے کشمیر بھی پیچھے نہیں رہے۔ ویسے تو وہ پچھلے قریب ایک سال سے سرجیکل اسٹرائیک کرتے رہتے ہیں اور جس کے سبب اپنے سیاست دان زیادہ ہی زخم خوردہ ہیں کہ ان کی ممکنہ کرسی اور دال چاول بھی ان سے کافی دور ہیں مگر اب کی بار چلو گاؤں کی اور نامی نئی سرجیکل اسٹرائیک متعارف کروائی۔ کیا پتہ شاید شہروں کا کام ختم کیا ہو جواب گاؤں کی جانب دوڑ لگانے کا منصوبہ ہے؟ شہروں کی سڑکیں ٹھیک کیں البتہ کہیں کہیں لوگ گڑھوں میں گر کر ہاتھ پاؤں تڑوا لیتے ہیں پر اسکے لئے تو ہڈیوں کے ہسپتال کے لئے ڈیڑھ سو کروڑ کا منصوبہ عالمی بنک سے منظور کروایا گیا ہے۔ کہیں انہی گڑھوں میں پانی جمع ہونے کے سبب لوگ ان میں مچھلیاں پالنے لگے ہیں اور یوں بے روزگاری کا قلع قمع کرنے کی صورت بھی ڈھونڈ لی گئی ہے۔ شہروں قصبوں میں بجلی پانی کی کمی کے لئے بڑے منصوبے زیر تکمیل ہیں بس صبر کی ضرورت ہے اور کسے نہیں معلوم صبر کی بجلی اور پانی مزیدار ہوتے ہیں۔ ان منصوبوں کو دیکھ کر تو یقین ہوتا ہے کہ گاؤں کے مسائل ایک ہفتے میں حل کرنا کوئی بڑا معاملہ نہیں۔ کسے معلوم یہ اپنے دیہات دو ہفتے میں قصبہ جات اور شہر ہی بن جائیں۔ ہاں پھر ان کے شہری اور بلدیہ مسائل اسی طرح حل کر دیں گے جیسے شہروں کے دقیق مسائل حل کر ڈالے کہ وائسرائے کشمیر نے تو پہلے ہی ملی ٹنسی اور پتھر بازی کا قلع قمع کر دیا۔ یقین نہ آئے تو دو ہفتوں میں افسران سمیت سکورٹی اہلکاروں کی موت سے ہی اندازہ لگاؤ کہ کام کتنی تیزی سے ہو رہا ہے۔ اس تیزی میں اگر کوئی ٹریفک اہلکار یا اسکول بس کا ڈرائیور فوجی غصے کا شکار ہوتا ہے تو کوئی گناہ نہیں کرتے، بقول گبر سنگھ میں کہتا ہوں کوئی گناہ نہیں کرتے لیکن وہ جو اسکولی بچے ڈر کے مارے رو رہے تھے وہ تو انہی پتھر بازوں کی سازش ہے کہ یہ بچے اسکول کا ہوم ورک نہ کرنے اور استاد کے ہاتھوں ممکنہ مار پٹائی کے خوف سے رو پڑے لیکن قوم مخالف شرپسندوں نے یہ الزام فوج کے سر ڈال دیا۔

ادھر ایک اور سرجیکل اسٹرائیک بڑھیا بے نظیر بنک کے چیرمین پر ہوئی اور لگے ہاتھوں ڈپٹی میئر بھی بقول سورما بھوپالی اس لپیٹے میں آگیا۔ اور کسے نہیں معلوم اپنے زندہ دلانِ کشمیر ہر بات ہر واقعے کو دوکان کے تھڑوں پر تولتے ہیں، پھر اپنی زیرکی میں بولتے ہیں۔ ابھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کرپشن تو بہانہ ہے اصل میں جامبو لوچن کا پسر پرورده بڑی کرسی پر بٹھانا ہے۔ الزامات کا مانو ترانہ ہے دراصل بنک نوکریوں کی لسٹ بدلوانا ہے۔ چلتے چلتے یہ میوزک بھی سنانا ہے کہ ضلعی سطح کا میرٹ پس پشت ڈلوانا ہے۔

Published 24/6/2019

* * *

گنجے سر پر یہ سیاسی تیل مالش خوب ہے

بات کیا خوب کہی تھی عظیم شاعرہ نے ۔ بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی ۔ اپنے عالمی تھانے دار انکل سام نے بڑے پتے کی بات کی ہے کہ بھارت ورش میں مذہبی تفریق کی بنا پر تشدد ہو رہا ہے ۔ عام لوگوں پر عقائد کی بنا پر حملے کر کے انہیں ذلیل ہی نہیں کیا جاتا بلکہ جان سے بھی مارا جاتا ہے ۔ پچھلے پانچ سال کا ریکارڈ دیکھیں ، فائیلیں کنگھالیں تو بات سچ ہی نکلتی ہے ۔ درجنوں بے گناہوں کا نام تو ملے گا لیکن ان کا جسم کہیں نہیں کہ وہ مذہبی جنون کی بھٹی میں جھونکے گئے ۔ کہیں اخلاق کو بیف کے نام پر اور کہیں پہلو خان ، جنید اور اب کی بار دوبارہ مودی سرکار میں تبریز کو پیٹ پیٹ کر قتل کر دیا ۔ ایک ایک کے اوپر بیسوں لوگوں نے حملے کر دیئے اور اپنی بہادری کا ثبوت دیتے ہوئے کمزور لوگوں کو ملک عدم پہنچا دیا ۔ اڑتی اڑتی خبر آئی کہ خود پولیس افسران بھی پشیمان ہیں کہ کتنوں کو ماریں گے اور ماتحت پولیس والے کب تک خونخوار درندوں کا براہ راست یا بالواسطہ ساتھ دیں گے ۔ جبھی تو دو پولیس اہل کار معطل کئے گئے کہ انہوں نے تبریز کو زخمی حالت میں کالر سے کھینچ کر ہسپتال لیا مگر ضروری علاج نہیں کروایا ۔ پھر پولیس والوں نے گیارہ مشتبہ لوگوں کو حراست میں لے لیا ۔ اس پر ہم دلاور فگار سے معذرت کے ساتھ ان کی واہ واہ کرنے سے نہیں رہے ۔

اس خبر پر تو نہیں مجھ کو تعجب اے فگار
ایک قاتل حلقہ بجنور میں پکڑا گیا
ہاں اگر تھوڑی سی حیرت ہے تو اس بات پر
کیسا قاتل تھا کہ اس دور میں پکڑا گیا

اور تو اور اس دور میں جے سری رام بولو یا جے ہنومان بولو نعرہ بھی لگوایا جاتا ہے۔ جو نعرہ لگائے اسے بھی دھنائی اور جو نہ بول پائے اس کی تو شامت آئی۔ سنا ہے خود سری رام ہاتھ جوڑ کر کہتا ہے کہ بھائی میرے نام پر یہ خون خرابہ نہ کر مگر اسے کیا پتہ یہ تو سالہا سال سے جاری ہے کہ رام کے نام پر مندر اور مندر کے نام پر ترشول بردار دریندر شہر شہر قریہ قریہ اپنا آتنک مچائے پھرتے ہیں اوررام جی کے نام پر ہلہ غلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مانا کہ بھارت سرکار نے یہ کہہ کر امریکی رپورٹ خارج کر دی کہ ہم سیکولر ملک میں رہتے ہیں اور یہاں سب کو مذہبی آزادی ہے۔ ویسے بھارت ورش کا ترجمان یہ کہنا بھول گیا کہ ہم جب مارتے ہیں تو مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ دلت ہندوؤں عیسائی اور سکھوں کو بھی مارتے ہیں اور مرنے والوں میں کوئی ثابت کرے کہ مذہبی تفریق کی گئی۔ کیونکہ بقول فلمی اداکار بھگت جن جب مارتے ہیں تو مارتے ہیں۔ امریکہ والوں کی طرح نہیں کہ بس مسلم ممالک کو ہی نشانہ بنائیں۔ کہیں افغانستان، لیبیا، عراق، سیریا اور اب تو ایران کو بھی نشانہ بنانے کی تیاری ہے۔ تھانیدار تو عالمی سطح کا ہے لیکن ایف آئی آر کے وقت شمالی کوریا سے ڈر کر ہی رہتا ہے۔ وہ جو ستر لاکھ لوگ پناہ گزین ہیں وہ سب انکل سام کی ہی کارستانی ہے کہ کسی کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ بھلا چین سے بیٹھیں تو ہتھیاروں کی سپلائی رک جائے گی۔ ہتھیار انڈسٹری اگر رک گئی تو معیشت ڈوب جائے گی۔ معیشت ڈوبی تو ملک ڈوب جائے گا۔ اس لئے تو بھائی جنگیں ایجاد کرنی پڑتی ہیں تاکہ اپنا کارخانہ چلتا رہے۔ ہے نا بات سچ مگر ہے رسوائی کی؟

ادھر اپنے ملک کشمیر میں جو راج بھون مکین ہے وہ تو کب سے وائسرائے بنا پھرتا ہے اور اب کی بار ایک نئی بات بیچ بازار اُتار دی کہ ہڑتال سے دل بہلانے والے بات چیت کے لئے تیار ہو گئے ہیں یعنی جو کبھی مین گیٹ بند کر کے ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھا کرتے کہ اس دوران کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے تاکہ وہ وراٹ کی بیٹنگ اور عامر کی بولنگ کا مزہ سکون سے لیں وہ اب نشستند، گفتند، شنیدن میں بالمشافہ بیٹھنے کو راضی ہیں اور کیا پتہ اس بیچ عوام کے غم میں لنچ ڈنر بھی ہو جائے، یعنی وہ زمانے گئے جب گیٹ پر مہمان ٹھک کرتے رہے پر کنڈی میں کھٹ پٹ نہ ہوئی۔

خدا کے واسطے کھولو بھی آ کے دروازہ
میں کتنی دیر سے باہر کھڑا چیخ رہا ہوں

بھارتی آئینی حدود کے اندر اور اقوام متحدہ قراردادوں پر ٹی وی صحافیوں کے سوالات سے وہ اس قدر تنگ آئے تھے کہ بجنگ آمد ہونے میں دیر نہیں لگتی، پھر میچ کے دوران اس قسم کی باتیں مزید پریشان کرتیں۔ بقول وائسرائے کشمیر وہ بند کمروں میں کرکٹ میچ دیکھنے سے بھی تنگ آئے ہیں، اس لئے بات چیت میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ کہ ابھی وائسرائے کشمیر کے منہ سے یہ بات نکلی نہیں کہ اپنے ہل بردار، قلم برداشتہ تو ایک طرف خود غاروں میں کب سے بیٹھے سیاست دان بھی میدان میں کودے۔ وہ جو عام لوگوں کی کیا خاص فرشتوں کی یادداشت سے بھی نکل گئے تھے وہ بھی حریت کے ساتھ بات چیت کی دہائیں دینے لگے۔ ایک طرف سیاست کے چراغ بیگ دوسری طرف شکست خوردہ منڈل کے دلسوز، پھر کوچہ گلی سیاست کے نیم حکیم اور مان نہ مان میں بھی سیاست دان منڈلی کے لوگ بھی اخباری دفاتر پہنچے کہ ہم بھی اس بات چیت کے حق میں ہیں۔ مانو اگر وہ نہ کہیں تو بات چیت نہیں ہوگی۔ اب اس چھینا جھپٹی میں ہم سوچنے لگے کہ یہ بات چیت کس کے ساتھ ہونی ہے کیونکہ سارے حریت والے جہاں پورے ملک کشمیر کو ایک کال کے ذریعے اندرون خانہ رکھا کرتے وہ تو خود وائسرائے کشمیر کے مادھم سے مہینوں برسوں سے کال کوٹھریوں میں پکڑے اور جکڑے ہوئے ہیں تو بھلا بات چیت کس کے ساتھ ہونی ہے۔ ادھر اپنے لعنتہ منز چونچا مانگنے والے ووٹ مانگ سیاسی بھکاری بھی اس مخمصے میں ہیں کہ اگر بات چیت کا آغاز ہوا تو کہیں ہم پست پشت نہ ڈالیں جائیں۔ بھائی لوگو! ویسے بھی تم کس کھاتے میں ہو کہ گھوڑوں کے نعل لگنے سے گدھے بھی اپنی ٹانگیں آگے کرتے ہیں۔ اس لئے انسانی خون سے آبیاری کرنے والے کنول بردار شور مچانے لگے کہ فقط الیکشن پوت ہی بات چیت میں بلائیں جائیں۔

الیکشن سے ہی تو ممبران قانون سازیہ بنتے ہیں اور وہی پھر اسمبلی، لوک سبھا میں پہنچ جاتے ہیں۔ مانا کہ پنجہ مار پارٹی کے زیادہ امیدوار لوک سبھا نہ پہنچے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دیش بھگت نہیں۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ وہ بھارت ورش کی فوجی اکائیوں کو بڑے گورو سے دیکھتے ہیں۔ ان سے پیار ہی نہیں کرتے ان پر فخر بھی کرتے ہیں۔ اب کی بار جو پنجہ پارٹی کا چناؤ نشان

کچھ زیادہ لوگوں کو اپنی اور آکرشت نہیں کر سکا تو وہ نیا چناؤ نشان لینے پر تُل گئے۔ شاید سوچتے ہیں کہ صدر پارٹی تو بدلنا ہی ہے، اس بہانے چناؤ نشان بھی بدل دیں کہ ان کے ہاتھ میں اب کوئی کشش نہیں رہی یا شاید اس ہاتھ کی لکیریں اب مٹتی جا رہی ہیں۔ جیسے مودی مہاراج ووٹ کے لئے سینا کو استعمال کرتے ہیں کانگریسی اب اپنا ہاتھ جگن ناتھ سے اُکتا گئے ہیں، اس لئے انہیں سوجھا کہ تین اور تیرہ میں گنے جانے کے لئے فورس کی مونچھیں اپنا لیں۔ جبھی تو لوک سبھا میں کانگریسی لیڈر نے مانگ کی کہ مملکت خداداد میں اپنا فائٹر جہاز گرانے والے ابھی نندن کی مونچھیں قومی مونچھیں قرار دی جائیں۔ پہلے تو قومی جانور یا پرندہ وغیرہ ہوتا تھا اب قومی مونچھوں کا اعلان کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اب سبھوں کو ابھی نندن مونچھیں رکھنی پڑیں گی اور جو نہ رکھیں وہ سینا دشمن یا دیش دروہی قرار پائے اور اس کے لئے مملکت کا ویزا بنوانے کا آدیش جاری ہوگا۔ پھر یوں ہوگا کہ وندے ماترم والے اور ابھی نندن مونچھوں والے دیش بھگتی کے نام پر جوتم پیزار کریں گے۔ کیا پتہ کچھ ہی برسوں میں وندے ماترم اور ابھینندن مونچھوں پر لڑ جھگڑ کر آدھا بھارت ورش صاف ہوگا اور پھر یہ جنگ سرحد پار ہی لڑی جائے گی۔ یعنی اگلے الیکشن کا پرچار گاندھی فیملی اور ناگپوری فیملی مملکت خداداد میں ہی جا کر کریں گے کیونکہ دونوں کے ووٹر وہیں پرویش کر چکے ہوں گے۔

اپنے ملک کشمیر میں کس کو عزت دے کر آسمان پر چڑھانا ہے اور ذلیل کر کے زمین میں گاڑھ دینا ہے، اپنے سیاسی مچھندروں سے کوئی سیکھے۔ جبھی تو وزیر داخلہ امت شاہ کو اپنے کشمیری مداح امت شاہ پادشاہ کہتے ہیں۔ چند دن پہلے وزیر موصوف نے کہا کہ شیاما پرساد مکھرجی کے بلیدان کی بدولت کشمیر میں آمد پرمٹ کے بغیر ہوتی ہے اور پھر امت شاہ وارد کشمیر ہو ہی گئے۔ پرمٹ کی تو واقعی کوئی ضرورت نہیں البتہ اب کی بار ملک کشمیر میں کوئی ہڑتال بھی نہ بلائی گئی۔ ہو نہ ہو جن کے پاس ہڑتال والا ایٹمی بٹن ہوا کرتا تھا وہ اب عالمی سطح کے این ٹی پی ٹی ضوابط کا شکار ہو گئے، یعنی جہاں ایران پر دباؤ ہے کہ اپنے ایٹمی پروگرام کو منسوخ کرے، وہیں اپنی ہڑتال بلاؤ پارٹی پر بھی یہ دباؤ پڑا کہ اپنا ایٹمی پروگرام بند کر دو کہ آج کل ملک کشمیر میں آپریشن آل ناٹ آؤٹ میں سب کو یکسان طور پیٹا جاتا ہے۔ بندوق بردار کیا عام لوگ کیا، بچہ کیا بزرگ کیا، حتیٰ کہ مسلمان کیا ہندو کیا یکسان طور ایک ہی لاٹھی یا بندوق بٹ سے ہانکا جاتا ہے۔ جبھی تو قاضی گنڈ میں کشمیری

پنڈت فورسز کے ہاتھوں پٹ گیا، حالانکہ اس بے چارے نے کبھی بھی مملکت خداداد کے گیت نہیں گائے تھے نہ ہی پار والوں کی کرکٹ جیت پر پٹاخے پھوڑے تھے۔

ادھر ایک اور سرجیکل اسٹرائیک بھارتی ٹی وی چینلوں نے کر ڈالی۔ کسی امریکی ادارے کا نام لے کر مودی کے پنر جنم کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ پچھلے جنم میں مودی کٹر مسلمان تھے۔ اتنا ہی نہیں وہ اصل میں معروف مسلم لیڈر اور سماجی رہنما سر سید احمد خان تھے۔ واہ بھارتی میڈیا واہ!! جاتے جاتے یہ اہم خبر چھپی ملی کہ نمک میں زہر بھرا ہوا ہے۔ دوسری طرف ڈاکٹرس ایسوسی ایشن نے ایک خاص برانڈ پر پابندی کی سفارش کی ہے کہ بقول ان کے یہ چیزیں ملاوٹ والی ہیں۔

دور آمیزش ہے کوئی چیز ہی خالص نہیں
تیل مصنوعی ، بٹر ایمپیور، گھی خالص نہیں
جانور تو جانور ہیں آدمی خالص نہیں
میں ہی کیا خالص نہیں آپ بھی خالص نہیں
(دلاور فگار)

Published 1/7/2019

* *

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

سب مل کے ناچو، گاؤ، اچھلو، کودو، خوش ہو جاؤ، موج مناؤ کہ بات ہی کچھ ایسی ہے۔ وہ جو مودی مہاراج نے مغلوں کے ہاتھوں تعمیر کردہ لال قلعے کی فصیل سے اعلان کر دیا تھا کہ اب کی بار مسلہ کشمیر گولی گالی سے نہیں بلکہ ہر کشمیری کو گلے لگانے سے حل ہوگا اس کا حاصل جمع سامنے آیا ہے۔ جمع، ضرب، تفریق کر کے اس کا جو کچھ بچا کھچا نکل آیا اسے مرکزی سرکار کا مذاکرات کار کہا جاتا ہے بلکہ لگے ہاتھوں نام کرن بھی ہو گیا ہے جہاں وزیر داخلہ راجناتھ سنگھ نے منتروں کا جاپ کیا، بانوئے کشمیر محبوبہ مفتی نے فوراً مرد مومن کے خواب سے بیدار ہو کر فتویٰ جاری کر دیا اور اب اسے دنیشور شرما پکارا جائے گا۔ وہ جو ماضی کے مذاکرات کار تھے جنہیں دلیپ پڈ گاؤنکر، مسٹر انصاری اور رادھا کمار وغیرہ کہتے تھے، ان سے شاید اچھی رپورٹ نہ بن پائی جبھی تو اسے دلی دربار میں کسی نے ہاتھ نہ لگایا، پڑھنے پڑھانے اور عمل درآور تو دور کی بات ہے۔ کون جانے وہ رپورٹ نہ ہو بلکہ تینتیس ہزار کا کرنٹ لئے کوئی شے ہو اسی لئے اس کے قریب پھٹکنے کی کسی میں ہمت نہیں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھودا پہاڑ نکلی مری ہوئی چوہیا والا معاملہ ہو۔ بقول منا بھائی ایم بی بی ایس جادو کی جھپی وقت کی اہم ضرورت ہے اور اسے فوراً استعمال میں لانے کی آو شکتا ہے۔ اڑھائی مہینے میں مودی سرکار کو جادو کی جپی لگانے والے روبوٹ دنیشور شرما کی صورت میں مل ہی گیا۔ گلی گلی ڈھونڈا گیا، شہر شہر تلاش کیا گیا، چراغ ہاتھ میں لے کر پھرتے رہے کہ اچھی جادو کی جپی کون لگاتا ہے۔ کون جانے این آئی اے کو اس میں لگا دیا گیا کہ ملک بھر میں تلاش کرو کہ کشمیریوں کو گلے لگانے کا وعدہ جو کیا ہے اسے کون مکمل کر پائے گا کہ مودی سرکار کو ایسے جھپی کار کی ضرورت

ہے جو اس قدر زور سے بھینچے کہ ہڈیاں چٹخنے کی آواز دور دور تک سنائی دے جبھی تو محسوس ہوگا کہ بھارت سرکار کا کشمیر کی طرف پیار اُمڈ آیا ہے۔ ادھر این آئی اے بھی ہٹ دھرم کہ جادو کی جھپی سے کام کیا کرنا بلکہ ہر کشمیری کو وارنٹ بھیج کر دلی بلانا ہے اور وہاں جسے چاہے اندر رکھنا ہے اور ایک آدھ کو کان کھینچ کر واپس بھیجنا ہے جبھی تو محسوس ہوگا کہ بھارت ورش میں کوئی فکر کی ضرورت نہیں یہاں تو جمہوریت پروان چڑھی ہے۔۔۔ اور اس کھینچا تانی میں سید صلاح الدین صاحب آف سویہ بُگ ہاتھ نہ آیا تو ان کے بیٹے پر قبضہ جمایا۔ کون نہیں جانتا اپنے احمد کے بدلے محمود کو ساتھ لے جانا پرانا اور آزمایا ہوا کھیل ہے جسے اپنے ارباب اختیار کھیلنے میں اس قدر ماہر ہیں کہ اولمپکس میں وارد ہوئے تو طلائی تمغہ پکا۔ مانا کہ اہل کشمیر اس بات سے زیادہ امید نہیں رکھتے کہ مرکزی مذاکرات کار کوئی کرشمہ دکھا پائیں گے۔ ہل والے قائد ثانی کوئی امید نہیں رکھتے، حریت والے لیڈر صاحبان کو کوئی خوشی نہیں، آزادی پسند سہ فریقی مذاکرات کی خواہش رکھتے ہیں لیکن ادھر اپنے ڈگر دیش والے بالکل ہی خوش نہیں کہ مذاکرات کار کی تقرری ہوئی۔ کون جانے انہیں خدشہ ہے کہ اہل کشمیر سب کچھ نگل جائیں گے اور یوں اس جھپا جھپی میں علاقائی نابرابری منظر عام پر آئے گی۔ آخر کیوں نہ ہو علاقائی برابری کا تماشہ، ہم نے ماضی میں دیکھا پرکھا ہے کہ اگر وادی میں ضرورت کے مطابق ایک پاگل خانہ تعمیر کرنا ہے تو علاقائی نابرابری کے خاتمے کے لئے جموں میں بھی ایک ماڈرن مجنون خانہ لازماً تعمیر کرنا ضروری ہے۔ اگر کشمیر میں سردی کے سبب خنزیری بخار کے کچھ کیس سامنے آئیں تو جموں میں اس کی اشد ضرورت ہے، نہیں تو علاقائی نابرابری کا شور اٹھانے والے میدان عمل میں کود دیں گے۔ ست شرما سے لے کر بھیم سنگھ تک اور بار ایسوسی ایشن سے لے کر بیوپار منڈل تک ہڑتال کر دیں گے کہ ادھر سوائن فلیو رکھو، نہیں تو کام کاج ٹھپ اور جموں بندھ کامیاب۔

خیر ایسے میں دربار موو کا بگل بھی بجا۔ جموں والے موج منائیں۔ سڑکوں پر رنگ روغن ہو گیا۔ اہل کشمیر نے زیادہ کرائے پر مکان لئے کہ انہیں کشمیر کی سردی، بجلی کی نایابی، راشن کا مسئلہ، برف باری سے سڑکوں پر رکاوٹ ستاتی ہے بلکہ یہ بھی کہ جموں میں تاجر برادری کشمیری گاہکوں کے انتظار میں ہے کہ کب سال بھر جمع شدہ رقم خرچ کرنے نکلیں۔ سیب، زعفران،

اخروٹ، بادام، تنخواہ، پینشن کی کمائی رقم لے کر جموں پہنچیں گے پھر جموں کے تاجر رقم وصول کر پیٹھ پیچھے طعنہ بھی دیں گے۔ اور ادھر رہنے والے اہل کشمیر خوش کہ چلو سڑکوں پر کم سے کم کچھ ٹریفک کم ہوگا، ارباب اقتدار کے ہمراہ اور آگے پیچھے چلنے والی سکورٹی گاڑیوں کا پوں پاں ذرا کم ہوگا، یعنی کچھ تو شور کم ہوگا کچھ تو آلودگی میں فرق ہوگا۔ بقول شاعر یہ دھواں کہاں سے اٹھتا ہے، بھائی یہاں تو ہر دل جل رہا ہے، ہر روح میں آگ ہے، ہر جسم پر قہر سامانیاں ہیں، پھر یہاں گاڑیوں سے نکلنے والے دھویں کی کیا ضرورت؟

ملک کشمیر میں دربار کا شور کم ہی چاہیے کہ ہمارے یہاں تو اور بھی بہت شور باقی ہے۔ فوجیوں نیم فوجیوں کی اندھا دھند طاقت کا شور، تلاشی کارروائیوں کے دوران سنگ بازوں کا شور، چوٹی کٹاؤ کا شور اور چوٹی کاٹ ملزمین کے تعاقب کرنے کا شور، پھر اپنے ہی ہاتھوں داڑھی کاٹنے پر نیا شور۔ کہاں گاندربل میں پولیس والے کو باندھ کر رکھنے کا شور تھا کہ وہ خواتین کے ساتھ نازیبا حرکات کرتا تھا اور کہاں یہ بات کہ تم ارباب اختیار کے ساتھ ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اسی لئے تو دوکاندار پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت کال کوٹھری میں پہنچا۔ بے چارہ دوکاندار اتنی سی بات نہیں سمجھ پایا کہ وردی پوش کو دیکھ کر بڑے بڑوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ افسران کیا وزراء تک انہیں دبے ہاتھوں (پاؤں)، جھکے سر سے سلام کرتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو وزیر با تدبیر کو دیکھو، اور خود بانوئے کشمیر کا بیان پڑھو کہ وردی والوں کے نام حکم نہیں بلکہ ان سے التجا ہے کہ بھائی صاحب! حج کرو، گنگا نہاؤ، گولڈن ٹمپل میں حاضری دو، اہل کشمیر کو تنگ نہ کرو، میں تو انعام کی رقم بڑھا دوں گی اگر بندوق بردار کو زندہ پکڑو یا اسے ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کرو۔ اور اب چوٹی کٹاؤ شور کے دوران داڑھی کٹاؤ کا معاملہ شروع ہوا۔ ہم تو کہتے تھے اگر چوٹی کاٹ ملوثین کو کوئی معاوضہ ملا تو جانے کتنے لوگ خود ہی یہ نیک کام انجام دیں گے۔ مانا کہ خواتین چوٹی کٹاؤ سے ڈرتی ہیں لیکن مرد حضرات تو سبحان اللہ۔ اگر معاوضہ نہ بھی ملا کم از کم بنک قسط دیکھتے ہیں کہیں معاف ہو جائے یا ادا کرنے میں تاخیر کی اجازت ہو۔ اسی لئے دروغ بر گردن راوی بٹہ مالو کے دوکاندار نے نئی فلم ریلیز کر دی کہ کسی نے حملہ کر دیا، سیف لوٹی ساتھ میں چہرے پر ایک طرف کی داڑھی بھی اُڑا لے گیا، یعنی مرد لوگ اپنی خواتین کی حفاظت کے لئے گھر بیٹھتے تھے لیکن اب تو انہیں بھی محفوظ رکھنے کی گھڑی آن پڑی

یعنی کہ خواتین پر گھر کا، کچن کا، بچوں کا اور اب مردوں کی حفاظت کا بھی ذمہ۔ اور پھر لوگ کہتے ہیں کہ خواتین گھر بیٹھے کیا کرتی ہیں۔ افسوس صد افسوس!

وہ جواب کی بار مودی سرکار نے بھارت ورش کو ایک نئی کہانی سنائی تھی کہ چینی فوج کی چینی مال کی طرح کوئی گارنٹی نہیں اس لئے وہ سنگ بازی کر کے اور بھارتی فوج کے ساتھ دھکم پیل کر کے ڈوکلام سے واپس لوٹی۔ حالانکہ سب کا ساتھ سب کا وکاس کے بعد ہم نے گائے کے معاملے کی آڑ میں کئی ایک کو جان دیتے دیکھا۔ پھر نوٹ بندی والی کہانی سنائی گئی اور ہم نے درجنوں کو لائن میں کھڑا ہو کر مرتے دیکھا۔ پھر جی ایس ٹی (بقول راہل گاندھی گبر سنگھ ٹیکس) کا نیا شوشہ چھوٹا اور خود سرکاری کارندوں اور کاروباریوں کو ابھی سمجھ نہیں آ رہا کہ اس کھیل کو کیسے کھیلا جائے۔ ایسے میں ڈوکلام والی کہانی نے نیا موڑ لیا۔ سیٹلائٹ تصاویر میں تو چینی برابر مورچہ سنبھالے ہوئے ہیں بلکہ سڑک بھی بنا رہے ہیں اور ہتھیاروں بھرے مورچے بھی سنبھالے ہیں، یعنی ڈوکلام کے نام پر جو ڈپلومیسی کی جیت کو بتایا گیا وہ اصل میں آنکھوں میں چینی دھول جھونکنے والا معاملہ ثابت ہوا۔

کس نے کہا بھاجپا والے محبت میں یقین نہیں رکھتے اور پھر جو محبت کی یاد میں یادگار بنی ہو اس پر کنول والے فریفتہ نہیں۔ مانا کہ سنگیت سوم جیسے اناپ شناپ بکتے رہے لیکن یوگی مہاراج بذات خود تاج کی صفائی کرنے پہنچے۔ لمبا سا جھاڑو ہاتھ میں لے کر تاج کے گرد دھول صاف کی اور کیمروں کے سامنے کھڑے ہو کر سوچھ تاج کا ابھیان چلایا۔ مانا کہ گجرات میں یوگی کو سننے دیکھنے کوئی نہ آیا اسی لئے تاج کے گرد صفائی میں حصہ لیا، یوں سنگیت سوم کے دماغ کی دھول جھاڑنے کی کوشش کی۔ بھلا کرے کیوں نہ، تاج کے گرد کاروبار کرنے والوں نے جو دبے الفاظ میں دھمکی دی تھی کہ دھول ہٹاؤ نہیں تو اگلے الیکشن میں بھاجپا کو دھول چٹا دیں گے۔ ایسے میں بے چارہ سویڈن سے آیا جوڑا سب کے وکاس کا شکار بنا۔ اتتھی بووا کو مہمان کا درجہ نہ ملا بلکہ بھاجپا مشٹنڈوں نے خوب مرمت کی۔ تاج محل کے گرد بھاجپا والے کوئی نیا کنول کا پھول نہ کھلا سکے کیونکہ بھارت ورش میں گجرات سمیت لوگ کہتے پھرتے ہیں کہ کنول کا جو پھول ہے ووٹروں کی بھول ہے۔ اس لئے نشانہ ٹیپو سلطان پر سادھا کہ بقول ان مہا ظالموں کے ظالم اور ہندو دشمن

حکمران تھا مگر جب صدر ہند رام ناتھ کووند نے انہیں اپنی تقریر میں یہ جتایا کہ ٹیپو بہادر حکمران تھا اور یہ کہ ٹیپو سلطان شہید کی موت مرا تو انہیں کنول کا پھول اور مرجھاتے محسوس ہوا۔ لے دے کے کرناٹک سرکار پر تنقید کے تیر چلائے کہ انہوں نے صاحب صدر کی تقریر میں یہ لائن جوڑ دی تھی یعنی صاحب صدر کی اتنی بھی بصیرت نہیں کہ وہ کونسی سطر پڑھیں اور کون سی حذف کریں۔ بے چارے کنول والے نہ ہوں ساون کے اندھے ہوں۔

جن کا فن تاریک سیاست نفرت کے دلکش پرچارک
پتھر کا دل رکھنے والے فیصلوں کے حقدار بنے ہیں
(شارق علی)

مودی مہاراج نے ببانگ دہل کہا تھا کہ نہ خود کھاؤں گا نہ کسی کو کھانے دوں گا مگر اپنے تو اپنے ہوتے ہیں۔ بھلا امت شاہ دوست ہے، امبانی، اڈانی یار لگتے ہیں، اس لئے نیا نعرہ ایجاد کر دیا کہ میں بولوں گا کسی اور کو بولنے نہیں دوں گا۔ اور انڈیا Start up کے ساتھ ہی انڈیا shut up کی بات چلی ہے۔

Published 30/10/2017

⁂

کس دن ہمارے سر پہ نہ آرا چلا کئے

ادھر لوگ سنڈے کے فنڈے میں مشغول تھے، اور انڈے بیچارے سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ وہ فرائی ہونگے کہ زندگی کا فلسفہ سمجھ کر ان کے یہاں سے چوزے نکل آئیں گے، جب ہل والے جانبازوں نے اعلان کر دیا کہ اب کی بار بالآخر انہوں نے فیصلہ لے ہی لیا کہ دلی سے ڈرنے والے اے بھاجپا نہیں ہم۔ سونوار میں لے چکا ہے تو امتحان ہمارا۔ سونوار میں اتوار کو فیصلہ ہو ہی گیا کہ جو بھی ہم سے ٹکرائے گا، یونہی منہ کی کھائے گا کیونکہ بقول ان کے ہل والا جھنڈا لہرائے گا۔ اور نیشنلی جنرل فاروق عبداللہ کی قیادت میں لشکر بب نے مارچ پاسٹ پر یہ گیت گایا ۔

لہرا ائے کشمیر کے جھنڈے
طفل و جوان و پیر کے جھنڈے
رنگ ہے تیرا لال دلارا
ہل نشان ہے پیارا پیارا

پھر اعلان ہوا کہ اس کے طفیل اٹونامی کا گفٹ، ہل والے جھنڈے میں چھپا کر اہل کشمیر کو مل جائے گا۔ کسی بھی صورت میں قلم دوات سے اس پر کشمیریوں کا نام پتہ لکھنے کی اجازت نہیں ہوگی، نہ ہی کنول پھول کی پتیوں سے سجانے کی کوشش ہوگی کیونکہ یہ ہل والوں کا کمایا ہوا تحفہ ہوگا جس پر انہی کو حق ہوگا کہ وہ اس کے نام پر سیاسی اچھل کود کرتے پھریں۔ ویسے ہل والے جب بھی اعلان کرتے ہیں نہ جانے کتنوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں، جسم پر لرزہ چھا جاتا ہے، زبان ہکلا جاتی ہے، ہاتھوں پر رعشہ طاری ہوتا ہے، اسی لئے دیکھتے دیکھتے اور ہل والا اعلان سنتے سنتے مودی

سرکار کے وجودِ آہن میں ارتعاش پیدا ہوگیا اور خود مودی مہاراج کچھ بھی ہل والوں کے خلاف بولنے سے گھبرا اُٹھے بلکہ انہوں نے کانگریس پر نشانہ سادھا کہ چدمبرم نیشنلی سیاست اور مانگ کے طرف دار اور دلال ہیں، اور مطلب یہ نچوڑا کہ میاں چدمبرم آزادیٔ کشمیر کی جانب قدم بڑھا رہے ہیں، یعنی ہل کے ذریعے اصل میں اس فصل کی کھیتی ہونے والی ہے جس سے آزادیٔ کشمیر کے بیج اُگیں گے، کونپلیں پھوٹیں گی اور چار سو آزادی کا بول بالا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنے ملک کشمیر کے جیالے بار بار دہراتے رہتے ہیں ؎

خدایا توڑ اس دست جفا کیش کو
کہ جس نے روحِ آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

خیر! مودی مہاراج براہ راست نیشنلی جانبازوں کے بارے میں کچھ کہنے سے اجتناب کر بیٹھے، کہیں کچھ کہہ دیتے تو ہل والے ناراض ہوں گے پھر ان کی خیر نہیں کیونکہ ہل والے ناراض ہوئے تو گجرات اور ہماچل الیکشن پر اثر پڑ سکتا ہے اور نیشنلی خود مختاری کی بات کرنے وہ دور بہت دور جنوبی ہندوستان پہنچے۔ ویسے مودی مہاراج ڈریں کیوں نا؟ انہیں تو یاد ہے کہ ماضی میں جب اندرونی خود مختاری قرارداد کا پارسل نیشنلی قیادت نے دلی ارسال کیا تو باجپائی سرکار نے اس کے اوپر بندھی رسی نہ کھولنے میں بہتری سمجھی کہ ہونہ ہو مذاق مذاق میں کوئی لفظوں کا باُرودی مواد ہو۔ اس لئے بنا دیکھے پرکھے پارسل کو ایک دو تین کر کے ردی کی ٹوکری کے حوالے کیا۔ ادھر نیشنلی حکمران چپ سادھے بیٹھے رہے کہ آج نہیں تو کل پریم پتر کھولیں گے، پڑھیں گے، ناچیں گے، جھومیں گے۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو ہل بردار خاموش ہوئے، اپنی مستعار طاقت کا مظاہرہ کرنے گپکار کی سڑکوں پر بازو لہرا لہرا کر نہیں للکارا کیونکہ اس وقت کرسی کا کھوں کھوں بھی تھا، آگے پیچھے گاڑیوں کا پوں پوں تھا، ہیلی کاپٹر کا شوں شوں تھا، بھلا اتنے دوں دوں کو کوئی بھلا چنگا پُرش چھوڑ سکتا ہے کیا؟

خیر Tiger is back والی بات یاد آئی کہ ہل والوں نے اپنے قائد ثانی کو پھر صدر چنا۔ مانا کہ باقی لوگ ڈاکٹر فاروق کو ٹائیگر نہ ڈاکٹر مانتے ہیں بلکہ الزام دیتے ہیں کہ نہرو نے ان کے والد گرامی سے مطلبی دوستی اور مفادی دشمنی ساتھ ساتھ نبھائی۔ ایک طرف دشمنی کی آڑ میں شیخ

کو جیل میں رکھا اور دوسری طرف دوستی کے ناطے فرزند کبیر کو ڈاکٹری کے پرچے منا بھائی اسٹائل میں حل کروائے۔ غیر نیشنلی تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ۱۹۹۶ میں ایس کے آئی سی سی میں قائد ثانی رونے دھونے اور ٹسوئے بہانے کے بدلے کچھ (مثلاً اٹانومی) حاصل کر سکتے تھے لیکن ٹائیگر نے کرسی کو ہی ترجیح دی، کرسی نہ ہو تو اٹونامی کا ٹوٹا پھوٹا میز کس کام کا؟ اور تو اور ۲۰۰۲ میں گجرات مسلم کش فسادات کے وقت وہ اپنے فرزند کو باجپائی سرکار سے الگ بھی کر سکتے تھے لیکن وہ تیز دانتوں کے بغیر اور بے دُم ٹائیگر ہی ثابت ہوئے کہ کرسی کو مضبوطی سے بلکہ بتیس دانتوں، دو ہاتھوں، دو عدد ٹانگوں، سو عدد زبانوں کی رسی سے تھامے رکھا۔ ایسے میں اب بے کاری کی بوریت ہٹانے کے لئے ڈل گیٹ میں ڈیلی گیٹ کنونشن میں اندرونی خود مختاری کا مطالبہ کچھ ہضم نہ ہوا، واللہ سیاسی ہاضمولا نے بھی کوئی کام نہ کیا۔

اٹانومی کا ذکر خیر چل ہی رہا تھا کہ اندرونی خود مختاری مطالبہ مودی مہاراج نے کیا فٹا فٹ خارج۔ اس خروج کی ادائے دلربا پر ہمیں اسکول کے دن یاد آئے۔ گویا کوئی سیاسی مسئلہ نہ ہو اسکول سے زیادہ تر غیر حاضر رہنے والا کوئی طالب علم ہو، جسے مسلسل غیر حاضری کی پاداش میں خارج کر دیا جائے لیکن اب تو ہم اسکولی طالب علم نہ رہے اب تو ہم کچھ سوچتے سمجھتے دیکھتے بھالتے بھی ہیں۔ مثلاً اگر اندرونی خود مختاری بھی ممکن نہیں پھر حریت والوں کی مانگ کہ رائے شماری کرائی جائے، اس پر اپنے شرمیلے شرما جی کس منہ سے بات کریں؟ ایسے میں ایک اور پھٹیچر سوال ذہن کے گرد و غبار میں خودرو پودے کی طرح ابھرتا ہے کہ دلی کو پھر مذاکرات کار کی ملازمت کیوں معرض وجود میں لانی پڑی، ایک وظیفہ یاب جاسوس کو کیوں مراعات سے مالا مال کرنا پڑا، زیڈ سیکورٹی کا چھاتا کیوں شرما جی کے سر پر تاننا پڑا، اور کہ وہ وادیٔ گلپوش میں کیا لے کر پدھار رہیں؟

قصہ مختصر ہل والا ٹائیگر جب اٹونومی کے مرے ہوئے گھوڑے پر دھاڑا تو ہمیں ایسا لگا کہ قلم دوات اور کنول کی ملی جلی سرکار کے ایوان لرزنے لگے ہیں،۔ دفعتاً وہ مشہور نظم یاد آئی کہ تخت گرائے جائیں گے، تاج اُچھالے جائیں گے۔ نرمل سنگھ نے دم سنبھالا، فوراً اعلان کر دیا کہ حریت والے مسئلہ کشمیر کے فریق ہیں البتہ عسکریت پسندوں سے کوئی بات نہیں ہوگی۔ مزید بر

آں کہ ملک کشمیر بھارت کا تاج ہے۔ ادھر بھاجپا والے آگرہ کے تاج کے پیچھے پڑے ہیں، ادھر بھاجپا والے دوسرا تاج سجانے لگے۔ جانے کیوں نرمل سنگھ کو حریت والے کومل اور نرمل لگے کہ انہیں اس بات چیت میں فریق تسلیم کیا جس میں وہ لوگ شامل ہونے والے نہیں؟ جانے نرمل سنگھ اور کنول والے کون سی نئی کھچڑی پکا رہے ہیں کہ جو کل تک دیش دروہی تھے بلکہ صحافت کے مچھلی بازار میں مملکت خداداد کے دلال تھے آج کیسے فریق بن گئے۔ یعنی کنول والے نت نئی کھچڑیاں پکانے میں تجربہ کار ہیں اسی لئے کھچڑی کو قومی غذا (نیشنل فوڈ) بنانے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اس کے کئی فائدے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے من کیا تو کھا گئے اور موڈ میں آئے تو سیاسی کھچڑی میں تبدیل کر دیا، جس کی کل مخالفت کر رہے تھے، اسی کو آج نیشنلزم کا لبادہ اوڑھ دیا۔ ایسے میں جانے کونسی کھچڑی پکی کہ آزادی نوازوں کو اپنے پاس قریب بٹھانے کی ٹھان لی۔ حالانکہ ہم تو بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ جو کچھ کہیں سچ سچ کہیں گے، ہم نے انہیں (حریت والوں کو) نہیں سمجھایا کہ اس بات چیت میں حصہ نہ لو بلکہ وہ یہ فیصلہ خود ہی لے گئے۔ اپنی صفائی دینا ضروری بن گئی ہے، کیا پتہ دیش دروہی مان کر مملکت خداداد چلے جانے کی صلاح دی جائے۔ کھچڑی تو کھچڑی ہے پک گئی تو مزہ۔ کھچڑی کی ایک کٹوری کھا کر ۱۹۴۷ یاد آیا۔ مقبول شیروانی کے چیلے چانٹے اچانک کنول کے پھولوں کی کیاری سے نمودار ہوئے۔ بانگ دہل اعلان کر دیا کہ شیروانی نے ملک کشمیر کو بھارت ورش کا اٹوٹ انگ بنانے کے لئے جان کی قربانی دی جس کو یاد کرنے کے لئے شیروانی کو بھارت رتن سے نوازا جائے۔ ۴۷ء کی کھچڑی کے ساتھ ۲۰۱۷ء میں بھی کھچڑی پکی۔ جانے سجاد لون آف بھاجپا کوٹہ اور نعیم اختر آف ناگپور کیسے بھاجپا کنونشن میں پہنچ گئے۔ اسی لئے تو نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر نے سوال پوچھ ہی لیا کہ کیا سمجھ کر آئے تھے یہی نا کہ امت شاہ خوش ہوگا، شاباشی دے کیوں؟ اور اس شاباشی کے عوض بھاجپا کے کوٹہ سے منسٹری برقرار رہے گی کیونکہ جب تک امت شاہ کا آشرواد شامل حال نہ ہو کوئی کرسی وزارت پر سکون سے نہیں بیٹھ سکے گا اور جب اس کا آشرواد اپنے بیٹے پر قائم رہا تو بزنس بھلے عام لوگوں کے لئے تکلیف دہ بنی لیکن خود اپنے فرزند جے شاہ کے حق میں یہ بڑی چمتکاری ہوئی۔ پچاس ہزار کے خرچے میں سے اسی کروڑ کمائے!!! اسی کو کہتے ہیں جے شاہ کی جے ہو، اپوزیشن کی تے ہو۔

بھارت ورش میں ایک ہندو واہنی بھی ہے جسے یوگی مہاراج آف گورکھپور تھپکی دے کر سہلاتے ہیں، گائے کا دودھ پلا کر سُلاتے ہیں اور سیاسی پالنے میں جھلاتے ہیں اور اس لائق بناتے ہیں کہ وہ جہاں چاہے مسلم اقلیت کے خلاف آواز اٹھائیں، انہیں ڈرائیں دھمکائیں۔ اب کی بار مودی سرکار میں ہندو واہنی نے مستقبل کا نقشہ کچھ یوں کھینچا کہ اگر اسی رفتار سے مسلم آبادی میں اضافہ ہوا اور اگر مسلم آبادی بڑھنے دی گئی تو بھارت ۲۰۲۷ء تک مسلم ملک بن جاے گا۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ واہنی والوں نے خطرے کی گھنٹی بجادی، دیش واسیوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین کی، سرکار کو چیتاونی دے ڈالی۔ اخلاق، پہلو خان، جنید وغیرہ کے سروں پر رکھی ٹوپی یاد دلائی۔ ہو نہ ہو ان کی آواز سے مرعوب ہو کر ہریانہ کا ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل جنید کے قاتلوں کی مدد کر رہا ہے۔ سوالات پوچھنے کے لئے اکسا رہا ہے۔ یہ بات ہم نے نہیں کہی بلکہ خود جج موصوف نے کہی اور اس سرکاری وکیل کے خلاف کاروائی کی بات کی جو لڑ رہا جنید کا کیس ہے لیکن مبینہ قاتلوں کی امداد بھی کر رہا ہے۔ بات تو صاف ہے پہلو خان کے قاتلوں کو پولیس کی مدد حاصل ہے، اخلاق کے قاتلوں کو ممبر اسمبلی کی مدد حاصل ہے اور جنید کے قاتلوں کو خود سرکاری وکیل کی امداد میسر ہے۔ ایسے میں اگر معروف ایکٹر کمل ہاسن نے کہا کہ ہندو دہشت گردی ایک سچائی ہے، تو بھلا اسے کیوں تنقید کا نشانہ بننا پڑے؟؟؟

راجستھان کے ایک شہر کے میئر جی نے صبح سویرے ڈیوٹی جائن کرنے سے پہلے قومی ترانہ گائے جانے کا اہتمام کیا، کہ بقول اس کے اس عمل سے ملازمین کے اندر وطن پرستی جاگتی ہے اور جسے اس پر اعتراض ہو وہ مملکت خداداد چلا جائے۔ اس کی دیکھا دیکھی آسام کے ایک شہر کا میئر کیوں وطن پرست نہ بنتا فوراً اسی انداز کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ وطن پرستی کے لئے سویرے قومی ترانہ گانا تو لمبا اور مشکل مسئلہ ہے بہتر ہوتا معروف اداکاروں کی خدمات حاصل کی جائیں اور وہ جو دو بوند زندگی کے پلا کر پولیو بیماری کا قلع قمع کرنے میں مدد فرماتے ہیں کیوں نہ اسی طرح سبھوں کے منہ میں دو بوند وطن پرستی کے ڈال دیں۔ آناً فاناً سب لوگ وطن پرست ہو جائیں گے۔ پھر کسی کو ٹی وی پر آکر اس کا پرچار بھی نہ کرنا پڑے گا اور کسی کو بھی مملکت خداداد پھنکنے کی زحمت بھی نہ کرنی پڑے گی۔

ہم نے اصلی بم دیکھے ہیں اوران کا پھٹاک بھی اڑتے دیکھا ہے، سیاسی بم بھی پرکھے ہیں کہ زور سے پھٹتے ہیں مانا کہ ان میں بارُودی کیمیا ہوتا ہی نہیں اس لئے پھُس پھُسے نکل جاتے ہیں لیکن عدالتی بم پہلی بار پڑھنے کو ملا۔ پہلی بار اس لئے کہ یہ سیاسی مشٹنڈوں کے لئے ہے۔ سپریم کورٹ نے ایک فیصلے میں اس بات پر زور دیا کہ بے ایمان سیاست دانوں کے کیس خاص عدالتوں میں سنیں یعنی اب فیصلے ان کے خلاف جلد ہوں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ وہ قتل بھی کریں اور آہ بھی نہ ہو!!

Published 16/11/2017

* * *

تماشوں کے آگے طمانچوں کا سرگم

شی۔ چپ۔ خاموش۔ کسی سے کہنا نہیں، یہ راز کی بات ہے کہ بھارت ورش کی کنول برادری نے جمہوریت کا نیا فنڈا نکالا ہے۔ اس نے دلی دربار ہی نہیں بلکہ ملک کشمیر کے وائسرائے سے گٹھ جوڑ کر کے اپنے ملک کشمیر میں جمہوریت کو مستحکم کیا ہے اور اب اپنے یہاں جمہوریت اس قدر طاقت ور ہوگئی ہے کہ اتفاق اور انڈے میں جو طاقت ہے وہ اس کے سامنے ہیچ ہے۔ یقین نہ آئے تو ان کے بیانات سن لو جو یہ لوگ میزائلوں کی مانند داغ رہے ہیں بلکہ یہاں کی سیاسی پارٹیوں کے اندر باہر سرجیکل اسٹرائک کر رہے ہیں۔ مودی شاہ پرائیویٹ لمیٹڈ ایک طرف، کنول برادری اینڈ کمپنی کی ریاستی اکائی دوسری طرف سینہ ٹھوک کے، پیر دبا کے اور بازو لہرا کے اعلان پہ اعلان کرتی جا رہی ہے کہ جمہوریت کی ٹانگوں میں کیلشیم کے انجکشن انہوں نے بھروائے۔ اس کے بازؤں میں وٹامن ڈی کا بنڈیج انہوں نے ہی لگوایا، اس کی ہڈیوں میں جمہوری پلستر انہوں نے بندھوایا اور کچھ باقی رہا تو جگہ جگہ لوہے کی پٹیاں مع نٹ بولٹ انہوں نے ہی کسوائے تا کہ کہیں جمہوریت دائیں بائیں لڑھک نہ پائے۔ اتنا ہی نہیں یہ سب مٹیریل ناگپور برانڈ ہاف چڈی مارکہ تھا اور جمہوری تماشے میں جو کھلونے بیچ میدان لا کر کھیل تماشہ دکھاتے ہیں ان میں بھی سیل بھاجپا نے لگائے، چابی ستیہ ملک نے بھری تا کہ اشارہ سمجھتے ہی ناچ نغمہ بپا کر دیں۔ ان سیاسی کھلونوں میں سابق افسران، سابق ٹریڈ لیڈران، عوام کے سروں پر ایرے غیرے براجمان باقاعدہ آشیرواد لے کر اپنی اپنی ڈفلی بجا رہے ہیں۔

لوگ جوق در جوق چلے آتے ہیں
نہیں معلوم تہہ خاک تماشہ کیا ہے

ویسے زیادہ سوال پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ جمہوری تماشے کا بڑا میدان اسمبلی ہوتا ہے اور اسے سیل بند کرنے کے لئے کھڑکیاں دروازے انہوں نے ہی بند کردئے تاکہ نیشنل کا ٹویٹر ٹائیگر، قلمدان والوں کی دودھ ٹافی آنٹی، یا اچھلم کودم جے رشید دم کہیں سے اندر داخل نہ ہوں۔ ملک کشمیر میں کیسے جمہوری جسم و جان سخت اور پائدار بنتا ہے، یہ سوال تو وہ پوچھے جس نے ملک کشمیر کی سنتالیس سے چلی جمہوری گھوڑی کی دوڑ نہ دیکھی ہو۔ بھلے یہ گھوڑی لنگڑی صحیح، پر ٹک ٹاک چلتی تو ہے اور ہر چھ سال بعد اسی لنگڑی گھوڑی کو زین سجانے کا کام کیا جاتا ہے۔ اسی لئے تو بوڑھی گوڑی کے لال لگام باندھی جاتی ہے تاکہ یہ گھوڑی دنیا کو دکھانے کے کام آئے کہ بشری حقوق کے علمبردار واپنی جمہوری گھوڑی چوپٹ دوڑتی ہے اور ساتھ میں یہ اعلان ہو کہ اہل کشمیر اسی گھوڑی کو ہانکتے رہتے ہیں اور بھارت ورش کی جے جے کار کرتے ہیں۔ اس لئے کنول برادری نے تو جمہوری تماشے کو مضبوط کرنے کا نت نیا طریقہ نکالا۔ اسمبلی کو کچھ دیر تک لٹکائے رکھا کہ اس کی رہی سہی جان بھی لب پہ آجائے اور جب اسے تھامنے کے لئے مطلوبہ ممبران دوڑے ہوئے نہیں پہنچے تو اسے راج بھون کی خراب شدہ فیکس مشین کے حوالے کر کے تحلیل کر دیا۔ یوں جمہوریت مضبوط ہو گئی۔ واہ مودی جی واہ!

ماضی میں ہم نے سنا تھا کہ البرٹ پنٹو کو غصہ کیوں آتا ہے، اسی لئے اس پر ایک فلم بھی بنی تھی مگر جانے آج کل سب غصے میں کیوں ہیں اور کوئی فلم بھی نہیں بنتی لیکن اسی سینڈروم کا شکار کیوں ہیں؟ اُدھر مملکت خداداد کے شاہ محمود قریشی فون کرتے ہیں، اِدھر اپنے ینگ میر واعظ آف شہر خاص اُچھل پڑتے ہیں کہ شاید ملک کشمیر کا مسئلہ حل ہو گیا۔ فون سننے دوڑتے ہیں اور ہشاش بشاش دِکھتے ہیں کہ وزیر با تدبیر نے دلاسہ دیا کہ ہم ہیں، اس لئے تم آگے بڑھو۔ فروری کے مہینے میں ہم آر پار ہی نہیں سات سمندر پار بھی انقلاب کشمیر بپا کر دیں گے، لیکن اس فون پر دلی دربار کو غصہ آتا ہے تو مملکت خداداد کے دلی مقیم نمایندے کو طلب کرتے ہیں، چائے تو پلاتے ہیں لیکن اس میں مرچی ملاتے ہیں۔ چیتاوَنی دیتے ہیں کہ اور کوئی فون نہ بجانا لیکن محمود قریشی بھی کوہستانی نمک کھائے ہیں ٹاٹا نمک کھانے والوں سے نہیں ڈرتے۔ دوبارہ فون اٹھاتے ہیں۔ ادھر حیدر پورہ میں یہ دو دیوانے دل کے، چلے ہیں دیکھو مل کے، والا رنگ ٹون بجتا ہے۔ پھر قائد

بزرگوار سے پیار محبت کی باتیں ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کا عہد و پیمان دہرایا جاتا ہے۔ یہ سنتے ہی دلی سرکار میں پھر مرچی گیس کے گولے پھٹتے ہیں۔ کچھ نہ بنا تو ملک کشمیر آ کر مودی مہاراج غصہ نکالتے ہیں۔ ڈل کنارے چیتاوُنی دے ڈالتے ہیں کہ لڑ مرو عاشقو، طاقت ہے تو کشمیر لو اور پھر کشمیری میں اپنی مطلبی بولی بول کر گولی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اب تو ہم نے کشمیری زبان بھی سیکھ لی، پھر بھلا کہیں کشمیر کو جانے کی ضرورت کہاں؟ اور غصہ بھی اس قدر کہ مودی جی ڈل کی سیر پر نکلے تا کہ ٹھنڈے موسم میں خود بھی ذرا ٹھنڈ محسوس کریں۔ ہڑتال زدہ جھیل اور آس پاس کی بستی میں جب کوئی نہ دکھا تو اور غصہ سے بے قابو ہو گئے۔ خالی خالی فضا میں ہاتھ لہرائے، ڈل کی خاموش لہروں کو، برفانی چوٹیوں کو، یخ بستہ ہواؤں کو، پتوں سے فارغ پیڑ پودوں کو، سطح آب کے نیچے ٹھٹھری پڑیں ڈل کی مچھلیوں کو اور خالی پڑی سڑکوں کو مسکراتے ہوئے استقبال کیا۔ اس سے پیٹ نہ بھرا تو اہل کشمیر کو من کی بات سنائی نہیں دکھائی کہ ظل الٰہی خالی کرسیوں کے سامنے تقریر کرنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ جہاں عالم پناہ یہ کمال کریں، وہاں بے حس و حرکت ڈل کا ہاتھ ہلا کر سواگت کرنا کیا مشکل؟

انہوں نے یہ بھی فرمایا جب ما بدولت خیالی پندرہ پندرہ لاکھ فی ناگرک کے بنک کھاتے میں جمع کرانے کا جادو چلانا جانتے ہیں، نا معلوم نوکریوں کا حساب کتاب کر سکتے ہیں، تو بھلا خیالوں میں بسے لوگوں کی طرف ہاتھ ہلانا کیا مسئلہ؟ سنا ہے ڈل کے ٹھہرے پانیوں اور زبرون کی چوٹیوں نے جب شاہِ ہند کا کوئی جواب نہ دیا تو انہیں فوراً سی بی آئی انکویری کی دھمکی دے ڈالی۔ یہ پھر بھی کہاں ماننے والے تھے، انہیں معلوم تھا سی بی آئی والے اس وقت ممتا دیدی کے چنگل میں پھنسے تھے۔ اس بیچ اپنے نیشنلی ٹویٹر ٹائیگر اور بانوئے کشمیر بھی میدان میں کود پڑے یعنی چونٹیوں کے بھی پر نکل آئے۔ ایک تو مودی کا لہراتا ہاتھ کچھ ساتھ نہ بھایا، اس پر طعنے کسے۔ پھر ممتا دیدی کی سی بی آئی گرفتاری پر حمایت کر ڈالی۔ شاید یہ سوچ کر کہ این آئی اے کو راستہ دکھانے وہ لوگ خود نکل پڑے تھے کہ جس کشمیری کو اس لپیٹے میں لانا ہے، لے جاؤ مگر ہماری پیاری پیاری کرسی کو کبھی مت چھیڑنا کہ اس کے بغیر جی نہیں پائیں گے۔ پھر سنا ہے دبے لفظوں ٹھیٹھ کشمیری زبان میں یہ بھی کہہ ڈالا کہ چلو أسی پوشی نہٕ کینہہ سأنی ممتا دیدی پوشی (ہم تو مقابلہ نہ کر پائے ہماری طرف سے

ممتا دیدی پچھاڑ دے گی)۔ چونکہ سب کو غصہ آتا ہے، اپنے حریت نواز بھی غصے کے موسم میں خشم آلود نہ ہوں، یہ ممکن نہیں۔ انہوں نے بھی مودی کی تیکھی بھاشا کے جواب میں اور تیکھے تیور دکھا دئے۔ ان کا تیکھا پن اپنی جگہ، اپنے اہل کشمیر ہی اس تیکھی مرچی کا اثر جانتے ہیں جو دونوں طرف کی مرچی کے سبب ان کی ناک میں گھس کر اوے اوے کراتی ہیں۔

اسی مرچی کا نتیجہ ہے کہ میجر شکلا نے بنا بنایا بندوق بردار ڈھونڈ لیا۔ ٹارچر کے ذریعے منوایا کہ اچھ گوزہ پلوامہ کا نوجوان توصیف بندوق اُٹھائے تصویر لے، جبھی تو وردی پوش میجر نام نہاد آتنک وادی سے لڑ کر بڑا انعام پائے اور مودی جی کا بھرم قائم رہے کہ اس کے فوجی دہشت گردی کا قلع قمع کر رہے ہیں۔ اس پر سنہ سولہ کی بانوئے کشمیر کو بہت غصہ آیا۔ فوراً ہسپتال پہنچیں، عیادت کی اور چلتے چلتے چیتاؤنی دی کہ میں قیامت سے پہلے پہلے کور کمانڈر سے بات کروں گی۔ بات ہو نہ ہو، دھمکی ہی دے ڈالی کہ جب یہ دودھ ٹافی لینے گیا ہی نہیں، بھلا اس کی ہڈی پسلی توڑنے کا کیا تک؟

کیسے ممکن ہے کہ پھر ملک سنور جانا ہے
جھوٹ کو اہل سیاست نے ہنر جانا ہے
بیان بدلے ہیں عادت تو نہیں بدلی ہے
خوش گمانی تھی کہ لوگوں نے سدھر جانا ہے

گئو ماتا تو کنول برادری کے لئے اہم ہے ہی بلکہ گئو موتر (بول براز) ان کی بیماری کا علاج بھی مانا جاتا ہے۔ اس لئے تو یوگی پردیش میں گئو شالہ بنانے پر ۲۴۷؍ کروڑ، ۲۰۰ کروڑ اَناتھ (یتیم وبے سہارا) گائیوں کے شاہی گاؤ شالہ کے لئے بجٹ، سپیشل گئو سیس سے ۱۶۵۱؍ کروڑ جٹائے یا لٹائے گئے۔ مطلب بھلے انسان زندہ رہیں نہ رہیں مگر گائے کی ووٹ پوجا ضروری ہے۔ سنا ہے کہ گئو ماتا اپنا ہاتھ جگن ناتھ والی کانگریس کے لئے بھی دودھ نہیں ووٹ کی اَن داتا ہے اور گائے کے نام پر مسلم اقلیت کا خون کرنے والے تو ہیں ہی مگر پنجہ مارنے والے بھی کم نہیں۔ جبھی تو سکھوں کے قتل میں ملوث چیف منسٹر کنول نہ سہی پر کمل تو ہے۔ مدھیہ پردیش میں گائے ذبح کرنے کے الزام یا جرم میں تین مسلم افراد کو نیشنل سکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا تاکہ زیادہ دیر انہیں قید رکھا

جا سکے، کیونکہ ان کی لمبی قید پنجہ مار پارٹی کے لئے بھی ووٹ بٹورتی ہے۔ اس پر بھی بانوئے کشمیر کو غصہ آتا ہے۔ کنول برادری اور پنجہ مار پارٹی کو ایک ہی سانس میں جھنجوڑ دیا کہ گائے دونوں کی ماتا ہے، کیونکہ گائے بھلے ہی پوری دنیا میں دودھ دے لیکن بھارت ورش میں یہ ووٹ دیتی ہے مع نوٹ۔ جگالی کرتی ہے تو ووٹنگ مشین کے سرخ بلب جلتے ہیں اور سیاست کاروں کے سات طبق روشن ہوتے ہیں۔ پھر وہ پانچ سال آرام سے بیٹھ کر چشم روشن دل ماشاد جیسے گیت گنگناتے ہیں۔

ووٹ لینے پہ یہ آزمائے ہتھکنڈے تھے
جتنے وعدے کئے ان سے مکر جانا ہے
نیتا سوچتے رہتے ہیں یہی سارا دن
ناشتے لنچ ڈنر میں بھلا کیا کھانا ہے

اپنے راج کے بھون مکین شاہ جہانی کی زبان بنا کسی بریک کے چلتی رہتی ہے اور اس دوران کون کہاں اس کے رتھ کے نیچے کچلا جائے، اس کی ذمہ داری راج بھون پر عاید نہیں ہوتی۔ جب بھارت ورش اور مودی اینڈ کمپنی کی بات ہو تو اعلان کرتے ہیں کہ ہم بے چارے ہیں۔ ہماری تقریر تک دلی دربار سے مانتا پراپت ہونے کے بعد ہی ہماری زبانی سنوائی جاتی ہے۔ اس لئے کوئی ہمیں His Master's voice نام دے تو کوئی اعتراض نہیں کوئی آپتی نہیں، لیکن جب ملک کشمیر کو آنکھیں دکھانی ہوں تو یہ حضرت دل پھاڑ کے غصے کی چلم سلگاتے ہیں اور دھواں منہ سے چھوڑے ساکھشی مہاراج کی بولی میں بولتے ہیں: اٹھو کشمیری خان، شاباش، جلدی کرو کہیں دیر نہ ہو جائے۔ بوریا بستره باندھ لو، مابدولت وائسرائے آف کشمیر نے آرڈر دیا رخت سفر باندھ لو کہ جو آزادی مانگے وہ مملکت خداداد چلا جائے۔ گردش زمانہ بھی دیکھئے یا دہرِ ستم ظریف بھی دیکھئے کہ بانوئے کشمیر کتنا بھی چیخیں چلاّئیں ستیہ ملک اپنے وردی پوشوں کے پیچھے کھڑے رہ کر اُن کی بات کو ہی صدفی صد ستیہ مانیں گے۔ انھوں نے اتحادِ قطبین کا جھاڑ پھونک جاننے والے مفتیانِ بیج بہاڑہ کے خلاف اب یہ تازہ فتویٰ بھی جاری کر دیا کہ اُن کی طرف کوئی توجہ کی ضرورت نہیں کیونکہ قلمدان والے ٹوٹ رہے ہیں، پھوٹ میں ہیں، منزلِ کرسی سے چھوٹ رہے ہیں۔ مطلب قطبین کے ملاپ میں جو پیار کے پاپڑ بیلے تھے وہ اب قابل خوردن نہیں رہے!!

Published 11/2/2019

رشوت ہے اَمارت کی ضمانت میرے ہمدم

کرناٹک میں سیاسی ناٹک کھیلا گیا اور لوگ کہتے ہیں اس کا نردیشن خود شاہ پادشاہ نے کیا۔ ادھر گوا میں پوری گائے دوہی گئی اور لوگ کہتے ہیں کہ گئو ماتا کے ساتھ کنول برادری کا پرانا یارانہ ہے بلکہ ٹانکا بھی بڑا ہے۔ اس ناٹک کے کچھ سین ممبئی کے ہوٹل میں کھیلے گئے۔ سمجھو پورے بھارت ورش میں بس ایک ہی شور ہے کہ اس پارٹی کے ممبر دَل بدل کر سمندر کا سارا جل ایک گھونٹ میں پینے جا پہنچے۔ یوں اس دل کی سرکار گری یا گرنے والی ہے۔ پھر الزام تراشی ہے کہ اس نے خریدا، یہ بکا۔ اس نے اونچی بولی دی وہ اسی کی جھولی میں گرا۔ اسی لئے تو شاعر نے کیا خوب کہا۔

جمہوریت وہ طرز حکومت ہے کہ جس میں
گھوڑوں کی طرح بکتے ہیں ممبران سر بہ سر

اور اس خرید و فروخت کے موسم میں ہم یہ سوچتے رہے کہ اگر نیوزی لینڈ کے پانچ چھ کھلاڑی ٹیم بدل کر ٹیم انڈیا میں شامل ہوں تو کیا بھارتی ٹیم ورلڈ کپ فائنل میں پرویش کرے گی؟؟

ہم نے تو یہ افواہ سنی تھی کہ اسے کھادی اینڈ ولیج انڈسٹری بورڈ کہتے ہیں اور یہ کہ دور نزدیک گاؤں میں یہ پچھڑے علاقوں میں روزگار کے مواقع پیدا کرواتا ہے۔ اور چونکہ اپنے ملک کشمیر میں حقیقت سے زیادہ افواہیں ہی سچ نکلتی ہیں، اس لئے ہم مطمئن تھے کہ چلو اب اپنے دیہاتی باشندے بھی روزی روٹی کے بارے میں ذرا سکھ کی سانس لیں گے۔ حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ اپنے ملک کشمیر کے شہر و دیہات میں سکھ چین کی سانس تو کجا خالی کھلوٹی سانس بھی عنقا ہو گئی ہے۔ اس افواہ بازی کے بیچ پھر حقیقت بھی سامنے آ گئی جب پتہ چلا کہ کھادی ہی سہی پر اب کی بار

کنول قلم سرکار میں دادا دادی، ماما بھانجی، چاچا بھتیجا کی بے روزگاری دور کرنے کا کام اس بورڈ سے لیا گیا۔ اسے بڑے ہی آسان الفاظ میں سمجھایا گیا کہ کھادی بورڈ بھائی صاحب غور سے دیکھو تو ہم جیسا غریب نادار کوئی نہیں ملے گا۔ وہ تو ہم ہی ہیں کہ الیکشن موسم میں ہاتھ میں ووٹ مانگنے کے لئے کشکول ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں اور بازار میں منہ چھپا کر چلے جاتے ہیں کہیں کوئی ہماری حالت زار پر ترس کھا کر ہمارے پھٹے کپڑے دیکھ کر ہمارے کشکول میں ایک دو روپیہ کے سکے تو نہ ڈال دے۔ چلو کھادی بورڈ نے منصور پیر کا تعویذ لے کر پیران بجبہاڑہ، شاہانِ دیوسر اور ترشول برداروں کی اس طرح خاطر تواضع کی کہ کم سے کم دو تین پشتوں تک غریبی پاس نہیں پھٹکے۔

کیونکہ اس میں سربراہ بھی اپنا، افسر بھی قریبی، ماتحت بھی جان پہچان کا، غرض یہ کہ اس میں تین بھی اپنا تیرہ بھی قریبی پھر بھلا کوئی انجان قریب کیوں آنے کی کوشش کرے گا۔ اور اگر کوئی سرپھرا کنول قلم حدود پار کرنے کی کوشش بھی کرے تو اس کے لئے ہم نے ٹاس پٹاس فورس سرحد پر جما رکھا ہے۔ کنول قلم سرکار میں سارا گڑ ہم خود ہڑپ لیں بھلے ہی شوگر بیماری کا الگ سے علاج کرنا پڑے۔ اب تو گورنر ستیہ جی نے سچائی پال کر اصلی ملک ہونے کا ثبوت دیا اور اس قدر کھادی والی مٹھائی کھانے والوں کو کچھ کڑوی دوائی پلائی تا کہ بلڈ شوگر لیول اعتدال پر آجائے۔ اسی لئے تو انٹرویو دینے والے اُمیدواروں کو کسی قدر اطمینان ہو گیا کہ ہماری آواز نقارخانے میں طوطی کی چیخ ثابت نہ ہوئی بلکہ کہیں کہیں کان لگانے والے بھی موجود ہیں۔ کبھی کبھی تو راج بھون مکین پتے کی بات کہتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ ستیہ پال لیتے ہیں۔ اب کی بار جو کہیں پودا لگایا تو تاڑنے والی نظر دور تک دوڑائی اور جنگلات کے بدلے گنجا سر دیکھ لیا جس میں اکا دُکا بال نظر آئے۔ پھر ایسا بولا کہ جن کی داڑھی تھی وہ اس میں دھیرے دھیرے تنکا ڈھونڈنے لگے کہ کہیں اشارہ اپنی طرف تو نہیں۔

حالانکہ بات تنکے کی کہاں تھی، وہ تو سیدھے شہتیر کی بات تھی جو آنکھ کا نہیں کہ تکلیف دے بلکہ جسے بیچ کر رکھوالوں نے کوٹھیاں تعمیر کیں۔ جناب ملک صاحب بہادر نے سیدھی رسی شہتیر اور بنگلوں کی طرف دراز کر دی کہ بھائی لوگو جلد ہی یہ رسی گلے پڑ جائے گی۔ پھر سب دیکھیں گے کہ کون کتنے پانی میں ہے اور کون کتنے جنگل میں۔ اپنے ملک کشمیر میں لوگ سیدھے سادھے سہی لیکن بھروسہ کم ہی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ رسی ان کے گلے پڑتی ہے جو اس کی گانٹھ کھولنا نہیں جانتے کیونکہ

ان آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسیوں کی گانٹھ کھولنے کا فن بہت ساروں کو معلوم ہے پھر وہ جنگل میں پھنس جائیں یا چنگل میں لیکن وہ ہر حال میں منگل منانا جانتے ہیں۔

حاکم رشوت ستاں فکر گرفتاری نہ کر
کر رہائی کی کوئی آسان صورت چھوٹ جا
میں بتاؤں تجھ کو تدبیر رہائی مجھ سے پوچھ
لے کے رشوت پھنس گیا دے کے رشوت چھوٹ جا
(دلاور فگار)

کچھ تو ہم بھی پریشان ہیں اور کچھ سرکار بھی حیران ہے کہ کس کی آواز سنیں، کیونکہ اپنے ملک کشمیر میں آوازیں تو بہت ہیں جو سننے لائق ہیں مگر آوازوں کے جھنجٹ میں سمجھ نہیں آتا کہ اس شور میں کون چیخ رہا ہے، کون درد سے چلا رہا ہے، کون مدد کو پکارے اور کون دبانے کے لئے آواز بلند کرے۔ کوئی دُہائی دے رہا ہے، کوئی احتجاج پر بیٹھا اپنی بات منوانے نکلا ہے۔ مطلب آواز اس کی بھی ہے جو شہر گاؤں آوارہ کتوں کی ہڑ بھونگ سے تنگ ہے لیکن ان کتوں کے دانت دکھاتے ہی اس کی آواز میمنے جیسے ہوتی ہے، پھر بھلا تنگ آمد بجنگ آمد کیسے ہو؟ جبھی تو آوارہ کتوں کے دانتوں اور پنجوں سے زخمی ہو کر ہسپتال پہنچ کر ڈاکٹر کو دُکھڑا سناتا ہے یا پھر اخبار والوں سے منتیں کرتا ہے کہ بھائی میرا حال احوال بھی لوگوں کو سناؤ تاکہ میری آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت نہ ہو۔ لوگوں کو سنا کر کیا کرنا، سننا تو میونسپل حکام کو ہے مگر وہاں تو بہت شور ہے، پھر بھلا کوئی سنے کیسے اور سنے بھی تو کرے کیا؟ وہاں تو غیر قانونی تجاوزات کا شور ہے کہ اس دوران بقول اہل کشمیر دس آنے چھ آنے تک پہنچنے کی چھینا جھپٹی کا بھونپو بجتا ہے۔ ناپ تول کا فیتہ کھلتا اور دراز ہوتا ہے۔ اسے اہل کشمیر انچوں کا حساب کہتے ہیں۔ لیتے تو انچوں کا حساب لیکن چھوڑتے گز فرلانگ ہیں، البتہ اس کے بدلے محنتانہ میلوں لمبا وصول ہوتا ہے۔ کہیں کہیں تو آبیانہ بھی وصولتے ہیں، جبھی تو بے چارے آبی پرندے جائے پناہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان کے سر سے سایہ ہی اٹھتا جا رہا ہے بلکہ ان کی زمین ایسے سکڑ رہی ہے کہ پنجہ چونچ مارنے کو جگہ نہ رہی۔ اس کے علاوہ اجازت نامے کے بغیر تعمیرات کا شور ہے کہ وہاں رات دن اور خاص کر ہڑتال کرفیو کی آڑ میں مکسر چلنے کا ٹھک ٹھک

ہے۔ اس دوران کسی کی نظر پڑنے کا چانس کم ہی ہوتا ہے اور یہ چانس بالکل ہی ختم کرنے واسطے لمبے چوڑے گرین پالتھین کی چادریں لٹک جاتی ہیں۔ پیچھے اینٹ پتھر کنکریٹ سریا سب چلتا ہے لیکن اپنے میونسپل حکام کچھ نہیں دیکھ پاتے کہ گرین شیٹ کے سبب نظر میں رُکاوٹ اور ایکشن میں کھیدا ابھر آتا ہے۔ بیچ سڑک ریڑی لگانے کا شور ہے کہ باقاعدہ فیس ادا کر کے ستا بکنے کا وعدہ ہے، مطلب کم ہے یا زیادہ ہے۔ دینے والا آدھا ہے اور لینے والا علاقے کا دادا ہے۔ فٹ پاتھوں پر قبضہ جما کر سودا سلف بیچنے کا شور ہے اور یہ شور تو زیادہ ہی ہے کہ مال مفت دل بے رحم کے مصداق سرکاری زمین پر پاؤں پسار کے بیٹھے من مانی عام ہے۔ یہاں ہی کام ہے ادھر کچھ آرام ہے۔ اس لئے سب کے لئے مل جل کر ویشرام ہے۔ ہارن کا شور ہے جو گاڑی والا بیچ ٹریفک پھنس کر چلاتا ہے۔ بے چارہ خود تو پھنستا ہی ہے لیکن دوسروں کو بھی پھنساتا چلتا ہے، یعنی ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اور پھر ایسے ٹریفک کے سیلاب میں ڈوبیں گے کہ رات گئے تک نکلنے کا راستہ نہیں۔

اور ایک شور یہ بھی ہے کہ ہائی وے کو یاتری ٹریفک کی خاطر بند کیا گیا ہے۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ بند ہے کہ انہیں چلنے نہیں دیتے اور کئی کئی گھنٹے روک لیتے ہیں۔ سرکار کہتی ہے کہ واقعی بند ہے لیکن ساتھ میں کہتی ہے کہ حقیقتاً بند نہیں ہے۔ اب ہم سرکار پر بھروسہ کریں کہ حکومت پر؟ اس دوطرفہ شور میں یہ نکتہ افلاطونی سمجھ نہیں پاتے، کیونکہ کہیں سے آواز اُبھرتی ہے کہ بس دو گھنٹے بند کیا گیا ہے۔ کیا پتہ ہرنا کے پر دو دو گھنٹے ہی بند کیا جاتا ہے مگر اپنے اہل کشمیر کے لئے تو وہ پورا دن ہو گیا۔ اس بیچ سرکار نے شور مچا کر آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے بلکہ ساتھ میں مسلسل دھمکی دی جا رہی ہے کہ سرکار عوام کی تکالیف دور کرنے میں مگن ہے اور عام خام کہتے ہیں کہ سرکار صاحب تکالیف کو چھوڑیئے ہائی وے پابندی کو ہی دور کر دیجئے، تکالیف سے ہم خود نمٹ لیں گے۔

ایک آواز یہ بھی ہے کہ ملک کشمیر پنجاب بن رہا ہے۔ یہ نہیں کہ پنجاب کی طرح زرعی زمین کو کاشت میں لا کر اپنے اناج خود پیدا کریں۔ بھلا وہ کیسے ہوں گے کیونکہ زرعی زمین پر تو ہم نے کنکریٹ شاپنگ مال بنا ڈالے ہیں۔ ان میں اتنی دکانیں تعمیر کیں کہ بہت جلد ہر ایک کے پاس اپنی دوکان ہوگی۔ اپنی دوکان پر ہی ہر چیز ملے، ہر مال ملے ساڑھے چھ چھ آنہ کی رَٹ ہوگی۔

دوسری دوکان پر جانے کی زحمت گوارہ نہیں ہو گی۔ شوہر دوکان سجائے گا، بیوی بچے خریداری کریں گے۔ ہاں پنجاب کی بات چلی تو اُڑتا پنجاب فلم یاد آئی۔ اپنے ملک کشمیر میں بھی غیر قانونی منشیات وافر ہیں۔ کوکین کیا حشیش کیا، انجکشن کیا، ہیروئن کیا، بس حکم کرو تو حاضر ہے۔ اعداد وشمار کہتے ہیں ۲۱۵۷ کنبے خشخاش اور ۱۵۵۲ کنبے بھنگ اُگانے میں ملوث ہیں۔ مطلب یہ کاروبار عروج پر ہے۔ چلو کسی کام میں تو ہم تیز گامی سے آگے بڑھ رہے ہیں بلکہ سرپٹ دوڑ رہے ہیں تاکہ باقی ریاستیں ہم سے پچھڑ جائیں۔ حکومت کے پاس اعداد وشمار تھے وہ ظاہر کئے، والدین کے پاس نصیحت تھی وہ انہوں نے خرچ کی، سرکار کے پاس ہفتہ تھا وہ اس نے وصول کیا، خطیبوں کے پاس فرقہ بندی سے متعلق وعظ خوانی تھی وہ انہوں نے پیش کی اور اپنا کشمیر اُڑتا رہا بلکہ اُڑتا رہے گا

Published 15/7/2019

* *

بربادیٔ گلستاں کو بس ایک ہی اُلو کافی ہے

ہم تو مخالف سیاست دان نہیں کہ آتے جاتے بیچ سڑک پر یہ نعرہ لگاتے پھریں: چوکیدار چور ہے۔ آج کل چوکیداری اور چوکیداروں کا موسم چل رہا ہے اور بڑے زوروں سے چل رہا ہے۔ ہر چوراہے ہر سڑک پر چوکیدار کسی مہلک بیماری کی طرح پھیلے ہیں۔

سی ای او سے لے کر کلینر تک چوکیداری کا دعویٰ کرتے پھر رہے ہیں، یعنی ہزار تا لاکھ تنخواہ پر چوکیدار کام کر رہے ہیں اور کچھ تو بس نام کمانے کے لئے اور کئی ایک بس چوکیداروں کی فہرست میں آنے کے لئے چوکیدار بنے پھر رہے ہیں تا کہ وہ بھی گنتی میں آسکیں۔ ادھر اپنے ملک کشمیر میں ساتویں کے طالب علم نے ووٹنگ مشینیں ہٹانے کی جو کوشش کی تو سی آر پی والے چوکنے تھے چوکیدار تھے، بھلا کسی پرندے کو پر مارنے کی اجازت دیتے، فوراً حرکت میں آگئے۔ تیرہ سالہ ''شدت پسند اور مشین چور'' کبھی ایک زاوئیے سے کبھی دوسری گلی سے جھپٹ پڑتا، چھلانگ مارتا، کود جاتا، مانو انگریزی فلموں کا سپائڈر مین (spiderman) تھا۔ سین تو دیکھنے لائق تھا کہ روکاوٹیں پھلانگتا وہ بچہ کس طرح ننھے ہاتھوں میں ووٹنگ مشینیں لپک لیتا تھا۔ جب کچھ نہ چلا تو وردی پوش چوکیداروں نے پیلٹ گولی مار کر ننھی کلی کو ڈھیر کر دیا۔ یہ ہوئی ہوشیاری یہ ہوئی چوکیداری! اب چوکیدار بھی پریشان ہیں کہ یہ کشمیری بچے کونسی چکی کا پسا آٹا کھاتے ہیں کہ رضوان پنڈت کی طرح پولیس حراست میں مرجانے کے بعد بھی بھاگ جانے کی کوشش کرتے ہیں اور کپواڑہ کا اویس تیرہ سالہ بچہ جس کے ابھی کینچے کھیلنے کے دن تھے، فورسز اہلکاروں سے خالی ہاتھ بھڑ جاتا ہے، حملہ کرتا ہے اور ووٹنگ مشینیں کندھے پر لاد کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ مانا کہ

بہادر نڈر اور ہوشیار فورسز اہل کار بھلے ہی لیتہ پورہ میں شکار ہو گئے لیکن روز روز حملہ آور کامیاب نہ ہو سکتے۔ پلوامہ حملے سے جو سبق سیکھا تیرہ سالہ بچے پر آزمایا۔ بسیار کوشش کے باوجود اسے مشینوں کے قریب پھٹکنے نہ دیا گیا اور اپنے پولیس اہل کار کبھی جھوٹ بولتے نہیں، اس لئے ان کے پریس نوٹ پر بھروسہ کرنا ہی پڑے گا۔ بقول پولیس سی آر پی اہل کاروں نے ”آتم سرکھشا“ (سیلف ڈیفنس) میں پیلیٹ گولی چلادی۔ تیرہ سالہ حملہ آور جاں بحق ہوا۔ فورسز کے لوگ بھی اس کے عتاب سے بچے، مشینیں بھی چوری ہونے سے بچ گئیں اور امیدوار بھی دوبارہ پولنگ کے جھنجٹ سے نجات پا گئے۔ اسے کہتے ہیں تھری اِن وَن کامیابی!

ادھر تو بھارت ورش میں مودی اینڈ کمپنی چوکیداری کا کام کرتے نہیں تھکتے ادھر ان کی سابق جوڑی دار بھی ملک کشمیر میں چوکیداری پر مامور ہی نہیں مشغول بھی ہے اور الیکشن کے موسم میں چوکیداری کا دم بھی بھرتی ہے۔ بانوئے کشمیر نے اعلان فرمایا کہ تم لوگ میری الیکشن سبھا میں آؤ نہ آؤ پر یاد کرو میں نے ہی تمہاری چوکیداری اتنے برس کی۔ وہ جو تم دودھ ٹافی لینے فورسز کیمپوں میں چلے جاتے تو میں خیال رکھتی کہ بھلے خون زمین پر گرے لیکن دودھ فرش پر نہ چھلک جائے۔ اسی لئے تو مخالفین ایک سو بیس لاشوں کا حساب رکھتے ہیں لیکن میں دودھ کے ایک ایک قطرے پر نظر رکھتی تھی۔ بھلے پیلیٹ کا شکار ننھی معصوم آنکھیں ہو جائیں پر کہیں ٹافی ضائع نہ ہونے پائیں، جبھی تو میں نے شکار بچوں کو لیپ ٹاپ دلوائے تاکہ ان پر گیم کھیلتے رہیں۔ چوکیداری کا یہ وقت دیکھو جب قطبین ملانے کا خواب مرد مومن دیکھ کر ملک عدم سدھار گئے تھے اور اس بیچ پروہتانِ ناگپور مفتیانِ بیج بہارہ پر سبقت لے کر اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔ کھوکھلا بھلے ہی ہو رہے تھے پر بیدار اور ہوشیار برابر تھے۔ بچے بچے پر نظر تھی کہ دودھ ٹافی تک کا حساب بھی برابر رکھے ہوئے تھے۔ البتہ چوکیداری میں اس وقت چوک ہو گئی جب دُزدانِ ناگپور مفتیان کے نیچے سے کرسی کھسکا کر لے گئے۔

دودھ ٹافی کی چوکیداری کے کاغذات دکھاتے ہوئے اور اس بات کے اعلان کے بیچ پیر صاحب آف اُجس بھی نیند سے جاگے۔ قطبین کے ملاپ کے دوران گنڈے تعویذ لکھتے رہے کہ یہ ملاپ کہیں فلاپ نہ ہو جائے کیونکہ اتنے برس بعد اچھی سی یومیہ اجرت والی نوکری ملی ہے۔

کہیں ملاپ ٹوٹا تو اتنے سال ڈیلی ویجر رہنے کے بعد بھی مستقل نوکری ممکن نہیں اور کوئی نو مہینے جو گزرے تو نیند سے جاگنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ ناگپوری ایجنڈا اصل میں نفرت اور سماج کو توڑنے کا کام کرتا ہے۔ ہو نہ ہو یہ بات قلم دانی مرشد نے خواب میں آکر سنا دی ہو۔ فوراً پیر مریدی میں یہ جھاڑ پھونک جاری کر دی کہ کنول برداروں کا توڑ مروڑ والا ایجنڈا کشمیر میں شکست کھائے گا۔

ہم سے عابد اپنے رہبر کو یہ شکایت رہ گئی
آنکھ موندھے ان کے پیچھے چلنے والے ہم نہیں

کشمیری نوجوانوں کی چوکیداری والی یومیہ ملازمت میں اپنے ہل والے ٹویٹر ٹائیگر بھی پیچھے نہ رہے۔ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو اس نے بھی وامق فاروق اور طفیل متو کی چوکیداری کی تاکہ ان کا پاک خون رائیگان نہ ہو۔ مانا کہ اس کے دور میں ۲۰۱۰ء میں بھی فقط ایک سو دس سے زیادہ میتیوں کی چوکیداری کی گئی، پر دودھ ٹافی آنٹی پر وار ٹویٹر کے ذریعے کر ہی دیا۔ فوراً کہیں ٹویٹر کی چڑیا کے پنکھ کھول دئے، کہیں اونچا رہے گا ہل والا جھنڈا والے مارچ پاسٹ میں بڑے راز کی بات افشاء کر دی کہ بھاجپا، پی ڈی، پی سی نے کشمیر کو تباہ کیا۔ یہ ہوئی نا بات ہم تو اس بات سے نابلد ہی تھے کہ اتنے بڑے راز سے پردہ اٹھایا۔ بھلا اب کون کہہ سکتا ہے کہ ہل والے اہل کشمیر کے خیر خواہ نہیں یا کشمیری نوجوانوں کے چوکیدار نہیں۔ اس بیچ ہندوارہ بریگیڈ نے بھی چوکیداری کا کام کرتے ایک اور راز سے پردہ ہٹایا۔ وہ یوں کہ بقول اس کے ہل بردار کشمیر میں موت اور تباہی کے رقص کی ذمہ دار ہیں۔ مطلب یہ کہ جب بھی نوائے صبح سے گپکار تک نیشنل فوج کا مارچ پاسٹ ہوا سونہ مرگ سے سورسیار اور کھنہ بل سے کھادن یار تک آہ فغان جاری رہا۔

چوکیداری جاری ہے تو لگے ہاتھوں شاہراہ ۴۴ پر بھی بن بلائی چوکیداری شروع ہوئی۔ فوجی تو کہتے ہیں ہم نے مانگی نہیں۔ نیم فوجی کہتے ہیں ہم سے پوچھا نہیں لیکن اپنے وائسرائے کشمیر نے سوچا چلو بونس میں کچھ دے دیتے ہیں۔ دلی دربار نے افسپا دیا، خود نیشنل سرکار نے پی ایس اے دیا ہم بھی راج بھون کی طرف سے کوئی بڑا تحفہ دے دیتے ہیں۔ دائیں بائیں نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ یہ اہل کشمیر کمزور ہی سہی ۳۷۰/اور ۳۵/الف کے سبب زمین خریدنے نہیں دیں گے، اس لئے سوچا چلو شاہراہ ہی ان کے نام منتقل کرتے ہیں۔ یا یوں کہ وردی پوش کو بھلے ہی نہ چاہیے

مگر اپنے اہل کشمیر سے کچھ چھین ہی لیتے ہیں۔ وہ جو اعتراض کرنے کا حق، احتجاج کرنے کا حق، زندہ رہنے کا حق پہلے ہی افسپا اور پی ایس اے کی کرم نوازی سے من تُو شدم کے مہاساگر میں کھو چکے ہیں، اب ان کا عبور و مرور کا حق بھی چھین لیتے ہیں۔ ہل بردار اور اہل قلم دان بیچ سڑک بیٹھ کر واویلا مچاتے ہیں چلو دیکھتے ہیں ان میں کتنا ہے دم؟ اس کے بعد کیا اُکھاڑ لیتے ہیں۔ بے چارے قسمت کے مارے، الیکشن جیت کے تارے، کرسی کے نیارے، اقتدار کے پیارے، راج تاج کے دلارے، سیاست کے مارے کیسے آنکھیں دکھا سکیں گے؟ جبھی تو ملک کشمیر کی شاہراہ پر کہیں ٹھپہ تو کہیں تھپڑ چلا۔ وہ جو غریب کشمیری کے ہاتھ اجازت نامے کا ٹھپہ لگاتے تھے آج اس کے منہ پر تھپڑ پڑا، پیٹ پر لات، سینے پر مکا، جسم پر دھکا اور ان سب چیزوں پر تو احتجاج بھی نہیں کہ یہ وردی والوں کا کیا کرایا ہے۔ کسے نہیں معلوم وردی پوشوں کا چوکیدار تو راج بھون میں تشریف رکھے ہوا ہے اور خود وردی پوشوں کے گرد افسپا کا آہنی خول چڑھا ہے۔ بھلا اسے کون چیر پھاڑ سکتا ہے؟

افسپا کا ساز بھی کیا ساز ہے
بج رہا ہے اور بے آواز ہے

اور وہ جو بے چارہ عام لوگوں کی مجسٹیریل انکوئیری کراتا تھا آج اس پر کوئی انکوئیری کرتے دِکھتا نہیں۔ اسے کہتے ہیں تھپڑ سے ڈر نہیں لگتا صاحب انکوئیری سے لگتا ہے، کیونکہ اپنے ملک کشمیر میں یہ انکوئیری نام کی ابلا ناری روز روز سرکاری گماشتوں کی زبانی تماشوں کا شکار بنتی ہے۔ پھر یہ بے کار، بے روزگار دفتر دفتر گھومتی ہے اور بعد میں سرکاری الماری کی گرد آلود تہہ خانے میں ایسے دَب جاتی ہے کہ سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر پھر بھی ستاتے، لنگڑاتے پیدل سفر کرتے کہیں دلی دربار میں پہنچ جاتی ہے، تو اسے خان سوٹ میں لپیٹ کر انہی لوگوں کے درمیان پھینکا جاتا ہے جنہوں نے اس کا بلاتکار کیا ہو۔

خان سوٹ سے نکل کر کہانی لباس کی طرف ہی پہنچی۔ وہ جو نا گپوری چڈی بھگت جنوں کو جدا دکھاتی تھی کہ دور سے ترشول برداروں کے قائد سمجھیں لیکن اعظم خان تو اس ڈریس کا تذکرہ کرنے پر پھنس گیا۔ نیچے تو چڈی خاکی ہی ہے جملے پر الیکشن کمیشن نے پابندی لگا دی۔ اب تو کہتا ہے کہ مودی مہاراج تو روز جملوں کی بارش کرتا ہے، بھلا اسے کوئی کیوں نہیں پوچھتا؟ خیر

کپڑوں کی بات چل ہی نکلی ہے تو وہ بھاجپا لیڈر بھی کیا کھا کر پیدا ہوا ہے کہ اس کا دماغ کہاں کہاں کی سیر کرتا ہے؟ جبھی تو اس نے مسلمانوں کو پہچاننے کی بات کی۔ مسلمان کپڑے اتارتے ہی پہچانے جاسکتے ہیں، بھاجپا لیڈر نے اپنی ذہانت کا ثبوت دے دیا لیکن بھائی ہم بھی کچھ کم نہیں کیونکہ بھاجپائی منہ کھولتے ہی پہچانے جا سکتے ہیں کہ یہ لوگ مغلظات پر اتر آتے ہیں، یہ ہمارا دعویٰ ہے۔

ہے خبر گرم کہ الیکشن ٹائم میں اُمیدوار حلفیہ بیان دائر کرتا ہے۔ ۲۰۱۴ میں سنا ہے سمرتی ایرانی نے بیان دیا تھا کہ وہ گریجویٹ ہے پر اب کی بار ستم گرانِ سیاست کہتے ہیں کہ اس نے بارہویں پاس ہونے کا حلفیہ بیان داخل کیا ہے۔ واہ مودی جی واہ! آپ کے وزراء تعلیم میں پیچھے کی طرف دوڑ لگاتے ہیں، جب کہ باقی لوگ آگے چلتے ہیں۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ کہانی سنائی کہ سمرتی ایرانی نے یوگی آدتیہ ناتھ سے رابطہ کیا کہ کوئی حل نکالے۔ یوگی جی تو پچھلے اڑھائی سال میں نام بدلنے کے سوا کچھ بھی نہ کر پایا۔ چونکہ یوگی نام کرن میں مشہور ہے، اس نے فوراً بارہویں کا نام بدل کر گریجویشن کر دیا۔ یہ ہوئی نا بات! اسی لئے کہتے ہیں مودی ہے تو ممکن ہے اور اب کی بار مودی سرکار نے نیا ممکن کر دکھایا۔ مالیگاؤں بلاسٹ جس میں سو کے قریب مسلمان مارے گئے تھے، اس کیس میں ماخوذ ملزم سادھوی پرگیہ سنگھ کو مودی سینا میں شامل کر لیا گیا اور ساتھ میں انعام کے طور لوک سبھا الیکشن کا ٹکٹ بھی دے دیا گیا۔ انعام کی حق دار تو وہ ہے ہی گرچہ ابھی عدالت میں اس کے خلاف آتنک واد کیس چل ہی رہا ہے۔ مالیگاؤں ملزمین کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ، این آئی اے افسر نے وکیل صفائی سے کہا تھا۔ عدالتوں سے چھٹکارا پانا کوئی مودی شاہ پرائیویٹ لمیٹڈ سے سیکھے۔ مگر جوتے کو کیا کہیے، اس سے رہا نہ گیا، اُڑ کر ان کے سر لگا جو بھاجپائی سادھوی کی حمایت پر پریس کانفرنس کر رہے تھے۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ اطلاع دی کہ امت شاہ آج کل جیلوں کی یاترا پر ہیں تاکہ پارٹی کے لئے مزید اچھے امیدوار تلاش کرے۔ اب کی بار مودی سرکار نے بھارت وَرش کے غریبوں پر جو سرجیکل اسٹرائک ماری تھی، اسے زبانِ ولایت میں Demonitization کہتے ہیں۔ بے چارے غریب لوگ انگریزی کیا سمجھیں، انہیں تو تب پتہ چلا جب نوٹ بندی کے بعد دو سال میں پچاس لاکھ لوگ کام

کاج سے محروم ہو گئے۔ عظیم پریم جی یونیورسٹی سینٹر برائے پائیدار روزگار Center for sustainable employment نے اس کا خلاصہ کیا ہے اور مودی بھگت جلد ہی عظیم پریم جی دانش گاہ کو ملک دشمن قرار دیں گے، اُسے مملکت خداداد کا ٹکٹ دلوائیں گے، کیونکہ مودی ہے تو ممکن ہے!!

* *

مطلب کا یار ہوں میں جنت ہے میرا پیار

ادھر ہم تیز گرمی کے سبب پہلے ہی پریشان تھے، اُدھر پار والے کپتان عمران خان اپنے عالمی تھانیدار ٹرمپ نامدار سے ملاقات کرنے امریکہ پہنچے۔ عجوبہ یہ ہوا کہ آناً فاناً اخباری شہ سرخیوں کی خشک سالی پر انکشافی رِم جھم سے ہرا ایرا غیرا نتھو خیرا جل تھل ہوا۔ عالمی چودھری نے تمام تکلفات برطرف کر کے خانِ خانان کو اندر کی بات کہی، فرمایا: خان بھائی! کسی سے کہنا نہیں، یہ جو بھارت ورش کے مہابلی موڈی ہیں نا، یہ اندر سے نرم ہیں، زبان ذرا سی گرم ہے۔ انہوں نے مابدولت کی بے کاری پر رحم کھا کر بیک وقت ناچیز کو دو پوسٹیں آفر کیں: ثالث برائے سیاچن کی پوسٹ، صلح کار بابت کشمیر کی پوسٹ۔ مابدولت نے پوچھا کام ہے کیا؟ کہا جمی ہوئی برف کی سلیں سیاچن کے زِمستان سے پاپیادہ کندھے پر لاد کر لانی ہیں اور ملکِ کشمیر کی گرمی پر برفانی پانی کا چھڑکاؤ کرنا ہے، تاکہ ارضِ جنت نظیر میں گرمی کی ایسی کی تیسی ہو۔ مہابلی موڈی کشمیر کی آگ ٹھنڈا کرنے پر مابدولت کو ویسے ہی مالا مال کریں گے جیسے امبانی اور اڈانی کو کر رہے ہیں۔ مطلب کے یار ٹرمپ کی زبانی یہ سن کر خان کی جان میں جان آگئی، انہیں لگا کہ وہ بنا کھیلے عالمی کپ جیت گئے، بولے: عالم پناہ! دیر کس بات کی؟ آپ ایک کروڑ نفوس سے دعائیں لیں گے، ہماری شبھ کامنائیں آپ کی نئی بزنس کے ساتھ ہیں۔

جو تم کو ہو پسند وہی بات کریں گے
تم دن کو اگر رات کہو رات کہیں گے

عالمی تھانیدار کا یہ کہنا کہ میں آگ پہ برف باری کروں گا، یہ سنتے ہی پورب کیا پچھّم کیا، اُتر کیا

دکھشن کیا، پورے ارض وسماء میں یہی گرما گرم چرچے ہوئے کہ کشمیر میں اب گرمی کے دن لد گئے، موسلادھار بارشوں کا موسم چلے گا، نومن تیل بھی ہوگا رادھا بھی ناچے گی، جو کام تاشقند، شملہ، آگرہ، کرگل، لاہور نہ کرسکا وہ واشنگٹن کا والی وارث چٹکیوں میں کرڈالے گا، مگر ہم سوچتے رہے سوچتے رہے کہ جب برف کا دشمن عالمی تھانیدار ایک ایسی بلائے ناگہانی ہے جو آگ سلگانے، شعلے بھڑکانے، جنگ کا تڑکہ لگانے، عرب وعجم میں جنون کاری کی کاشت کاری کرنے میں کوئی ثانی نہیں رکھتا، جو پاجامے اور دستار کو آپس میں لڑواتا ہے، کشمیر میں آگ ٹھنڈی کرکے آخر اپنا بازار مندا کیوں کرنے لگا؟ حیرت کی گہرائیاں اور تعجب کی اونچائیاں ماپ ماپ کر اپنے دماغ کا کچومر نکالا مگر سیاستِ زماں کا یہ سراہاتھ نہ آیا۔ پھر ہم نے تاریخ کی کتابوں کی جلدی جلدی ورق گردانی کرڈالی، گتھیاں سلجھانے لگے کہ اپنا عالمی تھانیدار ہر جگہ ایسی ہی برف ڈالتا ہے جس سے خوف ناک چنگاریاں اُڑتی ہیں، یکا یک آگ لگتی بھی ہے پھیلتی بھی ہے، جس میں انسان کیا چرند وپرند بھی جھلس جاتے ہیں، سمندر جل اُٹھتے ہیں، کوہ وبیابان دہل جاتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو ویت نام یاد کرو۔ وہاں بھی امن قائم کرنے کے نام پر آگ وآہن اسی نے برسایا تھا۔ ایک برف کی سل فلسطین میں بھی ڈال دی تھی کہ اس کے بطن سے صیہونی اسرائیل کا پودا پروان چڑھا۔ پھر اس پودے کی ایسی آبیاری کہ اس کی شاخوں پر زہر آلود پھل اگے جو بے سروسامان فلسطینیوں کی زندگی اجیرن بنائے ہوئے ہیں۔ تازہ ترین برف کی سل یروشلم میں ڈال دی کہ اسے اسرائیل کی نئی راجدھانی تسلیم کرلیا۔ ابھی پرانے کانٹے ہی نکال رہے تھے کہ فلسطینیوں کے لئے عبور ومرور مشکل بنادیا۔ افغانستان میں سوویت یونین کو کھدیڑنے اور پھر افغانیوں کی اپنی سرکار بنانے کے نام پر بھی برف ڈال دی کہ لاکھوں لوگوں کو مرنے اور پناہ گزین بن جانے پر مجبور کردیا۔ ادھر تازہ بہ تازہ عراق میں وسیع الاثر مہلک ہتھیار کھوجنے اور ان پر برف ڈالنے کے نام پر بھی ایسی افراتفری مچادی کہ طفل وجوان، مردوزن موت کی آغوش میں چلے گئے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ پھر لیبیا کے صدر معمر قدافی سے برس ہا برس کا حساب چکانے طرابلس میں اپنی برف نما آگ بھڑکانے گیا اور ایسی برف ڈالی کہ ابھی تک آگ جل رہی ہے کہ عوام اپنے سابق صدر کو دعائیں دے دے کر یاد کررہے ہیں کیونکہ امن وامان کا کہیں نام ونشان نہیں۔ ابھی یہ آگ جل

ہی رہی تھی کہ شام میں برف ڈالنے گیا، تو وہاں سے بھی تھانیداری کے شغل برف کاری کے خوف سے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ سمندر کی لہروں کا لقمہ بنے۔ لاکھوں آگ و آہن کا شکار ہوئے۔ لاکھوں تمبوں میں بے یار و مددگار مر مر کر جی رہے ہیں۔ عالمی تھانیدار کی روح اس وقت تک تڑپتی رہتی ہے جب تک ابھی ایک جگہ کی پیاس نہ بجھے تو دوسری جگہ برف ڈالنے جاتا ہے۔ جبھی تو سیریا میں حال کچھ سنبھلنے لگا تو تھانیدار کی نیند اڑ گئی کہ ہم تو بے کار ہو جائیں گے۔ کتنی دیر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھیں رہیں؟ اس لئے نئی برف ایران کے آس پاس ڈالنے پہنچا کہ وہاں بھی امریکن میڈ امن کا قیام چاہیئے۔ کہیں بحری بیڑے پہنچا دئے، کہیں تیل کی برآمد پر پابندی لگا دی، کہیں ایرانی کاروبار پر قدغن عائد کردی۔ کئی ممالک تو سستا ایرانی تیل خریدنے سے رہے کہ تھانیدار کا حکم ہے اور کسے نہیں معلوم کہ اگر تھانیدار کی حکم عدولی کی تو نیا ایف آئی آر درج ہوگا۔ پھر تھانے بلا کر ایسی کان پکڑی کروائیں گے، یا ہوسکتا ہے کہ مرغا بھی بنا دیں۔ بھلا ان حالات میں حکم عدولی کون کرے۔

مقصد ان مہلک ہتھیاروں کا نہیں رفع جنگ
مدعا یہ ہے کہ پھیلے اور اس دنیا میں روگ
ہتھیار سازان مغرب کا یہ مقصد ہے فگار
دوسری دنیا ہی میں جائیں تیسری دنیا کے لوگ

ہاں اب جو مسئلہ کشمیر پر برف ڈالنے کی بات کی تو بھارت ورش کے ٹی وی دریندر ابل پڑے جیسے انگ انگ میں برف نہیں آگ لگی ہو۔ عالمی تھانیدار کو نہ جانے کیا کیا خطاب دئے۔ اسکرینوں پر لوگ گرجے بھی برسے بھی بلکہ کچھ اور کہنے کو ترسے بھی۔ اور ہم ان کی حالت زار دیکھ کر ہنس بھی دئے کہ بھائی لوگو! تم ہی تو کل تک ترشول ہاتھ میں لئے اسی عالمی تھانیدار کے جنم دن پر جشن مناتے، ٹرمپ پتلے کی پوجا کرتے، آرتی اُتارتے، سیندور کا ٹیکہ لگاتے اور اب ببا بگ دہل کہہ رہے ہو کہ ٹرمپ جو پوجا کی تھی وہ سب غلط تھی کیونکہ یہ عالمی تھانیدار پوجا تو دور کی بات آنکھ مارنے کے لائق نہیں، یہ دُوجا ہے، اسی لئے ہم نے پتنجلی والے بابا رام دیو سے بھی بنتی کی کہ تم بھی اس سے دور رہو۔

وہ جو کہتے ہیں گھوڑوں کے نال لگتے تھے تو گدھے بھی ٹانگیں آگے کر دیتے ہیں۔ عالمی تھانیدار کی برف والی کہانی پر جو بھارتی میڈیا اور سیاست میں ہلچل مچی تو کہیں سے ہل والے میدان میں کودے اور عالمی تھانیدار کو چیتاونی دے ڈالی کہ حملہ آور خبردار ہم نیشنلی ہیں تیار۔ اس لئے ملک کشمیر کے بارے میں تیسرے فریق کی گنجائش نہیں، کسی نے داخلے کی کوشش کی تو ہم ملک کشمیر کی زمین جوت کر دم لیں گے، اس میں بھارت پاک کا پانی بھر کر کیچڑ اُچھالیں گے تاکہ کوئی اور اس میں چل پھر نہ سکے۔ کسی نے کوشش کی تو گھٹنوں گھٹنوں کیچڑ میں ایسے پھنس جائے گا کہ خدا خدا کر کے کپتان خان کی مہربانی سے افغانستان کے جھمیلے سے آزادی ملے لیکن ملکِ کشمیر کے نیشنلی کیچڑ سے بچ کر نکلنا محال ہوگا۔ اس پر سنا ہے عالمی تھانیدار نیشنلی دھمکی سے بہت ڈر گیا، اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کو حکم شاہی دیا کہ کسی بھی طرح نیشنلی یلغار سے بچاؤ کا طریقہ ڈھونڈ نکالو۔

خیر اس بھاگم بھاگ میں اپنے وائسرائے کشمیر نے بھی ملک کشمیر کے طول وعرض میں برف کے بدلے ایسا بھڑکاؤ تیل ڈال دیا کہ سیاسی ہون کنڈ میں آگ کے بھبھوکے اُبھرے۔ ہوتا کیوں نہیں بھائی! بندوق کے دہانوں سے آگ ہی بھڑکتی ہے۔ پھر تو اپنے سیاسی چاپلوس اسے سپاری کہہ بیٹھے۔ ممبئی میں تو اسے سپاری ہی کہتے ہیں کہ بھائی مجھ سے پیسہ لو اور فلاں کو قتل کر دو ۔ مانا کہ وائسرائے کشمیر نے اسے غصے کی سپاری کہہ دیا پر اپنے سیاسی دریندر اور بیروکریٹک مچھندر بھی تھر تھر کانپ اٹھے کہ ایسا تو نہیں کہ نگاہیں کہیں اور نشانہ کہیں اور والا معاملہ ہو، یعنی سپاری کے نام پر غیر سرکاری بندوق برداروں کے اشارہ پر ہو۔۔۔ اس پر نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر بپھر گئے کہ راج بھون کے مکین یہ کیا بولی بول رہا ہے۔

کیا بتاؤں اَہنسا کا پجاری ہوں جناب
ورنہ میں بھی اینٹ کا پتھر سے دیتا جواب

اس پر وائسرائے نے دوسرا تیر پھینکا کہ ٹویٹر سے کام نہیں چلے گا، ابھی تم طفل مکتب ہو، دوبارہ کسی اسکول میں ایڈمشن لو۔ ہل والے قائد ثانی اس مخمصے میں ہیں کہ اتنی دیر سے سیاست دانوں کا نان نفقہ بند ہے، دوبارہ نوکری کی تمام درخواستیں رد ہوئی ہیں، بھلا جب روٹی کے لئے پیسہ نہ ہو تو اسکول ایڈمیشن فیس کہاں سے بھریں؟ مگر طفل مکتب تو کہاں چپ بیٹھنے والا فوراً ٹویٹر کی چڑیا کے پر

پھڑ پھڑائے اور وائسرائے کشمیر کے صاحبان اقتدار کو چیتاونی دے ڈالی کہ ۳۵ رائے کے نام کی دلی دربار والی میٹنگ کا بھاگڑ بلا (crow scare) دکھا کر ڈرانے سے باز آجاؤ۔ اتنا ہی نہیں ایک اور تنظیم کے اہل کار چلہ کش منسٹر صاحب کا امتحان لینے پہنچے کہ بھائی تم نے کبھی ہزاروں طلبا کا ڈیٹ شیٹ اجرا کروایا تھا اور تو پچاس فیصد سیلبس پر ہی اکتفا کیا تھا، مگر ہم تو کچھ اور حساب لینے آئے ہیں تا کہ ڈیٹ شیٹ اور کام الاٹمنٹ کا کھاتہ برابر رہے۔ ان کو شک ہے جیسے امتحان کے وقت سیلبس میں کمی کی گئی، ویسے ہی ٹنڈر میں بھی سیلبس کم کیا گیا تا کہ کم پڑھے لکھے ٹھیکیدار بھی الاٹمنٹ پر ہاتھ صاف کرلیں۔ بھائی ہو کیوں نہیں، جب ٹینڈر کا امتحان دینے والے سگے سمبندھی نکلیں تو کچھ تو رعایت بنتی ہے، کیونکہ ایسے ہی لوگ بعد میں الیکشن فنڈ کے لئے چیک نہیں کیش دیتے ہیں۔ وہی کیش غریب ووٹر کو حماقت کی شاہراہ پر لانے کے لئے خرچ ہوتا ہے۔ اس کے کپڑے، روٹی، نوش ناش کا انتظام بنتا ہے تب کہیں جا کے کرسی ملتی ہے اور آج کل کرسی کا نام ہی ہے عیش و عشرت اور چوری چکاری کا، جو اسی کیش کے عوض خریدی جاتی ہے۔ یہ معاملہ وائسرائے نے صرف ڈیٹ شیٹ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ ہوا میں تیر چلا دیا کہ دو اور وزرائے بے ترتیب کے دروازے پر بھی جانچ ایجنسی کی دستک ہوگی۔ ان کا بھی الاٹمنٹ نکلے گا۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ اطلاع دی کہ اپنے سابق وزراء یہ خبر سننے کے بعد کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے، ہر لمحے اپنے جسم کو ٹٹولتے ہیں کہ کہیں تیر تو لگا نہیں، کیونکہ تیر لگے گا تو زخم اُبھرے گا، زخم سے پھر خون نکلتا ہے۔ خون نکلے تو بہتا ہے یا کہیں جم کر پیپ بنتا ہے۔ خون تو پھر بھی خون ہے علاج ہوگا لیکن پیپ تو سڑاند پیدا کرتا ہے، تب کہیں جان پہچان والے بھی پاس نہیں پھٹکنے نہیں دیتے۔ اور اس بار مسئلہ یہ ہے کہ دو کی آڑ میں سارے سابق وزراء ایک دوسرے پر ہی نہیں اپنے آپ پر بھی شک کر رہے ہیں کہ کہیں تیر میری طرف تو نہیں داغا گیا۔

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی، اس لئے ہم قائد ثانی کا اعلان دہراتے ہیں کہ ریاست کی وحدت، شناخت اور اجتماعیت کا دفاع کرنا نوجوانوں کی ذمہ داری ہے۔ کسے نہیں معلوم کہ نوجوان تو تیس سال سے نیچے کی عمر کے ہوتے ہیں اور ہل والی کانفرنس میں سب تیس سے زیادہ ہی ہیں۔ مطلب صاف ہے کہ سیاسی شعبدہ بازوں نے بڑی مشکل سے ریاست کے تین حصے کرنے میں

کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ جبھی تو جموال کشمیری کو نہیں اپناتا، لداخی اپنا نہیں مانتا، حد تو یہ کہ لیہہ اور کرگل والا ایک دوسرے کو گلے نہیں لگاتا، اور تو اور شناخت جو ۳۷۰ر سے قائم تھی اس خزانے میں چوروں کی مانند گھس کر اسے لوٹتے رہے۔ بھلا وحدت و اجتماعیت کے نام پر رہا ہی کیا ہے؟؟؟ تین خطوں کے بیچ کمزور سے دھاگے پکڑے ہیں جو بس معمولی ہوا کے جھونکوں سے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ چونکہ سیاسی مچھندروں کے سامنے کافی کام پڑا ہے جس میں الیکشن کروانا، الیکشن جیتنا اور پھر عیش و عشرت کی کرسی سنبھالنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہنا کہ ہم سب عوام کے لئے حجامتی کرامتی خدمت گُزاری میں مگن ہیں، اس لئے ریاست کے امیروں کی حفاظت کا کام غریب نوجوانوں کے کندھوں پر ڈال دیا ہے یعنی کام کا بٹوارا کر دیا ہے، اپنا اپنا کام سنبھالو۔ چلو شاباش مرحبا!!!

کر چلے ہم فدا مرد و زن ساتھیو رہ تو جائے بات اپنی با وزن ساتھیو
عیش کی کرسی سنبھالیں گے اور کیا اب تمہارے حوالے وطن ساتھیو

Published 29/7/2019

* *

رہنے دو پادشاہی کے کچھ خواب مرے آگے

سیاست کی چنڈال چوکڑی میں آپ کا سواگت ہے۔ خود سیاست دانوں کے لئے ایک مخصوص لائن موجود ہے۔ لوگوں کو بے وقوف بنانا اگر مقصد ہے تو شونیہ (صفر) دبائیں۔ تاریخ کو مسخ کرنے کا ارادہ ہے تو سات دبائیں۔ کہیں اور الیکشن جیت لینا ہدف ہے تو تین دبائیں۔ کشمیر کے نام پر اگر پورے ملک میں سیاسی روٹیاں سینکنی ہیں تو کُل ملا کر ۳۷۰/ر دبائیں۔ اگر کسی وجہ سے یہ لگے کہ سیاسی روٹیوں میں کچھ نرمی رہی تو ۳۵/الف دبائیں۔ چونکہ الیکشن کی آمد آمد ہے اس لئے سیاسی روٹیاں سینکنے کے لئے اس سے بہتر کوئی آٹا یا میدہ بازار میں نہیں۔ ۳۷۰/ر مارکہ آٹا لے کر اچھی طرح گوندھ لیں۔ اس میں ۳۵/اے چھاپ گھی ملائیں اور ہلکی آنچ پر رکھ لیں۔ دو تین مہینوں میں ہی مزیدار سیاسی روٹیاں تیار ملیں گی جن کے طفیل اگلے پانچ سال تک سرکاری گدی پر عیش کرنے کا موقع نصیب ہوگا۔

وعدہ وفا کوئی نہیں دفعات تو سلامت ہیں
رہنے دو ابھی کرسی کی تمنا میرے آگے

سیاست کی اس پر پیچ دنیا میں ہل، قلمدان، کنول، ہاتھ، سیب اور نہ جانے کون کون آپ کو اپنی طرف کھینچنے میں مشغول ہے اور آپ ہیں کہ کھینچے چلے آ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سیاسی مقناطیس ذرا تیز ہوتا ہے جبھی تو آپ ایک دن سیاسی بازیگروں کو دشنام طرازی سے ہیلو ہائے کہتے ہیں پھر دوسرے دن ان کی چرب زبانی سے ایسے گھل جاتے ہیں مانو جولائی اگست کی دھوپ میں مکھن رکھا جائے۔ خیر سواگت ہے اس دنیا میں جو سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں ماہر

ہے۔ اس میں ایک لائن عام جنتا کے لئے بھی مخصوص ہے۔ اپنی پسند کی زبان میں بات کرنے کے لئے ایک دبائیں، نہ سمجھ آنے والی زبان میں بک بک کرنے کے لئے دو دبائیں۔ کسی سر پھرے سیاسی کارکن سے رابطہ کرنے کے لئے تین دبائیں تاکہ سیاسی مچھندروں کو ایک دو تین ہونے سے کوئی نہ روک پائے اور سیاسی گالیاں سننے کے لئے چار دبائیں تاکہ چاروناچار آپ پھر فون بند ہی کر دیں۔ یہاں سڑانڈ، اس قدر ہے کہ اپنی ناک پر رومال ڈھک لیں۔ منہ پر ماسک کس لیں۔

اپنے ملک کشمیر میں جب کچھ ہوتا ہے تو جم کے ہوتا ہے۔ دھوپ کی تپش جم کے، بارشوں کا قہر جم کے، اولوں کی چادر جم کے، سرحدوں کے آر پار گولوں کی بارش جم کے اور سب جانتے ہیں کہ افواہوں کی رم جھم وہ بھی جم کے۔ پہلے پہل تو افواہ کو شہروں سے نکل کر گاؤں دیہات تک پہنچنے میں کم از کم ایک دو دن لگتے تھے کہ لمبی مسافر بس میں سفر طے کرتی، اب تو افواہ بازی کے سادھن ترقی کر گئے۔ اسی لئے تو اب اپنے گورنر صاحب چونکہ کبھی کبھی ستیہ پال رہے ہیں، ستیہ وانی پر اُتر آئے اور یہاں تک کہہ ڈالا کہ ملک کشمیر میں افواہ بازی کا دور دورہ ہے۔ ارے صاحب! یہ آج کی بات نہیں بلکہ برس ہا برس سے یہی کچھ ہوتا آیا ہے اور تو اور اپنے یہاں تو افواہیں ہی سچ نکلتی ہے اور سچی باتیں خاص کر وہ بھی سرکار کی بہت کم سچ نکلیں۔ البتہ ہم یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں کہ ریلوے پولیس کے اعلیٰ افسران کی میٹنگ کا خفیہ مسودہ جو فاش ہوا، وہ ہم سرکاری مانیں یعنی افواہ۔ اگر سرکاری مانیں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ محکمہ افواہ بازی اب نیشنلائز ہو گیا ہے اور اب سرکار براہ راست اسی محکمے سے بوقت ضرورت افواہیں خرید سکتی ہے اور جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کر کے بازار میں اُتار سکتی ہے۔ ایک تبدیلی ضرور آئی ہے کہ یہاں یہ افواہیں اب ہوا کے دوش پر ڈیجیٹل انڈیا میں ڈیجیٹل طیارے پر سوار اس قدر تیز رو چلتی ہیں کہ برقی ہوئی تو برق رفتار پکڑتی ہیں۔ اس برق رفتاری کے سبب لال چوک کی چھینک راج بھون تک بم کا دھماکہ بن کر پہنچ جاتی ہیں۔ اس لئے خطرہ یہ ہے کہ سرحدوں پر تو بڑے گولے داغے جاتے ہیں، کہیں یہاں چھینکو بم کا زور نہ بڑھ جائے یعنی کیا پتہ ہم زکام سردی کا علاج کروانے جائیں اور ڈاکٹر نمک کے غراروں کے ساتھ اِن ہیلر کا مشورہ دیں لیکن اصل میں چھینک کے جرثومے کہیں اور سے سمگل

ہو کر آئے ہوں۔ اس لئے اس سلسلے میں قومی تحقیقاتی ایجنسیوں کا دخل در معقولات انتہائی اہم ہے، کیونکہ معاملہ گھمبیر ہے اور اس کا قلع قمع ضروی ہے۔ ہم تو سوچتے رہے کہ ایسے مسئلے کا حل کیا ہوگا؟ کیوں نہ چھینکنے پر ہی پابندی عائد کی جائے کہ نہ رہے چھینک نہ بنے بم، یعنی نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اور تو اور کسے نہیں معلوم اپنے گورنر صاحب پابندی لگوانے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ کبھی سیکورٹی فورسز جو اوروں کی سیکورٹی کے لئے مامور ہیں، ان ہی کی سیکورٹی کے لئے شاہراہ پر قدغن اور کہیں یاتریوں کی یاترا بھنگ ہونے کا شوشہ کھڑا کر کے عام آبادی سے جنگ کر کے ہائی وے پر ایسی پابندی کہ پرندہ نہ پر مار سکے۔ پھر بھی اپنے صوبائی افسران مسلسل انکاری کہ وہاں ٹریفک جاری وساری ہے۔ مانو اپنے ملک صاحب نے ستیہ بول کر ہی چھینک پر پابندی لگا دی۔ اگر کسی نے چھی کر کے چھینک ماری تو دو پولیس والے دھیرے سے کان پکڑ کر سرکاری مہمان بنا دیں۔ اگر کوئی چھو چھو آواز کے ساتھ چھینکے، اس پر باضابطہ کیس بنے گا اور کیس بنانے پر جو پیسہ خرچ ہوگا، اس کا اُسے ہی بھگتان کرنا پڑے گا اور اگر کوئی آ۔۔۔آ۔۔۔چھو جیسی لمبی اور زوردار چھینکے تو آس پاس بانس بردار اور اے کے گن لئے پولیس، نیم فوجی یا فوجی اہل کار اس کی ایسی ٹاس پٹاس کر دیں کہ اس کی ٹانگیں سوجھ جائیں، بازو نہ ہلیں اور ناک اس قدر بہتی رہے کہ آگے سے سونگھنے کی قوت ختم ہو چھینکنے کی تو بات نہیں۔ اس کے سبب ایک تو راج بھون تک بم کا نرمان نہ ہوگا اور دوسرے سوچھ ابھیمان کی بھی آبیاری ہوگی کہ گندگی نہ پھیلے۔ ویسے بھی سرکاری اہل کار سوچھ ابھیان کی بینڈ تیز وطرار بجاتے ہیں جبھی تو سڑک کے کنارے پیشاب کرنے پر ایک عام آدمی کے خلاف پولیس کیس بن گیا۔ البتہ اسی ابھیان کے تحت بیت الخلاء بنوانے کی ذمہ داری اہل کاروں پر نہیں کیونکہ وہ جو چاہیں سو کر سکتے ہیں، البتہ حکم حاکم مرگِ مفاجات کی آبیاری ان کا پیدائشی حق ہے جس کی حفاظت ان کی سرکاری سروس بک میں درج ہے۔

خیر سے تو سمجھ آ ہی گیا کہ افواہ بازی کے سبب اور پوشیدہ حکم ناموں سے بم بارود کے نقشہ بنتے ہیں، اس سے اپنے سیاسی دریندر بھی بڑے پریشان ہیں۔ جبھی تو نیشنل کے ٹویٹر ٹائیگر مسلسل ٹویٹر چڑیا اُڑا رہے ہیں اور اس قدر شوشو کر رہے ہیں کہ بے چاری چڑیا کے پر بھی کافی تھکے تھکے دِکھتے ہیں۔ اب کی بار ہل والے ینگ قائد اس میں سی بی آئی انکوائری مانگ رہے ہیں

کہ بھائی لوگو تہہ تک جاؤ اور یہ پتہ لگاؤ کہ افواہ عوام نے اُڑائی تھی یا سرکاری دفتر سے نکلی تھی۔ کیا پتہ خود سرکار نے افواہ بازی کے لئے مخصوص پوسٹ قائم کی ہو؟ مانگ تو دُرست ہے۔ کیونکہ اسی کے سبب تو سی بی آئی کا دھیان کرکٹ سیکنڈل سے ہٹ جائے گا۔ وہ افواہ بازی میں گھس جائیں گے اور کرکٹ کشمیر کا کروڑوں کا گھپلا داخل دفتر ہوگا اور یوں ہل والے قائد ثانی کچھ راحت کی سانس لے پائیں گے۔ نہیں تو کسے نہیں معلوم سی بی آئی نے شوپیاں دوہرے قتل میں جوان سال خواتین کو اڑھائی فٹ پانی میں گر کر مارے جانے کا بوگس ڈرامہ کا اسکرپٹ لکھ دکھایا۔ وہ ڈرامہ کہاں تحریر ہوا، کہاں کھیلا گیا کسے نہیں معلوم۔ البتہ ہمیں تو بس ایک جھلک ہی دکھائی گئی کہ ہم جب تحقیقات کا جوا کھیلتے ہیں تو سارے یکے اپنی جیب میں رکھتے ہیں۔ چلو ٹویٹر ٹائیگر نے باپ بچاؤ ترکیب تو نکالی مگر مودی شاہ اینڈ کمپنی بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں کہ کنول کہاں سونگھانا ہے اور ترشول کہاں گھسیڑ دینا ہے، خوب جانتے ہیں۔ جبھی تو کرکٹ کا اسکور پتہ کرنے ای ڈی کے لوگ پہنچ گئے۔ کرکٹ بورڈ میں کتنے رَن بنائے، کتنے چوکے لگائے اور کتنے چھکے مارے، اس کا حساب لے گئے۔ بھلا کوئی چوکوں چھکوں کو ایسے ہی بے حساب مار سکتا ہے کیا؟ چھکوں پر اب لینچنگ سخت منع ہے اور اس پر مکمل کاروائی ہوگی، یہ بات نوٹ کی جائے۔ دروغ بر گردن راوی جس نے یہ کہا کہ کرکٹ سکینڈل کا اسکور اس لئے بھی پتہ کرنا تھا کہ اسمبلی نتائج کا پلڑا کیسے بیٹھے گا، اس کی زمین ہموار کی جائے یعنی داشتے کہ بکار آید۔

ادھر ملک کشمیر میں سونہ مرگ سے سورسیار تک، کھنہ بل سے کھادن یار تک اور بانہال ٹنل سے راجدھانی پاس تک سب حرکت میں آ گئے ہیں اور اپنی اپنی فوج لے کر ۳۷۰ خالی کی ہانڈی اور خیالی ۳۵/اے کا دفاع کرنے میدان میں آ گئے ہیں۔ جنہوں نے اتنے برس ان دو بے زبانوں کی بوٹی بوٹی نوچ تل کر ڈکاری وہ بھی اس کا دفاع کرنے میں پیش پیش ہیں۔ وہ بھی جو خواب خرگوش، خواب سرکار اور خواب مرد مومن میں مبتلا رہ کر بھی جمائیاں لیتے تھے، اب اس کے نام لیوا بن گئے ہیں۔ اور جو جمعہ جمعہ آٹھ دن سے سیاسی سُر تال میں مست و مگن ہیں، وہ بھی اپنے کمر بند باندھ کر دفاع خصوصی پوزیشن پر اڑ گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں عاشق و معشوق کی مانند روٹھے ہو تو مناؤں کیسے کے ہاتھ بھی یہی دفعہ ہاتھ لگی ہے کہ بات ہی نہیں مشورہ کرنے کو بھی تیار ہیں اور

ساتھ میں یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ ہم تو ہوشیار ہیں، خبردار ہیں، دیوانہ وار ہیں، بلکہ برسرپیکار ہیں۔ ادھر دلی دربار سے کنول بردار طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ اصل میں بے کار ہیں اور بقول اہل کشمیر بے کار کے تین کار ہوتے ہیں۔ خیر اب کی بار الیکشن سماچار یہ ہے کہ ان کے تین کار ۳۷۰/، ۳۵/اے اور الیکشن خم دار ہیں۔

ادھر جو کل تک کنول کی مہک سونگھنے دلی دربار میں پہنچتے تھے بلکہ قلم کنول برادری کو قطبین کا ملاپ کہتے تھے اور اسی تھاپ پر ایسا آلاپ جگاتے تھے کہ سیاسی سنگیت کی لے چینی وُڈر (بیج بہاڑہ) کے سیب اور ناگپور کے سنترے بھی سن پاتے تھے اور ایسا رنگ پکڑتے تھے کہ باقی لوگوں کو چھٹی کا دودھ اور بچپن کی ٹافی یاد دلاتے، وہ بھی اب ہل والے قائد ثانی کے ای ڈی (بمہربانی پی ڈی پی نہ سمجھیں) کے ذریعے چندی گڈھ میں پوچھ تاچھ کو سیاسی انتقام گیری کہتے ہیں اور ہم دلاور فگار کے مانند محسوس کرتے ہیں۔

پھر ایک لمحہ کو دونوں جسیم رہنما
نگاہِ یاس سے اک دوسرے کو تکتے رہے
جو کل تک کہا تھا ایک دوسرے کے خلاف
مارے شرم کے یاد کر کے تھکتے رہے

Published 5/8/2019

(ختم شد)

NARAI-E-MASTANA

by : Shafi Ahmed

مصنف، ایک تعارف

مصنف شفیع احمد سرینگر سے بیس کلومیٹر دور قصبہ کھریو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی اسکول میں حاصل کی۔ پھر سرینگر آکر سِول انجینیرنگ میں ڈگری اور بعد میں جرنلزم اور ماس کمیونیکیشن میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما حاصل کیا۔ کالم نگاری کے علاوہ دو انگریزی ناول The Half Widow اور Shadows Beyond the ghost town تحریر کیں۔ سرزمین کشمیر کی کہانیوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں شایع کرکے The Eternal Insight of Kashmir مشتاق برق کے ساتھ شریک ترجمہ کار بنے۔ اس کے علاوہ اردو انشائیوں کا مجموعہ ''لو آج ہم بھی صاحب کتاب ہوگئے'' شایع کی۔ پہلے روزنامہ ''وادی کی آواز'' اور بعد میں کئی سال تک ہفتہ وار کالم ''حظ و کرب'' عنوان سے کشمیر عظمیٰ اخبار کے لئے لکھتے رہے۔ طنز و مزاح سے بھرپور یہ کالم اخبار کی زینت بنتا۔ انہیں کئی اعزازات سے نوازا گیا ہے جن میں ضلعی انتظامیہ کل گام کی طرف سے ریپلک ڈے ایوارڈ، Strategic and Tactics Executives award اور غلام محمد ڈار یادگاری ایوارڈ، انس لٹریری اینڈ چیرٹیبل سوسایٹی اور کشمیر ڈرامہ فیسٹیول شامل ہیں۔ مصنف فکشن رائٹرس گلڈ کے صدر ہیں۔

کتاب کے بارے میں

زیر نظر کتاب طنز و مزاح سے بھرپور کالموں کا مجموعہ ہے۔ کئی برس پر پھیلے ہوئے ان کالموں کو کتابی صورت دینے کا مقصد مستقبل کے لئے محفوظ کرنا ہے کہ یہ جموں و کشمیر میں مختلف سیاسی اور سماجی اتار چڑھاو کے گواہ ہیں اور ان سے ضروری ریفرنس کے لئے بھی استعمال کیا جا سکے۔ اور ساتھ میں سیاسی و سماجی تبدیلیوں سے متعلق عام رائے کس قسم کی تھی اس پر بھی تبصرہ موجود ہے۔

پچھلے ۲۷ سالوں سے جموں و کشمیر کی سیاسی ناہمواریوں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور متواتر لکھا جا رہا ہے لیکن سیاسی اور سماجی موضوعات پر طنزیہ مضامین بہت کم لکھے گئے ہیں۔ کافی مدت سے ایک خلا سا پیدا ہو گیا تھا جسے شفیع احمد صاحب نے پُر کیا ہے۔ کشمیر کے سیاسی حالات اور دہلی کی بیڑیوں میں جکڑے مقامی حاکموں کی عیاشیوں پر شفیع صاحب نے بھرپور طنز کیا۔ کالم میں شفیع احمد کے اندر دَبی حس ظرافت پھوٹ کر جہاں قارئین کا دل گدگداتی تھی، وہاں اُن کے طنز کا تیر و نشتر کسی ظالم نوکیلی سوئی کی چبھن کی طرح قاری کے دماغ کی خبر لیتا ہے۔ یہ کالم قارئین میں بہت مقبول رہا۔

ISBN 978-93-6062-791-1

978- 93- 6062- 791- 1

www.ephbooks.com

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA

NARAI-E-MASTANA

by : Shafi Ahmed

مصنف، ایک تعارف

مصنف شفیع احمد سرینگر سے بیس کلومیٹر دور قصبہ کھریو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی اسکول میں حاصل کی۔ پھر سرینگر آ کر سِول انجینئرنگ میں ڈگری اور بعد میں جرنلزم اور ماس کمیونیکیشن میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما حاصل کیا۔ کالم نگاری کے علاوہ دو انگریزی ناول The Half Widow اور Shadows Beyond the ghost town تحریر کیں۔ سرزمین کشمیر کی کہانیوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں شایع کر کے The Eternal Insight of Kashmir مشتاق برق کے ساتھ شریک ترجمہ کار بنے۔ اس کے علاوہ اردو انشائیوں کا مجموعہ ''لو آج ہم بھی صاحب کتاب ہوگئے'' شایع کی۔ پہلے روزنامہ ''وادی کی آواز'' اور بعد میں کئی سال تک ہفتہ وار کالم ''حظ و کرب'' عنوان سے کشمیر عظمیٰ اخبار کے لئے لکھتے رہے۔ طنز و مزاح سے بھرپور یہ کالم اخبار کی زینت بنتا۔ انہیں کئی اعزازات سے نوازا گیا ہے جن میں ضلعی انتظامیہ کل گام کی طرف سے ریپلک ڈے ایوارڈ، Strategic and Tactics Executives award اور غلام محمد ڈار یادگاری ایوارڈ، انس لٹریری اینڈ چیریٹیبل سوسایٹی اور کشمیر ڈرامہ فیسٹیول شامل ہیں۔ مصنف فکشن رائٹرس گلڈ کے صدر ہیں۔

کتاب کے بارے میں

زیرِ نظر کتاب طنز و مزاح سے بھرپور کالموں کا مجموعہ ہے۔ کئی برس پر پھیلے ہوئے ان کالموں کو کتابی صورت دینے کا مقصد مستقبل کے لئے محفوظ کرنا ہے کہ یہ جموں و کشمیر میں مختلف سیاسی اور سماجی اتار چڑھاو کے گواہ ہیں اور ان سے ضروری ریفرنس کے لئے بھی استعمال کیا جا سکے۔ اور ساتھ میں سیاسی و سماجی تبدیلیوں سے متعلق عام رائے کس قسم کی تھی اس پر بھی تبصرہ موجود ہے۔

پچھلے ۷۲ سالوں سے جموں و کشمیر کی سیاسی ناہمواریوں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور متواتر لکھا جا رہا ہے لیکن سیاسی اور سماجی موضوعات پر طنزیہ مضامین بہت کم لکھے گئے ہیں۔ کافی مدت سے ایک خلا سا پیدا ہو گیا تھا جسے شفیع احمد صاحب نے پُر کیا ہے۔ کشمیر کے سیاسی حالات اور دہلی کی بیڑیوں میں جکڑے مقامی حاکموں کی عیاشیوں پر شفیع صاحب نے بھرپور طنز کیا۔ کالم میں شفیع احمد کے اندر دَبی حسِ ظرافت پھوٹ کر جہاں قارئین کا دل گدگداتی تھی، وہاں اُن کے طنز کا تیر و نشتر کسی ظالم نوکیلی سوئی کی چبھن کی طرح قاری کے دماغ کی خبر لیتا ہے۔ یہ کالم قارئین میں بہت مقبول رہا۔

ISBN 978-93-6062-791-1

978- 93- 6062- 791- 1
www.ephbooks.com

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA